PAGES MISSING WITHIN THE BOOK ONLY

TEXT CUT WITHIN THE BOOK ONLY

UNIVERSAL LIBRARY
OU_224230
UNIVERSAL LIBRARY

قیمت سالانہ قسم اول صہ

قیمت سالانہ قسم دوم عہ

Checked 1975

الناظر

معہ نمبر جلد ۸

یکم جنوری سنہ ۱۹۱۳ء

فلسفہ۔ (اوسکی ماہیت اور اُسکے مذاہب)	مسٹر عبد الماجد بی اے	۱
نیرنگ جمال کا تیسرا رخ (نظم)	منشی احمد علی شوق قدوائی	۲۱
جمیل و پشینہ نمبر ۳	مولوی جواد علی خان عالی	۲۶
گلہ نامۂ عشق (نظم)	کامل مرحوم لکھنوی	۳۷
شاہد علم سے خطاب	سید تفضل حسین ناثر	۳۹
ہفت بند حسینی (نظم)	مرزا کاظم حسین محشر لکھنوی	۵۰
غزل	سید الطاف حسین عالم لکھنوی	۵۲
اقوام یورپ کی تجارت صنعت و حرفت مین	"زید"	۵۳
ہوائی جہاز (نظم)	مولوی موسیٰ حسین اختر جلال آبادی	۶۰
نیرنگ جمال پر ایک نظر	ابو الرشاد	۶۳
داستان غم	سید محمد جعفر قدسی	۷۳
قطعہ	صدق جائسی	۷۴
پڑھا ہوا خاوند اور ان پڑھ بی بی	بدر النسا بیگم صاحبہ	۷۵
بیوفائی اور وفاداری (نظم)	سید غلام مصطفےٰ ذہین	[illegible]
غزل	سید محمد یوسف قیصر	۸[illegible]
قلعہ مراد	مسٹر محمد شفیع احمد منظری بی اے	۸۲
غزل	سید امین الحسن بسمل	۸۶
غزلیات	جناب جلیل۔ ریاض۔ کیفی و راز لکھنوی	۸۷
نظرے خوش گزرے		۸۹

کتب خانہ ... لکھنؤ

پیم کہانی وارث جانی

یہ وہ نادر کتاب ہے جس کا شہرہ قبل از طبع شائقین علم موسیقی مین ہو چکا ہے۔ اس سے ہر مذہب اور ہر مذاق کا آدمی لطف اٹھا سکتا ہے درویشون کے لیے تصوف بھرا ہے عاشقون کے واسطے حسن و عشق کا اچھا نقشہ ہے۔ خوش آوازون اور زندہ دلون کے لیے اس سے بڑھکر اور کیا ہو کہ ہندی زبان ہے۔ ٹھمریان بھجن اور بسنت وغیرہ اس سے بہتر گانے کے لیے اور کون سی چیز ہو سکتی ہے۔ اس کتاب کے مصنف حضرت سید شاہ امین صاحب قبلہ وارثی با خدا درویش ہین۔

یہ کتاب ذیل کے پتہ سے (عصہ) کو مل سکتی ہے۔

حیدر آباد دکن عقب مسجد چوک۔ مکان

عبداللطیف عطر فروش

سفوف برق

معدہ و جگر کیلئے تندرست اور اُنکے کام صحیح رہنے پر انسان کی تندرستی توانائی اور زندگی کا دار و مدار ہے۔ ورنہ معدہ کمزور ہونے سے بھوک کم لگتی ہے کچھ کچھ غذا کھائی جائے تو دیر مین ہضم ہونے کے علاوہ درد شکم اسہال نفخ ریاح قبض سینہ کی جلن وغیرہ تکلیف دینے والی شکائتین بڑھ جاتی ہین۔ جگر ضعیف ہوگا تو معدے سے آئی ہوئی رقیق غذا کو بخوبی جذب کرنے کی صلاحیت نہ رکھیگا بدن مین رطوبت زیادہ اور خون کم پیدا ہوگا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بدن زرد چہرہ بے رونق ہوجائے گا ضعف بڑھ جائے گا درد سر دل دھڑکنا کسی کام مین جی نہ لگنا سر گھومنا ہاتھ پیرون کا ٹوٹنا شروع ہوگا اور ایسا کمزور آدمی سنگرہنی ورم و درد معدہ بدہضمی قولنج بواسیر بادی۔ استسقا۔ طحال۔ پتھری۔ ریگ گردہ دمہ۔ گٹھیا کی بیماریون مین بہت جلد مبتلا ہوکر لب گور پہونچ جائے گا۔ پس چاہیئے کہ معدہ و جگر کی مندرجۂ بالا بیماریون مین بھی سفوف برق منگا کر استعمال کرین سفوف برق معدہ و جگر کی مندرجہ بالا بیماریون کو بہت جلد دور کر دینے مین اکسیر صفت ہے اور سفوف برق کے آزمانے والے نوابان رؤسا علماء و معززین کی رائے ہے کہ ہر گھر مین اسکی ایک شیشی رہنا نہایت ضرور ہے قیمت فی شیشی کلان ۱۲ر خورد ۶ر ایک آنہ کا ٹکٹ بھیجکر نمونہ مفت طلب فرمائیے۔

ابو الشفا حکیم محمد شمس الحسن مالک کارخانہ معدن الشفا گیا

ایک نظر ادھر بھی

قرآن شریف مترجم شمس العلما مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلی ایل ڈی کا ترجمہ سلیس اردو مین قیمت غیر مجلد عہ مجلد سے ر

فتوحات بہنسا - حالات محاربہ صحابہ کبار رض ترجمہ اردو کتاب مولانا محمد بن محمد المعز علیہ الرحمہ رومیون کی حکومت کا بیان مسلمانون کا راہ خدا مین ثابت قدمی سے جہاد کرنا قیمت عہ ر

اثبات التقدیر مسئلہ تقدیر کے متعلق مولوی اشرف علی تھانوی کی بے مثل کتاب قیمت ۲ر

موتیونکی کان جسمین زمانہ گذشتہ کے نامور بادشاہون نامی گرامی حکیمون اور شاعرون مشہور و معروف عالمون اور مشائخون کی بیش بہا اور قابل قدر نصیحتین بڑی عرق ریزی و جانفشانی سے انتخاب کرکے درج کی گئین مولفہ عفت مآب جنابہ بدر النسا بیگم صاحبہ قیمت ۴ر

تاریخ جنگ طرابلس مصور

(مولفہ قاضی عبداللطیف ایم اے۔ ایم آر۔ اے۔ ایس سابق ایڈیٹر اخبار دار السلطنت کلکتہ) جسمین جنگ طرابلس یعنے جنگ اٹلی و ٹرکی کے صحیح و چشم دید واقعات اس شرح و بسط کے ساتھ قلمبند کیے گئے ہین کہ اس جنگ کے متعلق جتنی کتابین شایع ہوئی ہین سب سے افضل و بہتر یہی کتاب ہے اور موقع موقع پر بہ تعداد کثیر تصاویر کے ہونے سے کتاب کی زینت دوبالا ہوگئی اور قدر و قیمت بڑھ گئی ہے ادبی خوبیون کے لیے مؤلف کا نام نامی کافی ضمانت ہے۔ اور ظاہری خوشنمائی اور اندرونی اوصاف کے لحاظ سے قیمت نہایت کم رکھی گئی ہے یعنے علاوہ محصول ڈاک صرف عہ ر

مینیجر الناظر بک ایجنسی امین آباد لکھنؤ

CHECKED 1968
DEC. 1951
Checked 1968
Checked 1968
1952
DEC. 1951

الناظر

نمبر ۴۳ جلد ۸ یکم جنوری سنہ ۱۹۱۳ع

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فلسفہ

اسکی ماہیت اور اسکے مذاہب

ہمارے عزیز دوست مسٹر عبدالماجد بی اے جنکی اعلیٰ قابلیتون کا یہ قیمتی مضمون ایک ادنیٰ نمونہ ہے ملک کے اُن نوجوانون مین ہین جنکے مستقبل سے خوش آیندترین امیدین وابستہ ہین اور جو یقیناً ہمارے ملک کے باشندون کی آیندہ زندگی پر ایک گہرا اور مفید اثر ڈالنے والے ثابت ہونگے - علم کا شوق اور ذوق سلیم دونون چیزین فطرت کی ایسی بابرکت نعمتین ہین کہ جسکو حاصل ہوجائین اُسکی زندگی کو تمام دنیا کی نعمتون سے مستغنی کردین - بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ دنیا روپیہ اور اصحاب زر کی ملک ہے لیکن یہ وہ کیفیت ہے جو صرف خیالات کی سطح پر ظاہر ہوتی ہے - اگر ہم دنیا کے حالات اور گزشتہ تاریخ کا کافی مطالعہ کرین اور عمیق غور وخوض سے کام لین تو ہمین صاف معلوم ہوجائیگا کہ اس بالائی تہ کے نیچے ایک اصلی حقیقت مضمر ہے اور وہ یہ ہے کہ دنیا اور اہل دنیا پر علم اور تخیل کا پورا تسلط ہے -

ہم اپنی موجودہ حالت تنزل مین اپنی بے مایگی اور زبون حالی کے اسباب کی تلاش جب کرتے ہین تو ہماری نظر دور نہین جانے پاتی اور ہمکو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر آج ہمارے قبضہ مین سونے چاندی کی اینٹین یا تعلقے اور زمینداریان ہون تو ہم سے زیادہ کوئی عزت یافتہ اور موقر نہین ہوسکتا - لیکن یہ خیال ایک سراب ہے جس نے ہزارون لاکھون بندگان خدا کو ابلہ فریبیون کا شکار بنا کر دین و دنیا سے کھو دیا ہے اور جس کی اصلیت کو نہ جاننا ہماری ملک و قوم کی سب سے بڑی بدنصیبی ہے - واقعہ اصلی یہ ہے کہ زر و سیم کے ڈھیر اور لعل و الماس کے انبار ایک ہوا پرست اور لاتعقل ہستی کی نگاہ مین چاہے کتنی ہی بیش قیمت اشیاء ہون لیکن اصحاب نظر اور اہل دانش کے خیال مین انکی حیثیت ایک جنس تبادلہ سے زیادہ نہین

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر آج ان اشیاء کی بہت زیادہ تعداد ملک بھر مین پھیل جائے اتنی زائد کہ لوگون کو اسکی ضرورت و خواہش نہو یا تمانہ کا فیشن اور مذاق ان چیزون کی طرف سے مُنھ پھیرے تو پھر انکی کوئی قدر و قیمت باقی نہ رہے - ابھی پچاس سال ادھر گجرات کے ملاح اور جہازران جب رنگون مین پہونچتے تھے تو پیسہ دو پیسہ کی چیز دے کر سیرون چاندی سونا اُنکو ملتا تھا اور ملا ابراہیم مرحوم جو بعد مین شاہ تھیبا کے وزیر بھی ہوگئے تھے اسی کاروبار سے پہلے پھولے تھے اور رنگون پر کیا موقوف ہے ایسی صدہا مثالین دوسرے مقامات پر بھی ملتی ہین - خود ہمارے ہندوستان مین بسا اوقات نہایت ارزان مگر نئی وضع کی اور خوبصورت ولایتی اشیا اپنی اصلی قیمت سے سوگنی پر فروخت ہوتی ہین - اسی پر تمام اجناس تبادلہ اور ہر قسم کی دھاتون اور قیمتی پتھرون کو قیاس کر لینا چاہیے -

لیکن اصلی قدر و قیمت کی وہ چیز ہے جسکی قیمت مین کمی کے بجاے تعداد کی بہتات و فراوانی کے ساتھ ساتھ بیشی ہوتی جاتی ہے - جس کا تبادلہ کسی قیمتی سے قیمتی چیز سے ممکن نہین - جسکو نہ چور کا خطرہ ہے نہ راہزن کا ڈر - جس کے اوپر نہ زمیندار کا ٹیکس ہے نہ گورنمنٹ کی مالگذاری - اور وہ کیا ہے ؟ علم - علم - علم -

ہمارے دوست کو اسی کی طلب صادق سے بہرۂ وافر ملا ہے اور اگرچہ ہمارے ملک کی بدقسمتی سے یہان اُسکے حصول کے ذرائع بقدر آسان نہین جیسے کہ دوسرے ممالک متمدنہ مین ہین تاہم ہمین امید کامل ہے کہ مسٹر عبدالماجد ایک دن علمی زندگی کے اُس اعلیٰ درجہ پر فائز ہونگے جہان پہونچنے کے بعد ہی یہ راز افشا ہوتا ہے کہ

معلومم شد کہ ہیچ معلومم نیست

اسی مضمون کے ساتھ ہمارے دوست نے جو خط لکھا ہے اُسکے بعض حصے اس قابل ہین کہ پبلک سے روشناسی حاصل کرین اس وجہ سے ہم ان کو بجنسہ درج ذیل کرتے ہین :-

"اُس مضمون کے پڑھنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ یونان و یورپ کے فلسفہ کی اجمالی تاریخ ہے - مین چاہتا ہون کہ اس طرح کے مضامین کا ایک پورا سلسلہ نکالون، جس کے ہر مضمون مین ایک ایک مشہور فلسفی کے مذہب کی تلخیص ہو، اس مجوزہ سلسلہ کے چند عنوانات یہ ہین :- افلاطون اور عالم مثال، ارسطو اور اخلاقیات، ارسطو اور فن منطق، اسپینوزا اور وحدت وجود، مل اور قوانین استقرا، کینٹ اور علمیات، برکلے اور روحانیات، لاک اور تجربیئت، کومٹ اور فلسفۂ حسی، وغیرہ - اس طرح اس سلسلہ کے پورے ہوجانے پر اُردو مین تمام اہم مسائل فلسفہ، ایک خاصی تفصیل کے ساتھ آجائینگے - یہ کام آپ خوب سمجھ سکتے ہین کہ آسان نہین - ایک بہت بڑی دقت اصطلاحات علمی کے متعلق ہے ہر نئی اصطلاح کے وضع کرتے وقت اگر کوئی معمولی سا اردو کا لفظ رکھیے، تو وہ اصطلاحی شان نہین رکھتا اُسمین سوقیت نظر آتی ہے، اور اگر کوئی عربی لفظ، تلاش کر کے لائیے، تو وہ کانون کو نامانوس معلوم ہوتا ہے - بہرحال، یہ دقت بھی اگرچہ

نیرنگِ جمال

کا

تیسرا رخ

(سلسلہ کے لیے دیکھو الناظر نمبر ۴۱ مورخہ یکم نومبر ۱۹۱۲ء)

ٹرین چھوٹ جانے کے بعد عاشق اپنی انجان معشوقہ کی یاد اور اُس کے فراق سے ایسا بے حواس ہوتا ہے کہ جنون کے جوش مین اپنے خیال سے باتین کرتے کرتے گھر بار تج کے جنگل کی راہ لیتا ہے۔

لگی ہے آگ دل مین اس کو کس طرح بجھاؤن مین
کہین اُتر پڑی ہو "وہ" کہان اب اُس کو پاؤن مین

ٹرین جس طرف گئی اُسی طرف کو جاؤن مین
مگر ہے لائن منزلون کی۔ کیا پتا لگاؤن مین

وہ شکل دل مین ہو مگر وہ رخ نظر سے دور ہے
جو دور ہے تو ہو۔ مرے خیال مین ضرور ہے

نگاہ ناز کچھ ادھر سے کچھ اودھر سے لے گئی
سکون دل سے لے گئی۔ لہو جگر سے لے گئی

وہ زور تن سے لے گئی۔ وہ ہوش سر سے لے گئی
تمام چیزین لوٹ کر وہ میرے گھر سے لے گئی

کرو جو فرض مجھ کو گھر تو گھر مین کچھ نہین رہا
رہا تو داغ عشق کا۔ یہی کہین کہین رہا

مرے سکوت مین ہو نالہ۔ اُس کی چپ مین آہ ہے
مجھے بھی اُسکی چاہ ہے۔ اُسے بھی میری چاہ ہے

نظر نظر کی آشنا ہے۔ دل سے دل کو راہ ہے
کشش کا عشق ادھر گواہ حُسن اودھر گواہ ہے

وہ غم کی چوٹ اپنے دل پہ سہہ رہی تھی کچھ نہ کچھ
خموشی اُسکی چتونون سے کہہ رہی تھی کچھ نہ کچھ

یہ کہتی تھی ادا کہ دل کے لینے کی یہ گھات ہے
یہ کہتی تھی حیا کہ اُس کے دل مین کوئی بات ہے

یہ کہتی تھی نظر کہ تم پہ چشمِ التفات ہے
یہ کہتی تھی وہ زلف۔ لوٹ لون گی مین کہ رات ہے

یہ کہتے تھے وہ لب ہو دل یہ دانت۔ اُسکو لینگے ہم
یہ کہتے تھے وہ دانت۔ دل کو پاکے پیس ڈینگے ہم

وہ ترچھی چتون اور وہ نظر بچا کے دیکھنا
وہ ٹیڑھی گردن اور ادھر کو مسکرا کے دیکھنا

وہ اُس طرف کو جاکے پھر ادھر کو آ کے دیکھنا
وہ چشم نیم باز کی ادا دکھا کے دیکھنا

وہ آنچل اُسکے سر کا رخ کی سمت کچھ جھکا ہوا
وہ پیار کا نظارہ کچھ حجاب سے رُکا ہوا

وہ عشق پر نگاہ لطف حُسن دل نواز سے
وہ تیوریان چڑھی ہوئی شکن جبین پہ ناز سے

وہ تپلیون کا کچھ ظہور چشمِ نیم باز سے
وہ دل کا راز کھولنا نگاہ عشوہ ساز سے

وہ رُخ اودھر۔ مگر ادھر بھی اک ذرا پھرا ہوا
وہ بال جن مین گھونگھر ان مین دل مرا گھرا ہوا

بجھی سی اور لمسی میرے سامنے کھڑی تھی وہ
جو دانت اُسکے لب پہ تھے تو سوچ مین پڑی تھی وہ
اثر یہ صرف عشق کا تھا۔ اور کچھ کبھی نہ تھا

یہ دیتا تھا کھنچاؤ اُسکے جسم کا مجھے خبر
اگرچہ اُسکی اوڑھنی پڑی تھی اُس کے جسم پر
وہ چھپ گئی۔ اور میری شکل آنکھون مین کھبی ہوئی

جو ڑبڈبا تے اُس کے اشک ضبط درد سے کبھی
ٹرین چھوٹنے کی گھنٹی اتنے مین جو بج گئی
ہلی کچھ اُٹھ کے اُسکی اُنگلی اور ہل کے رہ گئی

ٹمک رہی تھین چلتے وقت حسرتین نگاہ سے
وہ دے رہی تھی یہ پیام پتلیون کی راہ سے
نگاہ کہتی تھی۔ جو پھر ملو تو دیکھ بھال لون

وہ چلتے چلتے کاہشین مرے جگر کو دے گئی
وہ چلتے چلتے داغ دل کو۔ درد سر کو دے گئی
وہ مجھ سے۔ مجھ کو لے گئی۔ مین ہاتھ مل کے رہ گیا

تھی کوئی بات زیر لب کہ اُسکے لب ہلے تھے کچھ
حیا کے پردے مین نہان ضرور حوصلے تھے کچھ
مجھے وہ جھانکتی گئی تھی بے قرار دور تک

وہ جھانکی دور سے مجھے جو ضعف دھڑ نکال کر
غضب ہی ڈھا گئی وہ آخری نگاہ ڈال کر
گیا دل اُسکے ساتھ۔ دل کا ذکر اب جنون ہے

جگر کا خون ہو چکا۔ سفر ہے کیا جگر کرون
مگر وطن سے دل ہٹا تو گھر مین کیا بسر کرون
خدا کا نام لے کے اب۔ وفا کو ساتھ لیکے اب

جنون مین گھر سے جی ہٹا تو آگ اب لگاؤن مین
جگر مٹا۔ لہو گھٹا۔ نیا کہان سے لاؤن مین

جب آئی تب تھی لال لال۔ زرد اس گھڑی تھی وہ
نظر تر آب اشک سے تھی مجھ سے جب لڑی تھی وہ
کہ رنگ اُسکے رخ پہ جو ابھی تھا وہ ابھی نہ تھا

کہ ضبط غم سے لے رہی ہے سانس کھینچ کھینچ کر
مگر نفس سے۔ مدّو جزر صاف آتا تھا نظر
غریب لے رہی تھی سانس بار بار آبی ہوئی

تو گرد کے بہانے منھ کے ساتھ آنکھین پونچھتی
تو چند لمحون کی امید بھی مٹی رہی سہی
یہ کہہ رہا ہے دل کہ کچھ اشارے سے وہ کہہ گئی

کسے تھے لب کہ کام اُنھین پڑا تھا ضبط آہ سے
کہ لے چلی ہون دل بھرا ہوا تمھاری چاہ سے
بلا کی سحر ساز ہون۔ مین جان تک نکال لون

وہ چلتے چلتے حسرتین مری نظر کو دے گئی
وہ چلتے چلتے پُر چک آہ بے اثر کو دے گئی
ٹرین چل کھڑی ہوئی تو دل اوچھل کے رہ گیا

دبے دبے ہلے تھے وہ۔ کھلے تھے کچھ۔ ملے تھے کچھ
مین ساتھ ہی چلا نہ کیون۔ اسی کے بس گلے تھے کچھ
کہ دل کو کھینچتا رہا نظر کا تار دور تک

تو گرتے گرتے رہ گیا مین اپنا دل سنبھال کر
یہ مجھ سے کہہ گئی کہ بیٹھ غم کو دل مین پال کر
سمٹ کے خون جم گیا۔ یہ دل نہین ہے خون ہے

جگر کرون تو جستجو کہان کرون کدھر کرون
ادھر پھرون۔ اودھر پھرون۔ کہین پھرون سفر کرون
چلون مین اپنے ہاتھ مین جنون کا ہاتھ لیکے اب

خیال کس طرف بٹا۔ یہ کس طرح بتاؤن مین
جو غم سے رنگ رخ کٹا تو منھ کسے دکھاؤن مین

سلام اب ہی ہوش کو۔ جنون اُس کو کھو چکا — پیام اب ہے جوش کو کہ خون گرم ہو چکا
چلوں نکل کے گھر سے اب۔ جہان ملے۔ وہین سہی — جو مل گئی تو مل گئی نہین تو کچھ نہین سہی
اجل نصیب ہی مین ہے۔ یہان نہین۔ کہین سہی — جو گور کو وطن نہین تو دشت کی زمین سہی
یہان تو چین آ چکا۔ یہان تو اب مین رہ چکا — وطن کو خیر باد کہہ۔ جنون یہ مجھ سے کہہ چکا
جنون کی زد مین آ گئی۔ ہے میری قسمت او وطن — بڑھا دے دے رہی ہے آج مجھکو وحشت او وطن
پٹک چکا ترے ہی سر۔ تیری محبت او وطن — مین تجھ سے رخصت او وطن۔ مین تجھ سے رخصت او وطن
نظارہ گھر سے تنگ ہے۔ یہ خوش ہو تو فضا سی ہو — شگفتہ اب ہو دل مرا تو دشت کی ہوا سے ہو
یہ باغ مجھکو داغ ہے۔ یہ نوکِ برگ۔ آر[۱] ہے — شجر سے کیا نہال ہون کہ جو ثمر ہے بار ہے
گلون سے ہے خلش کہ شاخ شاخ خاردار ہے — جلا ہوا ہے اِس سے دل۔ انار کیا ہے۔ نار ہے
بنا ہے رنگ خون کا نظر مین رنگِ ورد آب — گلی سے دل ہے تنگ آب۔ ہوا سے دل ہے سرد آب
یہ ساز و برگ گرد ہے۔ یہ زر نظر مین کچھ نہین — ہزار چیزین گھر مین ہین۔ مگر نظر مین کچھ نہین
نظر مین "وہ" ہے تو اِدھر اُدھر نظر مین کچھ نہین — وہی نہین جو گھر مین تو یہ گھر نظر مین کچھ نہین
پڑے جو اوس گھر پہ تو بلا سے کوئی کیا کرے — اُڑے جو خاک گھر مین تو ابھی اُڑے خدا کرے
جنون تو چاہتا ہے یہ کہ آج ہی یہ گھر گرے — جو کوئی چیز ادھر گرے تو کوئی چیز اودھر گرے
مین دیکھ لون کہ چھت گری مین دیکھ لون کہ در گرے — مین دیکھ لون کہ جھاڑ چھن سے سب زمین پر گرے
یہ فرش فرشِ خاک ہو۔ یہ صحن صحنِ دشت ہو — بلا کا اس پہ وار ہو۔ فنا کا اس پہ گشت ہو
جنون نے خوب تاک کر۔ جنون نے خوب تاڑ کر — جمایا مجھ کو دشت پر۔ وطن سے دل اُکھاڑ کر
اُڑا چکا مین دھجیان۔ لباس پھاڑ پھاڑ کر — بس اب تو چل کھڑا ہوا مین دامن اپنا جھاڑ کر
ہے خار یہ نہال گل۔ مجھے ببول چاہیے — جنون کا رنگ زرد ہے تو زرد پھول چاہیے (چل کھڑا ہوا)

(کوہستان کے جنگل مین)

یہ دشت جس کی ریت پر ہین خاردار جھاڑیان — یہ بیچ مین نشیب اور اِدھر اُدھر پہاڑیان
پہاڑیون کی گھاٹیون پہ چڑھ رہی ہین گاڑیان — نشیب مین وہ کھیت ہین مین چل رہی ہین ناڑیان[۲]
یہ سبزہ لہلہا رہا ہے۔ سبز سب زمین ہے — وہ لالہ پھول پھولا رہا ہے۔ کیا مزے کا سین ہے
یہ گردِ چشمہ چشمہ کیل بن[۳]۔ قریب کوہسار ہے — کھڑے ہین سبز رنگ یا یہ پیڑون کی قطار ہے
ہوا سے برگ ہل رہے ہین۔ وجد مین بہار ہے — جنون زدہ ہین سب لباس ان کا تار تار ہے

[۱] آر وہ ہے کہ اُس خار کو کہتے ہین جیسے چھوٹے بیلون کو ہانکتے ہین۔ [۲] ناڑی کھیت جوتنے کے چار بیلون کی جوڑی ہے [۳] کیل بن کیلون کے جنگل کو کہتے ہین

سیاہ پتھر اُس پہ آب صاف کی چمک ہے وہ
مسلسل اک لکیر کوہ سے زمین تک ہے وہ

یہ صاف صاف چشمہ جس مین پھرتی ہین مچھلیان
کبھی ہین سطح پر عیان۔ کبھی عمق مین ہین نہان

بدن سپید۔ پشت سبز۔ اُس پہ سرخ دھاریان
دُمون کی جنبشون سے ہین ادہر روان اودہر روان

وہ رُوہو اُس طرف اُٹھا۔ وہ اُڑ کے بوندے گیا
اُلٹ کے پھر پلٹ گیا۔ نظر کو لطف دے گیا

بہولین کیا ہری ہین۔ رام پھل ہین کس بہار کے
وہ پیڑ ساگون کے ہین۔ وہ ساج وہ اچار کے

ہین کس قدر کٹیلے۔ پتلے پتلے پیڑ آرشہ کے
شجر لپٹے گرد۔ بیچ مین ہین چند پیڑ انار کے

یہان تھی باولی کبھی کہ ہے نشان ابھی جگہ
اُگنگے دیتے ہین پتا کہ تھا مکان اس جگہ

اُدھر وہ نیندوا اور اِدھر یہ مین پھل بھی پھل چلے
کروندون مین ہین کچھ تو پھول۔ کچھ ثمر نکل چلے

انار خام ہین مگر یہ رنگ اب بدل چلے
بھلا وین مین بہت ہین پھول کچھ کچھ ان مین ڈھل چلے

وہ چھتے شہد کے ہین۔ ہوگا شہد بھی بھرا ہوا
یہ کھیان ستم کی ہین۔ مین ان سے ہون ڈرا ہوا

دکھا رہا ہے برگ اپنے بال سر سے پاؤن تک
حسین قد یہ ہے بلا کا جال سر سے پاؤن تک

ہے جوگیون کی شکل ڈھاک لال سر سے پاؤن تک
اچار مین ہین دل فریب خال سر سے پاؤن تک

یہ آملے کے پیڑ مین ہین آملے پھلے ہوئے
وہ گولر اُن مین خام ابھی بہت ہین کم گلے ہوئے

اگن وہ بول اُٹھا ہے۔ کس بلا کا نغمہ زا ہے یہ
لٹورے کی صدا بھی خوش ہے۔ خود بھی خوشنما ہے یہ

یہ ڈال پر ہے دھیرا اور کیا چہک رہا ہے یہ
وہ ایک مور آرہا ہے۔ کتنا دل ربا ہے یہ

ہزار ہا طیور ہین مین کس کا کس کا نام لون
صداؤن سے یہ چھین لین جو دل کو مین تھام لون

سپید شے اک آرہی ہے وہ پہاڑ پر نظر
کٹی کسی فقیر کی ہے شاید اوس پہاڑ پر

وہ گیروے لباس مین فقیر آئے چند اُدھر
وہ جلد جلد کھودنے لگے زمین بیٹھکر

وہ گنڈ ہے کھودتے ہین بس یہ کھودنے کی شے وہی
غذا لطیف جنگلون مین کوئی ہے تو ہے یہی

کرار مین وہ لونک اوٹھا ہے سامر این۔ یہ کیا ہوا
نکل گیا وہ نیل سامنے سے بھاگتا ہوا

ہے کیا سبب کہ بندرون مین یون ہے غل مچا ہوا
ضرور شیر آپڑا اور ان کا سامنا ہوا

وہ دوسیار بول اُٹھے ایسی ہی ڈر رہی ہین وہ
کہ سئورون پہ جا پڑا کہ شور کر رہے ہین وہ

وہ ایک ریچھ آرہا ہے۔ کیا بُری بلا ہے یہ
ستم کی چوٹ آپڑی۔ غضب کا سامنا ہے یہ

مراچان پیڑ پر بندھا بھی ہے تو کیا ہے یہ
کہ چڑھ کے پیڑ پر بھی آدمی کو مارتا ہے یہ

مین چڑھ کے اپنے پیڑ پر ریوالور سنبھال لون
چھرا مچان پر ہے۔ اُسکو میان سے نکال لون

کیمو بونڈ لینا روہو اور بولی دغیرہ مچھلیون کی فطرت مین ہے۔ اسی حالت مین یہ شہد کی چوٹ کھاتی ہین ۵۲ رام پھل شل شریفے کے جنگل کا ایک عمدہ میوہ ہے۔
[illegible]

[illegible]

وہ لکڑی ٹوٹی چٹ سے ۔ کون داہنے سے آ پڑا
آہی توبہ ۔ سامنے وہ کیا ہے تیندوا کھڑا

وہ ریچھ ۔ اور تیندوا ۔ ہے اِن کا سامنا کڑا
ملا تھا کل جو تیندوا ۔ یہ اُس سے ہے بہت بڑا

وہ سونٹ کتے بول اُٹھے ۔ وہ آیا اُنکا غول اودہر
نہ شیر کا ۔ نہ ریچھ کا ۔ نہ تیندوے کا آب ہے ڈر

فقیر نے جو دی تھین کل ۔ وہ روٹیان نہین رہین
کہان تلک یہ پھول پھل ۔ مین ڈھونڈھون گوشت اب کہین

ندی ہے اُس پہاڑ کی کرار مین ۔ چلون وہین
ہین چیتل اُس طرف بہت ۔ نہ ہو جو چو سینگا نہین

ریوالور بہت بڑا ہے ۔ کام دے ہی جائے گا
نہ ہل سکے گا جانور جو گولی اس کی کھائے گا

کہان کا چیتل ۔ اور کہان کا چو سنگا ۔ مین ہون کہان
مرا خیال جا پڑا ۔ کہان سے ۔ کیا کہون ۔ کہان

وہ سر کی بد دماغیان ۔ وہ تن کا جوش خون کہان
مین کیونکر آیا ہوش مین ۔ چلا گیا جنون کہان

غذائے روح ہے یہی ۔ فضا ادہر ۔ فضا اودہر
نہ روک ہے ۔ نہ ٹوک ہے ۔ ہوا ادہر ۔ ہوا اودہر

اودہر بہار دشت مین ۔ اودہر بہار دشت مین
یہ جھاڑیان ۔ یہ بیلین ۔ یہ شجر ۔ یہ خار دشت مین

غذاؤن کی کمی نہین کہ ہین ہزار دشت مین
یہ آبِ صاف دشت مین ۔ یہ برگ و بار دشت مین

ہزار لطف ہین ۔ مگر جو "وہ" نہین تو کچھ نہین
ہوا کرین گل و ثمر ۔ جو "وہ" نہین تو کچھ نہین

بس اب وہ یاد آگئی ۔ خیال اودہر کو ہٹ گیا
نظر مین گال پھر گئے ۔ دل ان گلون سے ہٹ گیا

جگر کا خون ہو گیا ۔ یہ چوٹ کھا کے پھٹ گیا
دماغ ادہر جو پھر گیا تو قلب اودہر اُلٹ گیا

یہ زندگی وبال ہے ۔ یہ جان بار جسم کو
لہو ہے آگ جسم کو ۔ نفس ہے خار جسم کو

کسی ثمر مین زہر ہو تو مین خوشی سے کھا مرون
ادہر جو شیر آب آ پڑے تو اُسکے مُنہ مین جا مرون

جو پھر مرا تو کیا مرا ۔ ابھی مین اسے خدا مرون
مین آج بے اجل مرون ۔ مین آج بے قضا مرون

اجل ضرور آئے گی ۔ ابھی نہین ۔ کبھی سہی
کبھی کا انتظار کیون ۔ ابھی سہی ۔ ابھی سہی

اجل اگر کرم کرے تو غم سے چھوٹ جاؤن مین
فرشتہ موت کا کہان ہے ۔ کیونکر اُسکو پاؤن مین

بگڑ کے سم ہوا ادہر تو آج تجھ کو کھاؤن مین
پھٹ اوزمین تو ابھی کہ گور مین سماؤن مین

وہ ہل سکے ۔ مین ہل سکون ۔ خیال وہ خیال ہے
وہ آسکے ۔ مین جا سکون ۔ محال وہ محال ہے

وفا مین مر رہا ہون مین ۔ شجر شجر گواہ ہے
یہ برگ برگ شاہد اور ثمر ثمر گواہ ہے

یہ گھاٹیان ۔ یہ کوہ کا حجر حجر گواہ ہے
طیور دیکھتے ہین سب ۔ نظر نظر گواہ ہے

جو آئے کام تو ہے تجھ سے ایک کام اے ہوا
کہ شوق تک پہونچ کے کہہ مرا سلام اے ہوا

احمد علی شوق ۔ قدوائی

[illegible]

۱؎ شیر اور تیندوے ریچھ پاؤن کی آہٹ پر ہین لیکن صرف لکڑی کے ٹوٹنے سے معلوم ہوتی ہر ۲؎ سونٹ کتے جنگلی ہوتے ہین اُن سے شیر اور تیندوے سب بھاگتے ہین ۔ ۳؎ چو سنگا ہرن سے چھوٹا اسی شکل کا ایک صحرائی جانور جسکے چار سینگ برابر کے ہوتے ہین [illegible]

جمیل و بثینہ

نمبر ۳

حسن - آپ کی معیت کو مین اپنے لیے باعث برکت خیال کرون گا۔ کیونکہ آپ بزرگ اور درجے مین بجاے والد کے ہین۔ اتنا کہکر وہ اس طرح خاموش ہوگیا گویا کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر حیا یا کسی اور احساس نے اُسکی زبان روک دی۔

شیخ نے اس امر کو محسوس کر کے نہایت شفقت سے کہا کہو کہو جو تمھارے دل مین ہو۔ حجاب مت کرو۔ مجھے تم اپنا خادم خیال کرو۔ ایسا خادم جو تمھاری ہر ایک خدمت بجالانے کو تیار رہے اور کسی امر مین اُسے عار نہو۔

حسن - جب آپ ازراہ شفقت یون فرماتے ہین تو اب مجھے کوئی امر اظہار حال سے مانع نہین ہو سکتا۔ اگرچہ زبان لحاظ وغیرت سے اب بھی نہین کھلتی ۔ تاہم امتثالاً للامر عرض کرتا ہون کہ مدینہ کے ایک غزال رعنا کی سرگین آنکھون نے مجھپر جادو ڈالا ہے' اسلیے مدینہ سے جانے پر دل رضامند نہین ہوتا جبتک کہ اس حسینہ کی لطف صحبت سے کوئی بہرہ نہ حاصل کرلون۔ مجروح دل کی بیقراریان جیسی کچھ پریشان کن اور مضطرب ہوا کرتی ہین اُسکا حال غالباً آپ سے جہان دیدہ اور سرد و گرم چشیدہ بزرگ سے مخفی نہ ہوگا۔

شیخ رنجور - مین اس حال سے خوب واقف ہون۔ باقی آپ یہی چاہتے ہین کہ مین اس خصوص مین آپ کی ازواری اور معاونت کا فخریہ عہد کرون' کیا آپ مجھے یہ بتائین گے کہ اُس گل رعنا کا نام کیا ہے؟ اور اسکا کس خاندان سے علاقہ ہے؟

حسن - آپ سے چھپانا ہی کیا ہے وہ سمیہ بنت غرنجہ ثقفی ہے۔ حسن اس جملہ کو ختم بھی نہ کر چکا تھا کہ شیخ کا چہرہ حیرت سے زرد پڑ گیا۔ خدا جانے اس نام مین کیا ایسا اثر تھا کہ اُسکے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اُسکے بدن مین ایک لرزہ سا پیدا ہوا۔ جس سے اُسکی ریش مقدس بھی پھر پھرانے لگی۔ حسن اس کیفیت کو شیخ کے چہرہ سے تاڑ گیا' مگر اب کیے تو کیا۔ ادہر شیخ اس خیال مین تھا کہ تعلق ایسے گھر کا ہے جس کا رئیس العائلہ نہایت پُر خطر خائن۔ اور بدطینت مشہور ہے۔ اور جس کے نہایت گہرے تعلقات طارق شریف مدینہ سے آج کل قائم ہو رہے ہین' وہ کچھ کہنے کے لیے زبان کھولنا چاہتا تھا۔ مگر پھر خود ہی زبان روک لیتا تھا'

حسن - آپ کو کسی راز کے انکشاف یا خفایا کے سراغ لینے کی تکلیف نہ دی جائے گی۔ اس واقعہ کی خبر آپ کو کردی گئی بس یہ کافی ہے۔ صرف اسی قدر میری آرزو تھی اور حالات مین بعد دریافت اور عندیہ لینے کے عرض کرونگا

تمیمہ میری خطیبہ (منگیتر) ہے اور میرے اُسکے درمیان نہایت واثق و پختہ عہد ہے۔ جسے کوئی بڑی سی بڑی طاقت بھی متزلزل نہین کر سکتی۔

اسکے بعد دوسرے معاملات پر حسن مین اور اُس مین دیر تک محاورت (گفتگو) ہوتی رہی۔ پھر سلسلۂ سخن کا رکنا تھا کہ حسن کے خیالات اُسی عالم فکر و تردد مین ڈانوان ڈول ہوگئے۔ دل ہی دل مین اُس نے کہا "اگر عبداللہ مجھے مدینہ مین مل گیا تو اُس کو سامان سفر اور خالد کے خط کی تلاش و جستجو کے لیے یہان چھوڑ جاؤنگا۔ ورنہ اسکے سوا کیا چارۂ کار ہے کہ مضمون خط کو زبانی عبداللہ بن زبیر کے گوش گزار کرون گا۔

اس منصوبہ کے بعد وہ اُٹھا اور شیخ سے اجازت سفر کا خواستگار ہوا۔ شیخ نے اُس سے کہا "اس حالت مین کہ تمھین جانا ضروری ہے مین جانے سے مانع نہین ہوتا۔ مگر یہ رائے آپ کو ضرور دون گا۔ کہ اس وقت اُس راہ سے قصد سفر نہ کیجیے جس سے رات کو گئے تھے۔ دوسرے راستہ سے جائیے۔ آپ کے ساتھ میرا خادم ہوگا۔ جو بجاے آپ کے خادم کے آپ کے اونٹ کی مہارے چلے گا۔ آپ ذرا صبر کرین کہ مین اونٹ آپ کے لیے منگواؤن۔ دوسری عرض یہ ہے کہ اپنے محل مقصد تک مجھے اور سلیمان کو آپ اپنا خادم تصور کر کے قابل اعتماد خیال کرین"۔

بعد ازان بلال کہکر اُس نے آواز دی۔ تو ایک خفیف السواد حبشی غلام دست بستہ حاضر ہوا جس کو شیخ نے حکم دیا کہ ایک اونٹ مع سواری کے تیار کرو۔ مشکیزہ پانی سے بھر لو اور زاد سفر باندھکر تیار ہو جاؤ۔ یہ حکم سُن کر خادم چلا گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد آ کر جواب دیا "سیدی! سب سامان تیار ہے"۔ اب شیخ نے حسن سے کہا "بسم اللہ آپ سوار ہون اور بلا توقف یہان سے روانہ ہو جائین۔ اور ہرگز ہرگز راستہ مین کہین نہ ٹھہرین۔ جبتک کہ مدینے سے کسی منزل پر نہ پہنچ جائین"۔

قطع کلام کر کے حسن نے کہا کہ ہان یہ بات میرے ذہن سے جاتی رہی تھی کہ مجھے راستے مین صبح کو ڈاک کے تین اونٹ بھی ملے تھے مین جہان تک خیال کرتا ہون وہ مکہ سے آرہے تھے۔

شیخ زنجور۔ کیا عجب ہے کہ وہ کمک بھیجنے کے متعلق کوئی حکم شریف کے پاس لائے ہون۔ یا فتح کی خوشخبری لے کر آئے ہون۔ یا کچھ اور ہو بہرحال ان مین سے کوئی صورت بھی ہو مین تو نقل مکان آج ہی کیے دیتا ہون۔ اور دو تین روز کے لیے عزلت گزین ہو جاتا ہون کہ کہین امداد وغیرہ مطلوب ہو اور جانے کی مصیبت گلے نہ آن پڑے۔

اسکے بعد حسن رخصت ہو کر اونٹ پر سوار ہوا۔ اور بلال ہمراہ رکاب ہوا۔ اگرچہ حسن کی دلی تمنا اس وقت یہی تھی کہ جانے سے پہلے کسی طرح تمیمہ کو ایک نظر کہین دیکھ لے۔ لیکن یہ خوف بھی لگا ہوا ہے کہ اس خیال مین کسی دوسری مصیبت مین نہ پھنس جائے۔ اور توقف بالاے توقف کا معاملہ ہو جائے۔

سمیہ اور ...... کا کاشانۂ عظمت

حسن کو معہ بلال کے مکہ چلنے دیجیے۔ اور مدینہ میں ٹھہر کر ذرا سمیہ کی خبر تو لیجیے۔

جس وقت وہ حسن سے مل کر واپس آئی۔ عبداللہ حسن کا ملازم اُسکے ہمراہ تھا۔ اندرون آبادی پہونچکر سمیہ نے اُس سے کہا "میں پہنچ گئی اب تم واپس جاؤ"

راہ میں سمیہ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ عبداللہ ثقفی ہے پس جب وہ واپس ہونے لگا سمیہ نے اُس سے نہایت الحاح کے ساتھ کہا کہ عبداللہ تو نہیں واقف ہی کہ جس درجہ حسن سے مجھے الفت ہے وفاداری و اطاعت شعاری سے تیرا حسن کے ساتھ رہنا ہم لوگوں پر تیرے بڑے احسان کا باعث ہوگا۔

عبداللہ۔ میں جیسا اُنکا ویسا ہی آپ کا ادنیٰ غلام ہوں۔ اور ہر وقت جان نثاری کے لیے تیار ہوں پسینہ کی جگہ خون گرانا میں اپنا فرض خدمت گردانتا ہوں۔

عبداللہ کے ان کلمات پر سمیہ نے منت پذیری کی ادا میں سر کو جنبش دے کر اُسے وداع کی اور عبداللہ سلام کرکے باب المدینہ کی راہ تلاش کرتا ہوا چلا۔

سمیہ .... کے کاشانۂ عظمت میں داخل ہوئی۔ جہاں ہر وقت ایک اژدحام زائرین اور فقرا و مساکین کا رہتا تھا۔ آتے ہی اہلاً و مرحباً کے ساتھ سبب تاخیر کا اُس سے سوال ہوا۔ اُس نے جواب دیا کہ وہ اس وقت تک بالائی حصہ میں مناظر اور وقت کی دلچسپیوں کا لطف لینے میں مشغول تھی۔ ورنہ وہ جب سے آئی یہیں موجود ہے۔ لیلےٰ نے کہا "میں نے تمھیں تمام میں تلاش کیا۔ یہ نہیں معلوم تھا کہ آپ بالاخانہ پر ہیں"

اسکے بعد .... نے سمیہ کو بلا کر اپنے بازو میں مسند پر بٹھالیا۔ اور کہا "پیاری سمیہ کے ساتھ میری محبت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے جس کی علت معلوم کرنے سے میں خود ایک حد تک قاصر ہوں"

اسپر سمیہ نے تشکر و امتنان کے چشم و ابرو بنا کر تحیۂ سلام عرض کیا۔ اتنے میں خادمائیں دست بستہ حاضر آئیں اور مائدہ (دسترخوان) تیار ہونے کی اطلاع کی۔ اطلاع ہوتے ہی عشا (رات کے کھانے) کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ سمیہ بھی ساتھ ہی گئی۔ مگر اتنے میں وہ دوسرے خیالات میں پڑ گئی۔ کہ اُسکے والد نے اُسکے اس طول غیاب کے دوران میں کسی جاریہ کو کیوں اُسکے پاس نہیں بھیجا۔ جو بالکل خلاف معمول ہے۔ کیا وہ خود گھر میں موجود نہیں۔ اگر نہیں تو اس وقت کہاں ہوں گے۔

کچھ دیر اس ربودگی کے عالم میں رہنے کے بعد وہ اُٹھی۔ اور اُن خاتون محترم سے اجازت کی طلبگار ہوئی

پھر ایک جاریہ گھر تک اپنے ساتھ کے لیے طلب کی۔ جاریہ ساتھ ہوئی۔ اور سمیہ وہان سے روانہ ہوئی۔

گھر پہنچی دروازہ بند تھا۔ دستک دی۔ ایک جاریہ نے فوراً آکر دروازہ کھولا۔ اور یہ معلوم کرکے کہ آنے والی اسکی سیدہ (مالکہ) ہے کہنے لگی "یا سیدتی! بابی انت وامی! (قربان جاؤن) آپ نے تو اس وقت ایسی تعویق فرمائی کہ ہمین فکر پیدا ہو چلی تھی۔"

اس آنے والی جاریہ حبشیہ کا نام اَمَةُ اللہ تھا۔ یہ سمیہ پر دل وجان سے قربان رہا کرتی تھی۔ سمیہ بھی اُسے بہت چاہتی تھی۔ اس وقت جو سمیہ کے آنے مین عرصہ ہوا۔ تو اور دوسرے غلام اور جاریا ئین چین سے اپنی اپنی جگہہ جاکر بیٹھ رہی تھین۔ یہی ایک غریب تن تنہا بیٹھی انتظار مین دروازہ تک رہی تھی۔ اور پریشان تھی کہ بی بی آج کیون اب تک نہ آئین۔ مجلس . . . . سے آنے کا وقت بھی گزر گیا۔ ابھی اسی فکر وتردد مین ہی تھی کہ دستک کی آواز کان مین آئی اور اس نے پہنچ کر دروازہ کھولا۔

سمیہ دروازہ مین داخل ہوئی تو امة اللہ فرط مسرت مین بے اختیار اُس سے ہم آغوش ہوئی۔ اور اُسکی پیشانی کا بوسہ لیا۔ جس کے بعد سمیہ نے اُس سے سوال کیا "گھر مین اداسی سی پائی جاتی ہے کیا والد ماجد تشریف نہین رکھتے؟"

بعد مغرب ہی تشریف لائے تھے۔ اور آتے ہی اپنے اُسی معلومہ حجرہ مین داخل ہو گئے۔ جب سے اس وقت تک برآمد نہین ہوے۔ حجرے کے دروازے بھی ہر طرف سے جکڑے ہوے ہین۔

سمیہ یہ معلوم کرکے سیدھی اپنے بیت الاستراحۃ مین آئی، کپڑے اُتارے۔ اور جھٹ شب خوابی کے کپڑے زیب تن کیے کہ مبادا! غرفجہ نکل کر اُسے معمولی کپڑون مین نہ دیکھ لے۔ بلکہ اگر نکلے بھی تو اُس کی حالت سے عرصے گھر مین ہونے کا ہی قیاس کرے۔

اُسکا اسقدر دیر تک تن تنہا ایک حجرے مین بند رہنا گھر والون کے لیے باعث تعجب ہو سکتا تھا مگر اول تو وہ عرصے سے اسکا عامل ہو رہا تھا، دوسرے اُسکی دہشت وخوف سے کسی کو یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ اسکا راز دریافت کرنے کی طرف توجہ کرے، یا خود اُس سے معلوم کرے۔

اب سمیہ اس ارادے سے بستر پر جا لیٹی کہ غرفجہ کے برآمد ہونے سے پہلے ہی وہ سو جائے۔ ورنہ ممکن ہے کہ جاگنے کی صورت مین اسکے سببِ غیاب کے متعلق وہ سوال ہی کر بیٹھے۔ یا اُسے کچھ سوءظن ہو۔ وہ بستر پر لیٹ گئی اور امة اللہ کو بلا کر بالون مین کنگھی کرنے کو اُس نے کہا۔ امة اللہ آکر سرہانے بیٹھی۔ گھٹنے پر تکیہ اور تکیہ پر سمیہ کا سر رکھکر امة اللہ کنگھی کرنے لگی۔

امۃ اللہ سے سمیہ کو اُنس بے حد تھا' اسلیے سمیہ اپنا بھید بھی اُس سے کہنے مین دریغ نہ کرتی تھی - اور اکثر خاص خاص باتین جو دوسرون پر ظاہر کرنا وہ پسند نہ کرتی تھی امۃ اللہ سے کیا کرتی تھی -

سمیہ نے اُس سے پوچھا "کیا اس وقت میرے دیر کرنے سے تم فکرمند ہو گئی تھین"۔

امۃ اللہ - بے شک اے میری ولیہ نعمت! اور خاص کر اس وجہ سے کہ اس سے قبل کبھی آپ نے اسقدر تاخیر نہ فرمائی تھی' اور مجھے اس وقت سے اور زیادہ فکر پیدا ہوئی جب سے کہ عبداللہ آپ کو دریافت کرکے واپس گیا ہے -

سمیہ - کون عبداللہ ؟

امۃ اللہ - وہی جو آج صبح مین بھی آیا تھا -

سمیہ اس پتہ سے فوراً سمجھ گئی کہ عبداللہ حسن کا خادم ہی ہوگا - اُسکے سوا اور کون ہوگا - لیکن اُسے سخت تعجب ہوا کہ اسقدر جلد حسن کے پاس جاکر پھر وہ واپس کیون آیا ؟ اُس نے امۃ اللہ سے پوچھا' کتنا عرصہ ہوا ہوگا "

امۃ اللہ - آپ کے آنے سے کچھ دیر قبل -

سمیہ - کوئی اور بھی اُس کے ساتھ تھا -

امۃ اللہ - مین نے خیال نہین کیا -

یہ معلوم کرکے کہ اُس سے جدا ہونے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد عبداللہ پھر اُسکے پاس آیا اِس سے اُسکی فکر مین اور بھی زیادتی ہوگئی - اُس نے خیال کیا کوئی ایسی ہی بات نہ تھی تو وہ جاکر وہان سے اُلٹے ہی پیرون کیون واپس آیا ؟ خواہ حسن نے خود اُسے بھیجا' یا کوئی اور واقعہ پیش آیا جس کی اطلاع کے لیے وہ آیا -

حاصل امر اب اُسکی فکرمندی کی انتہا نہ تھی - وہ غلطان و پیچان تھی - مگر کوئی بات اُسکی سمجھ مین نہ آئی تھی غریب امۃ اللہ کنگھی کرنے اور بالون کے درست کرنے مین مصروف تھی' اور ان اسرار سے بالکل بے خبر تھی -

خاتون مدینہ کا مکان

حسن اپنے سلسلۂ کلام کو پورا بھی نہ کرنے پایا تھا کہ کسی کے پکارنے کی آواز اُسکے کان مین آئی - اور وہ غور سے سُننے پر معلوم ہوا کہ اُسکے خادم عبداللہ کی آواز ہے جو اُسی کا نام لے کر آواز دے رہا ہے - وہ اُدھر آیا تو دیکھا کہ عبداللہ انتظار مین کھڑا ہوا ہے - جسے دیکھکر حسن نے سوال کیا "کیا ہے"؟ عبداللہ قریب آیا - اور کہا مین نے وہان جاکر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ غرفجہ صبح سے جاکر اس وقت تک گھر مین واپس نہین ہوا - نہ کسی نے اسکا ہی پتہ دیا کہ وہ کہان گیا ہے" ؟

اسکے بعد حسن نے نہایت بیتابی اور عجلت کے ساتھ اُس سے سوال کیا "اچھا سمیہ" عبداللہ نے کہا سمیہ کو پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ .... کے مکان کو ابھی ابھی جا چکی ہین' یہ سن کر مین اسی خوشی مین آپ کو اطلاع کرنے کے لئے دوڑا ہوا آیا ہون - کیا آپ نے اُنھین یہان دیکھا ؟

حسن - مین نے دیکھا تو نہین - اگر ہوئی بھی تو اندر ہوگی - بھلا وہان جانے کی کیا صورت ہے - تو یہین ٹھہر مین ایک چکر تو لگاتا ہون -

عبداللہ وہین ٹھہرا رہا اور حسن پھر اُسی طرف جہان سے اُسکی آواز سُنکر آیا تھا چلا گیا - اور اشعب سے اُسکے حبس سے نجات دلانے کے متعلق گفتگو کرتا رہا - مگر تھوڑے ہی عرصہ مین سمیہ کے پیارے خیال نے آکر اُسے پھر بےچین کر دیا - اور وہ اس خیال سے کہ شاید سمیہ کا رُخ زیبا چشم مشتاق کو کہین باعث نظارہ ہو جائے - وہان سے وہ مکان کے اُس حصہ کی طرف گیا جہان اُسکی محترم خاتون (یعنی مالکہ مکان) کا دربار جمتا تھا - اور جہان اکثر کاملین فن سفرا اور ادبا کے جمگھٹے رہتے سے' درباری کمرہ شاعری کا ایک اچھا سا دنگل بنا رہتا تھا - اُسکے صدر دروازہ پر ایک شخص کو کھڑا ہوا پایا - جو وضع قطع سے حاجب معلوم ہوتا تھا' اُس سے حسن نے بڑھ کر پوچھا کہ کیا اس وقت جلسہ مین کچھ لوگ ہین ؟

حاجب - کوئی بھی وقت اس دربار عام مین ایسا ہوتا ہے کہ شعرا اور مجیدین فن موجود نہون - حسب معمول اب بھی شعراء اور بہت سی شاعرہ خواتین شریک جلسہ ہین'

حسن - کیا تم بتا سکتے ہو کہ اُن مین لیلی الاخیلیہ بھی ہے ؟-

حاجب - بے شک وہ بھی ہے -

حسن - ذرا لیلیٰ کو یہ اطلاع کرو کہ حسن دروازہ پر آپ کا منتظر ہے -

حاجب گیا - اور اطلاع کی - فوراً لیلیٰ اندر سے اُسکے ساتھ نکل آئی - اور نہایت خوش اخلاقی کے ساتھ اُسے کمرۂ شعراء کی طرف لے گئی - حسن نے کہا "مین مدینہ مین صرف ایک رات کا مہمان ہون - اور اس وقت آپسے رخصت ہونے کے لیے آیا ہون"

لیلےٰ نے کہا "خدا عافیت اور سلامتی کو تمھارا رفیق سفر بنائے اور اصل مقاصد مین تمھین کامیابی عطا فرمائے"

حسن - مجھے اس وقت آپ سے کچھ اور بھی عرض کرنا ہے جس کے متعلق مجھے اس بات کا وثوق بھی ہے کہ آپ سے اُسمین پوری مدد ملے گی - اور اُسمین کسی خاص قسم کی زحمت بھی آپ کو نہ برداشت کرنی ہوگی -

لیلیٰ - وہ کون سی بات ہے؟ فرمائیے -

حسن - آپ سمیہ بنت غزنجہ کو بھی جانتی ہین ؟

لیلیٰ - جانتی ہون یہ خوب! اچھی طرح، اور بہت اچھی طرح - وہ ابھی تھوڑی ہی دیر قبل .... کے پاس بیٹھی تھی، اور باتین کر رہی تھی ..... (یعنی مالکہ مکان) اُسکو خاص لطف و پیار کی نظر سے اُسکے اوصاف کی وجہ سے دیکھتی ہین، لیکن تمھین اُس سے کیا بحث؟

حسن - سمیہ میری خطیبہ (منسوبہ) ہے اور مین اُسکا خطیب، اور یہی وجہ مجھے اُس سے بحث کی ہے -

لیلیٰ - (حسن کے قریب جاکر ٹھہر جاتی ہے اور کہتی ہے) مجھے یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ سمیہ جو مدینہ کی کنواریون مین اس وقت اپنی ذاتی خوبی اور صلاحیت کی وجہ سے سرمایۂ ناز بن رہی ہے وہ تمھاری خطیبہ ہے، میرے خیال مین سمیہ ابھی یہان سے گئی نہین - بہرحال تم اس جلسہ مین بیٹھو، مین اندر جاتی ہون - دیکھون گی،

حسن - (اُسکا قطع کلام کر کے) تو مین امید کرتا ہون کہ آپ ازراہ مہربانی میرے لیے اُس سے چند لحظہ کے لیے اس طرح ملنے کا موقع نکال لین گی کہ مجھے اور اُسکو بجز آپ کے کوئی دوسرا نہ دیکھے، مین نے تین سال قبل اُس سے خطبہ کیا تھا - اُسکے بعد پھر یہی موقع ملا ہے کہ اُس سے معاہدہ کی یاد تازہ کرون -

لیلیٰ - اسکا مین ذمہ کرتی ہون - تم مطمئن رہو -

حسن - مگر جلدی کیجیے گا - اسلیے کہ غروب کا وقت قریب ہے، اور مجھے غروب کے وقت جانا ضروری ہے -

لیلیٰ - کیا سفر کو ملتوی نہین کر سکتے -

حسن - کر سکتا ہون - اور بہت خوشی سے ملتوی کرتا، مگر مشکل یہ ہے کہ مین نے ایک دوست سے وعدہ کر لیا ہے کہ باب المدینہ پر ملون گا، اسلیے جہانتک ہو سکے جلدی تلاش کیجیے گا، ہان! اشعب کے لیے مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ اُس سے مین نے اس انڈے سینے کے حبس سے نجات رہائی کے لیے سفارش کا وعدہ کر لیا ہے - اس لیے اسے بھی نہ بھولیے گا - اور پورے طور پر ایسی سفارش کر دیجیے گا کہ وہ چھوٹ جائے -

لیلیٰ اسپر ہنسنے لگی اور بولی "اُسکا بُرا ہو، اُسکی فکر مت کرو - یہ سزا اُسکو مزا دے گئی ہے - مجھ سے اسکا ذکر آ چکا ہے اور اس سے پہلے بھی یہ کمبخت کئی مرتبہ اسی طرح محبوس کیا جا چکا ہے - جس کی اُسے عادت سی ہو گئی ہے - بلکہ ایکبار جبکہ اسی طرح یہ انڈون پر بٹھلایا گیا تو اتنے روز تک برابر بیٹھا رہا کہ انڈون سے بچے نکل آئے - تب یہ اُٹھا مگر اُن بچون سے بھر گیا، اور چونکہ وہ اسی کے نکالے ہوے تھے اسلیے .... (مالکہ مکان) اُنکو بنات اشعب فرماتی تھین

خیر! اب مین اندر جاتی ہون - آپ اس جلسۂ شعرا مین بیٹھین، سمیہ مجھے مل گئی تو مین اُسے لاؤن گی - اور آپ کو اشارہ دون گی اُس وقت آپ چلے آئین -

مجلس شعرا

اسکے بعد لیلےٰ اور اُسکے پیچھے حسن اس بڑے کمرے مین آئے حسن نے اپنی نعلین دروازہ پر اُتارین، اور اُٹھا کر ایک گوشہ مین رکھ دین، اور اس کمرہ کو جو دیکھا تو اسکی وسعت اور فرش فروش کی صفائی کو دیکھکر آنکھین کھُل گئین، تمام کمرہ مین رومی قالینون کا نہایت بیش قیمت فرش تھا، ہر چہار جانب دیوارون سے مخملی تکیہ لگے ہوے، سامنے شہ نشین، اُسکی محرابی درون پر منقش و زرنگار پردے پڑے ہوے جس کے اندر وہ محترم خاتون (صاحب خانہ) معہ اپنی دوسری معزز سہیلیون کے جلوہ فرما، اُسکے اندر سے باہر کا سارا حال نظر آتا تھا مگر باہر والون کو اندر کی کیفیت نہ ملتی تھی، کمرہ کی نشست مین صدر مقام پر جو لوگ بیٹھے تھے اُنمین سے پانچ اشخاص بدوی لباس مین تھے - انھین دیکھکر حسن نے پوچھا "یہ صدر مقام پر کون لوگ ہین"؟

لیلیٰ - یہ مشاہیر شعرا ہین، کیا تم انھین نہین پہچانتے ؟

حسن - انمین سے ایک کو تو شاید پہچانتا ہون جو تکیہ سے ٹیک دیے ہوے بیٹھے ہین، فربہ اندامی کے ساتھ بدشکلی نے مل جُل کر جو مجموعی تناسب پیدا کیا ہے اُس سے کہہ سکتا ہون کہ یہ اُستاد فرزدق ہین،

لیلیٰ - بے شک وہی ہے، جریر اور فرزدق کی اس طرح ایک جلسہ مین یکجائی ہر شخص کے لیے جو اُن کے باہمی نقائض سے واقف ہے موجب حیرت ہو گی -

حسن - جریر کون ہے ؟

لیلیٰ - جسکے بڑے بڑے بال ہین، تیل سے چکنائے ہوے ہین، اور آواز مین غُنّہ ہے جو بات کرنے سے معلوم ہوتا ہے -

حسن - اور یہ کون اُستاد ہین، جو پستہ قامت اور اپنی شکل و شباہت کے ایک ہی ہین،

لیلیٰ - یہ مشہور شاعر کثیر، عزہ کا عاشق ہے،

حسن - یقین ہے کہ عزہ انکی اسی شکل پر جان دیتی ہو گی - اور یہ کون ہین؟ قد کے ذرا لانبے مگر خوش قطع نوجوان،

لیلیٰ - یہ جمیل بثینہ بنی عذرہ کے عشاق مین سے ہے، جس کا چہرہ اب بھی مایوسی و حسرت کا گویا نمونہ ہے کیونکہ اسکے عشق کی جب شہرت ہوئی تو بثینہ کے اقربا نے اسکی آمد و رفت اور بثینہ سے اسکی ملاقات قطعاً رکوا دی،

حسن - اچھا وہ سیہ فام کون صاحب ہین؟ ماشاء اللہ کیا فرمایشی سواد ہے، مجھے امید نہین کہ اس سواد پر آپ کو بہرہ

شاعری بھی کچھ قدرت سے ودیعت ہوا ہوگا۔

لیلیٰ۔ ہنسنے لگی اور بولی۔ اجی یہ تو نصیب نامور اور کہنہ مشق شاعر ہے' تم کچھ بہرۂ شاعری کو لیے پھرتے ہو۔ یہ سیاہی جو ہے' اسے ماں کی طرف سے ورثہ مین ملی ہے۔ جو کنیز تھی' البتہ باپ اسکا بنی قضاعہ سے تھا'

خیر! اب آپنے ایک ایک کرکے سب کو پہچان لیا' اب اُنکا کلام بھی سُنیے' اور ساتھ ہی..... کا بھی' آپ یہاں بیٹھیے مین جاتی ہون۔ مگر اسکا خیال رکھیے کہ جب آپ کو کوئی اشارہ سے بلائے۔ فوراً چلے آئیے"

یہ کہکر لیلیٰ تو اندر چلی گئی۔ ادہر حسن کو وقت کے گذر جانے کا اندیشہ لگا' مگر اب بیٹھ کر انتظار کیے بغیر بھی چارہ نہ تھا' شعرا کے جگھٹے مین جاکر بیٹھا' بیٹھنے کے بعد اُسے معلوم ہوا' کہ پس پردہ کسی مین کچھ گفتگو ہو رہی ہے۔ اور باوجود آواز پر کان دہرنے کے صحیح امتیاز اس بات کا نہ کرسکا کہ لیلیٰ اور..... (محترم خاتون صاحب خانہ) مین یہ باتین ہو رہی ہین یا اُسمین اور سمیہ مین' وہ ابھی اسکا فیصلہ بھی نہ کرنے پایا تھا' کہ ایک نازک اندام جاریہ برآمد ہوئی' جسکے ہاتھ مین ایک چھوٹی کشتی تھی جس پر مغرق جھالردار کشتی پوش پڑا ہوا' نکلتے ہی اُس نے حاضرین سے خطاب کرکے پوچھا "أيكم الفرزدق"؟ تم مین فرزدق کس کا نام ہے؟ قبل اسکے کہ وہ کچھ کہے حسن کو از خود خیال ہوا تھا کہ یہ مجھے بلائے گی۔ پھر اسکی زبان سے فرزدق کا نام سُنتے ہی یہ خیال جاتا رہا اور فرزدق کی طرف اُسکی نظر پھر گئی۔ جس نے اُسکے جواب مین کہا" ها انا ذا" مین ہی ہون" جاریہ نے کہا" یہ کلام آپ کا ہے؟

هما دلتاني من ثمانين قامة — كما انحط باز اقتم الريش كاسره

فلما استوت رجلاى بالارض قالتا — احيٌّ فيرجى ام قتيلٌ نحاذره

فقلت ارفعوا الامراس لا يشعروا بنا — واقبلت في اعجاز ليل اباد ره"

فرزدق۔ بے شک:

جاریہ۔ آپ کو افشاے راز پر کس چیز نے مجبور کیا۔ اچھا یہ ہزار دینار سرخ (کشتی اُسکی طرف بڑہا کر) آپ کا انعام ہے اور جانے کی اجازت ہے' فرزدق نے بڑھکر اُس سے کشتی لے لی۔ اور پلٹ کر روانہ ہوگیا' جاریہ اندر گئی' دوسری کشتی پھر ویسی ہی لے کر آئی۔ اور پوچھا جریر کس کا نام ہے؟ جریر نے اُٹھکر کہا" مین ہون" جاریہ نے پوچھا کیا یہ بیت آپ کے ہین؟

طرقتك صائدة القلوب وليس ذا — حين الزيارة فارجعي بسلام

تجري السواك على اغر كانه — برد تحدر من متون غمام

لو كان عهدك كالذی حدثتنا — لوصلت ذالك وكان غير ذمام

انی او اصل من اردت وصاله — بحبال لا صلف ولا لوام"

جریر نے کہا "لاریب"۔

جاریہ نے کہا آپ کے عفیف ہونے میں شبہہ نہیں، مگر ذرا دل کے کمزور معلوم ہوتے ہیں، اچھا یہ ہزار دینار سرخ (کشتی بڑہاکر) انعام ہیں، اور آپ کو بھی جانے کی اجازت ہے۔ جریر نے اُس کشتی زر کو لیا، اور نکل کر گھر کو روانہ ہوگیا۔ جاریہ گئی اور پھر ویسی ہی زر بکف ہوکر واپس آئی۔ اور پوچھا "کثیر کون ہے؟" کثیر نے کہا "میں ہوں" جاریہ نے دریافت کیا "یہ بیت آپنے کہے ہیں؟

واعجبنی یا عز منك خلائق — كرام اذا عد الخلائق اربع

دنوك حتی یدفع الجاهل الصبا — ودفعك اسباب المنی حين يطمع

وانك لا ندرين صبا مطلته — اینسد ان لا قاك او یتضرع

وانك ان واصلت علمت بالذی — لديك فلم يوجد لك الدهر مطمع"

کثیر نے سن کر کہا "ہاں میرے ہی شعر ہیں" جاریہ نے کہا "لیجیے یہ آپ کا انعام ہے" کثیر انعام لے کر ادھر رخصت ہوا، اُدھر جاریہ حسب معمول کشتی زر اندر جاکر پھرے آئی اور نصیب کو پوچھا، نصیب کی طرف سے پذیرائی ہونے پر ذیل کے اشعار پڑھکر اُس نے پوچھا یہ آپ کے ہیں،

"ولولا ان یقال صبا نصیب — لقلت بنفسی النشا الصغار

بنفسی کل مهضوم حشاها — اذا ظلمت فلیس لها انتصار"

اثباتی جواب ملنے پر اُس نے مختصر رائے ظاہر کرنے کے بعد کشتی دینار اُسکے بھی حوالہ کی، اور چلی گئی۔ پھر آئی اور جمیل کی طرف خطاب کرکے بولی،

"شاہزادی سرکار تمھیں سلام کے بعد فرماتی ہیں کہ میں نے جب سے تمھارے یہ اشعار سُنے ہیں، اُس وقت سے تمھارا اشتیاق ہے، وهو هذا

الا لیت شعری هل ابیتن لیلة — بوادی القری انی اذا لسعید

لكل حديث بينهن بشاشة — وكل قتيل عندهن شهيد

ہماری باتوں کو مژدہ ہائے مسرت بخش، اور ہمارے مقتولین کو تم نے شہید کا لقب دیا، اور اچھا دیا، لیجیے (کشتی اُسکی طرف بڑہاکر) یہ آپ کا حق ہے، جمیل نے بھی کشتی لی اور باہر چلا گیا، حسن یہ تمام ماجرا دیکھ رہا تھا، اور

حیرت کر رہا تھا، اُسکے لیے موجب حیرت کچھ یہ امر نہ تھا کہ اس مجلس مشاعرہ کی بنا ایک خاتون کے ایما سے تھی کیونکہ اُس وقت عرب مین شاعری کا مذاق عورتون مین عام تھا چنانچہ اکثر عورتین مثل لیلی الاخیلیۃ وغیرہ کے تھین صرف شاعری کی وجہ سے جنھین شہرت تام حاصل تھی، بلکہ جو کچھ حیرت اُسے تھی وہ باعتبار ذاتی علو مرتبت اور عظمت شان اُس خاتون محترم کی اہل مشاعرہ اور اُنکے کلام کے ساتھ اعتنار خاص، اور عالی حوصلگی سے حسن سرانجام فرمانے پر تھی،

بہر حال یہ حیرت تو جیسی تھی ویسی، مگر اب اُسے لیلے کے دیر کرنے سے انتظار کی بیچینی سخت تکلیف دینے لگی تھی، اُسکے بلانے کی بھی کوئی صورت نہ تھی، آخر کو اس نے یہ خیال کیا، کچھ بولون، میری آواز سُنے تو شاید جلد نکل آئے۔

تب اس نے شہ نشین کے پردون کی طرف غور سے دیکھا جو محرابون پر آویزان تھے۔ اسمین درخت اور پرندون کی مختلف قسم کی تصویرین بنی ہوئی تھین، جو صفائی اور خوشنمائی مین بے مثل تھین، اگرچہ مدینہ مین اس قسم کے پردون اور مسندون کا رواج عام تھا، مگر حسن کے لیے چونکہ یہ پہلا منظر تھا اسلیے جب سے وہ اس کمرہ مین داخل ہوا تھا۔ تب ہی سے اُسکا دل اس کی بابت سوال و جواب کر رہا تھا، اب جب اُس نے دیکھا کہ تمام شعرا ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ جاریہ فارغ ہوئی اور جانے لگی تب اُس نے اُس سے کہا "بی بی ذرا ٹھہرو"

یہ سنتے ہی وہ ٹھہری تو اُس نے پوچھا "کیا مین تم سے کچھ پوچھ سکتا ہون؟"

جاریہ۔ "بے شک۔ فرمائیے"

حسن۔ آپ کے پردون پر تصویرین بنی ہوئی ہین، حالانکہ جناب رسول اللہ صلعم کی حدیث ہے "انّ[1] اشد الناس عذابًا یوم القیامۃ المصورون" جاریہ نے اُسکی طرف توقف کرنے کا اشارہ کیا اور اپنی سیدہ (مالکہ) کی خدمت مین حسن کے سوال کو عرض کرنے چلی گئی۔ اور فوراً واپس آکر کہا "اس سے ہمارے لیے کیا قباحت لازم آئی کچھ ہم مصور تھوڑے ہی ہین"

حسن۔ مانا کہ مصور نہین، مگر انھین استعمال تو کیا گیا، وہ بھی اگر صرف درختون کی تصویرین ہوتین تو مضائقہ نتھا، جاندار شئے کی تصویر بھی شامل ہے جس کی نسبت رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے "انّ[2] الملائکۃ لا تدخل بیتًا فیہ الصورۃ"

حسن ختم کلام بھی نہ کرنے پایا تھا کہ اندر سے آواز آئی "رسول اللہ صلعم کے کلام مبارک مین الّا[3] رقمًا

[1] "سب سے زیادہ عذاب قیامت کے دن مصورون پر ہوگا۔" [2] "ملائکہ اُس گھر مین نہین آتے جس مین کہ تصویر ہوتی ہے۔"

[3] "مگر جو کپڑے پر نقش ہو۔"

فی نوب" کا استثنار بھی تو ہے"

حسن آواز سے پہچان گیا کہ لیلےٰ کی آواز ہے، اور ساکت ہو گیا، جاریہ اپنی جگہ پر چلی گئی، حسن کو پھر وہی انتظار لاحق ہوا، نکل کر دیکھا تو آفتاب لب بام آچکا تھا، اور بھی پریشان ہوا، اس خیال سے کہ ایسا نہو کہ مین لیلی کے انتظار مین رہون اور وہان مفت مین سلیمان کو میرے انتظار کی تکلیف اُٹھانی پڑے۔

عالی

کارنامہ عشق[له]

از یادگار کامل مرحوم لکھنوی

نام کا تیرے وظیفہ ہے زبان کو صبح وشام
مرحبا اے دردِ الفت عشق ہے تیرا ہی نام

غمکدہ ہے خاطر ناشاد کی تشریف رکھ
منزل دل کو مشرف کر با عزاز تمام

بارک اللہ بارک اللہ اے دل اندوہگین
تیرے ویرانے مین ایسا میہمان عالی مقام

بے خبر تو مرتبہ سے عشق کے واقف نہین
عشق ہے فرمانروائے کشور نور و ظلام

عشق سے عالم مین ہے زینت دہ بزم جسم وجان
عشق سے دنیا مین روشن ہے چراغ ننگ و نام

عشق وہ سرکار ہے جس کی زلیخا ہے کنیز
عشق وہ بازار ہے جسمین ہے یوسف سا غلام

عشق ہے صبح ازل کا حکمران بند وبست
عشق ہے شام ابد کا رمزدان انتظام

عشق کے دریا کا اک قطرہ ہے نہر سلسبیل
عشق کے صحرا کا اک گوشہ ہے گلزار دوام

عشق ہے وہ نور ہے اضداد مین جس کا ظہور
عشق ہے وہ ربط جس سے ہے عناصر کا قوام

باغ مین ہے بوئے گل اور دشت مین ہے نوک خار
سنگ کے دل مین شرر دریا مین ہے ماہی کا دام

شعلۂ سرکش کا پیراہن پہنتا ہے کبھی ؟
پیک رنجور حسن مین گاہ کرتا ہے قیام

سرنگون خلوت مین ہے اور انجمن مین سرفراز
مدرسہ مین ہے کتاب اور معرکہ مین ہے حسام

شکل بلبل کے کبھی کرتا ہے نالہ دردخیز
پیرہن مین گل کے ملتا ہے کبھی عطر مشام

شمع کے جامے مین کرتا ہے کبھی شعلہ کا ناز
گاہ پروانہ کی صورت جل کے ہوتا ہے تمام

پردۂ محمل مین لیلےٰ سے یہی مقصود ہے
خاک مجنون ہے اسی کا نجد کی وادی مین نام

عہد طفلی سے ہے مجکو اسکی خدمت مین نیاز
جس زمانہ مین کنار مہد تھا میرا مقام

[له] میری نظر سے چھپا ہوا نہین گزرا مگر غریب کلام ہے۔ میرے ایک دوست نے مجھے لکھا دیا ہے۔ ممتاز حسین

اتفاقاً مین ہوا ایسے الم مین مبتلا ۔ جس سے رنج و فکر مین رہنے لگا ہر صبح و شام
عشق بھی کچھ خود بخود برخاستہ خاطر ہوا ۔ مین تو اپنی فکر مین تھا پیشتر سے تلخ کام
دفعتاً بالکل ہوئی مسدود باب رسم و راہ ۔ مدتون تک کنج عزلت مین رہا میرا قیام
بعد مدت پھر قدم رنجہ کیا ہے عشق نے ۔ لیکے پھر مد نظر ہے اک حسین لالہ فام
تجسم کی تشبیہ جسکے خال سے ہے نادرست ۔ بدر کی تمثیل ہے چہرے سے جس کے ناتمام
واے قسمت دل جو آیا ہے تو کس محبوب پر ۔ جس کی منزل سے دعا پھرتی ہے بے نیل مرام
اے نسیم صبح کوئی مشورہ تو ہی بتا ۔ سخت حیرت ہے کہان بھیجون خط شوق پیام
نامہ و پیغام کا جانا تو ہے امر محال ۔ ہان مگر تجھ سا پیمبر ہو کوئی با الاحترام
خیر سے تو ایک دن وقت سحر تکلیف کر ۔ جس جگہ سوتا ہے وہ رشک قمر بالاے بام
صاحبان عشق ہونگے دست بستہ صف بصف ۔ دورباش حسن کا ہوگا نہایت اہتمام
بے محابا یون نہ رکھنا قصر جانان مین قدم ۔ بوے گل کی راہ سے آہستہ بڑھنا چند گام
خوابگاہ یار کے پہلو مین رہنا منتظر ۔ دیکھنا خالی ہوے جب خواب سے آنکھون کے جام
اولاً تعظیم سے ہونا زمین بوس ادب ۔ دست بستہ پھر یہ کہنا بعد تمہید سلام
اے فروغ ملک خوبی اے جہان آرائے حسن ۔ تاج و تخت نازکی رونق رہے تجھ سے مدام
بندگان بارگاہ عشق مین تیرے بہت ۔ لیکن اک درویش ہے سب سے زیادہ تلخ کام
واقعی ایسا بھی کم ہوگا کوئی شوریدہ سر ۔ عاشق صادق ہے پروانہ کی صورت لاکلام
ایک مدت سے عجب عالم مین رہتا ہے غریب ۔ نالہ و فریاد واجب خواب و خور مطلق حرام
بیٹھ جاتا ہے کبھی صحرا مین مثل گرد باد ۔ مرغ بسمل کی طرح چلتا ہے گاہے چند گام
لب پہ نالہ نالہ کیسا جیسے برق شعلہ بار ۔ مشتعل انبار خس کی شکل اعصاب و عظام
ہین مہیا دشت مین بیکس کی راحت کے لیے ۔ رنگ تفتیدہ کے بستر گرد صحرا کے خیام
اپنے دل مین آپ تو انصاف کرلے اے بیدرد ۔ عاشقون پر ہے جفا ہر ایک ملت مین حرام
درد فرقت تا کجا امید وصلت تا کجا ۔ کچھ نفس باقی ہین وہ ہوجائینگے اک دن تمام
خیر اس قصہ سے کیا مطلب ہمین اے رشک ماہ ۔ کاتب غم دیدہ نے تجکو دیا ہے یہ پیام

جان کا حرز مین لیے بیٹھا ہے تیری راہ مین
مہربانی سے چمک لے برق تابان والسلام

شاہد علم سے خطاب

اے شاہد علم خدا کی نظروں میں تجھ سے بڑھکر اور کون محبوب مقرب ہوگا؟ تو سر سے پاؤں تک خوبیوں کا پتلا ہے، تیری کوئی ادا زیبائی سے خالی نہیں، تیری آنکھ کے ایک اشارہ پر بڑے بڑے سربلندوں کے سر جھک جاتے ہیں، تیرا ادنی سا کرشمہ بھی دلوں کو تسخیر کرنے اور بیگانوں کو اپنا بنانے کے لیے کافی ہے، تیرے بول کیسے میٹھے اور دلربا اور تیرے وعدے کیسے معتبر اور قریب الوفا ہیں! تیری دل افروز جادو بھری نگاہیں، دلدادگان پرشوق کے لیے پیام کامرانی و طمانیت ہیں، تو تیرہ و کور باطن حاسدوں کے خرمن تمنا کے لیے برق سوزاں، طلسم دنیا کی یہ نیرنگیاں اور لیل و نہار تیری ہی چشم جادو کے تابع ہیں، تیری زبان، تیری تجربہ آموزیاں، ماضی و حال اور مستقبل کی راست بیان ترجمان ہے، دلنشین پند اور اصابت رائے اسکا اصلی جوہر ہے، اسکا قول پتھر کی لکیر اور اسکا حکم نہایت ہی اٹل ہے کیا مجال جو یہ موقع پر چوک جائے، یا خطرات کے وقت اسکے استقلال میں ذرا بھی لغزش آئے۔

اے شاہد علم، وطن سے بڑھکر بھی کوئی چیز زیادہ عزیز ہوسکتی ہے؟ لیکن تیرے سرمست سودائیوں کی سیکڑوں مثالیں ایسی بتائی جاسکتی ہیں، جنھوں نے تیری جستجو میں وطن کو خیرباد کہا، ابنا وطن کو چھوڑا، دوست احباب سے دوری گوارا کی، اہل و عیال سے دامن چھڑایا، ماں باپ سے منھ موڑا، اور غربت و مسافرت کی سختیاں سہکر تیرے عتبہ عالیہ کے دربانوں تک رسائی حاصل کی، انکی منت سماجت کی، خوشامد درامد کی، اور آخر شوق دید کی آگ کو ٹھنڈا کرکے رہے، ہاے وہ وطن! جس کی مٹی سے ہماری ہڈیاں، اور ہمارا گوشت پوست بنا ہوتا ہے، جس کی آب و ہوا کا اثر ہماری رگ رگ میں سرایت کر جاتا ہے، جسکے گلی کوچے ہمارے پاؤں میں وابستگی کی زنجیریں پہنا دیتے ہیں، جس کا سواد، جس کے مضافات، ہماری آنکھوں کے حق میں خنکی دہ اور روشنی بخش ہوتے ہیں، وطن، آہ وہ وطن! جس کی محبت ہماری لوح دل کا نقش اولیں ہوتی ہے، تیرے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتا، تیرے طلبگار، تیری تلاش میں اُسے بھی خیرباد کہتے ہوے نہیں ہچکچاتے، ہاے وہی وطن! جس کا حقیر سا حقیر تنکا بھی دامن دل کو کھینچنے کے قابل ہو، تیرے دلدادگان صادق کی نظر میں کانٹا بنکر کھٹکنے لگتا ہے اور سہ

پیاسے ترے سرگشتہ ہیں جو راہ طلب میں | ہونٹوں کو وہ تر کرتے نہیں آب بقا سے

اے شاہد علم، تیرے روے زیبا کے زیارت کرنے والوں کی آنکھیں اکثر حسن ظاہری سے مستغنی ہوتی ہیں الحسن

جو معمولی دلون کو ایک نگاہ مین تہ و بالا اور سازِ خود رفتہ کر دیتا ہے، کیا مجال جو تیرے شیفتگانِ باوفا کو تسخیر کرکے اپنا حلقہ بگوش بنا سکے، تماشائے حسن سے جلد ہی نیت بھر جاتی ہے، مگر تیرے نظارۂ دل افروز سے کبھی سیری نہین ہوتی، تیرے جمالِ جہان آرا کے جوہر شناسون کی چشمِ بصیرت اکثر صورتون مین حسینون کے غازۂ حسن کو خود بینی و تکلف اور اغماز و آلودگی سے مرکب پاتی ہے، اور اسلیے وہ بھولے بھالے خوشنوا طیور اور بے ضرر خوشرنگ پھولون کو دیکھکر زیادہ محظوظ ہوتے ہین، ایک خوشرو اور دلربا چہرہ اُنکو اپنی طرف اس بے ساختگی سے متوجہ نہین کرسکتا جیسا کہ قدرت کے تھیٹر کا ایک خوش منظر پردہ، تیری کشش سب جذبات سے زیادہ پر زور، اور تیری چاہ ہر محبت پر غالب ہے، اور حسن بعد چندے مبدل بہ کریہ المنظری ہوجاتے ہین، مگر تیرا حسن ہمیشہ نکھرتا ہی رہتا ہے، اور محبتین اکثر شکوک و ناکامی سے دلون کو توڑتی رہتی ہین، یا کبھی نہ کبھی رسوائی اور تباہی کا موجب ہوتی ہین، مگر تیری محبت ہمیشہ ایسے اندیشون سے خالی اور نت نئی نعمتون اور خوشیون کا سرچشمہ ہے پس مبارک ہین وہ لوگ جو چاہین تو تجھے چاہین اور مرین تو تجھپر مرین۔

اے شاہدِ علم کسے انکار ہو سکتا ہے! کہ تیرے شہید، شہیدِ راہ خدا نہین، جب اُنکی روشنائی کے قطرے مجاہدین فی سبیل اللہ کے خون کی برابر قدر و قیمت رکھتے ہون تو بھلا اُنکے خونبہا کا اندازہ کون کرسکے؟ کیا یہ اُنکے خون کا کچھ کم مصیبت انگیز اور خوفناک انتقام ہے کہ دنیا اُن بیگناہون کے قتل سے جہالت و تعصب کی قیدِ گران سے آزاد ہونے مین صدیون پیچھے پڑی رہی؟ کارکنانِ قدرت نے اُنپر نوحہ کرکے اُنکے لہو کو تبرک جانکر جمع کر رکھا ہوگا، اور حورون نے اپنے چہرون پر بطور غازہ کے ملا ہوگا، اب اُنکا تتبع پیدا کرنے والون کو جو تو یہ لگاتار نعمات دیتا رہتا ہے یقیناً یہ سب اُنکی ارادت و عقیدتمندی کا معمولی صلہ ہے، اور تجھ سے لو لگائے رکھنے مین جو روحانی رفعتین اُنکو حاصل ہوتی رہتی ہین، وہ مستزاد۔

اے شاہدِ علم، تیرا حسن لازوال ہے، اور تیری قوت ہمیشہ پائدار، وقت کی سرعتِ رفتار کا کوئی چیز مقابلہ کرسکتی ہے، تو تیری کبھی نہ رکنے والی روز افزون ترقی، دستِ قدرت کے بعد اگر کوئی زبردست ہے، تو تو ہے، زمانہ نے سیکڑون قومون کو مٹا ڈالا ہزارون سلطنتون کو خاک مین ملا دیا، یہانتک کہ مرقع ہستی کے بہت سے نقوش مین تصرف اور تغیر کرکے اُنکو کچھ سے کچھ بنا دکھایا، مگر تجھ سے وہ بھی سر بر نہو سکا، جتنا اُس نے تجھکو دبانا چاہا، اُتنے ہی تیرے جوہر کھلتے اور تیرے کمالات نمایان ہوتے گئے، ہان اگر تیرا کوئی مدِ مقابل ثابت ہو سکا، اور تجھے تھوڑی سی دیر کے لیے نیچا دکھا سکا تو وہ مذہب کے بھیس مین عقیدۂ باطل تھا، جس کی شہ پاکر ریاکار اور خود کام دینی مقتداؤن نے عوام کو اکثر تجھ سے برگشتہ کر کردیا، لیکن آخر مین، تیری حقیقت تیری صداقت، اور تیری روشنی ہی کو فروغ حاصل ہوکر رہا، اب

تیرا فرمان آدھے جہان پر جاری ہے، جس پر تو نے اپنے الطاف شاہانہ سے امن و آزادی اور حکومت و کامرانی کی نعمتین برسا رکھی ہین جو بدنصیب تیرے لطف و احسان سے بے بہرہ ہین، وہ اپنی محرومی و ناکامی پر خون کے آنسو بہا رہے ہین، اور بغیر تیری مدد کے مشکلات سے نجات پانے کے لیے جسقدر ہاتھ پاؤن مارتے ہین اُسی قدر اُنکی حالت غیر ہوتی جاتی ہے، بیشک اُنکی یہی سزا ہے، اُنھون نے تجھ سے بیوفائی برتی، اُنھون نے تیرے دشمن جانی، عقیدہ باطل کی پیروی کی، جس نے اُنکو تجھسے غافل اور بے اعتنا کر دیا، اُنکے دلون سے تیری محبت اور ارادتمندی کا نقش مٹا دیا، اور اُنکو اس قابل نہ رکھا، کہ وہ تیرے فیضان اثر سے متاثر اور مستفید ہو سکین،

غفلت کا خمار کم ہونے، اور زمانہ کے شور دار و گیر سے گھبرا کر اب ذرا اُنکی آنکھین کُھلی ہین، تو کیا دیکھتے ہین کہ وہی طفل ہونہار جسکو اُنھون نے یونان اور روما کی گلیون مین لاوارث اور بے پناہ پھرتا دیکھکر اپنے دامن حمایت و تربیت مین لے لیا تھا، اور جس کے ساتھ اُنھون نے کچھ دنون سلوک کیا اسکی پیاری پیاری میٹھی میٹھی باتون سے دل بہلایا، اُسکے حسن و جمال کی گرمی سے آنکھین سینکین، اور اُسکو کمال و دانش کا فرشتہ جان کر اُسکی خدمت کا بیڑا اُٹھایا، مگر بعد چندے اپنے بیہودہ اور نامعقول مخمصون مین گرفتار ہو کر اُسے پھر اپنی قسمت پر چھوڑ دیا تھا وہی طفل ہونہار مغربی یورپ کے ہنروالون کی لگاتار اور سالہا سال کی پرورش اور نگہ و پرداخت کے بعد اب شباب و خوبی اور عروج کے عالم مین ہے، اور سعید و رشید اولاد کی طرح اپنے مربی اور پالنہارون کا دامے درمے، قدمے، قلمے، سخنے، حق خدمت ادا کر رہا ہے، کارپیتھین کے دامن سے لیکر کوہستان آوکی کی عظیم الشان سنگین دیوارون تک تمام آبادی اُسکے قدمون کی برکت سے نہال ہو رہی ہے، ہر ایک چہرہ فخر و مسرت کی شعاعون سے چمک رہا ہے، دشت و در اور جزائر و جبل تک اُسکے رخ انور کی جوت سے جگمگا اُٹھے ہین، لیکن ان خفتہ بختون کی شپرک مثال آنکھون کو اتنی بھی تاب نہین، کہ اسکے حسن کی رشک مہر تجلی کو آنکھ بھر کر دیکھ سکین، دل ہی دل مین حیران اور پشیمان ہو کر کہہ رہے ہین، کہ جب زمانہ طفلی ہی مین اسکے دل آویز خط و خال نے، باوجود ہمارے پہلے سے شاہد پرست و محبت آشنا نہ ہونے کے، ہمارے دلون مین گھر کر لیا تھا، تو ہماری عقلون پر کیسے پتھر پڑ گئے تھے جو ہم نے اسکی تربیت اور خدمت برابر جاری نہ رکھی، ہائے ہماری ذرا سی بے رخی نے تجھے ہم سے اسقدر بیگانہ کر دیا، تجھے تو یہ زیبا نہ تھا، کہ ہماری اُن خدمات اور شفقتون کو بھلا کر ہم سے یون مُنھ پھیر لیتا! اے شہ خوبان، اے جان عالم، ہم قسم کھا کر کہتے ہین کہ تجھپر ہماری نظر التفات کچھ اسلیے کم نہ ہوگئی تھی، کہ ہمین خدانخواستہ تجھ سے نفرت یا کراہت تھی، بلکہ سبب اسکا یہ ہوا، کہ ہماری پرانی خباثتین پھر عود کر آئی تھین جنھون نے ہمکو برے بھلے سے بالکل بے خبر کر دیا، ادہر ہم اپنے ہاتھون اپنے سر بلائی ہوئی شامتون مین گھرے رہے، اُدہر تو جان کے خوف سے بھاگ کھڑا ہوا۔

ہائے جب بیجان ہوکر زندہ درگور ہوکر اپنے اردگرد نظر ڈالی، تو کوئی رفیق دیا ورجو ہمارے درد کا درمان اور ہمارے زخمون کا بخیہ کرسکتا، دکھائی نہ دیا، ہان دیرینہ سلوک اور دلی لگاؤ کا اعتبار کرکے تجھ سے دلجوئی اور چارہ گری کی بہت کچھ توقع تھی، مگر تو ٹھہرا، غیرون کے اختیار مین، ہماری غیرت کو منت کش رقیب ہونا کیسے گوارا ہوتا؟ ایک مدت یون ہی گزر گئی، حریفون کو تیرے حسن لازوال کی بہار لوٹتے ہوے دیکھتے تھے، اور رشک وحسرت کی کوفت اُٹھا اُٹھا کر رہجاتے تھے، حمیت کسی عنوان اجازت نہ دیتی تھی، کہ بزم غیر ہی مین جاکر اپنی ترستی ہوئی آنکھون کو تیرے زندگی بخش دیدار سے ذرا تسکین دے لین، مگر ہائے حریفون پر تیرے الطاف وانعام کی بوچھار جس قدر زیادہ ہوتی جاتی تھی اسیقدر ہماری بیتابی اور قلق بھی بڑھتا جاتا تھا، تیری غمزہ ربا ادائین، تیری عفت بھری اور امید آفرین وحیرت افزا نگاہین، ہائے تیری خدم قدم پر زر وجواہر لٹانے والی رفتار، غرض تیری نوعمری کی ایک ایک بات یاد آتی تھی، اور ہمارے لوٹے ہوے حسرت زدہ دلون کو پیس پیس کر رکھدیتی تھی، زندگی تجھ بن نہایت ہی شاق، شرمناک، اور عذاب دہ ہوگئی، آخر یہانتک نوبت پہونچی، کہ ہماری مسکین اور زبون حالت پر حریفون کا دل بھی دکھنے لگا! خود اُنھون نے اپنی فیاضی اور صاف دلی سے ہمین تیری جھلک دکھانے کی آمادگی ظاہر کی، پہلے پہل تو ہمارا مجنونانہ وہم وگمان، اُنکی بے لوث دعوت کو فریب ودغا پر محمول سمجھکر قبول کرنے سے مانع آتا رہا، مگر جب درد فراق ناقابل برداشت ہوگیا، اور اُنکی فیاضی سے فائدہ اُٹھاے بغیر جان بچتی نظر نہ آئی تو چار و ناچار غرور اور غیرت کو خیرباد کہنا پڑا ؎

مدتون رشک نے اغیار سے ملنے نہ دیا   دل نے آخر یہ دیا حکم کہ کچھ عار نہین

اے شاہد علم، اے ناخداے حیات، خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے، کہ تو پھر اپنے قدیم شیدائیون کے سامنے جلوہ افروز ہے، اگرچہ تیرے روے منور پر نقاب پڑی ہوئی ہے، مگر یہ آنکھین تیرے حسن عالم افروز سے پہلے ہی خوب آشنا ہین تجھ سے دوچار ہوکر مرعوب نہ ہونگی، مگر ہان پھر بھی ان مدتون سے تاریکی مین بند پڑی رہنے والی آنکھون کے سامنے بالفعل تیرے روے تابان کا زیر نقاب رہنا ہی عین مصلحت ہے، آہستہ آہستہ حجاب اور رکاوٹ کے پردے بھی درمیان سے آخر اُٹھ ہی جائینگے جلدی کیون کرین ؎ ہے وصل تو تقدیر کے ساتھ اے شہ خوبان ÷ یان ہین تو فقط تیری محبت کے ہین پیاسے ÷ اب ہم جی بھر کر تیرے سامنے اپنا دکھڑا روئینگے، گلہ وشکایت کرینگے، اور تیری جدائی سے جو مصیبت اور بپتا پڑی تھی، تجھ سے اُسکا معاوضہ لیے اور اندمال کرلے بغیر نہ رہینگے، اے عشاق نواز، اے جوان بخت عناے علم، تو نے ہمارا ساتھ چھوڑا، اور ہماری قسمت نے پلٹا کھایا، ہم سے تمام اوصاف اور خدا کی ساری نعمتین یکے بعد دیگرے رخصت ہوگئین، برے وقت مین دولت و حکومت نے بھی ہم سے شاہدان بازاری کی طرح دامن چھڑا کر دوسرون کو جا تاکا، اب عزت کا بھلا کون روکنے والا تھا؟

مظلوم اور جفاکش مذہب پہلے ہی خود ہمارے ہاتھون ستم پر ستم اُٹھا کر، زخمون پر زخم کھا کر، ایسا خستہ و مجروح ہوا تھا کہ اُسے اپنے سر و پا تک کا ہوش نہ تھا، باطل عقیدے اُسکا روپ بنا بنا کر آتے تھے، اور اُن سب کا جادو ہم نا فہمون پر چل چل جاتا تھا، اُنکے اغوا سے ہم ایک دوسرے کے خون مین ہاتھ رنگتے تھے، اور ثواب سمجھکر خوش ہوتے تھے، اُف! اُن ناخدا ترسون نے ہمین کیا سفاک اور شقی القلب بنا دیا تھا! اخوت و محبت ہمارے دلون سے کچھ اس طرح فرار کر گئی تھی، کہ گویا ہمارا اُسسے کبھی کوئی تعلق ہی نتھا، اُنکے بہکانے مین آکر ہم نے کلمۂ مؤمنٌ اخوةٌ کو بھلا دیا، ہمارا خون سفید ہوگیا، قومیت اور یکجہتی نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا، ہم نے بزرگون کی کمائی کو لٹوا دیا، ہماری بزرگی، ہماری عزت، ہمارا اعتبار، سب خاک مین مل گئے کاش تو ہمین کچھ مدت پہلے مل جاتا اور مذہب سے روگردانی کرنے مین جبکہ ہم نے پہلی ٹھوکر کھائی تھی، اُسوقت ہمین سنبھال لیتا، ہم قسم کھا کر کہتے ہین، کہ اگر مذہب اور تو بروقت مل کر ہماری رہنمائی کرتے تو ہمین یہ دن دیکھنے نہ پڑتے،

مذہب اب تک ہم سے ناراض ہے، ہم بدبختون پر اُسکی برکات و فیوض کا دروازہ بدستور بند ہے، اے شاہد علم! یقین جان کہ ہم نے تیری قدر و قیمت اُسی کے تلقین و ارشاد سے پہچانی تھی، ورنہ تیرا کس مپرسی ہی کی حالت مین کام تمام ہو جاتا، اور ہم تیری طرف حمایت کا ہاتھ بڑھا کر شاید ہی تجھے ہلاکت سے بچاتے، یقین جان کہ وہ تیرا بڑا مشتاق تھا، اُسکی زبان سے تیری تعریفین سُن سُن کر ہم پہلے سے تیرے نادیدہ عاشق ہوگئے تھے، ہاے ہمین اب اُسکا بار بار یہ کہنا رہ رہ کر یاد آتا ہے کہ تیرے بغیر ہماری عبادت تک عبث ہے، بارگاہ قدیر تک ہماری رسائی ہو سکتی ہے تو تیرے توسط سے، زمانہ کی روندڈالنے والی جھپیٹ سے کوئی بچا سکتا ہے، تو تو، اُسکا صاف صاف اور بالاعلان یہ کہنا ہمارے کانون مین گونج رہا ہے، کہ ایک گھنٹہ تیرے درس اور تیرے لیکچر سننا، ہزار شہیدون کی تشیع جنازہ سے افضل ہے! تیرا پوری سرگرمی اور محویت کے عالم مین ایک گھنٹہ تک خدا کے کامون پر غور و فکر کرنا ستر برس نماز مین کھڑے رہنے سے بہتر ہے، جو شخص تیری جستجو مین پھرتا ہے، خدا اُسے مسرت و شادمانی کے محلون مین جگہ دیگا، تیری راہ مین جو قدم اُٹھاتا ہے وہ مبارک ہے، اور جو درس وہ حاصل کرتا ہے، انعام سے خالی نہین، افسوس ہم احسان فراموشون نے اُس سے اور اُسکی نصیحتون سے تو منھ موڑا ہی تھا، بعد چندے تیرے مصحف رخسار کا مطالعہ بھی ترک کر دیا، اے خطابخش و توبہ پذیر شاہد علم، تم دونون کے قدمون سے چھوٹ کر ہم پر وہ وہ سختیان پڑی ہین، کہ اب اُنکے خیال سے دل کانپ کانپ اُٹھتا ہے، ہم اپنے کیے پر سچے دل سے نادم ہو رہے ہین اور عہد کرتے ہین کہ پھر بھول کر بھی تمھاری نافرمانی نہ کرینگے، ہماری روحین اُسکی نذر ہین، اور دل و دماغ تری نذر، اس سے بڑھ کر پیشکش کے لیے ہم بے بضاعتون کے پاس رکھا ہی کیا ہے؟

یہ کیا؟ مذہب کا نام آتے ہی تیری حالت کیون متغیر ہونے لگی؟ کیا جوش رقابت سے؟ نہین، تو صاف، باطن اور

انصاف پسند ہو، تو رقابت و تعصب اور خود رائی سے پاک ہے، ہان تو جو سرزمین مغرب مین مذہب کے ہاتھون بے انتہا مظالم مین مبتلا رہ چکا ہے، اس لیے شاید تجھے اس نام سے نفرت ہو گئی ہے، مگر یہ غلط فہمی ہے، نہ وہان تجھپر ستم ڈہانے والا مذہب تھا نہ یہان تجھے اُس سے کچھ خوف ہو سکتا ہے، اگر مان بھی لیا جائے، کہ مذہب ہی کے ایما سے وہان تجھپر ظلم توڑے گئے تھے، تو مذہب مذہب مین بھی تو فرق ہے، ہمارا مذہب صلح کل اور آزادہ رو ہے، اعتدال اسکا خاص جوہر ہے، یہ ایسا تنگ خیال نہین، اسکی نظر جسقدر وسیع اور بلند ہے، اُسیقدر باریک و عمیق ہے، فطرت کا اور اسکا جادہ ایک ہے، اس نے تجھپر بڑا احسان کیا ہے، تجھے عز و شرف کا معیار اور خزائن دنیا کا کلید بردار قرار دیا ہے، یہ اسی کا قول تو ہے، کہ تیرے بغیر معرفت نفس محال ہے، جس پر معرفت حق کی بنا ہے، پس اپنے دل کو شکوک سے خالی کرکے، گرمجوشی کے ساتھ، اپنے ایسے قدردان سے گلے ملنے مین پس و پیش نہ کر، تجھ سے اُسکی شان دوبالا ہو جائے گی، اور اُسکی رفاقت سے خدا تیری کوششون مین اور زیادہ خیر و برکت دیگا، تو اُسکی شرکت مین بڑے بڑے کام کر سکتا ہے، تم دونون کی دوستی مخلوق کے لیے نہایت ہی مبارک ثابت ہو گی، اگرچہ مذہب ہم نا اہلون کی بدبختی سے کچھ بدل سا گیا ہے، لیکن بات یہ ہے، کہ ہم تیرے بغیر اُسکی کافی قدر نہ کر سکے، معدودے چند کے سوا اُسکی خوبی اور بزرگی کو کوئی نہ پا سکا، ورنہ ممکن نہ تھا کہ ہم اُس سے یہ بدسلوکیان کرتے، ہان اب تیرے توسط سے قدرے امید ہے کہ ہم مین اور بہت کچھ صفائی ہو جائے، وہ اپنے اصلی نورانی لباس مین ہمارے سامنے جلوہ گر ہو، اور ہم سب کی اُسکے سامنے گردنین جھک جائین، ہمین اچھی طرح تجربہ ہو گیا ہے، کہ دونون کا ساتھ لازمی ہے، نہ وہ تیرے بغیر کچھ قدرت رکھتا ہے، اور نہ اُسکے بغیر تو ہی کسی مصرف کا ہے، اگر تو کسی کے ساتھ شیر و شکر ہو سکتا ہے تو بس اس کے ساتھ،

اے شاہ علم مذہب کا وجود تجھ سے مقدم ہے، یہ بنی آدم کے لیے ودیعت فطری ہے، ہر ایک روح پر اُسکو تسلط ہے، کوئی روح بغیر اسکے چین نہین پا سکتی، روح اگرچہ تجکو قدر و عزت کی نظر سے دیکھتی ہے، مگر اسلیے کہ وہ اُس عالم سے تعلق رکھتی ہے جس سے تو بالکل نابلد ہے، وہ تیری ہر بات کو تسلیم نہین کر سکتی، قیاس دوڑا دوڑا کر تو وہان کی جو بے سروپا خبرین بتاتا ہے وہ اُنپر ہنستی ہے اور بجا ہنستی ہے، تو ہی انصاف کر، جو بات تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی نہو اُسپر کیونکر اعتبار کیا جائے، تو ہزار چلایا کرے، کہ خدا کے وجود کا خیال باطل ہے، تو ہزار چلایا کرے، کہ قیامت کے دن مردون کا پھر زندہ ہو کر اُٹھ کھڑا ہونا جنون و سودا ہے، تو ہزار چلایا کرے، کہ روح کوئی چیز نہین، دماغی قوا مین سے بتدریج نشو و نما پانے والی ایک قوت یہ بھی ہے، جسم کے ساتھ یہ بھی فنا ہو جاتی ہے، اور اسکی بقا کا یقین خبط مین داخل ہے، تو ہزار چلایا کرے کہ حساب و کتاب. سزا و جزا محض گیدڑ بھبکیان ہین، تو ہزار چلایا کرے

کہ وحی والہام مہمل الفاظ ہین، مگر روح تیرے ان پادر ہوا دعوون کو کب خاطر مین لاتی ہے، تو زمین و آسمان کو اُدھیڑ کر رکھدے، مگر تو اُنکی تہ کو کب پہنچ سکتا ہی؟ تونے جو یہ ایک انتہائی نظریہ قائم کیا ہے کہ مادہ اور قوت کی ازل سے جو مقدار ہے ابد تک وہی رہے گی، اگر یہ سچ بھی ہو، تو جب روح تجھ سے سوال کرے گی کہ ع مادہ کیا ہے بھلا، بتلا تو دے مجھکو ذرا اُس وقت تجھے کوئی جواب نہ بن پڑے گا۔

تو یہ بھی کہتا ہے کہ نیچر کی ماہیت پر آج بھی وہی پردے پڑے ہوے ہین جو دو ہزار چار سو برس پہلے اینکسی مینڈر (Anaximander) اور ایمپی ڈوکلز (Empidocles) کے زمانہ مین یا دو سو برس قبل اسپینوزا (Spinoza) یا نیوٹن کے زمانہ مین یا سو برس قبل کینٹ (Kant) اور گیٹی (Goethe) کے زمانہ مین پڑے ہوے تھے، تو اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ ماہیت عالم اور بھی پُراسرار ہوتی جاتی ہی، جون جون ہم اسکے خواص یعنی مادہ اور قوت کی تہ کے قریب پہونچتے جاتے ہین یا جس قدر ہم اُسکے تغیرات اور مشاہدات کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہین، لیکن ہم خود اُس ذات کو نہین جانتے جو ان ممکن الدریافت مشاہدات کے پیچھے چھپی ہوئی ہے ۵ اور اُلجھ جاتے ہین سلجھانے سے عقدے دہر کے + اور حیرت غور سے بڑھجاتی ہی ای ہوشیار پھر تیرا دیدہ دلیری سے یہ کہنا کہ "جب ہم اُس ذات کو دریافت کرنے کے وسائل نہین رکھتے اور نہ صاف صاف یہی معلوم ہے کہ اُسکا وجود بھی ہی یا نہین تو اس عقدۂ لاینحل کو سلجھانے کی دردسری مین کیون پڑین؟" تو ہی بتا عجز مین داخل ہی کہ نہین؟

Vide "The Riddle of The Universe" by Ernest Haeckel pp 134 Translated by Joseph Mccabe -

اے شاہد علم، اپنی فہم و دانش پر نازان نہو، تیرے مجہولات تیرے معلومات سے بدرجہا زیادہ ہین، اپنے کم ظرف مریدون کو سمجھا کہ وہ اس طرح بڑھ بڑھکر باتین نہ بنائین، جب وہ اس عالم محسوس کی کامل اور بے عیب تحقیق نہین کر سکتے، تو تمام کائنات، کے (جو نامحدود اور انکی دسترس سے باہر ہے) رازون کو کیونکر دریافت کر سکتے ہین؟

اے شاہد علم برا نہ مان، ہم تیرے انکشافات، تیرے ایجادات، اور تیری دریافتون کو سر آنکھون سے تسلیم کرتے ہین، تیری تحقیقات اور سعی کی داد دیتے ہین، اور تیری رضاجوئی کو اپنے لیے فخر و فلاح کا ذریعہ سمجھتے ہین، لیکن جن امور مین تجھے دخل نہین، اُنمین پڑکر اپنا عزیز وقت نہ کھو، ہم تیرے کہنے سے سب باطل عقیدون، گمراہ کن تقلیدون اور بیہودہ رسمون کے ترک کردینے کو تیار ہین، رہا ہمارا مذہب، وہ سراسر تیرا موافق ہی، تجھے اُف کہنا تو کجا، وہ تجھے اپنا عزیز بھائی سمجھتا ہی، جو باتین تجھے بُری معلوم ہوتی ہین وہ بھی اُنکو اچھا نہین سمجھتا، وہ ہماری روحون کی اصلاح کریگا،

اور تو ہمارے دل و دماغ کی۔

اے شاہد علم ہمیشہ سے انسان کو یہ خیال رہا ہے کہ کائنات کا بنانے والا کوئی نہ کوئی ضرور ہے، بڑی بڑی غیور طبیعتین بھی جن کی دانائی اور دقیق نظری کا ابتک ایک عالم پر سکہ بیٹھا ہوا ہے اس سے آزاد نہ تھین دیکھو سقراط نے جسکے حکمت و فلسفہ کے سامنے آجکل کا ترقی یافتہ زمانہ بھی سر جھکاتا ہے، ایک بیدین شخص ارسطوڈیمس نامی سے کیا گفتگو کی تھی

ارسطوڈیمس سے یہ بات تسلیم کرا کے کہ وہ جدت شعار صناعون کی ہنرمندی کو قدر و عزت کی نظر سے دیکھتا ہے، سقراط نے اُس سے دریافت کیا "کہ پھر صناعی کے ایسے اعلیٰ نمونہ کو جو خلقت انسانیہ مین پایا جاتا ہے کیسے جھٹلا سکتے ہو؟ مختلف احساس پذیر اشیا رکے لیے اعضا کی مناسبت، مژہ و پلک سے آنکھ کی حفاظت، دانتون اور ڈاڑھون کی ترتیب و بناوٹ، مان کی اولاد کے ساتھ فطری اور بے لوث محبت، اپنی حفاظت کی موثر و قدرتی معلومات، آیا یہ سب امور اور نظام ہائے فلکی محض اتفاق سے ظہور پذیر ہو سکتے ہین؟"

ارسطوڈیمس نے جواب دیا، "کہ مجھے تو بظاہر اس دنیا کا چلانے والا نظر نہین آتا"۔

سقراط، "خوب! تمھین اپنی روح بھی تو نہین دکھائی دیتی جو تمھارے جسم پر حکومت کرتی ہے، اسلیے تمھارے افعال بھی محض اتفاقیہ ہوئے؟" اسپر ارسطوڈیمس ذرا سٹ پٹایا، اور کہا کہ مین خدا کی قدرت کا تو انکار نہین کرتا، بلکہ مین اُسکی شان ایسی ارفع پاتا ہون کہ مرے خیال مین اُسے میری عبادت کی مطلق احتیاج نہین ہو سکتی"۔

سقراط "جسقدر اُسکی ذات ارفع و بلند ہے، یقیناً تم پر اُسیقدر اُسکی عزت و بندگی زیادہ واجب ہے در آن حالیکہ وہ اپنے لطف و احسان سے تمھاری خبر گیری بھی کرتا ہے"۔

ارسطوڈیمس۔ "یہ بات میری سمجھ مین نہین آتی کہ خدا کو انسان کا خیال بھی ہے"۔

سقراط "کیون نہین، انسان کو عقل و نطق عطا فرما کر تمام مخلوقات پر ممتاز و متصرف گردانا، اُسکی ہدایات کے لیے وقتاً فوقتاً الہام و وحی کے ذریعہ سے احکام بھیجتا رہا ہے، اُسکی بہبودی اور کامرانی کے لیے بیشمار سامان پیدا کیے جو برابر ایک قاعدہ سے ظہور پذیر ہوتے رہتے ہین، غرض جس طرح جسم انسانی پر روح کا عمل ہے، اُسی طرح اس تمام موجودات پر خدا کا حکم جاری و ساری ہے" (ماخوذ از ذینوفن)

الحاصل ابتدائے آفرینش آدم سے یہ خیال ہر سرزمین اور ہر آب ہوا مین نشو و نما پاتا رہا ہے، یہانتک یہ خیال پختگی اور کمال کو پہونچ کر آٹھوین صدی عیسوی کے اوائل مین وادئ فاران سے توحید کا آفتاب بنکر بلند ہوا، اور چارون طرف، دور دور، لا الہ الا اللہ کی پُر امن شعاعین پھیلا دین، جن سے بہت سی آنکھون نے نور اور خنکی حاصل کی

اور بہت سی خیرگی سے چُندھیا کر رہگئین ؎

دیر ہوئے بے چراغ اور صلوٰات یہود　　　شرک ہوا مضمحل اور کہانت ہبا
بجھ گئے آتشکدے بیٹھ گئے بتکدے　　　ہوگئی تثلیث مات اور ثنویت فنا

توحید قوّت روحانیہ کا انتہائی ارتقاع ہے' یہ ہزارون صدیون کی امانت ہے' یہ ہزارون لطیف و پاکیزہ اور بسک سیر روحون کا مقصود اعلیٰ ہے' ہزارون بزرگ اور گرانبہا جانین اسکا رستہ صاف کرنے مین قربان ہوئی ہین' تب کہین یہ ہم تک بے غل و غش پہونچی ہے' ہم تیری سب باتین مان لین گے' مگر مر کر بھی اِسے جدا کرنا منظور نہین' یہ ہماری اصل حیات ہے' یہ دنیا کے لیے عافیت کی سند ہے' دنیا اسکو مان لے تو نسل و قومیت کا تفرقہ آج ہی مٹ جائے' اور اس طرح بنی آدم کے ایک حلقہ مین داخل ہونے سے یہ آئے دن کی خونریزیان محض خواب و خیال ہوجائین' پھر اے شاہد علم' خود تیرا رستہ بھی صاف ہوجائے' تیرے احکام کی کماحقہ تعمیل ہونے لگے' اور تیرے نام سے بعض نااہلون نے جو یہ ظلم روا کر رکھے ہین' اُنکی قرار واقعی بیخ کنی ہوجائے' اے سادہ دل تیرے احکام بغیر عمل کے گوزشتر سے زیادہ وقعت نہین رکھتے' اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا دامن بالکل پاک و صاف رہے' تو مذہب کی رفاقت اختیار کر' ورنہ تیری صورت مسخ ہوجائیگی' تو مخلوق کے لیے بجاے رحمت کے قہر ہوجائیگا' اور تمام بدعمالیون کا وبال تیری گردن پر ہوگا' تو اخلاق کی رو سے' طب کی رو سے ہر طرح سمجھا بجھا کر بیٹھ رہا کہ لوگ دختِ رز کو مُنھ نہ لگائین' مگر رندِ مشرب طبیعتون نے تیری ایک نہ سُنی' بخلاف اسکے مذہب کی چند لفظون کی تعمیل مین کروڑون خدا کے ایسے بندے ملینگے' جو ام الخبائث کو مُنھ لگانا تو کجا ہاتھ سے چھونا تک حرام جانتے ہین' تو تحفظ تمدن و اخلاق کے لحاظ سے حکمتاً' اصولاً' قانوناً' سب طرح منع کر چکا کہ نامحرم مرد و عورت ایک دوسرے پر بُری نگاہ نہ ڈالین' مگر ذرا گریبان مین مُنھ ڈال کر بتا' اسکی کہانتک تعمیل ہورہی ہے' بخلاف اسکے مذہب کا اثر دیکھ کہ اسکے چند سیدھے سادے جملون پر نامحرم مرد و عورت کا یکجا ہونا در کنار دوچار ہونا تک دشوار ہوگیا ہے' اسی طرح سیکڑون اخلاقی باتین ایسی ہین کہ تو لوگون کو بتاتا ہے اور وہ پابند مذہب نہونے سے ہنسی مین اُڑا دیتے ہین' مذہب ایک بات کو نہایت سادگی سے چند لفظون مین کہتا ہے اور لوگ اُسے لوح دل پر لکھ لیتے ہین' اور بند بند جوڑ جوڑ کو اُسکا تابع بنادیتے ہین' مگر جب تو ای سی بات کو دلیل و برہان سے ہزار رنگ آمیزیان کرکے' نمک مرچ لگا کے بیان کرے تو کوئی سُنتا ہے' کوئی نہین سُنتا' اب اگر مذہب یہ کہکر فخر و مباحات کرے تو کچھ بیجا نہوگا ؎

دہر مین غارت گرِ باطل پرستی مین ہوا　　　حق تو یہ ہے حافظ ناموسِ ہستی مین ہوا
میری ہستی پیرہن عریانئ عالم کی ہے　　　میرے مٹ جانے سے رسوائی بنی آدم کی ہے

اے شاہد علم اگر آج مذہب کا قدم دنیا سے اُٹھ جائے' تو عالم کا سنبھالنا کیا معنی' تجھے خود اپنی جان کے لالے پڑ جائین'

یہ مذہب ہی تو ہے جو فاسد طبیعتون کو فتنہ پردازی سے روکے رکھتا ہے' تیری شہ پانے سے تو اکثر خود کام اپنی ناجائز خواہشون کے پورا کرنے کو کمزورون پر ظلم کرنے مین اور بھی دلیر ہوجاتے ہین' حال ہی کا واقعہ ہے' ذرا خدا لگتی کہنا' جاہل ترکون نے تعلیم یافتہ اٹلی والون کا کیا بگاڑا تھا' جو انپر یہ زیادتی جائز رکھی گئی؟ اُنکی کیا خطا تھی؟ جو ایک تیرا کلمہ پڑھنے والی قوم نے امن والے ملک کو زیر وزبر کر ڈالا' اور اُنھین بیٹھے بٹھائے ایسی آفات مین پھنسا دیا' کہ خدا ہی ہے جو وہ اُس سے سلامت نکل سکین' تیرا دلدادہ یورپ بجائے اسکے کہ کمینی اٹلی کو اُسکی نامعقول حرکتون پر تنبیہ کرتا' اُلٹا اور دل بڑھا رہا ہے' کہ ہان ایکمرتبہ سارے طرابلس پر قبضہ تو کرے' پھر کیا مجال جو کوئی تجھے وہان سے نکل جانے کے لیے زبان تک ہلا سکے! بتا اگر ایسی نازک حالت مین ترک تنگ آکر نپولین کی طرح تلوار پکڑ کر اُٹھ کھڑے ہون' اور ہاس پڑوس کی چھوٹی موٹی ریاستون کا قیمہ کرکے رکھدین اور باقی یورپ کو نوٹس دیدین کہ خبردار ہوجا' تو بتا' تو اسکو روا سمجھے گا یا ناروا! کیا تو نے ان ظلم پسندون کو فنون جنگ اور آلات حرب اسی لیے سکھائے تھے کہ یہ اُنکی مدد سے کمزور اور مسکین قومون کا نام ونشان تک مٹا ڈالے؟ کیا تجھے معلوم نہین؟ کہ ایک طرف تو تیری محبت کے دم بھرنے والون نے بیگناہ مسکین ایران پر مصیبتون اور قتل وغارت کا آسمان توڑ رکھا ہے' ایک طرف مراکش مین فتنہ وسازش کی آگ لگا رکھی ہے' اور ایک طرف طرابلس الغرب مین ظلم اور بیحیائی کا علم بلند کیا ہے' غرض چارون طرف تیرے موذی موکلون نے ایک قیامت برپا کر رکھی ہے' وہ خون کے دریا بہا رہے ہین' اور ہزارون لوگون کو ناحق محض نفسانیت سے بے خانمان اور بے وطن کر رہے ہین' اور تیری رگ حمیت جوش مین نہین آتی! ہزارون بچے یتیم ولاوارث ہوکر ٹھوکرین کھاتے اور فریاد کرتے پھرتے ہین اور تیرا دل نہین پسیجتا! ہزارون نوجوان بیوائین اپنے خاوندون کو کھوکر اور بے آسرا ہوکر عجب درد و یاس سے بین کر رہی ہین' اور تیرے کانون کے پردے شق نہین ہوجاتے! ہائے تو ان سفاک ناخدا ترسون کو روکنے کے بجائے اُلٹی' علانیہ اور در پردہ مشورے سے ہتھیار سے ہر طرح اُنکی مدد کرتا ہے' افسوس تجھ سے یہ امید نہ تھی سے مہر کی تجھسے توقع تھی ستمگر نکلا ہ' موم سمجھے تھے ترے دل کو سو پتھر نکلا ہ' کیا اب بھی تجھے یہ کہتے ہوئے شرم نہ آئیگی کہ مذہب کی تلوار سے ہمیشہ خون ناحق کے تازہ قطرے ٹپکتے رہے ہین' جہان جہان اُسکا مبارک قدم گیا' کشت وخون اور قتل وغارت نے اسکی پیشوائی کی' آزادی اور امن عامہ کا استیصال ہوگیا' کسی کو غلامی کی زنجیر پہنائی گئی' کسی کو جلاوطن کیا گیا' علم و ہنر گہن مین آگئے' اور تمدن و معاشرت کے آفتاب پر دھوان دھار بادل چھا گیا! اے شاہد علم مذہب نے ہرگز ناحق خونریزی کو روا نہین رکھا' اگر کسی نے اسکے نام پر ایسا کیا تو وہ خود اسکا جوابدہ ہو سکتا ہے' مذہب نے زیادتی کو ہرگز جائز نہین بتایا' وہ تو یہ کہتا ہے کہ مغلوبون اور زیردستون سے نرمی اور ملاطفت کے ساتھ پیش آؤ' اُنکی حفاظت کرو' عدل و داد اور مذہبی آزادی مین اُنکو بھی پورا حصہ دو! کیا تیرے اصول بھی ایسے ہی ہین! کیا تو ضعیفون کے فنا کر ڈالنے کو انصاف نہین سمجھتا؟ کیا تیرے

مزاج مین خودکامی اور خودستائی نہین ہے؟ کیا تو نے بعض طریقے ایسے اختیار نہین کیے ہین جن سے ہزارون بندگان خدا اپنی خداداد آزادی اور قدرتی حقوق سے محروم ہو جائین اور تو الزام سے بری ہے؟ بتا کیا مذہب بھی تیری طرح جہل کو کشتنی اور ضعف و سکنت کو گردن زدنی قرار دیتا ہے؟ اے شاہد علم! ابھی تو گھٹنیون ہی چلتا اور تتلا تتلا کر باتین کرتا تھا اور ابھی تجھ سوائے چند نظمون یا بعض بے سر و پا افسانون کے اور کچھ نہ آتا تھا کہ مذہب نے تمدن و معاشرت اور دنیاوی فلاح و ترقی کے لیے ایسا جامع اور مفید عام کوڈ منضبط کر دیا کہ اب تو باین فہم و دانش سر ٹیک کر بیٹھ رہے اور اسکا جواب لا سکے، روحانی اور غیر روحانی قوت مین یہی تو فرق ہے کیا مجال جو نیک طبیعتین مذہب کے احکام مین ذرا بھی چون و چرا کر سکین لیکن تیرے اصول اکثر مورد اعتراض ہوتے اور آئے دن بدلتے رہتے ہین تیرے عمدہ احکام بھی اگرچہ رفاہ عام اور بہبودی جمہور کا پہلو لیے ہوے ہون مگر زیادہ باوقعت و باثر ہونے کی وجہ سے اکثر ہمارے جو نفس اُنکی ذرہ بھر پروا نہین کرتے، اگر تیری قدردانی کے ساتھ وہ مذہب کی بھی اطاعت کرین تو مخلوق کے حق مین کیا اچھا ہو،

بس اب جلی کٹی ہو چکی، ہم صاف باطن آدمی ہین، لگی لپٹی کچھ اُٹھا نہین سکتی جو دل مین ہے وہی زبان پر آتا ہے، اتنا ضرور کہین گے کہ مغرب مین تیرے تقدس اور بزرگی کا کافی احترام نہین کیا گیا، اگر تو چاہتا ہے کہ تیری قوت و کامرانی کے ساتھ تیرے تقدس اور وقار کو بھی فروغ ہوتا رہے تو ہم سے گھل کر مل، ہم تیرا نہایت ادب کرتے ہین، ہم تجھے محض کسب معاش اور حصول جاہ کا ذریعہ ہی نہین سمجھتے، آ ہمارے پاس آ، اگر تیری خواہش ہے کہ تاریخ مین ہر طرح تیرا بول بالا رہے تو ہم سے پیمان وفا باندھ، درازدستی اور بیحیائی تیری شان سے بہت گری ہوئی باتین ہین تجھ جیسے صاحب اقبال کے لئے تو خاکساری اور منکسر المزاجی زیبا ہے نہ کہ عجب و خود پسندی، دیکھ بازرگون کی غلط کاریون سے دنیا کو تیری نسبت شکوک پیدا ہو چلے ہین، اپنے نیک نام کی حفاظت کر، خبردار تیرے کیریکٹر مین نام کو بھی کوئی کمزوری یا عیب نہ آنے پائے، دیکھ تمام ہند تجھ سے لو لگائے بیٹھا ہے ہندو مسلمان تیری تمنا مین ڈوبے ہوئے ہین وہ مال و دولت سب کچھ تیری راہ مین لٹا دینے کو تیار ہین، ہم مسلمانون کی سی بے بضاعت قوم بھی تیری رضاجوئی مین کسی سے پیچھے نہین، علیگڈھ کا سا شاہانہ محل تیرے نام پر وقف کر رکھا ہے آ اور اُس پر اپنا شاہی پھریرا اُڑا دے، ہمارا کوئی گھر تیری روشنی سے محروم، اور ہماری قوم کا کوئی فرد بشر تیرے فیض سے بے بہرہ نہ رہنے پائے، آ ہم سب مل کر تیرا خیر مقدم گاتے ہین آ ؎

زودر آ و شبستان ما منور کن — دماغ مجلس روحانیان معطر کن — ازان شمائل و الطاف و حسن خوش که تراست — میان بزم حریفان چو شمع سر بر کن
بگو بخازن جنت که خاک این مجلس — بتحفه بر بسوی فردوس و عود مجمر کن — ستاره شب هجران نمی فشاند نور — بیام قصر بر آ و چراغ مه بر کن
فضول نفس حکایت بسی کند ساقی — تو کار خود مده از دست و می بساغر کن — لب پیاله ببوس آنگهان بمستان ده — باین لطیفه دماغ خرد معطر کن
حجاب دیده ادراک شد شعاع جمال — بیا و خرگه خورشید را منور کن

سید تفضل حسین ناظر

ہفت بند حسینی

جناب مرزا کاظم حسین محشر ہمارے شہر کی ممتاز جمیعت شاعری یعنی مجلس معیار کے ایک رکن اعظم ہین اور اُنکی پر لطف نظمون سے اردو زبان کے تقریباً تمام معزز رسالے زینت پاتے رہتے ہین۔ ناظرین الناظر بھی اُنکی خوش کلامی کے نمونے ملاحظہ فرماتے رہے ہین ذیل کی نظم اُن کی جدت طبع اور فکر عالی کا نتیجہ اور مرثیہ کی صنف مین نئے مذاق شاعری کی ایک پاکیزہ مثال ہے۔ ہم شکرگذار ہین کہ یہ لطیف نظم ہمارے پاس ایسے وقت ارسال کی گئی کہ ہمین ماہ محرم الحرام مین اوسکی اشاعت کا موقع مل گیا۔ اور امید کرتے ہین کہ حضرت محشر کی توجہ سے الناظر ہمیشہ اسی طرح متمتع ہوتا رہے گا۔

کمال عشق ہے بے مونس و بے خانمان ہونا — نشاطِ زندگانی صرف راہ امتحان ہونا
بمجبوری ہجوم درد و غم مین چھوڑنا گھر کو — رضائے دوست کی خاطر خوشی سے بے نشان ہونا
تعلق طبع کو ایذائے راہ کوہ و صحرا سے — پریشان قلب کا ہم صورت ریگ روان ہونا
گرفتار سیاست ہو کے آخر ختم ہو جانا — تمدن کے طریقے پر تصدق جسم و جان ہونا
سمجھنا فلسفے کو صبر کے تا قوت امکان — بہ رنگ اہل باطن چشم دل کا خون فشان ہونا
زبان سے دفتر اخلاق کی تشریح کر دینا — نگاہون سے کسی نامہربان کا مہربان ہونا
مثال شمع خود رونے لگین سر کاٹنے والے — تکلم دلگداز ایسا دمِ سوزِ بیان ہونا

بھروسہ فطرۃً اتنا ہو نفس مطمئنہ پر
کہ اُف منھ سے نہ نکلے گو کہ مرجائے دل مضطر

زمین ہو دشمن جانی کہ ساتون آسمان دشمن — نہ بل تیوری پر آئے گو کہ ہو سارا جہان دشمن
قدم اُٹھے ہی جائے منزل مقصود کی جانب — غرض ہی کیا اگر ہو کاروان کا کاروان دشمن
گل قبر عزیزان ہون غبار آہون کے یون نکلین — یہ مانا بڑھتے بڑھتے دل مین ہو سوز نہان دشمن
صفائے قلب کی مخبر نگاہ لطف بن جائے — کوئی مہمان دشمن ہو کہ کوئی میزبان دشمن
بگڑنا ہے تو بدمستان مینحانہ بگڑ جائین — حواس اتنے رہین باقی نہ ہو پیر مغان دشمن
نشاط روح ہے راہ رضا مین کام آ جانا — کہان کی زندگانی ہو گیا جب جان جان دشمن
پہونچ کر کوے جانان مین جو ہو پاس ادب دل سے — بنا سکتی ہے پھر کیا ہو جو چشم پاسبان دشمن

مدارج دن بہ دن یون بڑھتے جائین جذبۂ دل کے

کہ وقت ذبح بوسے لے رگِ جان تیغ قاتل کے

مزا دے محفلِ عیش و طرب کا رنج تنہائی — دل بیتاب کو دے وجہ سکون ہو ناشکیبائی
منور کر دے جا کر جو کہ قبر پیر کنعان کو — غمِ نورِ نظر مین جائے یون آنکھون کی بینائی
نہ بھولے بادہ نوشان کہن کی تشنہ کامی کو — میسر ہو اگر قسمت سے کوئی جام مینائی
صدا آئے حریم حسن سے جب جانستانی کی — بڑھے بیساختہ لبیک کہہ کر قلب شیدائی
زمین سے تا حجاب قدس سناٹا سا پڑ جائے — تن زخمی کو جب رخصت کرے روح تمنائی
پس گردن روانی کند خنجر کی ہو خواب آور — درِ محبوب پر ہو اس طرح محو جبین سائی
دل خون گشتہ کے ماتم سے شور حشر برپا ہو — مٹے پر بھی رہے عالم مین یہ ہنگامہ آرائی

سُنے جو تذکرہ بے ساختہ آنسو نکل آئین
بڑھے یون گرمیِ غم پردے چشم و دل کے جل جائین

شکستہ ہو رگ دل گو کہ ہنگام جفا کاری — قیامت تک مگر ٹوٹے نہ پیمان وفاداری
اُڑے یون خون تازہ امتحان گاہ محبت مین — در و دیوار بزم قدس پر جس کی ہو گلکاری
ملے خواب اجل کو ایسا تابستان مظلومی — جہان کے ذرے ہون صورت مین وہ پیشِ مین جنگاری
سراپا زخم بن کر جھومنا لذت سے ایذا کی — بظاہر بیخودی طاری مگر باطن مین ہشیاری
خیالات وفا پرور مین آزادی سی آزادی — دل بیتاب کے ہر چند سامان گرفتاری
کہان ہو اہل دل ہان کربلائے عشق مین آؤ — کہ اک شبیر تنہا اور زمانے کی جفا کاری
دل مظلوم کی آہین ورق دنیا کا اُلٹین گی — قیامت ہے زمین سے تا بسطِ چرخ زنگاری

مصائب جھیلنے تھے سمجھے اُنھین داخل عنایت مین
اُٹھائے ایک دن مین سب کے سب خالق کی الفت مین

حواس خمسہ مین لیکن ذرا سا بھی نہ فرق آیا — نہ گردون ہو گئے صد پارہ دل کے امتحان کیا کیا
بصارت چشم دل مین اور بھی پیدا ہوئی دونی — غمِ نور نظر نے سینے پر مارا اگر بھالا
دماغ دل کو زور شامہ نے اور قوت دی — شہیدان وفا کے خون کی خوشبو کو جب سونگھا
پہ تیر قضا کی ہولناک آواز سُن سُن کر — نہ گھٹنے پائی قوت سامعہ کی عصر تک اصلا
زبان سوز عطش سے گو کہ مُنھ مین پھر نہ سکتی تھی — مزا لیکن نہ ہرگز لذت بیداد کا بدلا
رگون کا خون بہ جانے پہ بھی تھی جسکی یہ حالت — مسیحا بن گئے جب نبض کو سجاد کی دیکھا

ارے اے واقف سر شہادت تیرا کیا کہنا
ارے اے پاے بند حکم قدرت تیرا کیا کہنا

کھڑا ہے کربلا مین یادگار مصطفےٰ تنہا ہزارون دشمن جان اور حسین باوفا تنہا
نکالی قلب سے اکبر کے برچھی روے اصغر کو جگر سینے مین تنہا اور دل درد آشنا تنہا
فضاے دہر مین طوفان غم سے اک قیامت تھی کلیجہ تھامے یہ مظلوم جب رد دیا کیا تنہا
تصدق اُسپہ علم کبریا مین جتنی ہون ردِ حین کہ جو وعدہ وفائی کے لیے زندہ رہا تنہا
جدھر اُٹھ جاتی تھین نظرین خدا دکھلائی دیتا تھا وہ وقت آیا کہ ہے روح علی مرتضےٰ تنہا
اُبل کر گرے زخمون سے لہو بھی ہو گیا رخصت بوقت بیکسی یون ہے غریب نینوا تنہا

وصال دوست کی تمہید آخر ہے یہ تنہائی
بس اب دم بھر مین دل ہوگا نہ زور ناشکیبائی

کدھر ہو آؤ اے وقت قیامت دیکھنے والو کہ دیکھو تیر اعظم کی رنگت دیکھنے والو
دم عصر آگیا اب آسمان سے خون برسے گا لہو آنکھون سے روؤ شام غربت دیکھنے والو
بس اب شبیر کی تشنہ دہانی خاتمے پر ہے بس اب منہ پیٹو اے افسردہ صورت دیکھنے والو
وہ دیکھو شمر ظالم فوج سے خنجر بکف نکلا جگر تھامو اکیلے کی مصیبت دیکھنے والو
وہ زخمی کے قریب آیا وہ رکھا پاؤن سینے پر کہان ہو اے ستمگاری کی شدت دیکھنے والو
شکستہ دل پہ کیا گذری ذرا انصاف سے کہنا کتاب ظلم مین رمز شہادت دیکھنے والو
جدا سر ہو گیا دنیا مین آندھی اک سیہ اُٹھی ہوا اندھیر اے طوفان آفت دیکھنے والو

حسینی زخمون کے خاطر ہمارا گریہ مرہم ہے
ہمارا دین اور ایمان اے محشر یہی غم ہے

مرزا کاظم حسین محشر لکھنوی

سر پہ او قاتل ترے زخصنا آ ہی گیا پوچھو دامن سے لہو دست حجاب آ ہی گیا
ہم نہ کہتے تھے کسی کی بد نظر لگ جائیگی ٹوٹ کر سینہ تلک نہد نقاب آ ہی گیا
اتنا کہکر ہو گیا رخصت کسی کا بچپنا لے خدا حافظ کہ اب تیرا شباب آ ہی گیا
نزع کی الجھن مری کم قوتی نے ٹالدی مین تو سمجھا تھا کہ اب تجھکو عتاب آ ہی گیا
تیرے ہی کہنے سے مینے اپنا افسانہ کہا پھر وہ کیا تھا جس پہ یون تجھکو عتاب آ ہی گیا
چاہیے انسان کو تقدیر پہ بنا کر رہے مجھ تلک بھی دور مین جام شراب آ ہی گیا
کیا غرض اس سے جیے گا یا کوئی مر جائیگا میرے نامہ کا وہان سے کچھ جواب آ ہی گیا
سوؤ گے کبتک اُٹھو اے ہجر کے نالہ کشو وہ سوا نیزہ پہ دیکھو آفتاب آ ہی گیا
جاگنے مین جو ہوئی تھین ہجر کی راتین بسر تیغ کے سایہ مین عالم تجھکو خواب آ ہی گیا

عالم لکھنوی

اقوام یورپ کی ترقی تجارت وصنعت وحرفت مین

اقوام یورپ کو جو برتری صنعت وحرفت مین آج حاصل ہے اُسپر بحث تفصیل کے ساتھ طوالت کے اندیشہ سے نہین کیجا سکتی۔ لیکن مختصراً بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس مضمون کو بیان کرنا ان تمام اقوام کی ترقی دولت۔ ترقی آبادی تمدنی حالات۔ لوگون کی عام خصوصیات وطرز عمل اور قومی ذرائع آمدنی کو اور تمام تغیرات کو بیان کرنا ہے جو ملک کی اقتصادی حالت مین وقتاً فوقتاً ہوتی رہی ہین۔

اقوام مین اس تنازع لاانتفوق کی تاریخ اسوقت سے شروع ہوتی ہے جبسے کہ یورپ کے حرص و آز کا دامن وسیع ہونا شروع ہوا اور اپنے ملک کی تجارت کو ترقی دینے مین یورپ کی مختلف اقوام نے سرگرمی شروع کی۔ کبھی ایک قوم کو عروج حاصل ہوا کبھی دوسری کو پھر ایک زمانہ آیا کہ تیسری ہی قوم کھڑی ہوگئی۔ جو اسوقت دوسرے سے زیادہ ذکی وفریس تھی اور زیادہ عملی قابلیت رکھتی تھی اِس لواندکی روشنی مین پہلی مدہم پڑگئی۔ غرض کہ اقوام یورپ کی یہی زیر وزبر حالت ہوتی رہی ہے اور رہے گی صنعت وحرفت وتجارت کا چولی دامن کا ساتھ ہے ایک کو دوسرے سے آپ جدا نہین کرسکتے۔ ایک کی بحث مین دوسری کی بحث چھڑجائے گی۔ ایک کا ذکر کرتے وقت دوسری کی جانب خاموش رہنا بالکل غیر ممکن ہے۔

صنعت وحرفت کو یہ ترجیح ضرور حاصل ہے کہ اسکی مدد سے آئے دن انسانی جفاکشی کے نئے نئے نتیجے ظاہر ہوتے رہتے ہین اسکی مدد سے ملک کی قدرتی پیداوار کو محنت وجفاکشی کی مدد سے عمدہ شکل مین ڈھال سکتے ہین۔

تجارت خام وپختہ اشیاء کے باہم تبادلہ اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر لیجانے کو کہتے ہین تجارت ہی کی بدولت ایک ملک کی زیادتی دوسرے ملک کی کمی کو پورا کرتی ہے اسکی مدد باہم تبادلہ اشیاء۔ تقسیم عمل۔ دولت پیدا کرنے کے ذرائع مین پابندی ضابطہ کے اوصاف پیدا کردیتی ہے۔

قبل اسکے کہ ترقی صنائع کا کچھ ذکر کیا جائے مختصراً کچھ حال اس باہمی تنازع کا بیان کیا جاتا ہے جو اقوام قدیم مین دولت جمع کرنے کے لیے تجارت کو ترقی دینے کی صورت مین ظاہر ہوا تھا۔ شروع شروع مین انسان اپنی ضرورتون کو دریائی وصحرائی جانور کا شکار کرکے پورا کرلیا کرتا تھا۔ اور کسی چیز کے بنانے کی تکلیف نہین گوارا کرتا تھا۔ لیکن زمانہ نے جب ایک قدم اور آگے بڑھایا اور انسان نے آہستہ آہستہ اپنی نئی ضرورتون کے لحاظ سے تھوڑی سی سادی سودی چیزین بنانا شروع کین۔ آبادی کی ترقی کے ساتھ قدرتی اشیاء کا استعمال آدمی کم کرنے لگا اور ضرورتون کے

لحاظ سے کھانے کپڑے کے لیے جانور پالنے شروع کیے۔ اب زمانہ نے اور ترقی کی اور انسان مدنی الطبع ظاہر ہونا شروع ہوا زراعت کے رخ دکھایا اور انسان نے خانہ بدوشی چھوڑ کر ہل کاندھے پر لیا اور سوسائٹی کا نظام درست ہونے لگا۔ ذاتی جائدادین لوگ بنانے لگے اور مکان زمین جائداد غیر منقولہ و منقولہ کی صورت نظر آنے لگی اسکے ساتھ صنعت و حرفت کا زمانہ آیندہ آدمی نے صرف اپنے ہی لیے محنت و جفاکشی کو محدود نہین رکھا۔ بلکہ دوسرون کے لیے بھی کام کرنا شروع کیا اقوام کے باہم میل جول سے تبادلہ خیالات شروع ہوا اور انسان مین اخلاقی و تمدنی ترقی ظاہر ہونے لگی قدیم زمانہ مین مغرب کی تجارت مغرب مین تھی اور مشرق کی مشرق مین۔ جب سے مغرب نے مشرق کے ساتھ اور مشرق نے مغرب کے ساتھ مواصلت کی اور باہم آمدورفت کے راستے کھل گئے تو تجارت مین بہت زیادہ ترقی ہونے لگی اس زمانہ مین مغرب و مشرق کی تجارت کے صرف دو راستہ تھے ایک تو۔ بحر کیسپین کی طرف سے وسط ایشیا مین ہوتا ہوا گیا تھا۔ اور دوسرا بحر فارس و دریائے فرات کے برابر اسکندریہ ہوتا ہوا گیا تھا۔ اسکے بعد جب تحقیقات نے ظاہر کیا کہ بحر ہند مین موسمی ہوائین جاڑے مین شمال و مشرق کی جانب سے چلتی ہین اور گرمی مین جنوب و مغرب سے تو لوگون نے یہ دریا کا راستہ نکالا۔ اور جزیرہ لیوانٹ کی تجارت کو فروغ ہونا شروع ہوا اس دریائی راستے کے نکل آنے سے بحر قلزم کی راہ سے تجارتی و صنعتی ترقی کے دروازے کھل گئے قدیم فینشیا والون نے نئے نئے ملک معلوم کرکے اور اپنے مال کے لیے نئی بازارین دریافت کرکے بہت کچھ خطرات کے مقابلہ مین اپنی تجارت کو ترقی دی انکے بعد کارتھیج۔ انکے جانشین ہوے جنسے یونانیون اور رومیون نے جانشینی حاصل کی اب مرکز تجارت یونان اور رومۃ الکبریٰ کی طرف منتقل ہوگیا اور دوسری صدی عیسوی مین تجارت و صنعت و حرفت سلطنت روما کے بنائے ہوے نقش پر چلتی تھی۔ اس زمانہ مین لیوانٹ (Levant) کی تجارت نے اور ترقی کی حتی کہ چین سے شام تک سفر کرنے مین آٹھ ماہ صرف ہوتے تھے۔ مارسلیز (Marseilles) جنیوا (Geneva) پائسا (Pisa) اور وینس (Venice) کی تجارت نے اسکے بعد ترقی شروع کی انکے تعلقات زیادہ ایشیائے کوچک سے تھے اور انھین کے بیڑہ جہازین سوار ہو کر شمالی یورپ کے جنگجویان صلیب نے ارض مقدس کا قصد کیا تھا اس زمانہ مین ایشیا کا تجارتی راستہ دریائے ڈینوب (Danube) سے منحرف ہو کر کوہ ہائے الپس (Alps) کی طرف قائم ہوا۔ صلیبی لڑائیون کی وجہ سے ایشیا کی بہت سی قسم کی صنعتون اور حرفتون کا چرچا یورپ مین ہوا۔ جسمین زائرین ارض مقدس کی متواتر آمدورفت سے اور زیادتی ہوگئی غرض کہ انھین تعلقات آمدورفت کا نتیجہ تھا کہ یورپ کو تہذیب و ترقی حاصل ہونی شروع ہوئی۔ اور قطب نما مطبع اور بارود کا رواج دنیا مین ہوا اسی زمانہ مین زائرین ارض مقدس ان چیزون کے علاوہ یورپ مین ریشم اور کاغذ وغیرہ لائے۔ اس

زمانہ کے بعد بھی یورپ مین تجارت کو بے اندازہ ترقی ہونے لگی اور دریائی سفر اختیار کرنا لوگون کا تجارتی معاملات مین اظہار ہمت کرنا جو کم لینا معمولی بات ہوگئی۔ نئے ملکون اور نئی نئی ایجادات کے معلوم ہونے سے تجارت کو اور بہت مدد ملی۔ اسی زمانہ مین راس امید Cape of Good Hope کی طرف سے ہندوستان کا راستہ پرتگالیون نے دریافت کیا۔ اس راستے کے دریافت ہونے کے بعد سے تجارتی آمد و رفت کا رُخ بحر قلزم کی طرف سے بحر اطلانطک کی جانب ہوگیا۔ پندرھوین صدی عیسوی کے وسط مین قسطنطنیہ ترکون کے ہاتھ مین آیا اور یورپ کے عیسائیون کو ایشیا والون سے تعلقات پیدا کرنے کا اور زیادہ موقع ملا۔ اسی زمانہ مین کولمبس (Columbus) نے ہندوستان کی تلاش مین امریکہ کا پتہ دریافت کیا۔

سر جان سیلی کہتے ہین کہ دنیاے جدید کے معلوم ہونے کے یورپ کی پانچون دول عظام کی حالت و توجہ کو اپنی جانب کر لیا۔ اسپین و پرتگال سولھوین صدی عیسوی مین منتہاے ترقی پر پہونچے واسکوڈی گاما کے بعد پڈرو الورنیر کیرال نے سفر دریا کیا اور ۱۵۰۱ء مین ساحل مالابار پر پہونچا اور کوچین و کنانور مین تجارتی منڈیان قائم کین۔ اس طرح پر ہندوستانی اشیا رسبن (Lisbon) کے ذخیرون مین جمع ہو کر تمام یورپ مین مشتہر ہونا شروع ہوئین۔ سترھوین صدی عیسوی مین بحر اطلانطک کے سواحل کے باشندون نے میدان تجارت مین قدم رکھا اور اٹھارھوین صدی مین اسپین و پرتگال کا ستارۂ اقبال غروب ہونا شروع ہوا اور ہالینڈ انکے قبضہ سے نکل گیا جو دولت کثیر ہسپانی مکسیکو اور پیرو سے لائے تھے اسکے عوض مین صنعت و حرفت کی جانب انکی طبیعت مائل نہوئی اور آخر کار مسابقت اقوام مین انھین پچھڑ جانا پڑا۔ ہالینڈ جو ممالک اسپین مین مرکز تجارت تھا وہ بھی اب آزاد ہو چکا تھا۔ ہالینڈ کے آفتاب تجارت و صنعت و حرفت کی شعاعون نے اہل اسپین کی آنکھون کو خیرہ کر دیا۔ ہالینڈ والون نے تمام قسم کے ٹیکس اشیاے تجارتی پر سے اُٹھا دیے اور اقوام یورپ بجاے اسپین کے اب ہالینڈ کے بازارون مین تبادلہ اشیا اور بین الاقوامی کاروبار کے لیے جمع ہونا شروع ہوئین۔ ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کی تجارت مین کچھ کمانا شروع کیا لیکن انکی کوشش فرانس اور انگلستان کی زیادہ باضابطہ اور شائستہ کوششون کے سامنے ناکامی سے بدل گئی۔ اور ہند کا بازار فرانس اور انگلستان کے قبضہ مین آنا شروع ہوا اور ڈچ لوگون کی صنعت و حرفت انکی تجارت اور سمندر پر انکی عظمت سب نے یکے بعد دیگرے خیرباد کہنا شروع کیا۔ اب فرانس و انگلستان مین مسابقت شروع ہوئی ہندوستان کی شکست پلاسی اور شمالی امریکہ کی شکست کوہ ابراہیم نے فرانس کی ترقی کو روک دیا اور انگلستان میدان مین آگے نکل گیا اور جس طرح طائر اور رکارتھیج کی

برباوی کے بعد روما کو عظمت نصیب ہوئی تھی اسیطرح اسپین و فرانس کے زوال کے بعد انگلستان کو تجارتی عظمت حاصل ہوئی - اب ہم اُنیسوین صدی کے کنارے پہونچ گئے جبکہ انگلستان اپنے نومقبوضات کے انتظام مین مشغول تھا اور سمندر کی تجارت پر پورا پورا قبضہ رکھتا تھا - اس زمانہ مین بہت سی ایجادین ہوئین جنھون نے ایک تغیر عظیم پیدا کردیا اور یورپ کی تجارت مین حیرت انگیز تبدیلیان پیدا ہوگئین انگلستان چارون طرف پانی سے محیط ہونے کی وجہ سے نہایت محفوظ حالت مین تھا - ممالک غیر کے حملون سے محفوظ رہکر امن و امان کی حالت مین یہان والون نے عجیب و غریب ایجادین پیدا کین واٹ کے اسٹیم انجن ہمنگٹن کے دخانی جہاز اور سٹفنس کی گاڑیون نے تمام ملک کی تجارت کی رفتار بدلدی اور جو قدم کہ پہلے آہستہ آہستہ پڑتا تھا اب اسپر دوڑنے کا شبہ ہونے لگا اور انگلستان کی کامیابی اور عظمت تجارت و صنعت و حرفت تمام عالم مین تسلیم کرلی گئی - جہازون کی مدد سے انگریزون نے ممالک غیر مین اپنے سامان کی منڈیان قائم کین اپنے ملک کی مصنوعات سے اُنھین بھردیا - ارک رائٹ - ہارگیریوز - اور سمارٹ رانٹ کی ایجادون نے کپڑا بُننا اور جہاز و نیز ممالک غیر کو روانہ کرنا آسان کردیا - نلسن اور کارٹ نے کم خرچ مین لوہا نکالنا بتایا سیمبر ہیچنسن مارٹن اور طامسن نے کم خرچ مین فولاد بنانے کی تعلیم کی غرض کہ یہ وہ چیزین تھین جنھون نے آلات صنعت و حرفت مین بے نظیر تبدیلیان پیدا کردین اور نفاست و ارزانی دونون اوصاف کے ساتھ بیشمار چیزین بننی شروع ہوئین ان ایجادون کی مدد سے انگلستان نے تمام دیگر ممالک یورپ کے مقابلہ مین زیادہ لوہا اور فولاد بنانا عمدہ اور زیادہ مشینریان تیار کرنا کان سے زیادہ کوئلہ نکالنا زیادہ کپڑا بُننا شروع کیا - لیکن ان ترقیات کے ساتھ انکی بعض غلط حکمت عملیون کا نتیجہ یہ ہوا کہ امریکہ ہاتھ سے نکل گیا اور ۴ جولائی ۱۷۷۶ء کے اعلان خودمختاری نے ممالک متحدہ امریکہ کو ایک جدید سلطنت بنادیا -

انگلستان کو اس نوآبادی کے ہاتھ سے نکل جانے سے سخت صدمہ پہونچا - لیکن امریکہ سے جو اسکے تجارتی تعلقات تھے اُنمین فوراً تغیر عظیم پیدا ہوگیا - انگلستان کی خوش نصیبی کہ یورپ مین اس زمانہ مین انقلابات ہو رہے تھے - فرانس کی حالت منقلب تھی - جرمنی وغیرہ کی کوئی ہستی نہ تھی - اسپین پہلے ہی گرچکا تھا اسلیے انگلستان کے صدمے سے دوسری کوئی قوم نفع نہین اُٹھا سکی مگر خود ممالک متحدہ امریکہ جو مختلف اقوام یورپ کا ایک ملغوبہ تھا - خاص ذکاوت کے ساتھ جو اس قسم کے لوگون کا خاصہ ہے ترقی کے میدان مین آگے بڑھنے لگا - تجارت و صنعت مین ترقی و عظمت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کاریگر اور مزدوری پیشہ لوگ خاص طور پر ہوشیار و ذکی اور فطین ہون - ممالک متحدہ امریکہ کو یہ سب باتین حاصل تھین اور دنیاے جدید کے قدرتی ذرائع آمدنی بے انتہا

اور بے کام مین لائے پڑے تھے صرف تھوڑی سی سعی کی ضرورت تھی ابل پڑے - اور تمام ملک کو مالامال کردیا انگلستان مین اسوقت تک "فری ٹریڈ" یعنے تجارتی آزادی کے اصولون پر عمل نہین تھا اس صدمہ کے بعد سے سبق حاصل ہوگیا - سنہ ۱۸۴۶ء مین فری ٹریڈ کا اعلان کردیا - ممالک متحدہ امریکہ کی اب یہ حالت ہے کہ لوہا اور کوئلہ اسکے ہان سب سے زیادہ پیدا ہوتا ہے اسی طرح اون اور ریشم بھی جتنی روئی تمام عالم مین بوئی جاتی ہے اسکا تین ثلث حصہ یہان پیدا ہوتا ہے - اسکے مصنوعات کی قیمت انگلستان کے مصنوعات سے تین حصہ زیادہ ہے - کھانے کی اشیاء اسکی ریلوے - اسکی تجارت کی منڈیان تمام دیگر ممالک سے زیادہ ہین جتنی بڑی بڑی جماعتین یہان متحد ہوکر کاروبار کرتی ہین کہین دوسری جگہہ اسکی نظیر نہین مل سکتی - اس ملک کے قدرتی ذرائع آمدنی اسقدر وسیع ہین اور اسقدر اشیاء خام پیدا ہوتی ہین کہ کوئی چیز ایسی نہین ہے جو دنیا کے کسی حصہ مین تیار ہوتی ہو - اور یہان نہ تیار ہوسکتی ہو -

اب جرمنی کی طرف نظر کیجیے سنہ ۱۸۷۰ء کی جنگ مین جو فرانسیسیون سے اور جرمنیون سے ہوئی تھی جو کامیابی انھین حاصل ہوئی اسکے صلہ مین تاوان جنگ اسقدر ملا کہ جرمنی نے اپنے ہان بجاے چاندی کے دیگر ممالک کی طرح سونے کا سکہ جاری کردیا اس روپیہ نے جرمنی کی حالت قائم کردی اور جنگ سیڈان نے فرانس کی برتری کو یورپ مین صدمہ پہونچایا اور ریاست ہاے جرمنی کو شاہنشاہی کے درجہ تک پہونچایا - پرنس وان بسمارک کے زمانۂ انتظام مین جرمنی نے ہاتھ پاؤن نکالنے شروع کیے - لوگون کی عادات، حالات طبع، ذہن و ذکاوت اور جوش و حوصلہ مندی، تجارت اور صنعت و حرفت کی ترقی مین جزو اعظم ہین - ان باتون کو مدنظر رکھ کر دیکھا گیا تو جرمن قوم نہایت مستقل مزاج، با اصول محتاط، کام کو اچھی طرح تکمیل کرنے والی اور دیگر اقوام کے مقابلہ مین اپنی عزت رکھنے والی نظر آئی - انہین نگران کار اور کاریگر دونو کی صفتین بدرجۂ اتم ہین - یہ صفات مالی امداد کے ساتھ اس قوم کی ترقی کی باعث ہوئین - اب اسکی حالت یہ ہے کہ فولاد کے تیار کرنے مین ممالک متحدہ امریکہ کے بعد اسی کا نمبر ہے - تمام دنیا مین اسکا مال کثیر تعداد مین فروخت کے لیے جاتا ہے اسکے جہازون کی رفتار بہت زیادہ ہے اور انگریزی جہازون سے آرام انتظام اور رفتار کی کسی مین کمی نہین - پرنس بسمارک نے یہ دیکھکر کہ انگلستان کو "فری ٹریڈ" سے کیا فائدہ پہونچا تھا ابتدا سے اپنے ہان اسی اصول پر عمل کرنا شروع کیا اس نے ریلوے کا انتظام سرکار کے ذمہ کیا تمام اوزان یکسان ملک مین جاری کیے - ایک ہی قسم کے سکے تمام ممالک جرمنی مین رائج کیے نقدی اور مالی اصلاحین کین شاہی بنک قائم کیے اور برلن دار السلطنت جرمنی کو وہ بنادیا جو آجکل نظر آتا ہے اسی زمانہ مین لوگون نے تجارتی جوکھم لینا شروع کیے - جن مین ناکامیابی ہوئی اس موقع کو دیکھکر امریکہ اور روس نے

اپنے ہان سے گیہون جرمنی بھیجنا شروع کیا اور حالت اتنی ابتر ہوئی کہ زراعت پیشہ لوگ تباہ ہونے لگے لیکن ریاست نے "فری ٹریڈ" کو چھوڑ کر اصول محافظت کو جاری کر دیا اور جبتک حالت درست نہوئی "فری ٹریڈ" سے باز رہے۔ انگلستان ممالک متحدہ اور جرمنی کے مقابلہ مین جتنی دوسری ریاستین اور ہین سب بے حقیقت ہین لیکن بلجیم جو ایک چھوٹی سی ریاست ہے اپنے جثہ کے لحاظ سے بہت زیادہ کام کرتی ہے اسکی تجارت اور مصنوعات کی حالت یہ ہے کہ درآمد و برآمد کی اشیاء کا اگر حساب لگایا جائے تو فی کس حساب بمقابلہ برطانیہ اعظم کے بہت زیادہ پڑتا ہے۔

فرانس کے قبضہ مین اب بھی بعض بعض مصنوعات ہین مثلاً ریشم اون اور شراب کے بیوپار ہین اور نیز اشیاء جرمنی کی تجارت مین اسکا مرتبہ بلند ہے۔ موٹر سفنری کی تجارت مین بھی یہان ترقی بہت زیادہ ہوئی ہے۔ ہالینڈ سے مکھن گوشت اور انڈون کی برآمد بہت ہے اور ناروے سویڈن اور ڈنمارک بھی لاکھون روپیہ کے مکھن کا بیوپار کرتے ہین اور تمام عالم مین یہان سے مکھن اور پنیر تقسیم ہوتا ہے۔

جاپان کی حالت یہ ہے کہ چالیس پچاس برس پہلے اسے کوئی جانتا بھی نہ تھا اب اس نے کنج گمنامی سے سر نکالا ہے اور دنیا کو اپنی مصنوعات دکھا کر محو حیرت کر دیا۔ اسکی حالت بحیثیت جغرافیہ کے ایسی ہے جیسی کہ ایک بڑے تجارتی اور کاریگر ملک کے ہونی چاہیے اسکی زمین اسکی آب و ہوا اور اسکے لوگون کی خصوصیات طبع اور چینی بازار کا ہر وقت سکے لیے کھلا رہنا ایک بہت بڑی قوم بننے کی امید دلاتے ہین ملک ہی مین اشیاء خام پیدا ہوتی ہین اور ملک ہی مین تیار کر کے اشیاء باہر بھیجی جاتی ہین کوئلے کے یہان بہت بڑے بڑے ذخیرے ہین اور لوگون مین تجارت اور صنعت و حرفت کی طرف بڑا میلان ہے یہان جہازات بھی بنائے جاتے ہین۔ جاپان کی ترقی کی بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ یہان کے لوگون مین سائنٹفک طریقہ پر بہت بڑے بڑے پیمانے کے ساتھ کام کرنے کی قابلیت خدائے تعالے نے بدرجہ اتم ودیعت کر رکھی ہے اور کچھ ہی عرصہ کے بعد یہ ملک مشرقی کارخانہ جات کا معدن بنجائے گا۔ یہان کی اشیاء برآمدہ ہین تانبا۔ کافور۔ تصویر کے چوکھٹے۔ صندوق۔ چھتریان۔ پردے۔ بید کی مختلف قسم کی مصنوعات۔ لکڑی۔ پنیر۔ کاغذ۔ چاول۔ چائے اور چینی کے برتن وغیرہ ہین۔ ان تمام ممالک کے حالات پڑھ کر اگر ہندوستان کی حالت پر نظر کیجائے تو شرم سے آپ ہی گردن نیچی ہوجاتی ہے۔ یہ نہین کہا جا سکتا کہ یہان کے لوگون مین صنعت و حرفت کی قابلیت ہی نہین ہے۔ یہین کی اشیاء تھین جو یورپ تک جاتی تھین اور لوگ دیکھکر محو حیرت ہوجاتے تھے بعض دستکاریان جو یہان تھین وہ اب دنیا سے مفقود ہوگئی ہین۔

ڈھاکہ کی ململ کشمیر کی شال بنگالے کا ریشم آگرے کی سنگ مرمر کی چیزین ایک زمانہ مین یورپ کی آنکھ کو خیرہ کرتی تھین انگریزون کے ابتدائی زمانہ تک کشمیر کی شالین بادشاہون کے پاس تحفتہً جاتی تھین - یہان کی عمارتین آج تک یورپ کے لیے قابل حیرت ہین ہندوستانی لوہے کی چیزین بھی کسی سے کم نہ تھین یہان کے فولاد کی ایک زمانہ مین اسقدر قدر تھی کہ دمشق مین یہین کے فولاد سے تلوارین بنائی جاتی تھین ہندوستانی فولاد تلوار اور چاقو وغیرہ کے لیے بہت تلاش کیا جاتا تھا شفیلڈ جو اس امر کی مصنوعات کا مرکز ہے وہان کے سوداگرون کا بیان ہے کہ انگلستان مین کہین ایسا نفیس لوہا نہین پیدا ہوتا جیسا کہ ہندوستان مین پیدا ہوتا ہے یہان کے معدنیات کی کچھ انتہا نہین کپڑے بننے کے بھی کارخانے ایک زمانے مین درجہ کمال پر تھے اور موسلی پٹم کا کپڑا اور ڈھاکہ کی ململ یورپ تک جاتی تھی - سورت اور ملتان دلی کی روئی مشہور تھی اور ریشم تیل شکر تمباکو اور رنگون کی تجارت ہندوستان مین بہت تھی اسمین شک نہین کہ یورپین اقوام کے سخت محصولون نے یہان کے مصنوعات کی کمر توڑ دی لیکن ہمین موجودہ زمانہ کے ساتھ سابقہ پڑا ہے اور اسی سے میدان مین شرط پڑی ہے کیا وجہ ہے کہ ہم بھی نہ اپنے ہان کی خام اشیاء سے طرح طرح کی اشیاء بنانے کی کوشش نہ کرین - ضرور کرنا چاہیے خواہ شروع شروع مین اسمین نقصان ہی کیون نہو یہ ملحوظ رہے کہ تجارت کے معاملات مین ہر قوم خودغرضی پر کمر باندھے ہوے ہے اور انگلستان کو ہم سے ہی سابقہ نہین ہے بلکہ تمام اقوام یورپ سے تجارتی تعلقات ہین اگر ذرا سا موقع اُنھین ملا تو انگلستان کو فوراً پیچھے چھوڑ دین گی اور کہین سے کہین آگے جا پہونچین گی - اس لیے سرکار سے زیادہ توقع نہ رکھو خود اپنے دست و بازو سے کوشش کرو اور چاہے شروع شروع مین نقصان ہی کیون نہ ہو مگر ہمت باندھے رہو انجام کار اس سے کہین زیادہ نفع حاصل ہوگا اور تمام نقصانات کی تلافی ہو جائے گی ہندوستان سے سب سے زیادہ روئی کی برآمد ہے اسکے بعد کھالون کی جسکا اندازہ ایک کروڑ سالانہ سے زیادہ کا ہے اس مین سے نوے فی صدی ممالک غیر کو چلی جاتی ہین اور صرف دس فیصدی سے ہم یہان کام کرتے ہین تمام قسم کی اشیاء خام یہان پیدا ہوتی ہین انسے اشیاء پختہ تیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے - کوئلے کی کانین یہان بہت ہین اس طرف بھی اب لوگ متوجہ ہونا شروع ہوئے ہین لوہے کے کارخانے بمبئی کے جمشید جی شیروان جی ٹاٹا نے قائم کیے ہین اورون کو چاہیے کہ وہ بھی انکی تقلید کرین ہندوستان مین سب سے زیادہ تیل اور شکر کا خرچ ہے یہان سے تیل کے بیج نہایت کثیر تعداد مین ہر سال باہر جاتے ہین افسوس ہے کہ انھین سے یہین تیل نکالنے کی طرف کوئی توجہ نہین کرتا ہندوستان گنّے کا گھر ہے بڑا افسوس ہے کہ شکر کی صنعت و تجارت مین ممالک غیر ہم سے سبقت لیجائین امید ہین یقین کامل ہے کہ جسقدر روپیہ اور وقت اس کام مین صرف کیا جائیگا انجام کار اسکا بہتر نتیجہ نکلیگا - اور خاطر خواہ نفع حاصل ہوگا -

"زید"

ہوائی جہاز

جدتین کیا کیا بھری ہین حضرت انسان مین — کیون نہ ہون ان کی صفت اللہ کے فرمان مین
اشرف المخلوق کا کلمہ ہے ان کی شان مین — دیکھ لو توریت مین انجیل مین قرآن مین
آسمانی[۵۱] سیر کو یہ کل بنا کر اوڑ گئے — قید خانون[۵۲] سے یہ حضرت پر لگا کر اوڑ گئے

بھاپ سے گاڑی چلا دینا انھین کا کام ہے — آگ پانی مین لگا دینا انھین کا کام ہے
کاٹھ[۵۳] کی چڑیا اوڑا دینا انھین کا کام ہے — بے پرون کے پر جما دینا انھین کا کام ہے
ان زمین والون نے گردون کو مسخر کر لیا — گیس پاور کی مدد سے باد کو سر کر لیا

لاکھ کچھ ہو کر ہی گزرین جی مین جو کچھ ٹھان لین — عقل کے رہوار سے ساتون سمندر چھان لین
شکل سے اوڑتی ہوئی چڑیا کو یہ پہچان لین — بیٹھے بیٹھے آسمانی حال یہ سب جان لین
یہ ملا ہے انکا برسون حضرت جبریل سے — بے سفینہ پار اوترے ہین یہ رود نیل سے

عالم ایجاد مین یہ صاحب ایجاد ہین — منچلے ہین چلتے پرزے ہین بڑے اُستاد ہین
انکو تسخیر ہوائی کے عمل بھی یاد ہین — آدمی ہین طائر سدرہ کے یا ہمزاد ہین
یہ وہان پہونچے جہان جلتے ہین پر جبریل کے — اُوپری اوپر سفر کرتے ہین لاکھون میل کے

ان پہ جب روشن ہوا تخت سلیمانی کا حال — اور جب ان پر کھلا اگلے بزرگون کا کمال
آسمانی سیر کا پیدا ہوا دل مین خیال — جی مین آیا دیکھیے شان خدائے لایزال
پھر تو ان پانی کے پُتلون نے بنا ڈالا جہاز — اُڑنے والا آسمان والا ہوا والا جہاز

مرحبا اے آلۂ پرواز کیا کہنا ترا — ہندو و مسلم مین صدیون سے ترا مذکور تھا
تیرا قائل ایشیا اور تجھ سے واقف انڈیا — بندھ گئی ہے آجکل یورپ مین بھی تیری ہوا
قُطب سے تا قُطب تیری دھوم ہے اے فعلۂ رو — ڈوب کر مشرق مین نکلا گوشۂ مغرب سے تو
آلۂ پرواز حیرت خیز طیارہ[۵۴] ہے تو — آسمانی ڈاک لے جانے کا ہرکارہ ہے تو

---

۵۱ ارشمیدس نے قبل مسیح [illegible] مین اڑنے والی کلین بنائی تھین ۵۲ یونان مین ڈیڈیلس اکرس باپ بیٹے شاہ مائنس کی قید سے پر لگا کر اوڑ گئے تھے۔ ۵۳ ارخی طاس نے لکڑی کی فاختہ بنا کر اوڑائی تھی۔ ۵۴ یعنی کشتی و جہاز تیز رو۔

دشمنون پر آگ برسانے کا غبارہ ہے تو ۔۔۔ جنگ کے میدان مین ہیبت ناک نظارہ ہے تو
ڈائنا میٹون سے تیرے توپ کی چلتی نہین ۔۔۔ جسکو تاکا تونے اُسکی موت پھر ٹلتی نہین
تیرا شیدا چین ہے شایق ترا جاپان ہے ۔۔۔ آج کل اٹلی و ٹرکی مین بھی تو مہمان ہے
عالم ایجاد تجھپر جان سے قربان ہے ۔۔۔ انگلش و جرمن فرینچ و امریکن کی جان ہے
تیرا لوہا مانتا ہے آج کل ہر تاجدار ۔۔۔ قدر تیری جانتا ہے آج کل ہر شہریار
دشمنون کے مورچون کا تو لگاتا ہے پتا ۔۔۔ اونچے برجون کا بتاتا ہے ہمین تو ماجرا
سلسلہ قائم کیا تونے ہوائی جنگ کا ۔۔۔ تو ہمارا ناخدا ہے تو ہمارا رہنما
ہم کو دیتا ہے خبر دشمن کے لشکرگاہ کی ۔۔۔ کھینچ لادیتا ہے فوٹو کیمپ و خرگاہ کی
جان و دل سے تجھ پہ شیدا کیون نہون اہل فرنگ ۔۔۔ آلۂ پرواز تیرے ہاتھ ہے میدان جنگ
تیرے دامن تک پہونچ سکتی نہین بادتفنگ ۔۔۔ تو ہمارے واسطے ہے ایک انسانی پتنگ
اوپری اوپر خبر دینے کا ٹیلیفون ہے ۔۔۔ تو ہزارون میل کے پرواز کا بیلون ہے
اوڑکے اونچا دنگ چہرون کا اوڑا دیتا ہے تو ۔۔۔ سرکشون کو جنگ مین نیچا دکھا دیتا ہے تو
لشکر دشمن کی خبرین ٹھیک لادیتا ہے تو ۔۔۔ آگ برساکر عدو کے دل بجھا دیتا ہے تو
بندھ گئی ہے وہ ہوا تیری عجب انداز سے ۔۔۔ دشمنون کے ہوش اوڑتے ہین تری پرواز سے
اے فلائنگ فش تری ایجاد پُر اسرار ہے ۔۔۔ آسمانی سیر کو تو ماہی پردار ہے
جب زمین پر تو اوترآیا تو موٹرکار ہے ۔۔۔ سیر دریا کے لیے بھی شوق سے طیار ہے
تو ہوا کے دوش پر تخت سلیمان ہے کبھی ۔۔۔ گاہ سطح آب پر تو ہے عصاے موسوی
آلۂ پرواز تیرا اوج پر اقبال ہے ۔۔۔ خلق دیوانی ہے تیری تو پری تمثال ہے
ہاتھ تو جس کے لگا سمجھو وہ مالا مال ہے ۔۔۔ اپنے موجد کے لیے تو مرغ زرین بال ہے
نام ہے مشہور جسکا وہ ہما تو ہی تو ہے ۔۔۔ وہ مبارک فال مرغ خوشنما تو ہی تو ہے
تیرے دم سے دشمنون پر نت نئی افتاد ہے ۔۔۔ جنگ کا میدان دہشت سے عدم آباد ہے
بالمقابل تیرے ہر تدبیر اب برباد ہے ۔۔۔ رزم گاہون مین تو مرغ[۱] بیضۂ فولاد ہے
تیرے آگے جنگ مین شیرون کے بھی مُنھ مڑ گئے ۔۔۔ دیکھکر صورت تری ہاتھون کے طوطے اوڑ گئے
اوڑکے طے کرتا ہے جب تو منزل عرش برین ۔۔۔ عالم اجسام ہوتا ہے ترے زیر نگین

---

[۱] تصویر مرغ آہن کی کہ جو خود پر نصب کرتے ہین۔

ڈھونڈتی ہے اور بھی کچھ تیری نظر دور بین
ہو نہ ہو دیکھی ہے دنیا اور بھی تو نے کہین

کُھل گیا ہان کُھل گیا ہم پر ترے دستور سے
تو پری کے بھیس مین جاتا ہے ملنے حور سے

نیچے اوپر کیون تماشائی نہ ہو خلقت تری
منطقہ سے منطقہ تک کیون نہو شہرت تری

ہے محیط گنبد نیلو فری وسعت تری
چرخ سے کرتی ہے باتین آجکل رفعت تری

دیکھ تو دکھلائیگا سورج کو تارے ایکدن
آسمان سے توڑ لائیگا ستارے ایکدن

تو ہوا کے تازیانون سے کبھی ڈرتا نہین
واہ وا باد مخالف کی تجھے پروا نہین؟

آندھیان چلتی رہین تجکو مگر کھٹکا نہین
سیکڑون طوفان اُٹھے لیکن تجھے خدشا نہین

وہ ہوا تیری بندھی ہے جو بگڑنے کی نہین
ناؤ کاغذکی[51] نہین تو کاغذ بادی نہین

مرغ نامہ بر ہے یا تو آلۂ طیّار[52] ہے
تو بُراق[53] جم ہے یا تو مرکب پردار ہے

ہو گیا معلوم ہان تو مرغ آتشخوار ہے
گیس پاور کی بدولت تو سبک رفتار ہے

کیون نہ لہرے ترا عرش معلےٰ پر نشان
تیری مٹھی مین ہے جب طاؤس[54] علوی آشیان

عالم ایجاد مین نقشہ جما سے جا بجا ہین
اپنے عاقل موجدون کے دل بڑھائے جا بجا ہین

جوہر بیکار میدان مین دکھائے جا بجا ہین
آسمانی تیر[55] دشمن پر چلائے جا بجا ہین

ہم بھی آنکھین سینک لین جی بھر کے تیری نور سے
اور بھی اچھا نظر آتا ہے ہم کو دور سے

کیون نہ تیرے راکبون کا آسمان پر ہو مزاج
دم قدم سے تیرے کرتے ہین ہوا پر رام راج

تیرا طوطی بولتا ہے عالم بالا پہ آج
کیا تعجب ہے کہ لے تو شاہ خاور سے خراج

کانپتا ہے خوف سے تیرے عقاب[56] آسمان
تیرا کلمہ پڑھ رہا ہے آج کل زاغ[57] کمان

تو ہمیشہ باغ ہستی کی ہوا کھاتا رہے
جنگ مین دشمن کو باغ سبز دکھلاتا رہے

گلشن امید ترا پھول پھل لاتا رہے
پرچم شاہی ہمیشہ تجھسے لہراتا رہے

بیسوین صدی کی تو سب سے بڑی ایجاد ہے
عالم ایجاد مین تو اک نئی ایجاد ہے

مولوی حسین اختر (جلال آبادی)

---

۵۱ پتنگ۔ ۵۲ پرواز کنندہ۔ ۵۳ وہ ہوا جو تخت سلیمانؑ کو لے جاتی تھی ۵۴ کنایہ از آتش ۵۵ کنایہ ہے تیر شہاب سے یہان ڈائنا میٹ سے مراد ہے۔ ۵۶ نسر طائر چند ستارے بصورت عقاب ہوتے ہین۔ ۵۷ نوک گوشہ کمان۔

نیرنگ جمال

پر اظہار خیال

جناب مولوی احمد علی صاحب شوق قدوائی کا پایہ دنیائے سخن مین بظاہر اسقدر رفیع ہے کہ زمانۂ موجودہ کے کسی دوسرے شاعر کو انکا ہم پلہ نہین کہا جاتا - آپ ایک مسلم الثبوت اور کامل فن نغز گو شاعر سمجھے جاتے ہین - آپ کی متعدد لاجواب مثنویان نیچرل نظمین - قومی ترانے - وغیرہ اُردو لٹریچر مین ایک ایسا بیش قیمت اضافہ ہین - جو بقول صاحب الناظر جذبات شاعری کے لحاظ سے بے مثل ہین -

کشش حسن و جذبۂ عشق کو جس پاکیزہ پیرایہ مین دست دلغیل کرکے آپ نے "عالم خیال" کے رخون مین دکھلایا ہے ملک کے انشا پرواز اور سخن فہم حضرات نے اُسکا بار بار اعتراف کیا ہے اور متعدد رسائل مین اُنکے ریویو نکل چکے ہین - اسی سلسلہ مین آپ کی ایک اور نظم "نیرنگ جمال" کے عنوان سے معرض اشاعت مین آئی ہے جس کا پہلا نمبر ماہ فروری ۱۲ء کے رسالہ ادیب کی زینت بڑھا رہا ہے - بزبان شوق صورت واقعہ یہ ہے -

ایک نوجوان نے ریلوے ٹرین مین اسٹیشن پر ایک نوخیز حسین عورت دیکھی - یہ اُسکے حُسن پہ وارفتہ ہو کے دیکھتا رہا - اتنے مین ٹرین روانہ ہوگئی اسے معلوم نہین - وہ کون تھی - کہان گئی - اب یہ اُسکے حُسن اور اُسکی اداؤن کو یاد کرکے عشق و ولولہ انگیز کے خیالات مین محو ہے -

اور بے ساختگی کے عالم مین کہتا ہے ؎

کیا خبر مین ہون کہان - آپ مین تو ہون نہین   کیا مین ہون حواس مین - کیا مجھے جنون نہین

سبحان اللہ وارفتگی کا ہو بہو فوٹو کھینچدیا ہے - سلسلۂ خیال کی ابتدا رجہ پرواز نظم ہے - کس خوبی سے اُٹھائی گئی ہے لیکن وہ خاکہ جس پر یہ تصویر خیالی کھینچی گئی ہے اخلاقی شان اور شریفانہ جذبات سے کسی قدر ہٹا ہوا ہے - کسی جنٹلمین کا ریلوے اسٹیشن پر زنانہ گاڑی کے مسافرون کو گھورنا اور اس درجہ متاثر ہونا جسکی تصریح آیندہ اشعار مین کی گئی ہے اُسکے دامن اخلاق پر ایک بدنما دھبہ ضرور لگاتا ہے - تاہم چونکہ قدیم شاعری کی دنیا مین تہذیب جدید پورے طور پر نہین پھیلی ہے اور جناب شوق کے متموج خیالات کی نشو ونما اسی فضا مین ہوئی ہے - اس لیے یہ امر گونہ قابل خیال نہین - دوسرا شعر ملاحظہ ہو -

جوش کچھ سکون مین ہی۔ کچھ جنون ہے ہوش مین   ہوش کچھ جنون مین ہی۔ کچھ سکون ہے جوش مین

تسلسل نہایت خوبی کے ساتھ قائم ہے۔ اور جذبات کا بتدریج ادبھرنا فطرت انسانی کی حقیقت پر فلسفیانہ روشنی ڈال رہا ہے مگر تیسرے شعر کا انداز بدل گیا ؎ کیون سکون ہے۔ کیا کہون حسن کے اثر سے ہے

دل پہ حسن کا اثر عشق کی نظر سے ہے

حسن کے اثر کا نتیجہ سکون نہین ہوسکتا۔ بلکہ حسن کے اثر سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اُسی کا نام عشق ہے۔ جس کو سکون سے کوئی واسطہ نہین۔ یہ دونون باہم متضاد ہین۔ جیسا کہ جناب شوق ہی آگے چل کر فرماتے ہین۔ ع۔ عشق اور سکون چہ خوش۔ وہم کیون۔ گمان کیون۔

چوتھا شعر ہے ؎ کیون سکون ہے اس لیے تاکہ دل جما رہے + میرے دل مین اُسکا رخ چین سے جما رہے۔

یہ وجہ سکون بلحاظ فطرت انسانی کے تو نہین البتہ باعتبار شاعرانہ مبالغون کے نہایت دلچسپ اور پر لطف ہے۔ لیکن رخ کا دل مین چین سے جما رہنا بے جوڑ سی بات ہے۔ آئینہ دل مین تصویر یار یا کعبۂ دل مین صنم یا خانۂ دل مین معشوق کو جگہ دی جاتی ہے۔ محض دل مین آج تک رخ کسی نے نہین جمایا۔ اور الفاظ "چین سے" تو قطعی بھرتی ہین۔ جنمین سے کوئی مناسبت ہی نہین رکھتے۔

اسکے بعد چند شعر حسن و عشق۔ جنون و سکون کے متعلق ہین۔ پھر دیکھئے سینری کا تخیل شروع ہوتا ہے اور بہت عمدگی سے آغاز ہوا ہے۔ انتقال ذہنی کا طرز نہایت پسندیدہ ہے۔ ؎

مل چکی نظر مگر ہاتھ مل کے رہ گئی   دور تک ٹرین کے ساتھ چل کے رہ گئی

بیساختہ شعر ہے۔ بعینہ حسرت بھری نظر کی ٹرین کے ساتھ جاتی ہوئی اور تھوڑی دور پہونچ کر رہ جانے کی تصویر کھنچی ہوئی ہے بیشک یہ حقیقی شاعری ہے۔

کیا خبر کہ ہجر مین کیا ہوا اور کیا نہ ہو   میرے عشق کی خبر اُسکو ہو بھی یا نہ ہو

دونون مصرعے الگ الگ ہین۔ لیکن مصرعہ ثانی مین بالکل سچا تخیل ہے۔ ایسی حالت مین جب کہ کسی کی محبت تیزی کے ساتھ دل مین گھر کر رہی ہو اس خیال کا پیدا ہونا کہ اُسکو بھی میرے درد دل کی خبر ہے یا نہین فطرت انسانی کا خاصہ ہے۔ چنانچہ اپنے دل کو یہ باور کرانے کے لیے کہ ہان ضرور خبر ہوگی۔ کہتا ہے ؎

شکل تھی پیامبر میرے درد عشق کی   تھی شہادت اُسکے ساتھ رنگ زرد شق کی

ترچھی چتونون سے وہ دیکھتی تھی بار بار   میرے رخ پہ کی نظر اُس نے تین چار بار

پہلا شعر نہایت ہی پرکیف ہی۔ الفاظ سانچے مین ڈھل کر آئے ہین۔ مگر ایسا ہونا صورت واقعہ کے بالکل خلاف ہی۔ اتنی ہی دیر مین درد عشق کا پیامبر بن جانا غیر ممکن اور رنگ زرد کی شہادت تو قطعی ناقابل اعتبار ہی۔ بلکہ یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ "مسٹر نظر باز" پہلے ہی سے بیمار تھے جس کی وجہ سے۔ ع زرد چہرہ تھا ارغوان کی طرح۔

دوسرے شعر مین "میرے رخ پہ ۳۔۴ بار نظر کی" محاورہ اور زبان کے خلاف ہے۔ میری طرف دیکھا۔ یا میری طرف نظر کی۔ بولا جاتا ہی۔ میرے رخ پہ نظر کی شاید شطرنج کی اصطلاح ہو تو ہو۔

ہر نظر کے بعد کچھ رنگ رخ کا اوڑ گیا　　　　کہتی ہوگی دل مین لو اور گل کھلا نیا

کسی ہیبت ناک نظر کے دیکھنے سے انسان کے منھ پر ضرور ہوائیان اوڑنے لگتی ہین۔ لیکن دل فریب نظارہ تو اور سرخی کی جھلک پیدا کر دیتا ہے۔ علاوہ ازین ہر نظر کے بعد کچھ رنگ کا اوڑنا بھی نرالی شان ہے۔ دیکھتے ہی رنگ اوڑ جاتا یا منھ فق ہو جاتا تو شاید ایک حد تک درست بھی ہوتا۔ اس تدریجی رفتار نے تو شعر کو بہت ہی بدنما کر دیا بجز رنگ اور گل کی مناسبت کے اور کوئی بات اس شعر مین معلوم نہین ہوتی۔ ؎

سمجھی ہو گی کچھ ضرور۔ ہین شعور کے یہ دن　　　　ابتدا شباب کی ہے یہی سمجھ کا سن

انتہا درجہ کا معنی خیز اور پرلطف شعر ہے جس کو تمام نظم کی جان کہنا چاہیے۔

مان لو کہ سمجھی وہ سمجھی بھی تو کیا ہوا　　　　چشم عشق سے نہان عشق خودنما ہوا

مصرعہ ثانی کو مصرعۂ اولی سے کوئی تعلق نہین۔ مطلب یہ ہے کہ سمجھی بھی تو کیا جبکہ وہ چلی ہی گئی۔ لیکن اچھی طرح ادا نہ ہو سکا۔ ؎

کون تھی کدھر گئی دل کو لے کے چل بھی دی　　　　وار کر کے چل بھی دی داغ دے کے چل بھی دی

یہ بھی بھی کی تکرار جو وزن کی کمی کو پورا کرنے کے لیے کی گئی ہے نمایان حشو ہی۔ اور داغ دے کے چل دینا بھی ایک خلاف موقع معنی پیدا کرتا ہی ؎

اُسکے بے حجاب گال اور وہ بے عتاب سرخ　　　　بال بے بنائے جال دیدے بے شراب سرخ

بے بنائے جال۔ بے شراب سرخ بہترین سخن طرازی ہی۔ لیکن بے عتاب سرخ اور بے حجاب گال کی ترکیب سے شعر کا لطف جاتا رہا۔ بے عتاب کوئی لفظ نہین ہی۔ نہ اس طرح استعمال کیا جاتا ہی۔ اور نہ محض گال بے حجاب یا در پردہ ہوتے ہین رخ بے حجاب ہو سکتا ہی۔ اس شعر مین لف ونشر کی ترتیب بھی قائم نہین رہی۔ ورنہ اُسی کی داد سے تلافی ہو جاتی۔

جا کے بے نظر دہین تم جہان چھپاؤ دل　　　　ہر ایک اشارہ سے کہتی تھی کہ لاؤ دل

سبحان اللہ۔ خوب کہا ہے۔ ہر پلک کے اشارہ کا مطلب "لاؤ دل" بلند خیالی کی اعلےٰ مثال ہے۔ ؎

پان سے دہن ابھی شاید آشنا نہ تھا ‏ ‏ ‏ ‏ پابند رسم تھی بیاہ ابھی ہوا نہ تھا

مصرعہ اولیٰ میں لفظ شاید نے ایک اعلیٰ خوبی پیدا کر دی ہے۔ پان نہ کھائے ہونے سے بلحاظ رسم و رواج کے یہ نتیجہ نکلا کہ ابھی بیاہ نہوا تھا لیکن اُسکے ہونٹ سرخ ضرور تھے جو اُنکی اصلی رنگت تھی۔ اور چونکہ کنواری لڑکیاں پان نہین کھاتین پس قرینہ و غور سے معلوم ہوا کہ وہ پان کھائے نہ تھی جسکو لفظ شاید نے بہت اچھی طرح ادا کر دیا ہے۔

آتے تھے ہوا سے بال اُڑ کے اُسکے گال پر ‏ ‏ ‏ ‏ حسن ڈالتا تھا جال بار بار لال پر

لب پہ دانت تھے کبھی اور اُسکا لب تھا لال ‏ ‏ ‏ ‏ لال لب سفید دانت لال پر سفید خال

دونون شعرون مین امانت لکھنوی مصنف اندر سبھا کا رنگ غالب ہے۔ جن کا ایک مشہور خاص و عام مصرعہ ہے۔

بھیڑیے ملتے تھے آنکھین تری گرگابی پہ

اس قسم کے تلازمون سے لفظی پابندیان تو ضرور پیدا ہو جاتی ہین۔ لیکن شعر کا لطف جاتا رہتا ہے۔ اس قسم کے چند شعر منیر شکوہ آبادی کے تنویر الاشعار سے منتخب کر کے کسی ریویو نگار نے ماہ نومبر کے ادیب مین بھی نقل کیے ہین جو حسب ذیل ہین۔ ؎

پوچھا جو مین نے چوڑیون کا حال رک گئے ‏ ‏ ‏ ‏ اک بات کے بتانے پہ اتنے کڑے ہوئے

نیل بھرتا تری زلفون کے لیے آنکھون مین ‏ ‏ ‏ ‏ چشم خاقان کوئی چینی کی پیالی نہ ہوئی

کاغذ کے گھوڑے دوڑتے ہین رہ عشق مین ‏ ‏ ‏ ‏ لکھ بھیجتے ہین حال مجھے ترکتاز کا

کھائے جاتے ہین ثنائے لب شیرین سن کر ‏ ‏ ‏ ‏ میٹھی باتون سے مجھے حلوا جانا

تشبیہ و استعارات کی یہ گل کاریان منیر و امانت کے وقت مین جائز تھین۔ حضرت شوق کے زمانہ کی ہوا انکو راس نہین ہے۔ آگے ملاحظہ ہو ؎ دیدے اُنمین پتلیان پھرتی تھین ادھر اودھر ؎ شام ادھر سحر اُدھر شام اُدھر سحر ادھر شوق صاحب عموماً بجائے آنکھون کے دیدہ کا لفظ استعمال کرتے ہین۔ چنانچہ قاسم و زہرہ مین فرماتے ہین۔

چمکتے ہین دیدے لٹکتے ہین بال

یہ ہیروئن کی تعریف کے اشعار مین سے ایک مصرعہ ہے۔ جو بالکل ذم کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ بلا ترکیب فارسی کے "دیدہ" کا تنہا استعمال بالخصوص تعریف کے موقع پر غیر فصیح بلکہ مکروہ ہے۔ یہ لفظ مستورات کی زبان پر زیادہ تر تحقیر کے ساتھ جاری ہے مثلاً۔ تیرے دیدے پھوٹ جائین۔ دیدے نکلے پڑتے ہین۔ کیا دیدہ دلیر ہے۔ دیدہ ہوائی

ہوگیا ہے۔ وغیرہ۔ یہ کبھی نہین کہا جاتا کہ۔ اسکے دیدے بڑے پیارے ہین۔ یا۔ اسکے دیدون مین موہنی ہے۔ ــہ

قد کبھی ادھر جھکا۔ سر کبھی اودھر جھکا   اس طرف شجر جھکا۔ اُس طرف ثمر جھکا

سر کی ثمر سے تشبیہ خیالات کی تھوڑی سی ترقی کا پتا دیتی ہے۔ ابتک شعرا ثمر کی تشبیہ سر سے ایک بالشت نیچے کے بعض اعضا سے دیتے تھے غنیمت ہے کہ اب ثمر سینہ سے اُٹھا کر گردن پر رکھ لیا گیا۔ اور

اس طرف شجر جھکا اُس طرف ثمر جھکا

ایسی ناممکن الخیال صورت ہے کہ اگر کوئی خاص اعصابی مرض ہو تو شاید مشاہدہ مین آسکے۔ واللہ ویسے تو اسکا نظارہ نہین ہوسکتا۔ ــہ

ابروؤن کو تھی کبھی یون وہ بل دیے ہوئے   جیسے ہو ہرن کی شاخ پیچ وخم لیے ہوئے

تشبیہ نئی ضرور ہے۔ مگر ناقص اور بھدی۔ ابروؤن کو بل دینا اور ہرن کے سینگون کی طرح بنا دینا محال نہین تو غیر ممکن ضرور ہے۔ موچھون اور زلفون کو بل دیتے دیتے ابروؤن پر بھی ہاتھ صاف ہونے لگا۔ ــہ

پڑ رہی تھی ہر طرف وہ نگاہ مست سی   حسن کی شراب سے تھی سیاہ مست سی

نہایت بے ساختہ اور مستانہ شعر ہے۔ ــہ

بائین سمت سیٹ پر اُسکی مان ہو یا بہن   رخ ادہر کو پھیر کر ہوتی تھی وہ ہم سخن

ہم سخن ہونا ہم کلام ہونے کے بجائے محاورے کے خلاف ہے۔ ہم سخن ہونا ایک دوسرے کی تائید کرنے کے موقع پر بولا جاتا ہے۔ نیز بہن کا قافیہ سخن بھی درست نہین۔ سخن کی خا ر بالفتح و بالضم دو طریقون پر استعمال ہوتی ہے۔ اور بہن کی ہا ، ہو زمین کسرہ کی خفیف آواز ہے۔ بہن کا قافیہ پہن (معنی پوشیدن صیغہ امر) ہونا چاہیے۔

دمبدم ہوا کے ساتھ پیٹین کھاتی تھین لٹین   چھوٹی چھوٹی ناگنین سے رہی تھین کروٹین

اس شعر مین قافیہ کی خوبی قابل داد ہے۔ لیکن لٹون کا پٹیں کھانا جو ناگن کی مناسبت سے لایا گیا ہے مہمل ہے اور محض لٹین بول چال مین نہین ہے۔ بالون کی لٹ یا لٹین کہا جاتا ہے۔ ــہ

کہہ رہا تھا رخ کہ ہے ابتدا شباب کی   بڑھ رہی تھی دمبدم دولت آب و تاب کی

اس کا دل امنگ کا لطف پا چلا ہے اب   حسن کے غرور کا وقت آچلا ہے اب

دونون شعر دلچسپ اور کیفیت خاص کے شارح ہین۔ بالخصوص شعر دوم کا مصرعہ ثانی انسانی فطرت کے جذبہ کو نہایت عمدگی سے تبلا رہا ہے۔ اسکے سلسلے کا تیسرا حسب ذیل شعر تو واقعی سحر حلال ہے۔ ــہ

کچھ سمجھ چلی کہ یہان مین بھی کوئی چیز ہون　　　حُسن ہو جیسے عزیز اُس کو مین عزیز ہون

کیون نہو حسین ہونے کا اقتضا یہی ہے۔ ؎

دیکھتی تھی آرسی ہاتھ اوٹھا کے باربار　　　تیوریان چڑھاتی تھی مسکرا کے باربار

اس شعر نے خیال کو بڑھا کر مسہ کر دیا ہے۔ کوئی چیز سمجھ لینا ہی کافی تھا تیوریان چڑھانا۔ آرسی دیکھنا مسکرانا وغیرہ بقیہ ادائین چھچھورا پن ظاہر کرتی ہین۔ نہ کوئی بن بیاہی لڑکی اس طرح محو آئینہ داری ہوسکتی ہے۔ خاص کر ایسی حالت مین کہ اُسے کوئی دیکھ بھی رہا ہو۔ نیز کسی دوشیزہ کے ہاتھ مین آئینہ دار آرسی کا ہونا بھی رسم و رواج کے خلاف ہے۔ اور لڑکی بھی ایسے گھرانہ کی جس کو پان کھانے کی اجازت بھی رواج نے نہ دی ہو ؎

چڑھ کے اُسکی تیوریان مستحق تھین ناز کی　　　خوبیان دکھاتی تھین حُسن خانہ ساز کی

مصرعہ اولی مین تیوریون کی پہلی یا رکا وزن سے نکل جانا بھونڈا معلوم ہوتا ہے۔ اور مصرعہ ثانی مین خانہ ساز کی ترکیب وہی ہے جو یونانی اطبا، شربت وغیرہ کے ساتھ استعمال کرتے ہین۔ ؎

بجلیان لوؤن مین تھین اور ہل رہی تھین وہ　　　چومنے کو بار بار رُخ سے مل رہی تھین وہ

یہ شعر نہ اچھا ہے نہ بُرا۔ اور اس مضمون مین صرف وہی اشعار نقل کیے گئے ہین جنمین کوئی خوبی یا کمزوری پائی گئی لیکن اس شعر مین لفظ رُخ نے جس سے ابتک قطع نظر کیا گیا تھا توجہ کو اپنی جانب مبذول کر لیا۔ کُل نظم مین رُخ کی بیحد دُرگت بنائی گئی ہے حتی کہ عنوان بھی رخون سے خالی نہین۔ عالم خیال۔ کے پہلے رخ۔ دوسرے رخ۔ تیسرے رُخ۔ چوتھے رُخ۔ تو تمہی نیرنگ جمال کا بھی دوسرا رخ شروع ہوگیا۔ جدھر دیکھتا ہون اودھر تو ہی تو ہے۔

ایک ہی لفظ کا بار بار استعمال کرنا منافی بلاغت اور شاعر کی عدم قدرت کلام پر دلالت کرتا ہے۔ ؎

ناک مین سفید لونگ حُسن اُسکا جلوہ گر　　　پڑ رہی تھی جس کی چھوٹ اسکے بائین گال پر

یہان بھی رسم و رواج کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ آرسی تو بعض حصص ہندوستان مین لڑکیان پہن بھی لیتی ہین۔ لیکن لونگ تو قطعی نہین پہنی جاتی۔ مسلمانون مین تو یہی رواج ہے دوسری قومون کی خبر نہین۔ البتہ بجاے لونگ کے کمسن لڑکیون کو نتھ جسمین ایک موتی ہوتا ہے پہنائی جاتی ہے۔ جیسا کہ جناب شوق ہی اپنے ڈراما رشید و مہینہ مین جسکے بعض اجزا جناب محوی (شاگرد شوق) وارشد و ایڈیٹر صاحب الناظر (معتقدین شوق) کے اصرار پر الناظر مین قبل از وقت شایع ہو چکے ہین۔ فرماتے ہین ؎ نتھ مین آتا ہے نظر ایک ہی موتی مجھکو　　　دو جو ہوتے تو کچھ امید نہوتی مجھکو

یعنے دو ہوتے تو یہ سمجھکر کہ شادی شدہ عورت ہے کوئی امید پیدا نہ ہوتی۔

چھوٹی لڑکیاں تو نتھ بہن لیتی ہین مگر بڑی لڑکیاں عموماً کچھ نہین پہنتین۔ اور اس غرض سے کہ چھدے ہوے سوراخ بند نہو جائین اُن مین تنکے ڈال لیتی ہین۔ لکھنؤ کے ایک مشہور اور حضرت شوق کے ہمنام شاعر کا ایک شعر ہے۔ ؎

ناک مین نیم کا نقطہ تنکا ؟ شوخی چالاکی مقتضا سن کا

اس سے قطع نظر کرکے شعر کے الفاظ پر نظر ڈالی جائے تو جناب شوق کا مطلب بھی سمجھ مین نہین آتا۔ سفید لونگ سے خدا جانے آپ۔ چونہ۔ کھریا۔ کاغذ۔ وغیرہ کس چیز کی لونگ مراد لیتے ہین۔ معمولاً لونگین سونے کی ہوتی ہین۔ اور چونکہ بہت کم قیمت مین تیار ہو جاتی ہین اس لیے غربا بھی طلائی لونگین استعمال کرتے ہین۔ شائد حضرت شوق کی مراد چاندی کی لونگ سے ہے۔ وہ البتہ سفید کہی جاسکتی ہی۔ اگرچہ چاندی کے رنگ کی اشیاء کو بھی سفید نہین کہا جاتا۔ اور اُسکے لیے لفظ روپہلا وضع کیا گیا ہے۔ پھر بھی یہ تاویل صحیح نہین رہتی کیونکہ مصرعہ ثانی مین اُسکی چھوٹ بائین گال پر پڑنا بیان کی گئی ہے۔ اور چھوٹ جواہر کے عکس کو کہتے ہین۔ آپ کا مطلب غالباً یہ ہو تو ہو کہ ناک مین جو لونگ تھی اُسمین کوئی سفید نگ مثل الماس کے جڑا ہوا تھا۔ جسکی چھوٹ بائین گال پر پڑ رہی تھی۔ مگر یہ معنی شعر سے نہین نکلتے بلکہ فی البطن الشاعر ہین۔ اور خدا جانے ہین بھی یا نہین۔ کیونکہ لونگ مین جس قدو قامت کا نگ جڑا جاسکتا ہی۔ اسمین چھوٹ نہین ہوتی۔ ؎

خوشنما کرہلیاں خوشنما کلائیاں بلین یا کریلیاں شاخین یا کلائیاں
تلکڑی کے دو کڑے چوڑیون کے ساتھ ساتھ تھے طلائی وہ کڑے اور نقرئی تھے ہاتھ

شعر اول کا مقصد مصرعہ ثانی مین ادا ہو گیا ہے۔ مصرعہ اولی محض بھرتی ہی۔ اور اگر یہ غرض ہی کہ صفت بیان کرنے سے پہلے وجود ثابت کر دیا جائے تو مصرعہ اولی سے یہ غرض بھی پوری نہین ہوتی۔ وہ بھی کریلیون اور کلائیون کی خوشنمائی ہی کو بیان کرتا ہے۔ کریلیاں چوڑیون کی ایک قسم ہی۔ لیکن یہ لفظ مختلف المعانی ہے۔ اس لیے کسی ترمیم کے بعد تقدیم و تاخیر کی دونون شعرون مین ضرورت تھی۔ ؎

پھر وہ کھیلنے لگی اپنی اوڑھنی کے ساتھ سر کو وہ جھکائے تھی اور نقرئی تھے ہاتھ
چُنٹ اوڑھنی مین وہ چٹکیون سے ڈالتی اوڑھنی کو تان کر پھر شکن نکالتی

یہ دونون شعر ایک بھولی بھالی خوبصورت تصویر کو سامنے لا کر کھڑا کر دیتے ہین۔ جس کا الھڑپن اُسکے بچپن کی اداؤن سے شوخیان کر رہا ہے۔ لیکن یہ وہ نازنین نہین ہے۔ جس کی نسبت شوق صاحب اوپر کہہ آئے ہین کہ

کچھ سمجھ چلی کہ ہان مین بھی کوئی چیز ہون

اس لیے یہ مرقع بھی غلط کھینچا گیا ہے۔

صرف دو شعرون مین اوڑھنی کا لفظ ۳ جگہ آیا ہے۔ اسی طرح کل نظم مین الفاظ کی تکرار ہزارون مرتبہ کی گئی ہے۔ اگر کل اشعار پر تنقید کی جائے تو ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ اس لیے دو ایک جگہ ہی اشارہ کر دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے بیشتر اشعار کو موزون بنانے مین اضافہ وغیرہ اس قسم کا کیا گیا ہے جو نہ صرف روزمرہ ہی کے خلاف ہے۔ بلکہ اوسکی مثالین مشہور عام مین مرزا دبیر کے قابل ناز مرثیہ کا پہلا بند۔

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے

بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ اوسکی ٹیپ جسکو تجنیس خطی کرکے اب بیت کہتے ہین یہ ہے۔ ؎

شمشیر بکف دیکھ کے حیدر کے پسر کو　　جبریل لرزتے ہین سمیٹے ہوئے پر کو

اسکے مصرعہ ثانی کے "کو" پر جو ردیف کی مجبوری کے لیے لایا گیا ہے کسی نے اعتراض نہین کیا۔ بایں ہمہ حضرت شوق اب بھی اوسکی تقلید مین " سر جھکائے بھی " کے بجائے "سر کو جھکائے بھی" کہنا پسند فرماتے ہین۔ آپ کی ایک اور غزل کا شعر ہے۔ ؎

زلفون سے دل کو پھینک بھی دو ورنہ عمر بھر　　بیٹھے رہو گے درد کو سر مین لیے ہوئے

نیرنگ جمال کے خاتمہ کے دو شعر یہ ہین۔

شوق میرے رنگ کو دیکھتے تھے بار بار　　دیکھتے ہی دیکھتے رنگ اوڑا ہزار بار

آ ہی جاتا ہوش مین وہ جو ٹوکتے مجھے　　پھر تو مین نہ مانتا لاکھ روکتے مجھے

جناب شوق کا بایں پیرانہ سالی ایک نوجوان کو باوجود ایسی شناسائی کے جس کا اوسے خود اعتراف ہے اس بد اخلاقی پر نہ ٹوکنا اور خود محو نظارہ ہو جانا تو چندان عجیب نہین ہے لیکن خود اس مجنون صفت ہیرو کا اپنے رنگ رخ کے اوڑنے کو محسوس کرنا ضرور تعجب انگیز ہے۔ اگر جناب شوق اپنی زبان سے اوسکے رنگ رخ اوڑنے کی کیفیت اس طرح ظاہر فرماتے تو مناسب تھا۔ ؎ شوق اوسکے رنگ کو دیکھتا تھا بار بار　　دیکھتے ہی دیکھتے رنگ اوڑا ہزار بار

اس نظم کا دوسرا رخ رسالۂ الناظر کے نومبر نمبر مین شایع ہوا ہے

ٹرین چلدی۔ عورت اور مرد اسٹیشن سے اپنی اپنی محبت کو لیے ہوئے علیحدہ ہو گئے۔ ایک کو دوسرے کی خبر نہین۔ اب فراق زدہ عورت اپنے خیال سے باتین کر رہی ہے۔

مرا صبر کس نے لوٹا کہ ہے مجھکو بیقراری　　مرا سر یہ کہہ رہا ہے کہ ہوا جنون مجھکو

مرا دل پسا اسی سے ہوے رخ اشک جاری　　کہ دکھا رہا ہے آنچل مرے دل کا خون مجھکو

مرا حسن کس نے دیکھا کہ نظر لگا گیا ہے

عورت جسمین صبر و تحمل کا مادہ مرد سے زیادہ مانا گیا ہی شرم و حیا جس کا زیور ہی ۔ تعجب ہے کہ حضرت شوق جیسے فطرت پرست شاعر نے اوسکو مرد سی زیادہ بیباک بنا دیا ۔ اس دورخی تصویر کا پہلا رخ اتنا زیادہ تاریک نہین ہی جتنا یہ دوسرا رخ ہی ۔ ایک دوشیزہ لڑکی کا اپنے دل سے یہ کہنا ۔ مرا صبر کس نے لوٹا کہ ہی مجھکو بیقراری ۔ اصولاً فطرت نسوانی کے خلاف ہی ۔ ایسی شوخ چشمی طبیعت مین فوراً پیدا ہو نہین سکتی نہ اسقدر تیزی سے جنون کسی عورت کے سر مین مسکن بنا سکتا ہی ۔ اور رخ اشکون کا آنچل کو رنگین کر دینا تو بالکل ہی بے بنیاد و سراسر غلط ہی ۔ اگر یہ عورت کوئی زبان دان شاعرہ (اور جناب شوق کی شاگرد) ہوتی تو شاید مبالغہ سے کام لے کر خون کے آنسوؤن سے رونے کی کیفیت اپنے معشوق صفت عاشق سی اُسکا دل موم کرنے کے لئے بیان کرتی ۔ تاہم اسوقت بھی یہ مطلب حقیقی طور پر نہوتا بلکہ گریہ کا انتہائی عالم ظاہر کرنا مقصود ہوتا ۔ اور "میرے حسن کو نظر لگ گیا ہی" تو کسی شریف خاتون کی زبان سے نکل ہی نہین سکتا ۔

اس دوسرے رخ کو دیکھکر خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ پہلا نمبر مثنوی کی شان رکھتا تھا ۔ دوسرا انگریزی نما مخمس کیون ہو گیا جناب شوق کی قادر الکلامی سے یہ سو ظنی تو پیدا ہو نہین سکتی کہ آپ نے ابتداً جو بحر اختیار کی تھی اوسمین زیادہ لکھنے سی مجبور ہو گئے اور بحر کے ساتھ صنف نظم بھی بدلدی ۔ البتہ یہ سمجھ لینا بیجا نہوگا کہ چلبلی یا غیر مستقل طبیعت نے یکسان روانی کو پسند نہین کیا ۔ اس لیے ایک رخ دوسرے سے مختلف ہو گیا ۔ پھیر بھی ایک سوال باقی رہ جاتا ہی کہ پہلا رخ ادیب مین شایع ہوا تھا تو سلسلہ کے لحاظ سے دوسرا بھی اُسی مین کیون نہ شایع کیا گیا ۔ کیونکہ یہ تو لازمی نہین ہی کہ جملہ ناظرین ادیب رسالہ الناظر بھی منگاتے ہون یا الناظر کے تمام خریدار ادیب بھی دیکھتے ہون ۔ اس سوال کی اہمیت اس علم سے اور بھی زیادہ ہو جاتی ہی کہ "عالم خیال" کے رخ بھی بالترتیب الناظر ۔ تمدن ۔ ادیب مین باوقات مختلف نکلے ہین اور جس رسالہ مین جو رخ چھپا ہی اُسی مین اسکا ریویو بھی شایع ہوا ہی ۔ اسکا سبب شاید یہ ہو کہ جناب شوق اپنے علمی فیض کو مختصر جماعت ہی تک محدود رکھنا نہین چاہتے ۔ بلکہ ہر حصہ ملک مین مشتہر فرمانا پسند کرتے ہین ۔ یا کوئی دوسری غرض ہو

ہر کسے مصلحت خویش نکو می داند

اب اصل نظم کے تیسرے بند کا شعر ملاحظہ ہو ؎ کہون کیا نظر کا جادو مرے مُنھ پہ کس نے ڈالا + مرے رخ پہ رہگیا ہی مرا رنگ زرد ہو کر ۔ یہ آج تک مشخص نہوا تھا کہ جادو کس عضو پر ڈالا جاتا ہی ۔ لیکن اس شعر نے تبلادیا کہ جادو کوئی مادی چیز ہے اور رُخ پر ڈالا جاتا ہے ۔

اور سُنئے ؎ نہ وہ کان اور نہ بندے نہ وہ بال اور گھونگھر ۔ نہ شگفتگی وہ رخ کی نہ وہ رنگ اب گلابی

کوئی دیکھے چپ لبون کو تو وہ سمجھی لال تیھر ۔ کوئی دیکھے سرخ آنکھین تو کہے مجھے شرابی

یہ شگوفہ کس نے چھوڑا کہ یہ گل کھلا گیا ہے

عجب طرح کا عشق تھا کہ بجائے ہوش و حواس پرواز کرنے کے بیچاری کے کان کاٹ لیے (حالانکہ ناک پر وار ہونا چاہئے تھا) اور سر مونڈ دیا اوسپر بھی وہ غریب صبر و شکر کر کے کہتی ہے ۔ ؎ نہ وہ کان اور بندے نہ وہ بال اور گھونگھر ۔ شگوفہ تو واقعی اچھا چھوڑا اور خوب گل کھلایا ۔

دوسرے شعر مین "لال پتھر" شاید سنگ سرخ کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ اور شرابی کا لفظ اپنی نسبت ایک عورت کی زبان سے کتنا بے موقع اور مکروہ معلوم ہوتا ہے آگے چل کر یہی عفت مآب فرماتی ہین۔ ؎

مین جوانی ہی کو پیٹون مین شباب ہی کو رودن   کہ بھری ہے آگ اسی مین مرا دل جلا اسی سے

ایک کھائی کھیلی سمجھی بوجھی۔ دیکھی بھالی عورت کی گفتگو ہے۔ کسی کمسن لڑکی کی بات تو نہین ہے۔ ؎

مرے رخ سے یہ ہٹا کیون مین حجاب ہی کو کوسون   جو نہ کھلتین میری آنکھین تو نہ لڑتین یہ کسی سے

حجاب چہرہ پر ڈالنے کی کسی چیز کا نام نہین ہے۔ جو منھ (یعنے بالفاظ شوق۔ رخ) پر سے ہٹ جائے۔ بلکہ عام پردہ کو کہتے ہین منھ چھپانیکے لیے گھونگٹ۔ دوپٹہ کا آنچل۔ اوڑھنی کا پلو۔ نقاب (جو برقع مین لگا ہوتا ہے) استعمال مین آتے ہین۔ اور اس شعر مین۔ یہ آخری لفظ زیادہ موزون ہوتا۔ ع مرے رخ سے یہ ہٹا کیون مین نقاب ہی کو کوسون۔ کتنا صحیح معلوم ہوتا ہے۔

وہ رخ اور اوسکی آنکھین کسی گل پہ جیسے بھونرے   وہ سیاہ کوٹ تن پر وہ سر اور لال ٹوپی

یہان رخ کے ساتھ بجائے آنکھون کے "دیدے" استعمال نہ کرنے کی وجہ معلوم نہین ہوئی۔ اور مصرعہ ثانی تو فارسی کے اس شعر کا جواب ہے

دندان تو جملہ در دہانند   چشمان تو زیر ابروانند

نیز یہ مصرعہ اودھ کے ایک ادیب کے بیان کی بھی تائید کرتا ہے۔ جس نے واقعات کی ہو بہو تصویر کھینچ دی ہے ؎

نگنے کو کھڑا کیا کھڑا ہے + ہاتھی کو بڑا کیا بڑا ہے + آندھی کو چلایا چل رہی ہے + ندی کو جلایا جل رہی ہے

زندون کو عیان کیا عیان ہین + مردون کو نہان کیا نہان ہین

سیاہ کوٹ اور لال ٹوپی نے (جو غالباً ٹول کی نہین بلکہ ترکی ہے) اتنا پتہ چلا دیا کہ جنکے فراق مین ایک دوشیزہ لڑکی نے یہ بیحیائی اختیار کی ہے وہ۔ یو۔ پی (U. P.) کے ایک مشہور کالج کے تعلیم یافتہ اور خدا کی عنایت سے مسلمان کہے جاتے ہین۔ اگر سوء اتفاق سے یہ نظم کسی دوسری زبان مین ترجمہ کے ذریعہ سے پہونچ جائے تو ہندوستانیون کے اسلامی کیرکٹر کا اچھا پھریرا اُڑنے لگے گا۔

اسی بند کے سلسلہ کا دوسرا شعر و مصرعہ یہ ہے۔ ؎

نہ بجھے گی آگ اُسکی کہ لگی ہے میرے جی سے   وہ بنے مرا کنھیا تو بنون مین اُسکی گوپی   مجھے دے کے چاہ اپنی وہ شرن بنا گیا ہے

خدا کی پناہ اس سے زیادہ عفت سوز لب و لہجہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ خدا نہ کرے کہ اس قسم کے واقعات نفس الامر مین وقوع پذیر ہون اور خدا وہ دن نہ لائے کہ اس نازک طبقہ کی کوئی دیوی ان اداؤن کی مثال اختیار کرے۔

کاش اس نظم کی ہیروئن ایک دوشیزہ شریف لڑکی کے بجائے کوئی شوخ و شنگ اور چالاک طرار شاہد بازاری قرار دی جاتی تو مضائقہ نہ تھا جو شامت اعمال سے کسی کڑیل جوان پر فریفتہ ہو جائے اور فرط شوق سے ہر وقت اس مصرعہ کو جپتی رہے۔

وہ بنے مرا کنھیا تو نینون مین اُسکی گوپی -

بقیہ اشعار بھی اسی شان کے ہین جن پر مزید ریمارک کرنے کی ضرورت معلوم نہین ہوتی۔ صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ابھی تک تو یہ گندہ خیالات اس شاعر کے دماغ ہی مین محفوظ تھے۔ آیندہ وہ ایک غیر شخص شوق کو بے تکلفی سے اپنی رازداری کی خدمت سپرد کرنے کو تیار ہے۔ اور اپنی قوت مردم شناسی پر بھروسہ کرکے بلا کسی تامل و پس و پیش کے اپنے محبوب کا پتہ حضرت شوق سے پوچھنے کا قصد اس طرح کرتی ہے ۔ ؎

اُسے شوق ہی مین پوچھون جو ملین مجھے کہین وہ وہ ضرور ہونگی واقف کہ وہی تھی ساتھ اُسکے

وہ ملے تو تہر ڈھادون کہ ستم وہ ڈھا گیا ہے

ابوالرشاد

داستان غم

یہ سُن کر داستان غم پشیمان ہوتے جاتے ہین ہم اُنکی اس پشیمانی پہ حیران ہوتے جاتے ہین

مسلسل آنسوؤن نے موتیون سے بھر دیا ہین یہ قطرہ قطرہ ہائے آب نیسان

خبر ہے کچھ تجھے بھی با نہین اے باغبان اس کی ترے پھولے پھلے گلزار ویران

یہ انداز تغافل کچھ سمجھ ہی مین نہین آتا خراب اکثر بلاد روم و ایران

بڑھے تھے پل کے جو گہوارۂ امید مین یارب وہی پیارے لہو مین اپنے غلطان

شہیدان وفا کا خون اک دن رنگ لائیگا یہ شیدائی تری الفت مین قربان

ذرا دیکھ اک نظر اے سونے والے باغ یثرب کو یہ کس کی خانہ بربادی کے سامان

دل بیتاب کیونکر چین پا سکتا ہے دم بھر بھی خدنگ جور پیوست رگ جان

کہین ٹرکی کا اسلامی نشان سجدہ کو جھکتا ہے کہین پامال تقتولین بلقان

ستاتا ہے کوئی تربت مین تیری نونہالون کو یوہین ہنگامہ پے در پے نمایان

الٰہی یہ جنون انگیزیان کیا رنگ لائین گی گریبان گیر دست سینہ ریشان

ہے کوئی سُننے والا یا نہین افسانہ غم کا ہم اپنی بیکسی پر آپ نالان

تماشا کیا دکھائین دیکھیے مظلوم کی آہین یہ نالہ ساکن گردون گردان

جو گنتی کے جوان اسلام مین سُنّی و شیعہ ہین الٰہی خیر وہ دست و گریبان

بھرا ہے دل مین یہ کینہ نہین رہ سکتے مل جل کر ہمین آپ اپنی بربادی کے خواہان

اثر نا اتفاقی کا سرایت کرتا جاتا ہے — ہمارے زخم کے کیا خوب درمان
اصول اسلام کے اتنے پسندیدہ ہیں عالم میں — مسلمان جو نہیں وہ بھی مسلمان
مگر ہم ہیں کہ قدر انکی نہین کرتے نہین کرتے — ہمین معلوم ہے سب پھر بھی نادان
ہمارے پاؤن سے جو خاک کے ذرہ پستے ہین — وہ اجزا غیرت کمل صفاہان
مگر ہم خاک ہوتے ہی چلے جاتے ہین کچھ ایسے — کہ آثار انحطاط آگین نمایان
دل احباب پر گرد کدورت جمتی جاتی ہے — ترقی کے ہماری راز پنہان
ہمارا اختر اقبال دیکھین کب چمکتا ہے — ستارے دوسری قومون کے تابان
نہین ہے نام کو بھی بوئے ہمدردی خوش اخلاقی — بہائم اور انسان دونون یکسان
کسے خلق حسن کہتے ہین کس کا نام الفت ہے — ہم ان اوصاف سے کوسون گریزان
شادین نام کس کا صفحۂ ہستی سے دم بھر مین — سمند اس فکر کے ہر سمت جولان
نہین لیتے ہین اپنی عقل سے کچھ کام بھولے سے — غضب ہے نفس کے ہم زیر فرمان
ذوی القربیٰ کی دلجوئی سے بالکل ہم کو نفرت ہے — یہ کیا اندھیر ہے انسان سے حیوان
اُلجھ کر خار زار وادی نا اتفاقی مین — گلون کی طرح ہم بھی چاک دامان
نظر قدسی کی ہے لا تقنطوا من رحمۃ اللہ پر — اسی سے مشکلون کے عقدے آسان ہوتے جاتے ہین

سید محمد جعفر قدسی

قطعہ

خود ہی ہو جائے گا تو میری وفا کا قائل — شرط اس بات کی اے شوخ جفا جو بدلے
کشتیٔ حسن و محبت ہو اگر طوفانی — اور صبا باد مخالف سے ہر اک سو بدلے
جس سے تاراج ہو بالکل چمن مہر و وفا — گل سے بلبل بھی کشیدہ رہے ابرو بدلے
قمریون کی بھی صدائین ہون تنفر آمیز — عندلیبون کی بھی فریاد کا پہلو بدلے
سرو شمشاد بھی گلشن مین اکڑنا بھولین — پھول مرجھا کے گرین رنگ مٹے بو بدلے
وہ تغیر ہو کہ بے حس مین ہو جنبش پیدا — صورت پیکر تصویر بھی زانو بدلے
دل کسی کا نہ کوئی تیر نگہ برمائے — اشک خونین سے نہ اپنے کوئی آنسو بدلے
گردش چرخ سے ہو جائین تغیر سارے — مین بدلنے کا نہین لاکھ اگر تو بدلے

صدق جائسی

پڑھا ہوا خاوند اور ان پڑھ بی بی

اس عنوان سے ایک مضمون رسالہ عصمت دہلی مین شایع ہوا تھا اور اُسکے جواب مین اسی عنوان سے ہماری لایق بہن مسز عزیز الدین صاحبہ نے بہت ہی اچھے پیرایہ مین اخبار تہذیب النسوان مورخہ ۲۰ جولائی مین جواب دیا ہے ہماری بہن بیشک سچ فرماتی ہین۔ کہ راقم مضمون کو لازم تھا کہ شادی سے پیشتر دریافت کر لیتے۔ کہ آیا بی بی ان پڑھ ہے یا پڑھی لکھی وہ کس طرح دریافت کرتے کہ بی بی ان پڑھ ہے یا پڑھی لکھی ؟ ۔ کیونکہ زمانے مین ہوا ہی ایسی مخالف چلی ہے کہ مرد اک ذرا سی بُرائی پر جھٹ دوسری شادی کرنے پر تیار ہو جاتے ہین۔ یہ تو ممکن نہین کہ شادی سے پہلے اُنکو خبر بھی نہ ہو کہ میری آیندہ رنج و راحت کی شریک خواندہ ہے یا ناخواندہ اگر بالفرض وہ بے خبر بھی تھے تو کیا انکو اب شادی کے بعد بھی بی بی کی تعلیم سے ایسا ہی بے خبر رہنا لازم تھا جیسے کہ شادی سے پہلے تھے ؟ ۔ پھر اب ان کی یہ شکایت فضول ہے۔ یہ رشتہ وہ رشتہ ہے کہ دنیا مین اگر اچھا ہے تو جنت ہے اور اگر بُرا ہے تو جیتے جی دوزخ سے بھی بدتر ہے۔ کن کے لیئے؟ زیادہ تر عورتون کے لیے۔ غرض کہ یہ رشتہ کسی صورت سے بھی ٹوٹ نہین سکتا۔ پھر بی بی کی بُرائی اوروں پر ظاہر کر کے آپس مین بیفائدہ رنجش کیون کی جائے۔ اگر تعلیم یافتہ بی بی کا شوق ہے تو کسی لایق اُستانی سے بی بی کو اپنے حسب منشا تعلیم دلوانی لازم ہے۔ کیونکہ یہ کوئی مشکل امر نہین ہے کیا جوانی مین علم حاصل کرنا مشکل ہے۔ ہرگز نہین۔ یا یہ مناسب ہے کہ ان پڑھ بی بی ہونے کی وجہ سے بڑی جلدی اور بغیر کسی روک ٹوک کے دوسری شادی کر لی جائے جیسا کہ فی زمانہ دستور ہے۔ افسوس۔

اے خدا اور اُسکے رسول کے ماننے والے مسلمان مردو۔ خدا کے لیے کمبخت بدنصیب عورتون پر اسقدر ظلم روا نہ رکھو۔ کیا عورتون کے دل تمھارے دلون کی طرح نہین؟ کیا اُن مین تمھاری طرح مادہ رقابت نہین ہے؟ کیا جس خداوند کی مخلوق تم ہو اُسی اللہ کی مخلوق بے گناہ عورتین نہین ہین۔ تو پھر اسقدر ظلم اُن پر کیون روا ہے؟ کیا اسلیے کہ وہ بے دست و پا تمھارے بس مین ہین؟ افسوس صریحاً کس قدر ناانصافی ہے کہ اگر عورت کسی کریہ منظر بدصورت بدسیرت بدچلن سے بیاہی جائے تو خواہ اُسکی صورت تو در کنار اُسکے نام سے بھی اُسے نفرت ہو لیکن دنیا کی شرم ماں باپ کی لاج سے وہ کبھی کسی کے روبرو یا اُس رنج و راحت کے شریک شوہر کے روبرو ہرگز ہرگز اپنی دلی نفرت کا اظہار نہ کرے گی۔ اور اگر طوعاً و کرہاً دل کمبخت نے اوپری محبت اور چاپلوسی کو تہ منظور کیا اور نفرت کا اظہار برادری والون

یا ماں باپ کے روبرو ہوا تو پھر دیکھو کہ وہ نیک باحیا جس نے سوائے اپنے باپ بھائی چچا ماموں وغیرہ کے کسی غیر مرد کی شکل تک نہ دیکھی ہوگی وہ بدنصیب پھر ایک فاحشہ رنڈی سے بھی بدتر خیال کی جائے گی۔ اُس کی صورت سے بیزاری ہو جائے گی اُسکا محفل یا مجلس میں آنا جانا بند۔ کسی سے ملنا جلنا گیا گزرا ہوا۔ ہمچشموں میں حقیر۔ اگر ماں بہن کی ملنے والی کوئی آ بھی گئی تو اس بیچاری کو کسی نے کتے کی طرح بھی منہ نہ لگایا۔

اور اگر نکاح ثانی کہیں کرنے کا ارادہ ہوا تو جو کوئی سُنے گا کانوں پہ ہاتھ دھرے گا۔ کہ توبہ توبہ صاحب کوئی خرابی تو تھی جو پہلے خاوند نے چھوڑ دیا۔ اور شامت اعمال سے اگر کوئی اولاد اُس پہلے شوہر سے ہوئی تو بس پھر تو دنیا کے عیش و آرام اور خوشی سے قطعی دست بردار ہونا پڑا۔ بھلا ایک بچے کی ماں سے کون نکاح کرے دو دو انسانوں کا بار بیٹھے بٹھائے کون اپنے ذمہ لے۔ برعکس اسکے اگر شوہر کے دس بچے اُسکی پہلی بیوی سے ہوں تو اُنکو آنکھوں سے لگا کلیجے ٹھنڈک تصور کرکے پالنا پڑے گا کسی بات میں بھی کسر رہ جائے تو ساس نندیں اور جس کا دل چاہا یہی کہے گی "اے بی آخر سوتیلی ماں ہے نہ جبھی تو یہ حال ہے"

آج کل اگر مرد کو اپنی بی بی میں کوئی کجی ذرا بھی معلوم ہوئی تو اُسی دن سے دوستوں ہم جلیسوں سے کہنا شروع کیا کہ بھئی شادی کرلی ہے تو کیا ہوا۔ ہم تو انشاءاللہ اپنے حسب منشاء اور شادی ضرور کریں گے یہ بھی رہیں وہ بھی رہیں گی جیسا یہ کھائیں پہنیں گی ویسا ہی وہ کھائیں پہنیں گی۔ میں تو اول روز سے ہی اپنے حسب منشا شادی کرنا چاہتا تھا لیکن والدین کی خوشی اسی جگہ تھی۔ خیر ان کی خوشی پوری ہوگئی۔ لیکن ہم تو اور شادی ضرور کرینگے۔

ناظرین بہنو اور بھائیو میری یہ تحریر ضرور آپ کو ناگوار گزرے گی لیکن ذرا انصاف کرنا کہ یہ تو اپنے حسب منشاء دوسری شادی کریں گے اُس ناکردہ گناہ کا کیا قصور تھا اُسے زندہ درگور کس عذاب میں کیا؟ اُسکا صبر کس پر؟ اُسکی فریاد کون سُنے؟ میاں نے برس دو برس میں کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈھ کر دوسری شادی کرلی۔ یہ لہو کا سا گھونٹ پی کر خاموش ہوگئیں۔ ہائے وہ شوہر جس سے کمبخت بی بی کی ساری امیدیں ہوتی ہیں۔ آہ جس کے دم سے بی بی کا عیش وابستہ ہوتا ہے اب وہ کسی اور کا خاوند بن جاتا ہے۔

اگر شاذ و نادر کوئی خدا ترس ساس سُسرے ہوئے تو اُنھوں نے دنیا کی شرم کے خیال سے ایک دو دفعہ کہدیا کہ بہو تم کوئی غم مت کرو۔ جب تک ہم زندہ بیٹھے ہیں تمھاری سب ضروریات ہم پوری کرینگے۔ دل میں آیا تو کسی مہینے خرچ دے دیا ورنہ کئی کئی مہینے خبر بھی نہیں ہوتے۔ اگر کسی سے کہکر یا اشارتاً بھی خرچ مانگا تو جواب ملا کہ ہمارا کوئی ذمہ تھوڑے ہی ہے۔ جو ہم خرچ دیں۔ اُس نالائق سے مانگو ہمیں کچھ خبر نہیں یہ بیچاری اپنا سا منھ

لے کر چپ ہوگئین - مان باپ بیچارے اپنی حسب حیثیت ان کا اور اگر انکے کوئی بچہ ہوا تو اُسکا بھی خرچ پورا کرتے رہے - اگر کسی نیک خدا ترس نے عورت کے والدین کو سمجھایا کہ بھئی دیکھو - تمھارا بڑھاپا ہے تمھارے کوئی اولاد نرینہ نہین ہے - نہ ایسی معقول جائداد ہے آج تو تم اس لڑکی کے سر پر زندہ بیٹھے ہو اور کل کو نیکی بدی پیش آئی تو یہ کہان جائیگی - بہتر ہے کہ فیصلہ کرالو - یا داماد سے کہو کہ گھر مین آباد کرے - بڑے میان بیچارے خود بھی سوچے کہ واقعی بات معقول ہے چار اشرافون کو لے کر سمدھیانے گئے کہ میرا بڑھاپا ہے مین نہین چاہتا - کہ میری لخت جگر میرے بعد خوار ہوتی پھرے بہتر ہے کہ فیصلہ کردو - اس پر اودھر سے جواب ملا کہ بچون کو ہم لے لین گے اُنکا فیصلہ کردین گے - یہ سنتے ہی بڑے میان سناٹے مین آگئے اور گھر جا کر ذکر کیا بیٹی کا حال جو لخت جگر دون کے چھوٹنے کے غم سے ہوا وہ احاطہ تحریر سے باہر -

یا بالفرض اگر کوئی بچہ نہوا اور ناچاقی کی حالت مین مرد سے فیصلہ کرنے یا طلاق دینے کو کہا گیا تو بھلا یہ کونسا خدا پرست حق شناس مسلمان گوارا کرے گا - کہ مین اس آفت زدہ بی بی کو طلاق دون اور یہ پھر دوسرے کا گھر آباد کرے - آہ ظالم مردو تم تو پہلی بی بی کے جیتے جی دوسری شادی کرکے عیش و عشرت کرو تو تم سے کوئی بھی پوچھنے والا نہین ہے اور عورت کمبخت اگر اپنا فیصلہ کرانا چاہے تو وہ بھی نہو حالانکہ ہماری شرع محمدی مین حکم ہے کہ اگر عورت شوہر کے گھر بسنا نہ چاہے تو قاضی سے کہکر خلع کرالے - لیکن یہ حکم عورتون کے واسطے مفید ہے اس لئے اسکا تو کوئی ذکر ہی نہین کرتا البتہ مرد اپنے واسطے بات بات پر شرع کا ذکر کرتے ہین خصوصاً دوسری شادی کرنے پر - افسوس کہ عورتین پڑی سڑتی ہین اگر کسی کا حق مہر معقول مقدار مین ہوا اور کوئی والی وارث بن کر نالش کرنے پر آمادہ ہوا اور مرد نے فوراً طلاق دی تو خیر اور اگر کوئی والی وارث نہوا اور نہ معقول حق مہر ہی ہوا کہ اسکے ڈر سے میان قطع تعلق کردے تو اور مصیبت ہے عدالت سے بھی کوئی قانون ایسا رائج نہین کہ سرکار سے فیصلہ کرادے - مرد جتنے بھی ظلم کرے کون دیکھتا ہے کسی باہر والے کو کیا خبر کہ چار دیواری کے اندر کیا ہو رہا ہے -

کیا ہمارے پیغمبر خدا رسول مقبول صلعم نے یہ روا رکھا ہے کہ عورتون کے حقوق بیچا لو اور اُنپر ظلم کرو اگر وہ اپنا فیصلہ کرانا چاہین تو نہ کرو -

اے میری پیاری بہنو تم خواہ کچھ کہو تمھاری کون مانتا ہے - مردون کا دوسری شادی کرنا تو کوئی اچنبھے کی بات نہین ہے - ایک ایک محلے مین کئی کئی بدنصیب ایسی ملین گی جو مردون کے ہاتھ سے ساری عمر نالان رہین - یہ انصاف دنیا مین تو کوئی کرے گا نہین - اور نہ ہوگا - بھلا وہ کون ہمارا ہمدرد خدا کا پیارا - ایسا اُٹھے جو سینہ سپر ہوکر مردون سے

ہمارے حقوق طلب کرے بس یہ انصاف خدا ہی کرے گا۔ صبر کرو۔

جناب مولانا مولوی سید ممتاز علی صاحب منیجر تہذیب النسوان نے تہذیب مین اپنی راے بہت ہی عمدہ اس بارے مین لکھی ہے یعنے وہ کہتے ہین کہ بہتر ہے پہلی بی بی والے مرد کو کوئی شخص اپنی بیٹی نہ دے خواہ کیسا ہی لائق کیون نہو۔ اگر قوم مین سے کوئی دے بھی دے تو اُس سے نفرت کا اظہار کیا جائے۔ واقعی انکا فرمانا درست ہے۔ خدا کرے کہ انکی اس راے پر سب عمل کرین تو ضرور کچھ نہ کچھ اصلاح ہو۔

بدر النسا بیگم

ہماری موجودہ معاشرت مین جہان ہزارون خرابیان ہین وہان ایک یہ بھی بدنصیبی ہے کہ مرد اور تعلیم یافتہ مرد عورتون کے حقوق ہر طرح پر پامال کرتے ہین اور سوسائٹی کی اخلاقی قوت اسقدر کمزور ہوگئی ہے کہ ان مظلوم زیردستون کی حمایت نہین کی جاسکتی۔ مردون نے یورپ کی اندھی تقلید مین اور مغربی معاشرت کی ظاہری خوبیون پر شیدائی ہوکر یہ تو کہنا سیکھ لیا ہے کہ عورتون کو تعلیم دلانا چاہیے۔ اُنکو پردہ کی قید سے آزاد کردینا چاہیے اور اُنکی وہی عزت کرنا چاہیے جو انگریزون مین ہے لیکن افسوس کہ عورتون کے یہ نام نہاد حامی خود اُنکے اصلی حقوق کے غصب کرنے مین انتہائی ظلم و تعدی جائز رکھتے ہین وہ ایک لمحہ کے لیے اس پر غور نہین کرتے کہ اسلام نے عورتون کو جو حقوق عطا کیے ہین وہ نہ ترقی یافتہ یورپ دے سکا ہے اور نہ جاہل ہندوستان اور ان تمام حقوق کی پامالی کے اصلی ذمہ دار خود ہم ہی ہین جو مذہب سے بیگانہ۔ روایات اسلامی سے ناآشنا اور انتہا درجہ کے خود غرض ہونے کی وجہ سے اپنی ذمہ داریون سے ناواقف ہوگئے ہین۔

عورتون کی عزت اسمین نہین ہے کہ وہ بے برقع و نقاب تماشا گاہون۔ پارکون اور بازارون مین ماری ماری پھرین۔ طبقۂ نسوان کی ترقی کا ذریعہ یہ نہین ہے کہ ہماری طرح وہ بھی تمام قیود مذہب و اخلاق اور پابندی ہاے رسم و رواج سے آزاد ہوجائین اور نہ ان ظاہری اور نمایشی تغیرات و انقلابات سے قوم کا تمدن کسی طرح یورپ کی تہذیب کا ہمسر بننے کے قابل ہوسکتا ہے بلکہ عورتون کی اصلی اور حقیقی عزت اسمین ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر کی پوری حکمران اور اپنے حقوق ذاتی کو اچھی طرح حاصل کرنے اور اُن سے مستفید ہونے کے قابل بن جائین۔ وہ عورت جو صبح سے اُٹھ کر کمیٹیون۔ بازارون تفرج گاہون مین پھرتی رہی اور بستر خواب پر جانے سے چند ہی منٹ پہلے کسی تھیٹر یا بائیسکوپ کا تماشہ دیکھکر آئی ہو۔ اگر اُسکا ہم جلیس اور محافظ عزت و آبرو شوہر رات کو گھر مین ہونے کے بجاے کسی غیر کے ساتھ شریک استراحت ہوگا تو کیا دنیا مین کوئی شخص بھی اسقدر ناعقل اور خبیث نفس ہوسکتا ہے کہ وہ اس عورت کی دن بھر کی تمام سیر و تفریح کو رات۔ خاموش اور تاریک رات کے چند گھنٹون کی کلفت و مصیبت کا بدل و معاوضہ قرار دے۔

پھر وہ زبیدہ وبیکس جس نے دن بھر گھر کا کام کاج بچون کی نگرانی اور تمام ضروری فرائض معاشرت اس لئے خوش کن امید میں انجام دیے ہون کہ اُسکا دنیاوی خداوند اور اسکا مونس وہمراز شام کو کچہری سے تھکا ماندہ آئیگا اور وہ تمام فرائض سے سبکدوش ہونے کی وجہ سے ہمہ تن اُسکی خدمت مین مصروف ہو کر زندگی کی بہترین مسرت حاصل کر سکے گی اور اسکی یہ دلی آرزو۔ یہ نہایت حق بجانب تمنا شوہر ہائے ظالم وخود غرض شوہر کی محض اس دل آزار کارروائی سے کہ وہ سر شام سے دوسری بی بی یا کسی آشنا کے یہان چلا جاتا ہے خون کے آنسو بن کر چشم نم کی راہ بہ جائے تو اوسکی حالت کتنی قابل رحم نظر آئے گی۔

یہ کوئی شاعرانہ مبالغہ یا معنی آفرینی نہین بلکہ واقعات اور وہ واقعات ہین جو شب وروز پیش آتے ہین اور تقریباً ہر ذی ہوش شخص کو انکا تجربہ ہوتا ہے۔ کوئی قریہ کوئی بستی اور کوئی شہر ایسا ہی خوش نصیب ہوگا جہان اس قسم کے واقعات بکثرت نظر نہ آجائین۔ ایسی صورت مین کیا قوم کے نبض شناس طبقہ اور عورتون کی حمایت مین اخبارون اور رسالون کے صفحے رنگنے والے حضرات کا یہ فرض نہین ہے کہ وہ اس بدنصیب حالت مین کوئی مناسب تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کرین اور ایک کثیر جماعت مظلومین کو اپنی برموقع ہمدردی سے اس قسم کی آفتون اور مصیبتون سے نجات دلائین۔

"آزادی۔ مساوات اور نوعی برادری" کے نعرہ مارنے والو۔ مذہب کے مہمات امور کو عقل کی روشنی مین دیکھنے والو۔ امام ابوحنیفہ اور امام اشعری کے ارشادات کو بیکن اور اسپنسر کے فلسفہ کی روشنی مین دیکھنے والو۔ لباس مین گھر کی آرایش مین معاشرت کے اصولون مین انگریزی اور مغربی طریقون پر اصلاح کرنے والو! خدارا نہین نہین مسیح کے واسطے۔ تم ایک لمحہ کے لئے اپنی موٹر کی رفتار کو دھیما کر کے اپنی حالت پر غور کرو کہ تمھارے اعمال وکردار کہان تک تمھارے لمبے چوڑے دعوٗن کا ساتھ دیتے ہین اور تمھین اپنی قابل مضحکہ اور ذلیل وخوار حالت کا احساس ہو جائے گا۔

ہم نے مانا کہ بنگلے کی سجاوٹ مین انداز مغربی سے ایک گونہ دلکشی پیدا ہو جاتی ہے۔ ہمین تسلیم ہے کہ کوٹ پتلون نکٹائی کا رعبا واچکن کی ارتقائی منزل طے کر کے تہذیب کی سند حاصل کر چکے ہین۔ ہمین کچھ عذر نہین کہ آپ "کل مومنین اخوۃ" کی جگہ (Liberty, Equality and Fraternity) کے جوش دلانے والے نعرے مارین یا ہم اسکو بھی جائز قرار دیدینگے کہ آپ مذہب کی تطبیق سائنس سے اور علماے اسلام کے اقوال کی جانچ مغربی حکما کے معیار سے کرین۔ لیکن آپ انصاف سے بتائیے کہ اس ظاہری ٹیم ٹام کو درست کرنے کی فکرون سے فرصت پا کر کبھی اس چیز کی آراستگی پر بھی آپ کی توجہ ہوتی ہے جس کی آہستہ مگر مستقل حرکت پر آپ کی اس متکبرانہ زندگی کا انحصار ہے اور جس کی غلامی ہی نے آپ کو اس نکبت وضلالت کے قعر مین پہونچا دیا ہے۔

آپ کا دل خود غرضیون اور بدنفسیون سے اتنا آلودہ ہے کہ اپنی خوبصورت بی بی کے ساتھ انسانیت کا برتاؤ نہین کر سکتے

تو ہمارے عالم اور ساری قوم کے ساتھ کب مساوات برتنے لگیگا۔ آپ کو اپنی خواہشات سے آزادی نہین حاصل ہے تو آپ دنیا بھر مین آزادی کا کوس لمن الملک کب بجانے کے قابل ہوسکتے ہین۔ آپ ایک بیکس پر رحم کرکے اُسکے آزار کا درمان نہین کر سکتے تو نوع انسانی آپ کی برادرانہ نوازش و کرم سے کیا توقع رکھ سکتی ہے۔

اے نشۂ غفلت کے مستو! اے چند روزہ زندگی پر غرور کرنے والو! اے جسمانی آرام اور نفسانی خواہشات پر دنیا اور آخرت کی بھلائیون کو قربان کرنے والو۔ اے خواب غفلت کو عالم بیداری جاننے والو۔ اے بیکس فرقے کے حقوق کے غصب کرنے والو چونکو بیدار ہو اور راہ راست پر آجاؤ۔

تمھاری غفلت اور نفس پرستیون نے اسلامی روایات کا قلع قمع کردیا مسلمانون کو ذلت۔ خواری اور پستی کا مرادف بنادیا۔ مذہب۔ علم۔ اخلاق سب سے ہمین بے بہرہ کرکے بہایم اور چوپایون کا ہم پایہ بنادیا ہے۔

للہ اب تم اپنی حالت زار پر رحم کھاؤ اور اس صراط مستقیم کو اختیار کرو جو تمھاری گذشتہ غفلتون کی تلافی ہوسکے اور تم پھر عروج و اقبال کے سر بفلک منازل طے کرنے کے قابل ہوجاؤ۔ برائے خدا اب تو تم اپنی ذلت بار حالت اور اپنی بے عقلی و گمراہی کا احساس کرو کہ قعر مذلت و خواری سے نکل کر علم و تہذیب کی روشنی مین آجاؤ اور متمدن اقوام کے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھنے کے قابل ہوجاؤ۔ ورنہ

مجو سعادت طالع دمے کہ فرصت رفت ... ہجو سر بریدہ شود سایہ ہما چہ کند (عرفی)

ایڈیٹر

بیوفائی اور وفاداری

اک شاعرہ عہد مسیحی کے ... چھ سو برس آگے گزری ہے
سب اسکو سیفو کہتے تھے ... نام اُس کا مشہور اب بھی ہے
یونان مین اسکی فصاحت کا + ہر بزم مین چرچا ہوتا تھا
عاشق یہ گلاب کے پھول کی تھی ... شہرہ اس کا تھا ملک یونان مین
ہوتی تھی نغمہ سرا ایسی ... بلبل جس طرح گلستان مین
سب اسکے کلام کے دلدادہ + اور اسکے نام کے دلدادہ
ایجاد کین اس نے کئی بحرین ... اور طرز نکالے پڑھنے کے
ماہر طنبورہ نوازی مین ... کہ ساز کیا ایجاد اس نے
شاگرد اسکے اُستاد ہوے + برسون ہی رہے اسکے چرچے
تھے اسکے مرتب نو دیوان ... اب ہوگئے انمین تلف اکثر
اخلاق کو اُنسے تھا نقصان ... کہتے ہین یہی سب اہل ہنر
لیکن شعرا جو تھے کامل + تھے اُسکے کمال کے سب قائل
الکیوس کہ اک غزل گو تھا ... دیوانہ تھا عشق مین سیفو کے
یون عشق کو ظاہر اُس نے کیا ... کچھ شعر کہے اور بھیجدیے

اک شعر مین وہ مطلب اپنا + کرتا ہے اس عنوان سے ادا
اے سادہ مزاج اے مطلعت   اک بات ہے میرے ذہن نشین
کہتے ہوئے آتی ہے خجلت   اس وجہ سے کچھ کہہ سکتا نہین
اس نامہ کو پڑھ کر سرتا پا + سیفو نے دیا یہ جواب اس کا
جو بات تو کہنا چاہتا ہے   وہ بات اگر ہوتی اچھی
تیرے لیے مانع تھی کیا شئے   آتی تجھے کاہے کو شرم اتنی
یہ شوخ کلامی دیکھو ذرا + کیا زخم جگر پہ نمک چھڑکا
سیفو کے جہان سے گزرنے کی   کرتے ہین روایت درد انگیز
افسوس کہ اُسکے مرنے کی   بے شک ہے حکایت درد انگیز
اک شخص کہ فون تھا نام اُسکا + سیفو سے عشق جتانے لگا
جب دیکھی فون کی یہ الفت   سیفو نے بھی اس سے محبت کی
تھا فون کہ بد خو بے غیرت   چھوڑ اُس کو بھاگ گیا سسلی
یہ اُس کے پیچھے پہنچی وہان + لیکن نہ ملا کچھ اس کا نشان
دستور تھا اُسکے زمانہ کا   جو لوگ کہ عاشق ہوتے تھے
مقصود کی ناکامی کی دعا   مانگا کرتے تھے زہرہ سے
کچھ شعر کہے سیفو نے بھی + زہرہ سے چاہی مراد اپنی
لیکن جب داد اُس کو نہ ملی   تو جینے سے وہ تنگ آکر
یان سے یونان کی سمت پھری   جس جا تھا اپالو کا مندر
وان آکے اس نے قیام کیا + دریا کے کنارے یہ مندر تھا
عشاق جو ہوتے تھے ستائے   وہ درد دل اپنا آکے یہان
کرتے تھے بیان اپالو سے   اور جان اپنی کرتے قربان
دریا مین کود وہ پڑتے تھے + بچنے کو عشق کی آفت سے
اس طرح غرض سیفو نے بھی   مرنے کا ارادہ کر ہی لیا
یہ دیکھ کے سب نے خوشامد کی   جو لوگ تھے جمع وہان صدہا
اور سیکڑوں چھوڑی گئین ناوین + تا ڈوبے نہ سیفو دریا مین
اُس دن تھی غضب کا بناؤ کیے   اور پہنے لباس عروسانہ
پڑھتے ہوئے کچھ اشعار اپنے   اور جوش جنون کا افسانہ
جھم سے دریا مین کود پڑی + یون عشق مین جان اُس نے دیدی
افسوس نہ کیونکر آئے ذہین   سیفو سے کی فون نے کیسی دغا
الکیوس سزاوار تحسین   تھا عاشق صادق، اہل وفا
پہنچا اُس دن یہ بھی نالان + سیفو کے لیے دینے کو جان
لیکن یہ ہوئی جب اُسکو خبر   سیفو ہی نے پہلے جان دیدی
روتا واپس آیا مضطر   تھی غم سے عجب حالت اُسکی
لکھی ہین خود اُس نے اس غم مین + کہتے ہین سوا سو ہین نظمین

سید غلام مصطفیٰ ذہین

مین بھی ہون تہ مزار گلپوش   اٹھلا کے نہ چل نسیم مدہوش
واعظ کیسے جام مست سے   مینا کی طرح ہون پنبہ درگوش
ارنی کا جواب لن ترانی   او عہد عتیق کے فراموش
مجبور حیات ہون وگرنہ   ہے مجھ سے زمانہ تنگ آغوش
نظارگیان محشر حسن   بیہوش ہین یہ کہ کچھ نہین ہوش
آتشکدۂ جمال ہو سرد   جس سے کہ بڑھا ہے دید کا جوش
بے چینی کا اقتضا ہے کر ضبط   فریاد کا مشورہ ہے۔ خاموش
مت دیکھ مجھے۔ کہ اب تو مجھ مین   باقی نہین نام کو بھی کچھ ہوش
مرقد مین نہین ہون بلکہ ہون مین   نکہت کی مثال گل مین روپوش
تربت مین پڑا ہون ایسا بدمست   کچھ سر کی خبر نہ پاؤن کا ہوش
کوثر کا بیان نہ کر کہ مین ہون   اک رند اور وہ بھی اک بلانوش
دل بجھ گیا محفل جہان سے   قیصر ہون اب ایک شمع خاموش

قیصر (بھوپال)

قلعہ مراد

خودبین نہ ہو۔ خوددار ہو سرکش نہ ہو۔ سردار ہو (مظہری)

حسب معمول سر جھکائے آنکھین بند کیے بیٹھا تھا۔ ارادہ تو یہ کہ کسی خاص طرف دہیان لگاؤن اور اسی وجہ سے وہ پاک نام وہ سب سے پاک نام وہ پاک کا پاک نام یعنی اللہ اللہ کبھی کبھی زبان سے نکل جاتا تھا۔ مگر خیالات پھر بھی ڈانوان ڈول تھے قوت ارادی بندوبست مین مشغول تھی مگر کامیابی مشکل سی معلوم ہوتی تھی یہ پراگندگی خیالات تکلیف دے رہی تھی۔ مین چاہتا تھا کہ اپنے تاریک پہلوؤن پر نظر ڈالون اور خیالات باغون کی سیر کرانا چاہتے تھے۔ مین چاہتا تھا کہ اپنے قصورون کا شمار کرون۔ (اور نہین تو ایک ہی دن کے سہی کیونکہ وہ بھی سیکڑون سے کیا کم ہون گے میرا وہ کون سا کام ہے جو بُرا کہلانے کی قابلیت نہین رکھتا) مگر خیالات تھے کہ کبھی جنگل اور کبھی پہاڑ دکھاتے تھے کبھی سیدھے ریگستان اور کبھی راجپوتانوی رتیلے چٹیل میدان۔ کبھی تیز رو دریا اور کبھی بے پر کے اُڑنے والے ریت کے ٹیلے۔ کبھی لنکا کے اور کبھی دریاے نربدا کے کنارے پر کے برگد (برطہ) کے درخت جنمین سے ایک ایک کے نیچے چار چار ہزار سوار مع گھوڑون اور خیمون کے اور اُنکا نواب یا بادشاہ مع اپنے شاہانہ ساز و سامان کے نہایت آرام اور فراخی سے بلاخوف ترشح باران و تیزی آفتاب قیام پذیر ہوسکین۔ اور کبھی ریاست ٹراونکور کے بیشمار پودے جنمین سے ایک ایک مین بہت بہت سے رنگون کے پتے اور اُن پتون پر اُنکے رنگون کے موافق چھوٹے چھوٹے دل لبھانے والے نہایت ہی دہیمی آواز مین گانے والے جانور جنکے پرون سے گلکاری اور جنکے اعضاء سے نزاکت کی شان ظاہر۔ کبھی ملک سندھ کا درخت نو جس کے پتون مین سے ہوا چلتے وقت وہ مدہم مدہم آواز آتی ہے جو کسی خیالات مین مستغرق شاعر کے گنگنانے کی نقل اُتارنے مین کامیاب اور جو کسی نہایت با حیا سچی محبت رکھنے والی اپنے محبوب خاوند سے جدا خاتون کی زور سے و بائی ہوئی مگر پھر بھی لبون پر آجانے والی آہون کے مقابلہ کرنے کو تیار۔ اور کبھی وہ چھوٹی سی ندی جسکی نہ کوئی سہیلی نہ ہمجولی۔ نہ بات کرنے کو نہ بات سُننے کو۔ جو لمبے چوڑے ریگستان مین آپھنسی ہو اور جسے ریت اپنا بنائے جا رہی ہو جسے اپنی سوت سامنے سے آکر پاس کھڑی معلوم ہو رہی ہو اور جو دم آخر بھی اپنے کام کے پورا کرنے اور اپنے مقررشدہ فرض کے ادا کرنے مین اپنی زیست و موت کا خیال نہ کرکے چلا چلا کر (جتنی آواز ایسے وقت بھی نکل سکتی ہو) اور چمک کے اشارون سے مخاطب کر کرکے ہوا کے پرندون اور زمین کے چرندون بلکہ بلا تفریق نیک و بد جنگل کے رندون اور آوارہ گرد یا مصیبت زدہ انسانون کو بلا رہی ہو کہ آؤ آؤ جلدی آؤ پیاس بجھاؤ۔ غوطے لگاؤ۔ نہاؤ لطف اٹھاؤ

دیکھو جلدی کرو۔ ایسا نہو کہ پھر پچھتاؤ۔ غرض یہ کہ کبھی کچھ اور کبھی کچھ سامنے لا لا کر وہ خیالات میرے پیش نظر کیے جاتے تھے۔ آخر جیسا کہ غیر مستقل مزاج کا قاعدہ ہے میں ان خیالات کے ساتھ ہو لیا۔

نہ معلوم کہاں کہاں پھرے۔ نہ معلوم کتنے کتنے ہزار کوس پلک مارنے میں طے کیے۔ نہ معلوم اس بڑے بر اعظم ہندوستان کے کون کون سے کونوں اور حصوں کی دوبارہ سیر کی۔ نہ معلوم کن کن لا پتہ اور غیر معلوم بر اعظموں میں جا نکلے جنکے ناموں سے بھی ابھی شاید دنیا واقف نہیں۔ نہ معلوم وہ کون سا وقت تھا۔ کیا موقع تھا۔ اور کیا سماں تھا جو یہ تماشا دیکھا خیالات اور باتیں کرتے چلے جارہے تھے کہ دور سے ایک قطار دیکھی۔ گروہ کے گروہ ایک طرف سے دوسری طرف جارہے ہیں نزدیک گئے تو ایسا جمگھٹ نظر آیا کہ اللہ کی پناہ مانگی۔ سیکڑوں ہزاروں کا تو ذکر ہی کیا لاکھوں کی شمار وہاں اکائی میں ہوگی جیسے کسی بڑے بھاری سمندر میں سیکڑوں کوس لانبی لہریں ہوں اور برابر چلی آرہی ہوں ایسے ہی وہاں بیشمار انسان مرد عورت۔ چھوٹے بڑے امیر کبیر۔ مفلس قلاش۔ مریض تندرست۔ عالم فاضل۔ جاہل کندۂ ناتراش۔ ٹھنگنے بونے۔ لانبے چوڑے۔ دبلے پتلے۔ موٹے تازے چلے آرہے ہیں۔ کتنا ہی زور لگا کر دیکھا مگر دونوں سروں میں سے ایک بھی نہ دکھائی دیا۔ بہت سوں سے پوچھا۔ کہاں سے آئے کہاں جاتے ہو۔ کیوں جاتے ہو۔ مگر کسی کو اتنی فرصت نہ اتنی پرواہ کہ جواب دے۔ بعض تو کچھ ایسے محو تھے اور بعض بلکہ اکثر ایسے مغرور کہ انھوں نے منھ پھیر کے دیکھا تک بھی نہیں۔ اس عقدہ کو حل کرنا اچھا معلوم ہوا۔ ساتھ ساتھ ہو لیا۔ نہ معلوم کتنے برس اور کتنے ہزار فرسنگ چلا۔ آخر ایک جگہ پہونچا جسے دیکھتے ہی ہنگامہ محشر کا یقین ہوگیا اسقدر کثرت سے لوگ کہ کروڑوں کی گنتی اکائیوں میں ہو بلکہ شاید اربوں اور سنکھوں کی۔ اور وہی نفسی نفسی۔

کوئی پستہ قد۔ زرد رو۔ لانبے لانبے بالوں کی جٹائیں سر سے لٹکتی ہوئی۔ کاغذ کے جوتے اور کسی کے کاغذ کے کرتے پاجامے۔ کوئی ٹھنگنے ٹھنگنے۔ سیاہ سرخ رنگ۔ تندرست۔ دھوتیاں باندھے۔ ماتھا اور گردن رنگ برنگی لکیروں سے بھرا ہوا۔ کسی کے منھ اور کلائیوں پر نیل سے کچھ گدا ہوا کوئی کوئی ننگے سر اور چھوٹی چھوٹی سی پتلی سی چٹیا سر پر کوئی کشیدہ قامت سیاہ رنگت دراز بہت فراخ دہن۔ لحیم شحیم۔ سفید کپڑے پہنے ہوے۔ پھندنے دار ٹوپیاں سر پر دیے ہوے اور کوئی بڑی بڑی پگڑیاں باندھے ہوے۔

کوئی سفید رنگت سبز چشم۔ چھجہ دار ٹوپیاں فیتہ سے بندھی ہوئی بھورے بھورے بال لال لال داغ۔ پیلے پیلے دانت۔ بیٹھنے اٹھنے میں دق کرنے والی پوشاک پہنے ہوے۔

کوئی سرخ سفید رنگ کشیدہ قامت۔ سیاہ پتلی۔ سیاہ بال۔ پنڈلیوں اور ٹخنوں تک کے ڈھیلے ڈھیلے

پائنچے اور سفید سفید پگڑیان یعنے شملے سر پر۔

اور کچھ ہندوستانی مسلمانون کے مثل۔ عربون ترکون کی سی رنگت۔ بھوکون کے سے جسم۔ مرغ کی سی اکڑ۔ انگریزون کی جوتی۔ جرمنون کی پتلون۔ ترکون کی ٹوپی۔ فرانسیسیون کا رومال۔ چارون طرف نظر بچا بچا کر دیکھتے ہوئے مگر کسی گروہ کے کسی شخص کو بھی اپنی طرف متوجہ یا مخاطب نہ پاکر غصہ مین پیچ و تاب کھاتے ہوئے پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتے ہوئے۔ کپڑون کو سنبھالتے ہوئے۔ گرد و غبار صاف کرنے کو ٹھہر ٹھہر جاتے ہوئے۔ تھکن کے آثار چہرون سے ظاہر۔ کبھی کبھی آہ لبون سے باہر۔ آرام کے خواہان۔ سو جانے کو تیار۔ ایک آدھ کے ہاتھ مین بائین طرف سے لکھے ہوئے ایک دو ورقی اور وہ آپے سے باہر۔ کسی کسی کے ہاتھ مین سڑا ہوا اور ذلیل اخباری پرچہ اور وہ دغا فریب کرنے کو آمادہ۔ آنکھ بچی اور رومال کسی بیچارے کے کندھے پر سے اُتار لیا۔ موقع پایا اور کسی کی جیب مین ہاتھ ڈال کر بٹوا نکال لیا۔ اور نہ ہوا تو جیب ہی کاٹ لی۔ کسی کو وہ پرچہ یا ٹکڑا دکھایا اور زبردستی ڈرا کر کچھ وصول کیا۔ مگر لطف یہ کہ ذرا دیر بعد پھر وہی بُرے حال۔ مُنھ پر لعنت کی پھٹکار۔

اب لیجیے اُن مین عورتون کا حال سُنیے۔ بعض کو آدمی کی شان مین اور بعض کا بُرا ڈھنگ۔ ایسی دیدہ دلیر اور حیا سے بیزار۔ کہ مردون مین سے اپنے پرائے کا کیا خیال کاندھے سے کاندھا چھلتا ہوا۔ مُنھ کھولے آنکھین پھاڑے کبھی زور مین آگے بڑھین اور کبھی تھک کر پیچھے رہین اور اس وجہ سے کبھی ان مردون مین کبھی اُن مردون مین کبھی انکی مدد کی کبھی اُنکے کام آئین۔ ہمدردی کی شان دکھاتی ہوئی۔ ضرورت وقت سمجھاتی ہوئی۔ خوب یاد رکھنے کے قابل سبق پڑھاتی ہوئی۔ لباس کا تو ذکر ہی خرافات مین داخل ہوگا۔ اس لیے معافی چاہتا ہون۔

خیال نے کہا کہ جمع کیون ہین؟ آگے بڑھے تو ٹھہر جانا کچھ تعجب کی بات نہ تھی۔ دلدل اور دلدل بھی ایسی کہ بکاولی کے قلعہ کو شرمائے اور ایک اُنگل برابر کیچڑ کہلانے کا حق اس دلدل کے سامنے مشکل سے پائے۔ یہان سب کی نظرین سامنے کو اُٹھین۔ بیچون بیچ ایک قلعہ تھا۔ نہایت وسیع۔ عریض۔ طویل۔ خوبصورت شاندار۔ خوشبو وہان سے یہان دلدل کے پار ہم لوگون کو مہکائے دیتی تھی ۔۔۔۔ دس بیس سے پوچھا ایک دو نے جواب دیا کہ یہ قلعہ مراد ہے۔ اس دنیا مین بھی بہت سے ایسے ہین جو دوسرے کی طرف توجہ کرنا ذلت اور کسر شان سمجھتے ہین جواب دینا تو کار ایست مشکل و قبیح۔ خیر خوش رہین۔

اس قلعہ کے دروازے پر ایک تحریر ہے اور وہ ایسے نرالے خط مین ہے کہ ہر مذہب اور ہر ملک اور ہر زبان والا یہی سمجھتا ہے کہ وہ اُسی کے مروجہ خط مین ہے۔ سب پڑھنے لگے۔ مین نے بھی دیکھا تو اُردو معلوم ہوئی اور

وہی حروف جو مراد آباد کے مسلمان لکھتے ہین۔ مین بھی پڑھنے لگا۔ مگر اُس نرالی تحریر مین یہ ادر نرالا پن۔ کہ پڑھ کوئی نہین سکتا۔ لوگ نہایت غور اور کوشش سے۔ ایک آنکھ بند کر کرکے۔ مٹھی کے سوراخ مین سے۔ عینک لگا لگا کر دوربینون سے کام لے کر۔ اور ہر طرح سے دیکھتے ہین۔ تھک تھک جاتے ہین۔ ٹھہر ٹھہر کر پھر دیکھنے لگتے ہین۔ آنسوؤن کی طرح پانی کی دو۔ چار۔ چھ بوندین آنکھون سے گرین۔ اسی طرح کئی بار ہوا۔ آخر تھک کر پڑھنے سے دست بردار اور اب اور ہی کام مین مشغول ہوے۔

بعض بعض کچھ سستا کے اور آرام کرکے اور بعض یون ہی اناپ شناپ۔ نہ تھکن کا خیال نہ ماندگی کی پڑا نہ آگے کی تیاری نہ پیچھے کی یاد۔ نہ داہین بائین پر نظر۔ نہ کوسون چوڑی دلدل کا ڈر۔ نہ بھیانک جانورون کا خوف۔ بس مُنھ سامنے کی طرف اور آنکھ قلعہ کے دروازہ پر۔ کسی نے دایان اور کسی نے بایان جو مبارک سمجھا قدم بڑھا ہی دیا۔ مگر واہ۔ واہ مرحبا۔ ذوالجلال اور قادر مطلق کی شان کے قربان۔ پل کے لاکھوین حصہ سے بھی کم مین جو چاہے سو کرے۔ کیا دیکھتا ہون کہ قدم دلدل پر پڑتا تھا کہ سواری ایک ایک کی ران تلے موجود۔ کوئی ایسا نہین جو دلدل مین گیا ہو اور اب سوار نہو۔ اگرچہ نہ کہین دینے والا اور نہ کہین اب سے پہلے سواری کا پتہ تھا۔ مگر تفریق یہان بھی دیکھی۔ کسی کو گدھا۔ کسی کو ٹٹو۔ کسی کو عربی نسل کا گھوڑا۔

مین الگ کھڑا کچھ تو گھبرایا ہوا۔ اور کچھ کمزور۔ لیکن اصل تو یون ہے کہ کم ہمتی نے روک رکھا تھا۔ مگر جب سب کو سواریان ملین تو جی للچایا کہ لاؤ مین بھی چلون۔ مگر صد آفرین اے میری کم ہمتی۔ جانے کیا کیا خوف پیدا کر لیے۔ اور آخر مین وہین کا وہین رہا۔ نہ ہلا نہ سرکا۔ اس سوچ کے بعد جو سر اُٹھایا تو عجب عبرت انگیز واقعہ درپیش تھا جو گدھون پر تھے۔ لگے دلدل مین دھنسنے۔ گدھون کے گھٹنون تک دلدل آگئی۔ وہ سینہ تک۔ ارے۔ ارے وہ گردن ہی گردن۔ سوار صاحب کو ابھی تک تو منزل تک پہونچنے کا یقین تھا۔ مگر اب لگے اُسے پھیرنے۔ پیترا پھر گیا۔ مگر اب سب محنت اکارت۔ لوٹ کر جانا ناممکن۔ اتنے مین وہ گردن بھی غائب۔ لو وہ سوار بھی سینہ تک دھنس گیا۔ دیکھنا دیکھنا۔ وہ سوا رہ گردن ..... وہ سر ... وہ بھی ختم ... افسوس۔ گدھے والون کا تو یہ حشر ہوا۔

ٹٹو بچارے دھنستے۔ گھسٹتے۔ ہانپتے کانپتے۔ تھمتے۔ بڑھتے۔ اندر باہر۔ ادھر سوار قمچی چلاتے۔ گھونسے مارتے۔ پچکارتے۔ ایڑ لگاتے۔ لگام ہلاتے۔ ٹک ٹک کرتے۔ پھسل پھسل پڑتے ہین۔ سنبھل سنبھل جاتے ہین۔ گاتے روتے مسکراتے۔ مُنھ بناتے۔ ہنستے بسورتے۔ دم لے کر۔ قہر درویش برجان درویش۔ افتان خیزان۔ مدد چاہتے ہوے۔ دعائین مانگتے ہوے جا رہے ہین۔

اب وہ شاندار گھوڑون کے سوار۔ اُنکے گھوڑون نے منھ اُٹھایا۔ قلعہ کی سیدھ مین ہوے۔ سوارون نے نشست درست کی۔ لگام سنبھالی۔ ایک دفعہ گھوڑے کو خود دلدل دکھائی اور پھر قلعہ کا دروازہ۔ اب ذرا سا ایڑ کا اشارا اور ذرا سا لگام کا۔ ایک آن کی آن مین ابھی یہان تھے ابھی وہان۔ اور جیسے کوئی منتظر ہی ہو۔ پہونچنا تھا۔ کہ دروازہ کھلا۔ سوار اُترا۔ گھوڑا غائب۔ سوار اندر۔ دروازہ بند۔

اب تو مین حیران رہگیا۔ حیرت کی حد ہوگئی۔ کچھ چارہ نہ دیکھا۔ بس بارگاہ باری تعالیٰ مین عجز اور اُمنگ کے ساتھ دعا کی کہ اپنی شان ربوبیت کے صدقے۔ نیک مخلوقات کے طفیل۔ یہ بھید مجھپر کھول دے۔ سجدہ سے سر اُٹھانا ہی تھا کہ آنکھین دوربینی مین کیا سے کیا ہوگئین۔ جیسے دوربین لگا کر دنیا پڑھنے سے عاجز تھی صاف صاف پڑھنے مین آگیا۔ نہایت نستعلیق حد درجہ جلی قلم اور واقعی خوشخط لکھا ہوا تھا۔ اول تو نام تھا قلعہ مراد۔ اور اُسکے نیچے چار سطرین تھین۔ اُردو مین۔ مین پڑھنے پایا تھا۔ کہ بائین طرف شور سا ہوا۔ آہٹ پائی۔ گردن پھیر کر دیکھا۔ وہی دنیا وہی جھگڑے۔ پھر قلعہ کی طرف رخ پھیرا۔ مگر وہی آنکھین جو پہلے تھین۔ سچ ہے اچھا کام چھوڑا۔ ادہر اُدہر مشغول ہوا۔ سزا پائی جو کچھ پڑھا وہ یہ ہے۔ والسلام۔

قلعہ مراد

نہ جانے کچھ بھی اور جو سمجھے مجھ کو سب کچھ آتا ہے — وہی دلدل کی گہرائی مین گدھے کو پھنساتا ہے
جو جانے سب کچھ اور سمجھے کہ مجھ کو سب کچھ آتا ہے — وہ ٹٹوانی کو ٹک ٹک کرکے کھائی پار لاتا ہے
جو جانے سب کچھ اور سمجھے کہ مجھ کو کچھ نہین آتا — وہی اک ایڑ مین سیدھا قلعہ کے اندر آتا ہے

محمد شفیع احمد منظری بی اے

وہ خرابات کی چہلین وہ مدارات گئی — کیا کہین اب کی بھی یون ہی بھری برسات گئی
مہلت ہوش جو پائی تو سحر تھی موجود — نہین معلوم کہان آئی کدہر رات گئی
حسرت عشق گئی شوق کی بیتابی سے — ایک ذرا ضبط نہ کرنے سے جو تھی بات گئی
ہاے صیاد کو ذوق چمن آرائی ہے — گل و بلبل کی گھڑی بھر کی ملاقات گئی
دخت رز شیفتہ ہے میری مے آشامی پر — اب خوشامد تری اے پیر خرابات گئی
دیکھتا یہ ہون کہ اب درد کہان اُٹھتا ہے — رات دن رہتی تھی جو فکر مداوات گئی
دل گیا ساتھ تمنائین گئین اے بسمل — ایک سناٹا ہے دولھا گیا بارات گئی

غزلیات

کردے یہ خبر کوئی بت شوخ ادا کو — عشاق ترے ڈھونڈتے پھرتے ہیں قضا کو
دل توڑکے او بت نہ مٹا نامِ وفا کو — میرا نہ کہا مان ارے مان خدا کو
آئے ہیں وہ بکھرائے ہوے زلف دوتا کو — کہتے ہیں کہ ہم مان گئے آہ رسا کو
مرجائیں اگر درد محبت میں کمی ہو — بیمار ترے زہر سمجھتے ہیں دوا کو
مے ہم نے جو پی ہو تو گنہگار مگر ہاں — دیکھا ہے کسی کی نگہ ہوش ربا کو
مرجاتے ہیں عشاق جہاں ہاتھ اوٹھایا — مٹھی میں لیے رہتے ہیں گویا وہ قضا کو
مجھکو تو بناتے ہیں وہ دیوانہ و وحشی — روکا نہیں جاتا نگہ ہوش ربا کو
عیسیٰ وہ بنے جب سے نہیں ایک بھی بیمار — اب درد کو ڈھونڈو تو ملے گا نہ دوا کو
کیا وصل کی امید میں تاثیر ہے واللہ — سو بار پلٹتے ہوے دیکھا ہے قضا کو
کچھ کرکے دعا اُٹھ گئے بالیں سے ہمارے — گویا وہ ہمیں سونپنے آئے تھے خدا کو
ہیں عشق کے بیمار بھی دنیا سے نرالے — مرجائیں مگر منھ نہ لگائیں گے دوا کو
دل اتنے کہاں ہیں جو کوئی نذر کو لائے — اک اُن کو ہے درکار تو سو ناز و ادا کو
آئے ہو جو ہنستے ہوے ہمراہ عدو کے — چھوڑ آئے کہاں آج مری جان حیا کو
غفلت نہ ہوئی ہم سے کبھی حسن عمل میں — دیکھا جو بتوں کو تو کیا یاد خدا کو

اچھے سے جلیل آپنے دل اپنا لگایا
جانے جو محبت کو نہ پہچانے وفا کو

حافظ جلیل حسن جلیل

یہ کیا دخت رز تک رسائی ہوئی ہے — جواب ریش زاہد حنائی ہوئی ہے
وہ کیا ہم سے ایسی برائی ہوئی ہے — کہ دشمن ہماری خدائی ہوئی ہے
دبائے تھے مٹھی میں وہ دل کو شاید — کفِ ناز اُن کی حنائی ہوئی ہے
صبا آتش گل ہو یا داغ بلبل — یہ سب آگ انھیں کی لگائی ہوئی ہے
امنڈ آئے ہیں آج قبلے سے بادل — یہ کیا خم کدے پر چڑھائی ہوئی ہے
کوئی بڑھ کے اب منھ کو چومے نہ چومے — ہنسی ہونٹھ پر اُنکے آئی ہوئی ہے
جو سختی نہ کم ہے خلقِ خدا پر — نئی اب بتوں کی خدائی ہوئی ہے

اب اُنکو غرض میرے پہلو سے کیا ہے — حسینون مین دل کی رسائی ہوئی ہے

نہین رخ پہ اب جلوۂ ریش اقدس
ریاضؔ اُن سے شاید صفائی ہوئی ہے

ریاض احمد ریاضؔ

ناخدائے عاجزان کیفیؔ پریشانی مین ہے — یہ جہازِ عمر اس کا سخت طغیانی مین ہے
دیدۂ گریان ہے قصر تن دل مایوس ہے — آگیا ہے سر پہ پانی اور یہ پانی مین ہے
شہسوار عمر نادان راستہ دیکھا نہین — اور اسپ زندگانی اپنی جولانی مین ہے
حال باطن مل سکا ہے خود نماؤن سے کہین! — آئینہ ہے سامنے لیکن پشیمانی مین ہے
ساکنِ دنیا مسافر یعنے پرکارِ دوران — نقطۂ موہوم یعنے مرکزِ فانی مین ہے
دیکھیے ہو فتح کس کو اور ہو کس کو شکست — ہوش سے میرا جنون دست و گریبانی مین ہے
غور سے دیکھے تو زاہد بھی ہے مستون کا شریک — ہجو کرتا ہے وعظ جہل و نادانی مین ہے
کیا تعجب دیدۂ گریان سے ہو تیرا حصول — پائے ہین موتی صدف مین اور وہ پانی مین ہے
جامہ آرائی سے حاصل! دیکھیے شمشیر کو — صاف ظاہر ہے کہ جوہر اپنی عریانی مین ہے

بھیڑ ہے مستون کی دروازہ ہے میخانے کا بند
کیفیؔ بے خود وہان شوقِ غزل خوانی مین ہے

ایس ایم مبین کیفیؔ

ڈریے نہ دل کی زاری و فریاد و آہ سے — ہان ہان حلال کیجیے تیغ نگاہ سے
ہے کام دل کو نالہ و فریاد و آہ سے — کیا چوٹ کھائی گر کے تمھاری نگاہ سے
اندازِ جان لینے کے دیکھے کوئی ذرا — خنجر کا کام لیتے ہین ترچھی نگاہ سے
بسمل کا فیصلہ بھی کیے جا ترے نثار — او جانے والے دیکھ لے پھر اک نگاہ سے
اس ڈر سے دیکھتے نہین مجھ زار کی طرف — ایسا نہو لپٹ رہے تار نگاہ سے
عشاق گر کے خاک پہ دم توڑنے لگے — انگڑائی لیکے یون وہ اُٹھے خوابگاہ سے
لو آؤ اُترو بام سے تم کو گلے لگائین — صورت ملا کے دیکھ چکے روے ماہ سے
طولِ شبِ فراق کا قصہ ہے کیا طویل — سُن لیجیے گا رات کو زلفِ سیاہ سے
کٹتے ہین زلف و رخ کے تصور مین رات دن — مطلب نہین جہان کے سپید و سیاہ سے

دل آئے جس پہ ٹوٹ کے اے رازؔ جان جائے
ایسا کوئی حسین نہ گزرا نگاہ سے

سید محمد باقر رازؔ لکھنوی

نظرے خوش گزرے

۲۷ دسمبر کو مسلم یونیورسٹی فاونڈیشن کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔ دن بھر نہایت جوش اور آزادی کے ساتھ بحث ہوتی رہی اور دوبارہ پھر ۲۹ دسمبر کو اس کمیٹی نے آخری فیصلہ کے لیے نشست کی جس مین باتفاق یہ قرار پایا کہ ممتاز اور اہل الرائے بزرگون کی ایک جماعت (جن کے اسماے گرامی اسی وقت سُنا دیے گئے تھے) حضور وئیسراے کی خدمت مین حاضر ہو کر مسلمانون کی طرف سے امور بحث طلب پر گفتگو کر کے تمام مسائل کا تصفیہ کرے۔ اس جماعت کو ہدایت کی گئی ہے اور اس ذمہ داری کو اُس نے قبول بھی کر لیا ہے کہ مسلمانون کی ضروریات۔ خواہشات اور جذبات کا لحاظ رکھکر یونیورسٹی کے چارٹر کو حاصل کرنے کے لیے پوری مستعدی اور یک دلی سے کوشش کی جائے۔ اور امید کرنا چاہیے کہ قوم کی متحدہ رائے کی مضبوط اور مستحکم فصیل کو پشت پناہ بنا کر ذمہ دار اور چیدہ معتمدون کی یہ جماعت جب ویسراے کے حضور مین جائے گی تو یقیناً ناکام ونامراد نہ آئے گی۔ اور اس جماعت کو پورا اختیار اس بات کا دے دیا گیا ہے کہ اگر بدقسمتی سے یونیورسٹی کا چارٹر ایسے شرائط پر نہ مل سکے جو جمہور مسلمانان ہند کے لیے قابل قبول ہون اور انکی قومی آزادی اور عزت کو برقرار رکھنے والے ہون تو اُس صورت مین چارٹر لینے سے انکار کر دیا جائے۔ لیکن جو اعتماد گورنمنٹ کو مسلمانون پر ہے اور جس قدر مسلمان گورنمنٹ پر بھروسہ کرتے ہین اُسکے لحاظ سے یہ امید کرنا بے جا نہین کہ مسلم یونیورسٹی کا چارٹر قابل اطمینان شرائط پر مل جائے گا۔

اس جلسہ مین چند باتین ایسی نئی اور اہم پیش آئین جو ہماری قوم کے مستقبل کے لیے نہایت امید پرور اور ہمت افزا ہین۔ سب سے زیادہ نمایان یہ امر تھا کہ حریت وآزادی جو ہماری قومی مجالس مین کبھی بار نہین پاتی تھی اس جلسہ مین اپنی پوری شان اور قوت سے ظاہر ہوئی۔ اور ایک پرجوش گروہ نے اپنے طرز عمل سے ظاہر کر دیا کہ معاملات قومی مین خود مختاری حکومت کا دور دورہ ختم اور امور ملی مین شخصی سلطنت کا چراغ گل ہو گیا۔ اور یہ امر خود برسراقتدار جماعت کے خیال مین خواہ کتنا ہی قابل اطمینان اور اندیشہ ناک ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ قومی زندگی کی یہ وہ شاہراہ ہے جس پر استقامت واستقلال کے ساتھ گام زن ہونے والی جماعت منزل مقصود پر پہونچے بغیر نہین رہ سکتی۔

جن خاص امور پر کانفرنس کو گزشتہ نمبر مین توجہ دلائی گئی تھی اُن مین ایک کے متعلق الحمدللہ کہ قابل اطمینان انتظام ہو گیا ہے۔ یعنی انجمن ترقی اُردو کے جان بلب مریض کو ایک نسخۂ آب حیات پلا دیا گیا ہے اور اگر اس کی زندگی حق مین بقا اور نشوونما پانا لکھا ہے تو یقیناً وہ قوم کے حق مین جلد مایۂ رحمت ثابت ہوگی۔ ہمارے شفیق ذوستت مولو

عبدالحق بی اے اوسکے سکریٹری منتخب کئے گئے ہین اور اونکی اعلیٰ علمی قابلیتون مخلصانہ و پرجوش دردقومی اور نہایت ہی پاکیزہ اور بے پایان ذوق ادبی سے امید ہوتی ہے کہ وہ اس اہم اور ضروری شعبہ کو پوری کامیابی کے ساتھ چلائین گے ہم آیندہ نمبر مین اسکے متعلق بتفصیل بحث کرینگے اسوقت یہ کہ ہم نے تہیہ کرلیا ہے کہ انجمن مذکور کی کوششون کو بارآور کرنے اور اسکے دائرہ عمل واثر کو وسعت دینے کے لیئے الناظر کے اوراق خاص طور پر وقف رہین گے۔

انجمن اصلاح تمدن اب بھی مرض النوم سے نجات پانے کے قابل نہین ہے منتظمین کانفرنس سے جس قدر گفتگو اور بحث ہوئی اُس کا ماحصل یہ ہے کہ اگر خواجہ غلام الثقلین صاحب کا کوئی مناسب قائم مقام دستیاب ہوسکتا تو انجمن اُس کے ہاتھ مین دے دی جاتی - لیکن یا تو قحط الرجال کے باعث کوئی ایسا شخص نہین ملتا جو اس اہم ذمہ داری کا اہل ہو۔ یا جستجو مین کافی مستعدی نہین ظاہر ہوئی - بہرحال ہم تمام اسلامی اخبارات اور قومی درد رکھنے والے بزرگون کو اس طرف متوجہ کرنا ضروری جانتے ہین کہ وہ اس تلاش و جستجو مین اراکین کانفرنس کو مدد دین اور کسی مناسب شخص کو اس عہدہ کے لیے تجویز کرین - آنریبل خواجہ صاحب کی طرف سے ہماری امیدین بظاہر منقطع ہوجانا چاہیے ہین - اس لیے کہ اول تو کونسل کی ممبری کے فرائض نہایت اہم ہین کہ وہ انھین سے عہدہ برآ ہوجائین - تو نہایت قابل مبارکباد کامیابی ہوگی اور دوسرے جب ایک دفعہ بادۂ اعزاز کی لب بوسی کا مزہ پڑگیا تو خواجہ صاحب سے اس قسم کے ایثار آزما اور ہمت شکن کام کی طرف توجہ کرنے کی بھی امید نہین ہوسکتی -

مسلمانان اودھ کی خوش قسمتی ہے کہ اب کی کانفرنس کے اجلاس مین اُنکی تعلیمی ترقی کے عملی پہلوؤن پر بھی غور کیا گیا اور یہ قرار پایا کہ صوبۂ اودھ مین اسی کانفرنس کی ایک پراونشیل یا صوبجاتی شاخ قائم کی جائے - ۱۳ر دسمبر کو جو جلسۂ شوریٰ جناب راجہ صاحب جہانگیرآباد کے دولت خانہ پر ہوا تھا اُس مین اس قرارداد کے مطابق یہ طے پایا ہے کہ سردست مرزا سمیع اللہ بیگ صاحب جو ہمارے شہر کے ممتاز وکیل اور اسی ضلع کے معزز رکن ہین اُس ہنگامی کمیٹی کے سکریٹری بنائے جائین جو اس ضروری تجویز کو جلد عملی صورت مین لانے کے لیے بنائی گئی ہے اسکے بعد جو کارروائی ہوگی اُسپر آیندہ تفصیل بحث کی جائے گی - لیکن نامناسب نہوگا اگر ہم تعلیمی کانفرنس کے منتظمین کو مبارکباد دین کہ انھون نے ایک نہایت اہم کام کی طرف توجہ فرماکر مسلمانان اودھ کو اپنا شکرگزار اور رہین منت بنایا۔

دسمبر [illegible] کے الناظر کی بعض غلطیون کی اصلاح درج ذیل ہے:-

صفحہ ۴۲ کالم ۲ سطر ۸ رنج کی جگہ ذبح ہونا چاہیے -
" ۱۲ نفرتہا " بغضین "
" ۲۲ عمل " مل "

صفحہ ۴۸ سطر ۲ ابر مینائی کی جگہ ابر نیسانی ہونا چاہیے
" ۳ میدان " طوفان "
" ۱۲ حنا " مینا "

قیمت سالانہ قسم اول صہ | قیمت سالانہ قسم دوم عہ

الناظر

نمبر ۴۴ جلد ۸ | یکم فروری سنہ ۱۹۱۳ع

پروفیسر ہکسلے کے خیالات	مسٹر جے - آر - راے	۱
پھول (نظم)	سید قمرالدین احمد قمر سندیلوی	۲۴
مثنوی مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ والغفران	مولوی دیانت حسین صدیقی	۲۶
اگر میں بھی مسلمان ہوتا (نظم)	مولانا حسن مرتضیٰ شفق عمادپوری	۳۳
ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر ایک مفصل ریویو	نقش ہستی	۳۴
درد دل (نظم)	مسٹر ایم مبین عباسی کیفی	۴۱
شہادت کا جنون	مسٹر فضل الٰہی قریشی	۴۴
جذبات محوی	منشی محمد حسین محوی لکھنوی	۵۳
سنہ ۱۹۱۲ع میں محمود نے کیا کہا تھا؟	"ناظر"	۵۵
تنہائی (نظم)	مسٹر وفا	۶۰
ایک ظالم گھر کی بہو کی زبانی (نظم)	م - ل	۶۱
نیرنگ جمال کی تنقید پر ایک نظر	حق پسند	۶۲
راز خلوت (نظم)	مسٹر باسط علی باسط بسوانی	۷۰
اعلان منجانب سکرٹری شعبۂ ترقی اردو	مولوی عبدالحق بی اے	۷۱
غزلیات	جناب جلیل - بسمل - اثر - ثروت وصادق	۷۲
نظرے خوش گزرے		۷۴
محاربات صلیب	مولوی معشوق حسین خان بی اے	۸۹-۹۶

فی پرچہ قسم اول ۸ر | [illegible]

پیم کہانی وارث جانی

یہ وہ نادر کتاب ہے جس کا شہرہ قبل از طبع شائقین علم موسیقی مین ہوچکا ہے۔ اس سے ہر مشرب ہر مذاق کا آدمی لطف اُٹھا سکتا ہی درویشون کے لیے تصوف بھرا ہی عاشقون کے واسطے حسن و عشق کا اچھا نقشہ ہی۔ خوش آوازون اور زندہ دلون کے لیے اس سے بڑھکر اور کیا ہو کہ ہندی زبان ہے ٹھمریان۔ بھجن۔ اور بسنت وغیرہ اس سے بہتر گانے کے لیے اور کون سی چیز ہو سکتی ہے۔ اس کتاب کے مصنف حضرت سید شاہ امین صاحب قبلہ وارثی باخدا درویش ہین۔ یہ کتاب ذیل کے پتہ سے (عہ) کو مل سکتی ہے۔

حیدرآباد دکن عقب مسجد چوک۔ مکان

عبداللطیف عطر فروش

سفوف برق

معدے و جگر کے تندرست اور اُنکے کام صحیح رہنے پر انسان کی تندرستی توانائی اور زندگی کا دارومدار ہے۔ ورنہ معدہ کمزور ہونے سے بھوک کم لگتی ہے کچھ غذا کھائی جائے تو دیر مین ہضم ہونے کے علاوہ درد شکم اسہال نفخ ریاح قبض سینہ کی جلن وغیرہ تکلیف دینے والی شکایتین بڑھ جاتی ہین۔ جگر ضعیف ہوگا تو معدے سے آئی ہوئی رقیق غذا کو بخوبی جذب کرنے کی صلاحیت نہ رکھے گا بدن مین رطوبت زیادہ اور خون کم پیدا ہوگا جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بدن زرد چہرہ بے رونق ہوجائیگا ضعف بڑھ جائیگا درد سر دل دھڑکنا کسی کام مین جی نہ لگنا گھبرانا ہاتھ پیرون کا ٹوٹنا شروع ہوگا اور ایسا کمزور آدمی سنگرہنی ورم و درد معدہ بدہضمی بواسیر بادی استسقا۔ طحال۔ پتھری۔ ریگ گردہ۔ دمہ گٹھیا کی بیماریون مین بہت جلد مبتلا ہو کر لب گور پہونچ جائے گا پس چاہیے کہ معدہ و جگر کی مندرجہ بالا بیماریون مین بھی سفوف برق منگا کر استعمال کرین۔ سفوف برق معدہ و جگر کی مندرجہ بالا بیماریون کو بہت جلد دور کر دینے مین اکسیر صفت ہے اور سفوف برق کے آزمانے والے نوابان و رؤسا و عظام و معززین کی رائے ہے کہ ہر گھر مین اسکی ایک شیشی رہنا نہایت ضرور ہے۔ قیمت فی شیشی کلاں [illegible] خورد ۶ر (ایک آنہ کا ٹکٹ بھیج کر نمونہ مفت طلب فرمایئے)

ابو الشفا حکیم محمد شمس الحسن مالک کارخانہ معدن الشفا۔ گیا

اک نظر ادھر بھی

قرآن شریف مترجم۔ شمس العلما مولوی حافظ نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی کا ترجمہ سلیس اردو مین قیمت غیر مجلد عما، مجلد سے ر

فتوحات بھنسا۔ حالات محاربہ صحابہ کبار ترجمہ اردو کتاب مولانا محمد بن محمد المعز علیہ الرحمہ رومیون کی حکومت کا بیان مسلمانون کا راہ خدا مین ثابت قدمی سے جہاد کرنا قیمت عمار

اثبات التقدیر مسئلہ تقدیر کے متعلق مولوی اشرف علی تھانوی کی بے مثل کتاب قیمت ۶ر

موتیونکی کان جسمین زمانہ گذشتہ کے نامور بادشاہون نامی گرامی حکیمون اور شاعرون مشہور و معروف عالمون اور مشائخون کی بیش بہا اور قابل قدر نصیحتین جمع کی عرق ریزی و جانفشانی سے انتخاب کرکے درج کی گئین مولفہ عصمت مآب جنابہ بدر النسا بیگم صاحبہ قیمت ۱۲ر

تاریخ جنگ طرابلس مصور

(مولفہ قاضی عبداللطیف ایم اے۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس سابق ایڈیٹر اخبار دار السلطنت کلکتہ) جسمین جنگ طرابلس یعنی جنگ اٹلی و ٹرکی کے صحیح اور چشم دید واقعات اس شرح و بسط کے ساتھ قلمبند کیے گئے ہین کہ اس جنگ کے متعلق جتنی کتابین شایع ہوئی ہین سب سے افضل و بہتر یہی کتاب ہے اور موقع موقع پر بہ تعداد کثیر تصاویر کے ہونے سے کتاب کی زینت دوبالا ہوگئی اور قدر و قیمت بڑھ گئی ہے۔ ادبی خوبیون کے لیے مولف کا نام نامی کافی ضمانت ہے۔ اور ظاہری خوشنمائی اور اندرونی اوصاف کے لحاظ سے قیمت نہایت کم رکھی گئی ہے یعنی علاوہ محصول ڈاک صرف عہ ر

منیجر الناظر بک ایجنسی امین آباد لکھنو

الناظر

نمبر ۴۴ جلد ۸ یکم فروری سنہ ۱۹۱۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر ہکسلے کے خیالات

نمبر ۲

۵۷ - مین نے ایک مضمون ماہران ارضیات کی غور و فکر کے لیے لکھا تھا۔ تاکہ وہ اپنے خیالات پر نئے سرے سے غور کر کے اکتشافات جدیدہ کی روشنی مین ترمیم کرلین۔ اُس مین نہ صرف مجھے بڑے بڑے علماے طبعیات ہی سے جھگڑنا پڑا، بلکہ انکے دعاوی پر بھی گہری نظر ڈالنا پڑی۔ اور ان مین سب سے مشہور لارڈ کیلون بہادر میرے محترم کرم فرما بھی ہین۔ مین نے اپنے ایڈریس مین جیالوجی پر بحث کرتے ہوے کہا تھا کہ ہم ایسے بدعتی نہین ہین ارضیات اور انواع کی ابتدا جیسا خیال کیا جاتا ہے (سنہ ۱۸۶۹ء مین ہکسلے نے برٹش ایسوسی ایشن کے سالانہ جلسہ مین جیالوجی پر ایڈریس دیا تھا) اور اگرچہ ہم بدعتی ہون بھی، تو اس انکار سے مسئلہ ارتقا پر کوئی بُرا اثر نہین پڑ سکتا۔

مین یہ دیکھکر خوش ہون کہ لارڈ ممدوح نے میری نکتہ چینیون کا جواب شائع فرمایا ہے۔ اور مین ناظرین سے التماس کرتا ہون، کہ وہ اسے پڑھین۔ جو کچھ لارڈ ممدوح نے مدت کے تجربہ اور غور و خوض کے بعد طبعی مسائل کی بابت رائے قائم فرمائی ہے، مین اس مین رخنہ اندازی کرنے کی جراءت نہین کرتا۔ مین خود اس امر کو تسلیم کرتا ہون، کہ وہ اس سے کبھی چشم پوشی نہ کرین، کہ کرۂ ارض کی ابتدائی تاریخ پر بحث کرتے وقت ارضیات اور طبعیات کی طرف رجوع لانا اور اس سے ضروری امداد حاصل کرنا لازمی ہے۔

مین پھر یاد دلانا چاہتا ہون۔ کہ چاہے کرۂ ارض کی عمر کروڑ دو کروڑ برس قائم کی جائے۔ جیسے لارڈ کیلون نے فرمایا ہے۔ یا دس بیس کروڑ۔ جیسے اور عالم کہتے ہین۔ اور چاہے جاندارون کی ابتدا اسی زمین سے ہوئی ہو یا کسی اور دنیا سے انکے تخم شہاب ثاقبون کے ساتھ آئے ہون۔ مگر نباتات اور حیوانات کی بیشمار انواع کی مسلسل ہستی کا مسئلہ جیسا اثریات سے ظاہر ہوگیا ہے، جون کا تون موجود ہے۔ اسپر ان مختلف خیالات کا کوئی اثر نہین پڑتا ہے۔

اس امر کو سب تسلیم کرین گے کہ شہاب ثاقبون کے ساتھ جو جراثیم عالم بالا سے اس زمین پر پہونچے۔ وہ ہاتھیون اور مگرمچھون کے ننھے جراثیم نہ تھے۔ اور نہ ناریل اور بلوط کے تخم ہی تھے۔ اور نہ وہ مونگے کے کیڑے اور نہ مچھلیون کے گھونگے ہو سکتے ہین۔ بلکہ اگر آسمان سے کسی قسم کے تخم یہان آکر گرے ہون گے تو وہ نہایت ادنی قسم کے جاندارون اور پودون کے جراثیم ہون گے۔ اب چونکہ یہ ثابت ہوگیا ہے کہ کروڑون برس سے زمین اعلی قسم کے جانورون اور پودون سے آباد چلی آتی ہے۔ اس لیے یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ یا تو وہ پیدا کیے گئے تھے یا ارتقا کی بدولت وجود مین آئے ہین۔ جانورون کی بعض انواع پر غور کرنے سے اثریات کی شہادت پر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ اپنی ہستی کے لیے ارتقا کے مشکور ہین۔ ایسی شہادت بھی موجود نہین ہے جس کی بنا پر علماے بیالوجی یہ دعوی کر سکین کہ فلان انواع کے جانور تغیر کے قاعدہ سے فلان نوع سے اتنے لاکھ برس کے عرصہ مین وجود مین آئے ہین۔ مین نے زندہ جانورون کی انواع اور طبقات کی قدامت پر بحث کرتے ہوے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی۔ کہ مختلف جانورون کی صورتون مین مختلف طور سے تغیر واقع ہوتا رہا ہے۔ بعض جانور ایسے بھی ہین۔ جو لاکھون برس سے ویسے کے ویسے چلے آتے ہین۔ اور ان مین بہت تھوڑا فرق واقع ہوا ہے۔ اور پھر ایسی انواع ہین۔ جن مین ایک مدت معینہ کے اندر حیرت انگیز تغیر عمل مین آیا ہے۔ مین نے ۱۸۶۲ء اور پھر ۱۸۶۴ء مین وہ واقعات بیان کیے تھے۔ جن کا تعلق اس وقت تک ظاہر نہین کیا گیا تھا۔ کہ اسباب ارتقا کی بابت جو نظریہ قائم کیا جائے اس مین اس امر کو ملحوظ رکھنا امر لازمی ہے کہ ایک نوع ایک زمانۂ خاص مین تغیر قبول کرکے آگے بڑھتی ہے۔ کبھی وہ ایک ہی مرحلۂ نشو و نما مین عرصۂ دراز تک پڑی رہتی ہے اور کبھی وہ اپنی موجودہ صورت چھوڑ کر اس حالت پر پہونچ جاتی ہے جو کچھ زمانہ پہلے تھی پھر مختلف زمانون مین اسکی حالت جون کی تون رہتی ہے۔ اور نیز ایسی انواع بھی ہین جو ایک زمانہ کے اندر مختلف صورتین قبول کرتی ہین۔ ڈارون نے جو نظریہ قائم کیا تھا وہ ان تمام واقعات اور حالات پر حاوی ہے اور ان تغیرات اور انکے جملہ اسباب کی اس سے خاطر خواہ تشریح ہوتی ہے۔

اس مسئلہ کی رو سے ارتقا کی بنیاد دو بڑی باتون پر ہے ایک تو تغیر (Variation) پر

اور دوسرے انتخاب (Selection) پر عمل تغیر کن اسباب سے ہوتا ہے۔ اسکی نسبت کچھ بھی معلوم نہیں ہے اور یہ بھی معلوم نہین ہے کہ اس وقت تک جو نوع موجود ہے۔ اسمین کتنی مدت کے بعد تغیر واقع ہوتا ہے۔ اور وہ کب اپنی اصلیت سے محروم ہو کر نئی صورت مین نمایان ہوتی ہے۔ عمل انتخاب کس طرح ہوتا ہے۔ جس سے سب جاندار ہلاک ہو جاتے ہین۔ اور صرف وہی باقی رہ جاتے ہین۔ جو زندگی کی کشاکش کی صلاحیت طبعی سے بہرہ ور ہین۔ اور نیز یہ عمل کتنی سرعت سے ہوتا ہے ہم کچھ نہین جانتے۔ ہم صرف اتنا کہنے مین حق بجانب ہین کہ جس اختیار سے یہ عمل ہوتا ہے وہ مختلف انواع اور زمانہ مین بہت مختلف ہوتا ہے۔ فلوریڈا (صوبجات متحدہ۔ امریکہ) مین ایک قسم کی بوٹی ہوتی ہے۔ اگر سفید سور اسے کھائین تو وہ مرجاتے ہین۔ مگر کالے سورون پر اسکا اثر نہین ہوتا۔ اگر یہ بوٹی کثرت سے ہو اور اسکا مہلک اثر یقینی ہو تو دو تین سال کے عرصہ مین سفید کے بجاے کالے سور رہ جائین۔ اگر برعکس اسکے یہ جڑی بہت کم ہو اور اسکا اثر بھی غیر معین ہو۔ تو سفید سور صدیون تک قائم رہ سکتے ہین۔

۵۸۔ کرۂ ارض کی تاریخ کی ایک مطول فصل کھریا مٹی کے طبقہ پر نقش ہے۔ اور بنی آدم کی تاریخ مین بہت تھوڑے بیانات ایسے ہین جن کی تصدیق اُس شہادت بالواسطہ سے ہو سکتی ہے جس سے کرۂ ارض کی تاریخ کی بھی تائید ہوتی ہے۔ اور یہ مین آج آپ کے روبرو پیش کرتا ہون۔ تاکہ آپ اپنی آنکھون سے اس شہادت کو خود پڑھ لین۔ مین یہ کھریا مٹی کے کہنا چاہتا ہون۔ کہ اس سے بڑھ کر اور چند ہی باب بنی آدم کی تاریخ مین ایسی دلچسپی سے لبریز طبقہ کے اسرار پائے جاتے ہین۔ یہ بات مین غور کرنے کے بعد کہتا ہون کہ جو شخص کھریا مٹی کے ٹکڑے کی پوری سرگزشت جاننے کا خواہشمند ہو وہ چاہے اور کسی علم سے یا کسی اور قسم کی تاریخ سے ناواقف ہو اگر وہ اسپر غور کر کے اسکی تہ تک پہونچے۔ تو اس عالم اور اس سے انسان کا جو تعلق ہے۔ اسکی نسبت اُس شخص سے اسے بہتر واقفیت ہوگی جس نے بیسیون تاریخی کتابون پر عبور حاصل کیا ہو۔ مگر صحیفہ قدرت سے محض نابلد ہو۔

اگر کھریا کا اچھا سا ٹکڑا لو۔ اور اسے غور سے دیکھو تو اسکے اجزاے ترکیبی کا اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے اور نیز یہ کہ وہ کس تناسب سے مربوط پائے جاتے ہین ایک ٹکڑے کو لو اور ایک برش سے کر اسے پانی مین رکھکر اس سے دھو ڈالو۔ بعد ازان دودھیائی پانی کو نتھار کر پھینک دو تو اسکے نیچے ننھے ننھے ریزے ملین گے جو شکل و صورت مین ایک دوسرے سے الگ پائے جائین گے۔ اگر انھین خوردبین سے دیکھو تو بعض شفاف اور بعض غیر شفاف نظر آئین گے اور انکی عجیب ترکیب بھی ظاہر ہو جائے گی۔ اسکے اندر نہایت ننھے ننھے خانے نظر آئین گے جو ایک دوسرے سے وابستہ ہونگے۔ اور انکے اندر نہایت ننھے ننھے جاندار بھی دکھائی دین گے۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ جاندار کیا ہین۔ اور

کس طرح زندہ رہتے ہین۔ توہین کھریا کی ابتدا کا بھید معلوم ہوسکتا ہے۔ کیونکہ یہی جاندار اب بھی اپنے کام مین مصروف ہین۔ انکا شمار سمندر کے کنارہ کی ریت کے دانون سے بھی کہین بڑھکر ہے۔ سمندر کے نیچے چٹانین بن رہی ہین۔ اور یہ کام ان ہی ننھے بیقدر جاندارون سے ہورہا ہے۔ سمندر مین جتنی چٹانین ہین (جن سے جہازون کو اتنا خطرہ رہتا ہے) وہ ان ہی ننھے ننھے جانورون کا کام ہے۔ اسی وجہ سے سمندر کی گہرائی۔ چٹان۔ پہاڑ وغیرہ کی تحقیقات کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مبادا اس سے جہاز ٹکراکر تباہ ہوجائے۔

صوبجات متحدہ امریکہ کی بحری سپاہ کے ایک افسر نے ۱۸۵۳ء مین بحراوقیانوس کے اُس حصہ سے جو نیوفونڈلینڈ اور جزیرۂ انزورس کے درمیان واقع ہے۔ دس ہزار فٹ کی گہرائی سے گارا نکالا اور اسے برلن کے عالمون ایرن برگ اور بیلی کے پاس معائنہ کے لیے بھیجا۔ اُنھون نے دیکھکر یہ کہا۔ کہ گارے کے اندر وہ ننھے ننھے جاندار پائے جاتے ہین جو کھریا مین ہوتے ہین۔ برطانیہ اور امریکہ کے درمیان بحری تار لگانے کی غرض سے کپتان ڈےمین نے بحراوقیانوس کے مختلف حصون کی گہرائی معلوم کی۔ تو ظاہر ہوا کہ وہ دس اور پندرہ ہزار فٹ کے درمیان ہے۔ سترہ سو میل تک سمندر کے نیچے ایک میدان معلوم ہوتا ہے۔ اگر سارا پانی وہان سے نکال دیا جائے تو گاڑی بآسانی جاسکتی ہے۔ چڑھاؤ اوتار بہت کم پائے جاینگے۔ صرف امریکہ کی جانب دوسو میل تک کچھ چڑھائی ہے۔ اور یہ سب ٹیلے اور میدان ان ہی ننھے جانورون کے گھرون سے پٹے ہوے ہین۔ اور یہ وہی جانور ہین جو کھریا کے اندر پائے جاتے ہین۔ سمندر کے نیچے کی چٹانین اور پہاڑ ان ہی کے طفیل سے بنتے ہین۔

۵۹۔ کھریا کے ٹکڑون اور طبقون کو بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے اندر تین ہزار مختلف قسم کے بحری جانورون کی ہڈیان پائی گئی ہین اور ان مین سے بہت سے تو وہی ہین جو اب بھی سمندر کی تہ مین پائے جاتے ہین اور اسکی بنا پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ خشکی مین جہان کھریا مٹی پائی جاتی ہے۔ وہان پہلے سمندر رہتا تھا۔ کیونکہ

بحری ننھے جانور — یہ جاندار جو کھریا کے اندر پائے گئے ہین اب سمندر کی تہ مین موجود ہین۔ اور مٹی اور چٹانین بنا رہے ہین۔ چونکہ کوئی اور وجہ ایسی نہین ہے جس سے ہم سمجھین کہ کھریا کا طبقہ سمندر کے نیچے نہ تھا اس لیے ہم اسکو صحیح سمجھتے ہین۔

کھریا کے طبقہ کی شہادت قطعی کی بنا پر ہم یہ بھی سمجھتے ہین۔ کہ انگلستان فرانس۔ جرمنی۔ پولینڈ۔ روس مصر عرب اور شام کا جنوبی مشرقی حصہ کسی زمانے مین سمندر کے اندر عرصہ تک ڈوبا رہا۔ بعض جگہ کھریا کا طبقہ ہزار فٹ گہرا پایا گیا ہے۔ ایسا امر بآسانی تسلیم ہوسکتا ہے۔ کہ اتنا موٹا طبقہ مٹی کا کسی زمانے مین نہین بنا

ہوگا۔ کیونکہ یہ جاندار ایسے ننھے ہین۔ کہ ایک کیڑے کی لمبائی انچہ کا سوان حصہ ہوتی ہے۔ اگر یہ مانا جائے اور مانا بھی جاتا ہے۔ کہ ایک سال کے اندر ایک انچہ مٹی جمع ہوتی ہے تو اس حساب سے ہزار فٹ کا تختہ بارہ ہزار سالون مین بنا ہوگا۔

۶۰ - ابتدائی ذہنی تعلیم کا کیا مقصد ہے؟ میری دانست مین اسکا مدعا یہ ہے کہ لڑکا اُن وسائل سے علم حاصل کرنے کے قابل ہو جائے۔ جن کی بدولت آدمی تغیر پذیر مظاہر سے علم حاصل کرتا ہے۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ لڑکا اُن بنیادی قوانین سے واقف ہو جائے۔ جو موجودات پر حکمران ہین۔ تاکہ وہ دنیا مین جا کر اُن باتون ابتدائی تعلیم سے ناواقف نہ رہے۔ جو روزمرہ کے کاروبار مین پیش آتی ہین اور معاملات انسانی کی اصلیت سے لاعلم رہ کر نقصان نہ اُٹھاے۔ لڑکے کو اپنی مادری زبان اور غیر ملکی زبانین اس لیے سکھائی جاتی ہین۔ کہ اسکے وسیلہ سے وہ ہر قسم کا علم بآسانی حاصل کرے۔ جو اپنے ہم جنسون سے میل جول رکھنے سے اسے حاصل نہین ہوسکتا۔ اسکو لکھنا اس غرض سے سکھایا جاتا ہے کہ بنی آدم سے وسیع پیمانہ پر راہ و رسم قائم رکھ سکے اور نیز اپنا حاصل کردہ علم کتابون مین بند کردے۔ جس سے وہ مستفید ہوسکتے ہین۔ حساب کا یہ مطلب ہے کہ اسکے ذریعہ سے اعداد کے تعلقات یعنے زندگی کے معاملات اور تناسب کا پورا علم ہو جائے۔ جو قومون کے درمیان جاری ہین اور نیز اس مین استدلال و استخراج کی لیاقت پیدا ہو جائے۔ لکھنا پڑھنا۔ حساب وغیرہ ذہنی آلات ہین۔ جن کا استعمال سیکھنا سب سے مقدم ہے۔ تاکہ وہ اپنی زندگی مین کامیابی کے ساتھ راحت و آرام حاصل کرے اور دانائی اور علمیت مین سال بسال ترقی کرتا جائے۔

علاوہ ازین ابتدائی تعلیم سے لڑکے کو ایک قسم کے علم اثباتیہ اور بہت کارآمد معلومات پر عبور حاصل ہوجاتا ہے۔ اسے اخلاق کے بڑے بڑے اصول سکھائے جاتے ہین۔ اور احکام دینی کی تربیت کی جاتی ہے۔ تاریخ اور جغرافیہ سے اسے دنیا کے بڑے بڑے ملکون اور قومون کا حال معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس طرح بڑے بن گئے ہین۔ اور انکی موجودہ حالت کیسی ہے۔ لیکن جب مین اس پر نظر غائر ڈالتا ہون۔ تو میرے دل مین ایک عجیب سوال پیدا ہوتا ہے۔ پندرہ سو سال ہوے۔ آسودہ حال رومی بھی اپنے لڑکون کو اسی قسم کی باتون کی تعلیم دیتے تھے مادری زبان کے سوا یونانی بھی پڑھائی جاتی تھی۔ حساب۔ دینیات۔ علم اخلاق۔ تاریخ اور مروجہ جغرافیہ پڑھایا جاتا تھا۔ اگر وہ رومی لڑکے آج ہمارے اسکولون مین داخل ہون۔ تو نہین کوئی ایسا مضمون نظر نہین آئے گا جس سے وہ واقف نہ تھے۔ جو کچھ اسکولون مین سکھایا جاتا ہے۔ اس سے اُنھین ہرگز یہ خیال نہ گزریگا

کہ ڈیڑھ ہزار برس پہلے عالم کی بابت جو خیال تھا۔ وہ آج بھی ویسا ہی ہے۔ اسمین کوئی فرق واقع نہین ہوا ہے۔ لیکن پھر بھی چوتھی اور اُنیسوین صدی کے تمدن مین بہت فرق ہے اور ان ہر دو صدیون کے خیالات اور قیاسات اور علمی مشاغل مین بھی تفاوت عظیم ہے۔ اور یہ فرق کیون ہے؟ اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ گزشتہ دو صدیون کے دوران مین طبعیات مین بہت عظیم ترقی ہوئی ہے تمدنِ جدید کی بنیاد طبعیات پر ہے۔ اس کی بدولت جو برکتین ہمارے ملک کو نصیب ہوئی ہین۔ ان سے آج اسے محروم کردو۔ اور کل ہماری عظمت اور عزت جو اقوام عالم مین ہمکو کچھ عرصہ سے نصیب ہے۔ ہم سے رخصت ہو جائے گی کیونکہ علم طبعی ہی کی بدولت ذہانت اور اخلاقی جوش حیوانی قوت سے افضل ٹھہرتا ہے۔

۶۱- زمانۂ حال کے علما اور ارباب تحقیق سائنس کے پجاری ہین۔ علمی مشاغل اور مصروفیتون کا کوئی شعبہ اسکے اثر سے محفوظ نہین ہے۔ بڑے بڑے شاعرون کے شاعرانہ تخیلات اس سے خالی نہین ہین۔ کسی ادیب کی تصنیف کو لو تو ظاہر ہو جائے گا کہ گو وہ سائنس کی تحقیر کرتا ہے۔ مگر وہ بھی اسکے رنگ مین ڈوبا ہوا ہے۔ اس نے جتنی بڑی بڑی کتابین تصنیف کی ہین۔ وہ سائنس کے طریقہ سے لکھی ہین۔ میری راے یہ ہے۔ کہ سب سے بڑا ذہنی انقلاب سائنس اور علمی ترقیان سائنس ہی کی بدولت عمل مین آرہا ہے۔ وہ دنیا کو یہ سکھا رہا ہے۔ کہ تمام مسائل کا قطعی فیصلہ مشاہدہ اور تجربہ سے ہو سکتا ہے اور کوئی وسیلہ اسکے سوا نہین ہے۔ سند بھی کوئی حیثیت نہین رکھتی۔ سائنس شہادت کی حقیقی قدر و قیمت ظاہر کر رہا ہے۔ اسی کے طفیل سے طبعی اور اخلاقی قوانین کی عدم تغیر پر مستقل اعتقاد قائم ہوتا جاتا ہے جس کی فرمانبرداری اور پابندی ہر ایک صاحب فہم کا فرض ہے۔ مگر طریقۂ تعلیم اس میلان کی ذرا پروا نہین کرتا۔ لڑکون کو پُرانے ڈھنگ پر پڑھایا جاتا ہے اور فرسودہ باتین سکھائی جاتی ہین طبعیات اسکے اصول تحقیق۔ اسکے مسائل اور مشکلات سے ہر موقع پر دوچار ہونا پڑے گا۔ تاہم تعلیم کے باوجود بھی وہ سائنس سے ویسا ہی ناواقف رہے گا۔ جیسا وہ اپنی پیدایش کے روز تھا۔ زمانہ حال کی جنگ آرائی مین توپ سب سے ضروری ہے اور جو ملک یا قوم اپنی سپاہ کو تلوار اور ڈھال سے مسلح کرکے بھیجتی ہے۔ کیا وہ اسمین کامیاب ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہین۔ یہی حال لڑکون کا بھی ہے۔ وہ کشاکش زیست مین سائنس سے معتد بہ واقفیت پیدا کیے بغیر کبھی کامیاب نہین ہو سکتے۔

اگر ہم اسکا تدارک نہین کرتے تو آنے والی پود ہم پر لعن طعن کرے گی۔ نہین نہین۔ اگر ہم بیس سال تک زندہ رہین گے تو ہمارا ضمیر ہمین خود ملامت کرے گا۔ میرے خیال مین اسکا تدارک یہی ہے کہ ابتدائی تعلیم مین سائنس کے ابتدائی اصول سکھائے جائین۔ مین نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ سائنس کے جس شعبہ سے میرا تعلق ہے اسکی تعلیم کس طریقہ سے دی جاسکتی ہے۔ اور مین یہ امید کرتا ہون کہ وہ دن بڑا ہی مبارک ہوگا جب اس ملک کے

اسکولون کے سب اوستاد علوم تجربیہ کے کسی نہ کسی شعبہ مین ماہر ہوکر اپنے لڑکون کو اسکی تعلیم دین گے۔ اس وقت اس ملک کی تاریخ کے ایک نئے دور کا آغاز ہوگا۔

مین اخیر مین آپ سے یہ التماس کرتا ہون۔ کہ کتابون سے طبعیات کی تعلیم حاصل نہین ہوسکتی یہ صرف دعوی کہ ہے اور اصل سائنٹفک تعلیم سے کوسون دور ہے۔ جو کچھ آپ سکھانا چاہتے ہین۔ بشرطیکہ آپ لوگون کو اپنی علمیت کا دھوکا دینے کے خواہشمند نہون پہلے آپ کو خود تجربی معلوم ہونا چاہیے اور سائنس کے حقیقی علم کے یہ معنی ہین۔ کہ آپ حقائق اور واقعات سے خوب ماہر ہون۔ چاہے ان کا ذخیرہ بالکل محدود ہو۔

۶۲۔ تمام جان دار ایک عنصر ذی حیات سے پیدا ہوے ہین۔ اس مسئلہ کو پہلے پہل ایک شخص نے ظاہر کیا تھا جو ہاروے سے عمر مین چھوٹا مگر اسکا ہم عصر تھا۔ ہاروے نے اٹلی مین اٹالین ماہرون سے سائنس کی ضروری تعلیم پائی تھی۔ فرانسسکو ریڈی نے بھی اُن ہی تعلیم گاہون مین تعلیم پائی تھی۔ جن سے ہاروے بہرہ اندوز ہوا تھا۔ اس نوعمر آدمی کے معلومات نہایت وسیع تھے۔ اور اسکی لیاقتین گوناگون تھین وہ ایک نامی عالم مشہور شاعر۔ تجربہ کار طبیب اور نامور محقق طبعیات تھا۔ اس شخص نے دو ڈھائی سو سال ہوے۔ ایک کتاب لکھکر یہ مسئلہ قائم کیا تھا جس پر مین بحث کرنا چاہتا ہون۔ بیس سال کے عرصہ مین یہ کتاب پانچ دفعہ شایع ہوئی۔ اسکے مطالب اور اس کا استدلال ایسا عام فہم تھا۔ کہ ہر شخص بآسانی ان سے مستفید ہوسکتا۔ اور جو تجربے ثبوت مین بیان کیے گئے تھے انھین گھر مین کرکے انسان اپنے لیے خود نتیجہ اخذ کرسکتا تھا۔

جان دارون کی ابتدا

ریڈی نے فلسفی قیاسات کی چھان بین مین وقت صرف نہین کیا۔ مگر اس نے آپ سے آپ پیدا ہوجانے والے جان دارون کے بعض واقعات کو لیا اور ان پر خوب بحث کی۔ مثلاً وہ کہتا ہے۔ مردہ جانور یا گوشت کا ٹکڑا لو اسے موسم گرما مین ہوا مین پڑا رہنے دو۔ چند روز مین وہ کیڑون سے بھر جائے گا۔ لوگ کہتے ہین کہ یہ گوشت سے پیدا ہوتے ہین۔ اب تازہ گوشت کے دو چار ٹکڑے لے کر ایک برتن مین ڈال دو اور اسکے اوپر جالی باندھ دو تو کوئی کیڑا پیدا نہین ہوگا۔ گو گوشت بگڑنا شروع ہوجائے گا۔ اس سے یہ ظاہر ہے کہ کیڑے گوشت سے پیدا نہین ہوتے بلکہ کسی خاص سبب سے پیدا ہوتے ہین جس مین جالی کے سبب سے رکاوٹ حائل ہوجاتی ہے۔ ہوا مین ایسے جراثیم بھی نہین ہوتے جو برتن کے اندر جاکر گوشت مین اور کیڑے پیدا کرین۔ بلکہ مکھیون کی وجہ سے کیڑے پیدا ہوتے ہین۔ وہ گوشت کی بو سے وہان جمع ہوجاتی ہین اور انڈے دیدیتی ہین جو کچھ عرصہ بعد کیڑون کی صورت مین نمایان ہوتے ہین۔ اس سے یہ ظاہر ہے کہ گوشت سے کیڑے پیدا نہین ہوتے۔ بلکہ مکھیون کے انڈون سے پیدا ہوتے ہین۔

یہ تجربے بہت سیدھے سادے ہین کہ لڑکے بھی گھر ہین کر سکتے ہین۔ مگر کیا وجہ ہے۔ کہ اورون کو اس کا پہلے خیال نہین گزرا۔ مگر یہ قابل غور ہین۔ اور خاص توجہ سے انکے نتائج پر غور کرنا چاہیے۔ کیونکہ بعد ازان جو تجربے کیے گئے۔ انکی ترغیب اور تحریک ریڈی کے تجربات سے ہوئی تھی۔ اس نے مختلف چیزون کے تجربے کیے۔ اور ان سے وہی نتیجہ حاصل ہوا۔ اس لیے اس نے یہ خیال کیا۔ کہ ان تمام حالتون مین جب بے جان چیزون سے جان دار پیدا ہوتے ہین۔ تو اسکا اصل سبب یہ ہوتا ہے۔ کہ باہر سے زندہ جراثیم انکے اندر داخل ہو جاتے ہین۔ جو تھوڑے عرصہ کے بعد پیدا ہو جاتے ہین۔ اور اس سے یہ مسئلہ نکلا۔ کہ "جان دار ذی حیات تخم ہی سے پیدا ہوتا ہے" اس وجہ سے یہ مسئلہ بہت معقول سمجھا گیا کیونکہ جب تک اس مسئلہ کی تردید کرکے کوئی دوسرا اسکی جگہ قائم نہ کیا جائے اُس وقت تک یہ درست سمجھا جائے گا۔ چونکہ مجھے بار بار اس مسئلہ کا ذکر کرنا پڑے گا۔ اس لیے مین اسے مسئلہ تولید حیات (Biogenesis) کے نام سے پکارون گا۔ اور اسکے مخالف یہ مسئلہ ہے۔ کہ جان دار مردہ مادہ سے پیدا ہوے ہین۔

سترھوین صدی مین آخر الذکر مسئلہ مروج تھا جس کی تصدیق سند سے اور نیز قدیم زمانہ کے اعتقاد سے ہوئی تھی۔ اور ریڈی کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تھا۔ کہ وہ اپنے دعوی کو کتب مقدسہ کے بیان کے مقابلہ مین کس طرح صحیح سمجھ سکتا ہے۔ کیونکہ اسکے مخالفون نے کہا کہ قاضیون کی کتاب مین ایک جگہ مذکور ہے۔ کہ ایک جگہ مردہ شیر کے اندر شہد کی مکھیان پیدا ہو گئی تھین۔ اور اس سے وہ معمہ پیدا ہوا تھا جس سے شمسون نے فلسطیون کو پریشان کیا تھا: "یعنے کھانے والے کے اندر سے کھانے کی چیز نکلی اور زور آور سے مٹھاس" بتاؤ یہ کیا ہے؟

اب یہ امر ظاہر کرنا باقی رہ گیا ہے۔ کہ گوشت کے ٹکڑون کے اندر فی الواقع جراثیم ہوتے ہین۔ جس سے کیڑے وغیرہ پیدا ہو جاتے ہین۔ ایک فرانسیسی موسیو پاسٹیور نے اپنی تحقیقات اور تجربات سے اسے پایہ ثبوت تک پہونچا دیا ہے۔ کیونکہ اس نے تجربات مین کمال صفائی اور صحت سے کام لیا اور اس نے کمال دانائی سے استدلال کرکے استخراج نتائج کیا ہے۔ اس نے گوشت کے ٹکڑے ایک برتن کے اندر رکھ دیے۔ اور اوپر روئی کی پتلی تہین لگا دین تاکہ ہوا کے ذریعہ سے جراثیم وغیرہ اندر نہ جانے پائین۔ پاسٹیور نے پہلے خوردبین کے ذریعہ سے روئی کو بہت غور سے دیکھ لیا تھا کہ کہین اسکے اندر جراثیم تو نہین ہین۔ پھر خاص قسم کے مرکب تیار کیے گئے۔ اور وہ برتنون مین چند روز تک رکھے گئے۔ انکے اوپر روئی باندھی گئی تاکہ ہوا کے ساتھ انکے اندر جراثیم نہ جانے پائین۔ اور بعد ازان دیکھا گیا۔ کہ جراثیم پیدا ہو گئے ہین۔ دوسری بات پاسٹیور نے یہ ثابت کی کہ اگر ان جراثیم کو کسی مرکب کے اندر رکھا جائے

جس کے اندر انکی نمو ہو سکے۔ تو اس سے اور جان دار پیدا ہو جاتے ہین۔ پاسٹیور نے یہ بیان کیا ہے۔ کہ روئی سے کام لینے کی چندان ضرورت نہین رہے گی۔ اگر مرکب خاص برتنون مین ڈالا جائے یعنی ایک تپلی ٹیڑھی گردن کی کانچ کی چھوٹی صراحی لو۔ مرکب اسکے اندر ڈال کر اسے گرم کرو۔ تاکہ اندر کی جراثیم والی ہوا نکل جائے۔ پھر اسے ٹھنڈا ہونے دو۔ اور نلی کا مُنھ بیشک کھلا رہنے دو۔ باہر کے جراثیم ٹیڑھی نلکی سے اندر داخل نہین ہو سکتے۔ لیکن اگر صراحی کی ٹیڑھی گردن توڑ ڈالو اور ہوا کو اندر آنے جانے کا موقع ملے تو دو چار روز مین مرکب جراثیم سے بھر جائے گا۔

۶۳۔ زمین کے طبقات کی ترکیب کی بابت علماے ارضیات تین مختلف گروہون مین منقسم ہین۔ اور انکے خیالات ایک دوسرے سے متبائن اور متناقض ہین۔ ایک تو اہل حادثہ (Catastrophe) دوم طبقات کی موافقت کے ماننے والے۔ سوم۔ اہل ارتقا۔ مین ہر ایک فرقہ کے خیالات کی تشریح کرتا ہون، تاکہ معلوم ہو جائے، کہ انکی تقسیم ارضیات کے صحیح ہوئی ہے یا نہین۔ اہل حادثہ کا یہ خیال ہے۔ کہ مظاہر ارضیات جن قوتون سے وقوع مین مختلف مسائل آئے ہین وہ اُن طاقتون سے بے حد مختلف تھین جو اب عالم کے اندر مصروف بکار نظر آتی ہین۔ مثلاً حضرت موسیٰ نے توریت کی پہلی کتاب کے شروع مین دنیا کے وجود مین آنے کی جو کیفیت بیان کی ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ دنیا اور مافیہا اور عالم ایک فوق الطبعی قوت سے وجود پذیر ہوے۔ اور یہ بھی مانا جاتا ہے کہ زمین کے مختلف طبقات دریا اور پہاڑ وغیرہ بعض ایسے حوادث سے یکایک معرض ہستی مین آئے۔ جن کے ثانی اس وقت دنیا مین نہین پائے جاتے ہین۔ اسکے قائل بہت بڑے بڑے عالم اب بھی موجود ہین۔ دوسرے گروہ مین وہ لوگ ہین جو طبقات کی ترکیب کی موافقت مانتے ہین۔ اور اس گروہ مین ہٹن اور سر چارلس لائل کے ہم خیال لوگ ہین۔ "زمین کی ابتدا کا مسئلہ" گو ناتمام کتاب ہے۔ مگر ارضیات کی نسبت ایک بہت زبردست کتاب ہے اور اس سے اس علم مین معتد بہ اضافہ ہوا ہے۔ جہان تک طبقات وغیرہ کی ترکیب کا تعلق ہے۔ اس کتاب مین اُسے ثابت کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ہٹن کے خیالات اپنے ہم عصرون کے خیالات سے کیون مختلف تھے۔ جو اب صحیح ثابت ہوئے ہین اور بعض مسائل مین وہ کیون اتنے محدود تھے تو میرا جواب صرف یہ ہے کہ ہٹن نے ارضیات کے حقائق کا ایک وسیع ذخیرہ ذاتی مشاہدہ سے بہم پہونچایا۔ اور اسکی بنا پر اپنا نظریہ قائم کیا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ اس نے کیمسٹری اور طبعیات کی بہت عمدہ تعلیم پائی تھی۔ اسکی وجہ سے وہ شخص تحقیق و تجسس کا عادی اور غور و خوض سے کام لینے والا تھا۔ اور مظاہر ارضیات کی توجیہ کرنے کے ہر طرح قابل تھا۔ ان وجوہات سے اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ فطرت کے کارندے جو اس وقت کائنات کے اندر پائے جاتے ہین۔ وہ کروڑہا برس پہلے بھی تھے۔ اور اسی کام مین مصروف تھے۔ جو وہ اب کر رہے ہین۔

زمین کی داخلی حرارت - اسکے بیرونی طبقہ کی بلندی یا پستی - لاوا - راکھ اور گرم بخارات کا اخراج وغیرہ ارضی قوتون کی مصروفیتین ہین - جو حیوان کی سانس لینے - مختلف حرکات کرنے اور گرمی سے مشابہ ہین - موسمی تغیرات تجارتی ہوائین - گلف اسٹریم - وغیرہ ان بیرونی اور اندرونی قوتون کے باہمی عمل مخالف کا نتیجہ ہین - اور اس لحاظ سے وہ موسم خزان مین پتے جھڑنے اور موسم بہار مین کونپلین اور کلیان پھوٹنے کے عمل سے مشابہ ہے - جو پودہ کے اندرونی ڈھانچہ پر سورج کی حرارت اور روشنی کے باہمی عمل سے وقوع مین آتا ہے - جیسے کسی جاندار کے اعضا کے افعال و ترکیب کے علم کا نام فزیالوجی ہے - اسی طرح ان خارجی مظاہر کے مطالعہ کا نام کبھی میٹریالوجی (علم الجو والسما) اور کبھی جغرافیہ طبعی اور کبھی ارضیات کہا جاتا ہے - ظرف و زمان مین زمین کا ایک خاص رتبہ ہے - اور اس اعتبار سے اسکا تعلق دیگر اجرام خلا سے بھی ہے - اور ان تعلقات کا مطالعہ ایک ماہر فلکیات کا کام ہے - مگر اسکی سطحی کیفیت اور مظاہر کا علم ارضیات سے متعلق ہے جس سے سب کو واقفیت حاصل کرنا چاہیے - کرۂ ارض کا خلا مین کیا مرتبہ ہے - اور کن قوتون کا اثر اسکے اوپر زیادہ ہوتا ہے - اور اسے کس قسم کے حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے - اسکی ساخت کیسے ہوئی ہے - ان باتون کا جواب اسکی تاریخ طبعی ہم پہونچاتی ہے - اب رہا باقی یہ امر کہ ان واقعات سے استدلال کرکے اسباب معلوم کیے جائین جیسے بیالوجی مین ہوتا ہے تو یہ ایک جداگانہ علم ہے جسے ارضی علم الاسباب (Etiology) کہتے ہین

امانوئیل کانٹ کے نظریہ مین چاہو جتنے عیب نکالو - مگر اصل یہ ہے - کہ اس شخص نے سب سے پہلے مسئلہ ارتقا کی بنیاد رکھکر ارضی قیاسات کو ایک فلسفیانہ ڈہنگ مین قائم کیا - مین نے شروع مین بیان کیا ہے - کہ علماے ارضیات کے تین بڑے گروہ ہین - جو ایک دوسرے سے متغائر اور متخالف خیالات کے قائل ہین - مگر اہل ارتقا اول الذکر دونون گروہون کو سایہ مین ڈالا چاہتے ہین - کیونکہ انکا شمار روزافزون ترقی پر ہے - میری رائے مین اول الذکر دونون فرقون کے درمیان اختلاف رائے ہونا ضروری نہین ہے - انھون نے بعض بیش قیمت حقائق کو بڑی حفاظت سے آج تک سنبھال کر رکھا - علاوہ ازین ترکیب طبقات مین حوادث کا بھی امکان ہے - جن کی وجہ سے طبعی قوتون کی نوعیت مین کوئی فرق واقع نہین ہوا - مین ایک مثال پیش کرتا ہون - گھنٹہ برابر چلتا رہتا ہے - اور یہ اسکے عمل کی موافقت ہے اور اچھا وقت رکھنے کے یہ معنی ہین کہ اسکے عمل مین کوئی رخنہ نہو - بلکہ برابر چلتا رہے - مگر اسکا بجنا ایک حادثہ یا امر اتفاقی ہے - اگر اسے ایسے طریقے سے لگایا جائے کہ اسکا لٹکن مختلف وقتون مین مختلف قسم کی آوازین پیدا کرسکتا ہو - جو شمار نہو اور آوازین ایک دوسرے سے بالکل جدا ہون تو اسکی بابت اہل فکر کے دو مختلف خیالات ہوسکتے ہین -

سم ۶ - قائم رہنے والی شئے کیا ہے ؟ جاندارون یا پودون کی کوئی خاص نوع نہین ہے بلکہ وہ عمل ہمیشہ

قائم رہے گا جس سے عالم وجود مین آیا ہے۔ اور جس کی عارضی صورتین یہ انواع ہین۔ جان دارون کی دنیا مین یہ عمل جہد للحیوٰۃ کی شکل مین نمایان ہوتا ہے یعنے ہر ایک جان دار کو اپنی زندگی کی لقا کے لیے دوسرے سے کشاکش کرنا پڑتی ہی۔

اور اسکا انجام انتخاب ہے یعنی اس مجادلہ مین وہی جان دار عہدہ برآ ہوتا ہی جسکی فطری قابلیتین بقاع نوع اور جہد للحیوٰۃ اورون سے بہت بڑہ چڑھکر ہین۔ یا یون کہو کہ قدرت نے جنھین اس دنیا مین ہمیشہ زندہ رکھنے کے لیے بنایا ہے۔ انھین اس نے خاص طاقتین عطا کر دی ہین اور جو جان دار اس مناقشہ سے صحیح و سالم بچ نکلتے ہین وہ بقاے اوفق" کے زمرہ مین شمار ہوتے ہین۔ کیونکہ یہ اپنے گرد و پیش کے حالات مین بخوبی زندہ رہنے کے قابل ہوتے ہین اور یہ عمل کائنات کے اندر اسی طرح سدا جاری رہتا ہے۔ پودون کی بھی یہی حالت ہی ان مین سے بھی وہ باقی رہتے ہین جو موجودہ حالات کو برداشت کر لیتے ہین۔ سردی گرمی اور دیگر اقسام کے درخت اور پودے انکی زیست کو محال کر دیتے ہین۔ کمزور نکمے پودے جلد سوکھ جاتے ہین۔ مگر اچھے اور مضبوط قائم رہتے ہین۔ جیسے بیج سے درخت یا انڈے سے مرغ پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح عالم اور ما فیہا وجود مین آئے اور عمل ارتقا کے تابع ہین۔ کسی فوق العادت ہستی کے اشارے سے وہ پیدا نہین ہوئے ہین۔ اور نہ دنیا ہی اتفاق سے معرض ہستی مین آئی ہے۔ کیونکہ ارتقا کے عمل مین اسباب و نتائج کا سلسلہ پایا جاتا ہے اور جیسے جیسے موجودات کی نمو ہوئی ہے۔ اسکے ہر ایک مرحلہ کا نشان موجود ہے مگر اس امر کو ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ کہ ارتقا سے عمل عالم کی تشریح نہین ہوتی۔ لیکن اس سے یہ ظاہر ہے۔ کہ یہ عمل کس طرح ہوتا ہے اور اس سے کیا نتیجے پیدا ہوتے ہین۔ علاوہ برین اگر یہ ثابت ہو جائے کہ عمل عالم کو کسی ہستی نے قائم کیا ہے۔ تو وہ اسکی خالق ٹھہرے گی۔ اور اسکے ذریعہ سے جو نتائج پیدا ہوئے ہین بالواسطہ انکی بھی خالق ٹھہرے گی مگر اس سے فوق العادت رخنہ کا احتمال بعید و بالا ہے یعنی یہ کہ ایک خالق نے سب چیزون کو خلق کیا ہے۔ اور وہ عمل عالم کے خالق سے جدا ہے۔

۶۵۔ گو انسان کے خیالات اور طبائع مختلف ہین۔ مگر ایک تمنا سب مین مشترک پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر شخص دکھ سے بچنے اور سکھ حاصل کرنے کا متمنی رہتا ہے۔ دوسری لفظون مین اسکا یہ مطلب ہی کہ ہر شخص اپنی مرضی پر چلنا اور اپنا مطلب حاصل کرنا چاہتا ہے اور سوسائٹی کی فلاح کا کوئی خیال نہین کرتا۔ یہ میلان موروثی ہے۔

جو انسان نے اپنے انسانی نیم انسانی اور حیوانی اجداد سے ورثہ مین پایا ہی۔ وہ لاکھون برس ایک عالم گیر تمنا خود پرستی اور خود غرضی سے تحریک پذیر ہوتے رہے۔ اور اسی کے طفیل سے انھون نے جہد للحیوٰۃ مین کامیابی حاصل کی۔ یہی وجہ ہی کہ انسان سکھ حاصل کرنے کا اسقدر خواہشمند پایا جاتا ہے۔ اور اسی کے توسط سے اسے خارجی قدرتے

جنگ آرائی کرنے مین کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اگر سوسائٹی کے اندر اس خواہش کو پورا کرنے کا پورا موقع دیا جائے۔ اور اسکے راستہ سے تمام رکاوٹون کو دور کر دیا جائے۔ تو وہ برباد ہو جائے۔ اگر ہر ایک آدمی اپنے ہی فائدے اور بھلائی کا خیال رکھے۔ تو نظام تمدن درہم برہم ہو جائے۔ کیونکہ ہر آدمی اپنے دل کی خوشی کے حصول مین دوسرون کی فلاح کا کوئی خیال نہین کریگا۔ اس طرح آپس مین ہمیشہ لڑائی ہوتی رہے گی۔

۶۶۔ نفس پروری یا فطری آزادی پر جس سے ہیئت اجتماعیہ معرض وجود مین آئی ہے۔ بندش عاید ہونے کی بڑی وجہ مدنی ضروریات ہین جو شہد کی مکھیون کے مل جل کر رہنے کے قاعدہ سے بالکل مختلف ہین۔ ان مین سے ایک تو مان باپ اور اولاد کی باہمی محبت ہے۔ جو بچہ کے مدت دراز تک اپنے والدین کے پاس رہنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور ایک سب سے اہم اور ضروری امر یہ ہے۔ کہ ایک آدمی کے اندر وہی جذبات اور خیالات ہوتے ہین جو دوسرون مین پائے جاتے ہین اور وہ وہی کام کرتا ہے جو اسکے باقی ہم جنس کرتے ہین۔ یعنی خیالات اور جذبات اور نیز اپنی بہتری کے کام کرنے کا مادہ سب آدمیون مین یکسان ہے۔ عالم حیوانات مین انسان ہی ایسا جانور ہے جو نقل کرنے مین اُستاد یکتا ہے۔ وہ نمونے بنا سکتا اور شکلین کھینچ سکتا اور بہروپ بھر سکتا ہے۔ وہ زبان سے صفائی کے ساتھ نقل اُتار سکتا ہے وہ اشارون سے کام لینے مین بھی فرد ہے۔ اور یہ سب کچھ وہ اپنا جی خوش کرنے کے لیے کرتا ہے۔ اور ماسوا اسکے انسان لوگون کی امنگون اور خواہشون مین بھی اپنا نظیر آپ ہے۔ نفس کے ایک عمل مخالف سے انسان دوسرے کے جذبات سے متاثر ہو جاتا ہے۔ اپنے آپ کو دوسرے کی جگہ شخصی طور پر تصور کرنے سے نفس پر وہ کیفیت طاری ہوتی ہے جسے ہم ہمدردی کے نام سے پکارتے ہین اور اپنے ارادہ کے بغیر بھی ہمین دوسرون کا درد محسوس ہوتا ہے۔ اور یہ بہت حیرت افزا ہے۔ عقلی نقطۂ نظر سے چاہے کوئی آدمی عام رائے کی طرف سے بالکل بے پروا ہو۔ جسے حکیمانہ اور فلسفیانہ بے اعتنائی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ مگر مجھے ابتک ایسے آدمی سے ملنے کا کوئی موقع نہین ملا ہے جو لوگون کی مخالفانہ رائے سے ذرا بھی متاثر نہو اور انکی باتون کو ٹھنڈے دل سے سنا کرے مین نہین کہہ سکتا کہ آیا کوئی ایسا فلاسفر اس وقت زندہ ہے یا کبھی اس دنیا مین ہو گزرا ہے جو بازاریون کی آبروریز باتین سُن کر چین بجبین نہوا ہو۔ ہامان نے مردکی کو پھانسی دینے کی ٹھانی تھی۔ اور ہم اسکے اس فعل کو مبنی برحق نہین ٹھہرانا چاہتے۔ مگر یہ امر ظاہر ہے کہ جب اس گمنام اور غریب یہودی نے اسکی تعظیم و تکریم نہین کی تو بہت جھنجھلایا ہوگا۔

نظام تمدن اور اخلاقی خیالات کی ابتدا

اگر ہم اپنے اردگرد دیکھین۔ تو ظاہر ہو جائے گا کہ اپنے ہم جنسون کے خلاف اپنا کوئی میلان ظاہر کرنے سے

اگر کوئی بات مانع آتی ہے۔ تو وہ خوف ہے اور یہ قانونی مواخذہ کا اندیشہ نہین۔ بلکہ اپنے ہم جنسون کی راے کا خدشہ ہے۔ جو آدمی قانون ملکی اصول اخلاق۔ اور احکام دینی کی خلاف ورزی کرتے ہین۔ وہ بھی عزت و آبرو کے رسوم سے ایک دوسرے سے بندھے رہتے ہین۔ اور یہ بھی دیکھا جاتا ہے۔ کہ لوگ جسمانی دکھ برداشت کرکے جان بچا لیتے ہین۔ لیکن شرم و حیا کمزور کو خودکشی پر آمادہ کرتی ہے۔

جیسے جیسے تمدن مین ترقی ہوتی ہے۔ انسان ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہوتے جاتے ہین اور اس خوشی اور رنج مین ترقی ہوتی ہے۔ جو ہمدردی سے پیدا ہوتا ہے۔ ہم دوسرون کے افعال پر اپنی ہمدردی کی روشنی مین نظر ڈالتے ہین۔ اور ہمارے اعمال پر دوسرے اپنی ہمدردی کے مطابق اچھی بُری راے لگاتے ہین جتنی زیادہ مجھے کسی سے ہمدردی ہے۔ مین اتنا ہی زیادہ اسکے اچھے کامون کو بہت قابل تعریف اور اس کے افعال شنیعہ کو اتنا ہی کم قابل الزام خیال کرونگا۔ اور ایسا ہی میرے کامون کا حال ہے جتنی ہمدردی دوسرون کو مجھ سے ہے اتنا ہی وہ میرے اعمال کو زیادہ مستحسن خیال کرین گے۔ یہ قاعدہ لڑکپن سے شروع ہو کر جوانی اور بڑھاپے تک قائم رہتا ہے۔ اور باہمی ہمدردی بہت مستحکم ہو جاتی ہے۔ یہان تک کہ ایک خاص قسم کے اعمال پسندیدہ اور دوسری قسم کے معیوب شمار ہونے لگتے ہین۔ اور ہمارے دوستون اور ہمدردون کے خاص گروہ بن جاتے ہین۔ جو ہمارے اعمال کو پسند یا ناپسند کرنے والے ہوتے ہین۔ یہ نہین ہوسکتا کہ ہم ایک آدمی کے بعض کامون کو پسند اور بعض کو ناپسند نہ کرین۔ چاہے ہم خود ہون یا کوئی غیر ہو۔ اور انھین کو ہم اخلاقی پہلو سے نیک و بد سمجھنے لگتے ہین۔ اور ایک مصنوعی شخصیت۔ "باطنی انسان" جسے ایڈم اسمتھ ضمیر کے نام سے پکارتا ہے۔ فطری شخصیت کے گرد پیدا ہو جاتی ہے۔ اور سوسائیٹی کا چوکیدار اور محافظ ہے۔ اور وہ وحشی ابتدائی انسان کو خلاف تمدن میلانون سے باز رکھتا ہے۔ جس سے اورون کی فلاح کو ترقی ہوتی ہے۔

مین نے جذبات و تاثرات کے اس ارتقا کا نام جس سے انسانی ہیئت اجتماعیہ کے تعلقات پیدا ہوتے ہین۔ اور جو شخصی ہمدردی یا ضمیر مین نمایان ہوتے ہین۔ عمل اخلاقی رکھا ہے۔ اور جب اسکی بدولت مجلس خارجی نیچر یا دیگر سوسائیٹیون اور گروہون کے ساتھ کشاکش کرنے کے زیادہ اہل ہوتی ہے۔ تو یہ عمل عالم کے عین موافق ہے مگر اسکے ساتھ یہ امر بھی صحیح ہے کہ چونکہ قانون اور اخلاق سے انسانون کے آپس کے مجادلہ پر بندشین عاید ہو جاتی ہین۔ اس وجہ سے وہ عمل عالم کے اصول کے نقیض ہے اور اسکے توسط سے وہ قابلیتین نشو و نما پانے سے باز رہتی ہین۔ جن کی بدولت انسان جہد للحیٰوۃ مین بآسانی کامیاب ہوسکتا ہے۔

ہر زمانہ اور ہر ملت کے اہل اخلاق نے جو آدمی کے باہمی تعلقات کی خوبی اور صفائی پر زور دیتے ہین اس بارہ مین کہ وہ کامل سوسائٹی کے درمیان کیسے ہونے چاہیئین اتفاق رائے سے یہ قول زرین وضع کرلیا ہے۔ "دوسرون سے ایسا سلوک کرو جیسا تم چاہتے ہو کہ دوسرے تمھارے ساتھ کرین" بالفاظ دیگر اسکے یہ معنی ہین کہ تمھارا طرز عمل ہمدردی کے تابع ہو۔ اور زندگی کے تمام کامون مین اسی اصول سے ہدایت پذیر ہو۔ جب کوئی کام کرو۔ تو اپنے کو دوسرے کی جگہ تصور کرکے دیکھو۔ کہ فلان بات یا کام تمھاری طبیعت پر کیا اثر کرتا ہے۔ یا اسی قسم کے حالات مین اپنے ساتھ کیسا سلوک چاہتے ہو۔ یہ اصول نہایت اچھا ہے۔ اور اس پر عمل پیرا ہونے والا بھی قابل تعریف ہے مگر یہ بھی تسلیم کرلینا چاہیے۔ کہ ہر ایک آدمی اس اصول کی پوری پابندی کبھی نہین کرسکتا۔ اسلیے یہ قاعدہ حکومت کے وجود سے متناقض ہے۔ کیونکہ عام طور پر یہ میلان پایا جاتا ہے کہ بدی کرنے والا اسکے نتائج سے گریز کرتا ہے۔ کیونکہ اگر مین اپنے آپ کو اوس آدمی کی جگہ تصور کرون۔ جس نے میرا گھر لوٹ لیا ہے۔ تو مجھے معلوم ہوگا۔ کہ مین کسی قسم کی سزا اپنی بدکرداری کے لیے برداشت کرنے کے لیے تیار نہین ہون۔ اگر ایمان کی پوچھو۔ تو یہ قول زرین ہر قسم کے قانون کو بیکار ٹھہراتا ہے کیونکہ اگر ہم اس قول کی پابندی کرین تو بدکردارون کو قانوناً سزا نہین دی جاسکتی۔ پھر قوم اور ملک کے خارجی تعلقات بھی قائم نہین رہ سکتے۔ دوسرے لفظون مین اسکے یہ معنی ہین کہ ہمین زندگی کی کشاکش سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ اس بنا مین اس قول زرین پر عمل کرنا دشوار ہے کیونکہ اگر تم اس پر قائم رہو۔ تو بدکردار تمھارے مال ومتاع اور ملک و دولت پر قابض ہوجائین گے۔ البتہ وہ آدمی اس پر عمل پیرا ہوسکتا ہے جو بہشت مین پہونچنے کی امید لگائے بیٹھا اور دنیا کی خواہشون سے بالاتر ہو۔ اُس باغ کا کیا حال ہوگا جس کا مالی۔ گھاس۔ پرندون اور پھل پھول چرانے والون کے ساتھ وہی برتاؤ کرے۔ جو وہ چاہتا ہے کہ اُسکے ساتھ کیا جائے۔

۶۷۔ جیسے تیز رو نالے مین پاؤن اُسی پانی سے دوچار نہین ہوتا جس مین پہلے انگوٹھا تر ہوا ہے۔ اسی طرح کوئی آدمی صحت اور وثوق کے ساتھ یہ نہین کہہ سکتا کہ محسوسات مین فلان شئے مستقل اور قائم ہے۔ انقلاب اور تغیر نہایت سرعت کے ساتھ جاری ہے تو ہم اسے نہین پہچان سکتے۔ تم زبان سے جو لفظ بولتے ہو۔ نہین نہین دل مین جو خیال سوچتے ہو وہ ایک ہی آن مین ماضی مین داخل ہوجاتا ہے۔ چشم زدن مین حال ماضی مین بدل جاتا ہے۔ "ہے" کی جگہ "تھا" حاصل کرتا ہے۔ جس قدر زیادہ ہمین موجودات کا علم ہوتا ہے۔ اسی قدر زیادہ یہ واضح ہوتا جاتا ہے۔ کہ جسے ہم سکون سمجھتے ہین وہ در اصل غیر محسوس مصروفیت یا حرکت ہے اور یہ کہ بظاہر امن وسکون ہے مگر پھر بھی خوفناک جنگ جاری ہے۔ عالم کے ہر گوشہ مین اور ہر گھڑی متضاد قوتون کی کشمکش جاری ہے۔ اور وہ غلبہ حاصل کرنے کے درپے رہتی ہین۔

عالم کی بے ثباتی

اور کائنات کے انقلابات اور تغیرات کا توازن قائم رکھتی ہین۔ جو امر ایک حصے پر صادق آتا ہے وہ باقی حصون پر بھی عاید ہوتا ہے۔ علم طبعی ہر روز اس امر کی تائید و تصدیق کرتا رہتا ہے کہ زمین و آسمان کی تمام موجودات ہیولائے عالم کے مجموعے ہین۔ اور وہ عمل ارتقا کے تابع ہین۔ آسمان مین جو سفید براق دخان ہے۔ وہ بھی اسکے عمل سے باہر نہین ہے۔ اور اس سے جو چیزین بنی ہین جیسے سورج۔ چاند۔ تارے وغیرہ بھی تغیر پذیر ہین۔ دن بہ دن انکے حجم مین کمی واقع ہو رہی ہے۔ نکشتر بھی اس تغیر سے بالاتر نہین ہین۔ ہزارون قسم کے پودے۔ اور جاندار بھی انقلاب کے چکر مین پھنسے ہوے ہین۔ خیالات مین انقلاب لاحق ہے۔ ایسی ہستیان بھی ہین جن کی نسبت ہم کوئی راے نہین لگا سکتے اور نہ اس مادہ کی بابت کوئی خیال قائم ہو سکتا ہے۔ جس سے یہ ہستیان معرض وجود مین آتی ہین۔ اور اشیا عمل ارتقا کی تابع اور تغیر پذیر ہین۔ پس اس بحث سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ عالم بے ثبات ہے۔ اسکے اندر کوئی شے مستقل اور تغیر سے بالانظر نہین آتی ہے۔ صرف قوت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور انتظام تربیت مین خوبی قائم رہتی ہے۔ اس مین کوئی رخنہ واقع نہین ہوتا ہے۔

۶۸۔ پرانے سے پرانے نظام تمدن کو لو۔ تو اسمین بھی انصاف کا خیال پایا جائے گا ہیئت اجتماعیہ کا انتظام ایک دن نہ چلے جبتک کہ جملہ افراد ایک دوسرے کے ساتھ لین دین کرنے مین خاص قواعد کی پابندی نہ کرین۔ سوسائٹی کا ثبات و قیام انکی پابندی معاہدہ پر موقوف ہے۔ اگر وہ اسپر قائم نہ رہین تو ایک دوسرے کا اعتبار برباد ہو جاتا ہے

انصاف روی اور مساوات

جو سوسائٹی کے تعلقات کا ایک بہت زبردست رشتہ ہے۔ بھیڑیے ٹولیان بنا کر کبھی شکار کھیلنے کو نہ جائین۔ اگر انکے درمیان یہ قرارداد نہو۔ کہ وہ راستہ مین ایک دوسرے کو پھاڑ کر نہین کھائین گے۔ وحشیون کے ہر قبیلہ یا گروہ کے درمیان بھی اسی قسم کا مجہول سمجھوتہ ہوتا ہے۔ مگر انسان اور بھیڑیون کے جتھون مین بڑا فرق یہ ہے۔ کہ اول الذکر اپنی جمعیت کی تمام قوت ان شخصون کے خلاف استعمال کرنے کو تیار رہتے ہین۔ جو اس معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہین۔ اور جو اسکا لحاظ کرتے ہین۔ یہ جمعیت اسکے حق مین اپنا اثر اور قوت صرف کرتی ہے۔ اس عام سمجھوتے کا نام جس کی اُسے جزا اور سزا دی جاتی ہے۔ انصاف ہے۔ اور اسکے برخلاف جو کارروائی ہوتی ہے وہ بے انصافی کہلاتی ہے۔ ابتدائی زمانے کے اخلاق مین ضوابط ہیئت اجتماعیہ کی خلاف ورزی کرنے والے کو اتنی سخت سزا نہین دی جاتی تھی۔ لیکن اگر دانستہ اور نادانستہ بدکرداری کا امتیاز نہ کیا جاتا اور نامناسب حرکت اور ارتکاب جرم کے درمیان خاص تفاوت بیان نہ کیا جاتا۔ تو تمدن مین خاطرخواہ ترقی نہین ہو سکتی تھی۔

پھر رفتہ رفتہ اخلاقی افعال کی قدر و قیمت مین شستگی اور باریک امتیاز پیدا ہوتا گیا۔ اور جزا و سزا نے جو اسی امتیاز سے پیدا ہوتی ہے۔ ایک خاص خیالی اور عملی صورت اختیار کی۔ گو یہ قاعدہ رائج ہوا۔ کہ خون کے بدلے خون دیا جائے مگر جس شخص نے نادانستہ قتل کیا ہو۔ وہ اپنی جان سے کیسے محروم ہو سکتا ہے۔ جمہوری اور شخصی انصاف کے تصور مین بھی کچھ ردوبدل ہوا۔ اس لیے ایک ایسی جگہ تجویز ہوئی۔ جہان قاتل مقتول کے عزیزون کے غضب سے بچنے کے لیے پناہ لے سکتا تھا۔ اس طرح انصاف کے خیال میں کچھ تغیر ہوا۔ اور منشا کو داخل کیا گیا۔ راست بازی جو انصاف کے ہم معنی ہے نہ صرف بیگناہی کا رکن ٹھہری۔ بلکہ نیکی کی جان اور روح بن گئی حتیٰ کہ انسان جو کام کرے اور نیک دل اور نیک ارادے سے کرے تو وہ مستحسن ہے۔ اور اس قسم کا آدمی راستباز۔ بے گناہ اور نیک سمجھا جائے گا۔

قانون توارث

۶۹۔ روزمرہ کے تجربہ سے ہم اُن حقائق سے واقف ہوتے جاتے ہین۔ جو توارث کی ذیل مین شمار ہوتے ہین۔ کوئی آدمی نہین ہے جو اپنے والدین بلکہ دور افتادہ اجداد کی مشابہت اپنی طبیعت مین لیے ہوے نہو۔ ایک خاص رُخ پر چلنے اور ایک مخصوص شیوہ اختیار کرنے کے سیلان کا جسے کیرکٹر (سیرت یا طبیعت) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اسکی پشتون تک کھوج لگ سکتا ہے۔ اس لیے ہم یہ کہنے مین حق بجانب ہین۔ کہ اخلاقی اور ذہنی خصوصیات ہم سب کو پشت در پشت ورثہ مین ملتی چلی جاتی ہین۔ نوزائیدہ بچہ مین جدی خصوصیات موجود ہوتی ہین مگر وہ مجہول صورت مین ہوتی ہین۔ مگر جون جون وہ بڑا ہوتا ہے۔ یہ خصوصیات اسی کے تناسب سے ظاہر ہونے لگتی ہین۔ بزرگون کی بُرائیان۔ اور خوبیان۔ ذہانت اور گاؤدی پن حالات کے مطابق ظاہر ہونے لگتا ہے۔

کیا عالم رحیم خدا کا بنایا ہوا ہے

۷۰۔ اگر یہ عالم کسی قادر مطلق حقیقی بے حد رحیم و فیاض ہستی کے اشارے سے وجود مین آیا ہے تو دکھ تکلیف تو ایک طرف رہی۔ موروثی بدی کا وجود بھی نقیض و متضاد ٹھہرتا ہے۔ تاہم بنی آدم کا گذشتہ صدیون سے لے کر آج تک یہ تجربہ ہے۔ کہ چاہے ہم اپنے گریبان مین مُنھ ڈالین یا اپنے اردگرد نظر دوڑائین۔ دکھ ہمین ہر طرف سے گھورتا ہے۔ اگر کوئی شئے حقیقی اور یقینی ہے تو وہ دکھ۔ غم۔ اور بدی ہے۔ تاریخ عالم مین یہ ایک نئی بات ہوگی۔ اگر اسباب و نتائج پر غور کرنے والے فلاسفر تجربہ کی مخالفت سے دہشت زدہ ہو جائین اور اسٹوئک فلاسفر (رواقیہ) واقعات اور حقائق کی بنا پر اپنی شکست کبھی تسلیم نہین کرین گے۔ ان مین سے ایک کا یہ قول ہے "مجھے ایک اصول بتاؤ۔ اور مین اسکی تشریح و توجیہ کے لیے وجوہات تلاش کر لون گا" اور اس طریقے سے اس فرقے کے حکما نے ایک نہایت عمدہ نظام قائم کر لیا۔ جو اصول انصاف خدا (Theodicy) کے نام سے پکارا جاتا ہے اسکے رو سے ثابت کیا گیا ہے کہ بدی اور

دکھ کوئی چیز نہین ہے۔ اور جو کچھ ہے وہ نیکی کا لزوم ہے۔ اور یہ دکھ یا تو اپنے کام سے لاحق ہوتا ہے یا ہماری بہتری کے لیے نازل کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ خوشی اور بھلائی کو ہم نظرانداز کرین۔ مگر دکھ اور برائی سے چشم پوشی محال ہے دکھ اور غم ہمارے دروازے راحت اور شادمانی کی نسبت زیادہ زور سے کھٹکھٹاتے ہین۔ اور انکے قدمون کے نشان بآسانی نہین مٹائے جاتے۔

مسئلہ ارتقا کا اخلاقی پہلو

۱۷ - مسئلہ ارتقا کے اخلاقی پہلو کی نسبت ایک اور عام غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ پودون اور جانورون کے نظام کی تکمیل جہد للحیوٰۃ سے واقع ہوئی ہے۔ اور اسی سے "بقائے اوفق" منتج ہوئے ہین۔ اسلیے پابند اخلاق انسان کو بھی اپنے تمدنی نظام کی تکمیل اسی قاعدے سے کرنا لازم ہے۔ مین خیال کرتا ہون کہ یہ مغالطہ "بقائے اوفق" کے مبہم مفہوم سے پیدا ہوا ہے "بقائے قابل ترین" "اوفق" کی بقا کے مترادف ہے۔ اور آخر الذکر اصطلاح مین کچھ اخلاقی خوبی مستور ہے۔ کائنات کے اندر "قابل ترین" کا کل مدار اسکے مکتفیات اور اردگرد کے حالات پر ہے۔ مدت ہوئی مین نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ اگر زمین اب سے کئی گنا زیادہ ٹھنڈی ہو جائے تو "بقائے قابل ترین" کے اصول کے مطابق نباتات قد و قامت مین بہت چھوٹے ہو جائینگے۔ اور رفتہ رفتہ وہی روئیدگی رہ جائے گی جو برفستان مین پائی جاتی ہے۔ برعکس اسکے اگر حرارت بڑھ جائے۔ تو انگلستان۔ ناروے وغیرہ مین نباتات بالکل نیست ہوکر گرم ملکون ہی مین رہ جائینگی۔ کیونکہ تغیر حالات مین اسی قسم کے پودے باقی رہنے کے قابل پائے جائینگے جو گرمی کو بآسانی برداشت کرسکتے ہین۔

نیک کرداری جو اخلاقاً مستحسن سمجھی جاتی ہے ایک ایسا طرز عمل ہے۔ جو اُس رویہ کے سراسر مخالف ہے جس سے جہد للحیوٰۃ مین کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اسکے رو سے ہم طبیعت کے ضبط کرنے پر مجبور ہو جاتے ہین۔ حالانکہ کشاکش کا تقاضا خود غرضی اور نفس پروری ہے اسکے رو سے انسان اپنے ہمجنسون کی دستگیری اور اعانت پر مجبور رہے۔ حالانکہ اول الذکر اصول کے مطابق ہمین اپنے مخالفون کو پامال کرنا پڑتا ہے اس کی رو سے ہم اپنی ذات کی فکر چھوڑ کر دوسرون کی بہتری مدنظر رکھتے ہین۔ اور جو آدمی سوسائٹی کے حدود کے اندر پیدا ہوتا ہے اسکے لیے یہ واجب ٹھہرتا ہے۔ کہ وہ اسکے انتظام اور قواعد کا پورا لحاظ کرے۔ اور جنھون نے اسے قائم کیا ہے انکا عمر بھر احسان مانتا رہے۔ اسے یہ خیال رکھنا پڑتا ہے۔ کہ کوئی ایسی چال نہ چلے جس سے اس نظام کو ضرر پہونچے۔ قوانین اور اخلاقی اصول خود غرضی کے طبعی میلان کو ضبط کرنے کے لیے بنائے جاتے ہین۔ اور انکی فرمان برداری اسکا فرض منصبی ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ اسکے اقتدار اور اسکی حفاظت کے سبب سے گو اسے زندگی حاصل نہین ہوتی۔ مگر

ہان ایسی معاشرت اسے ضرور نصیب ہوتی ہے جو اسے وحشیون سے افضل تر ٹھراتی ہے۔

۲۷۔ علما بیان کرتے ہین کہ پولیٹکل اکانومی (علم الاقتصاد) کا ایک بڑا اصول یہ ہے۔ کہ زمین۔ سرمایہ اور محنت ہر قسم کی پیداوار مین نہایت ضروری ہین۔ اور باقی جتنے اصول ہین وہ اسی سے منتج ہوتے ہین۔ مگر اس بیان کو بلاچون وچرا قبول کرنا محال ہے۔ اسمین تو کوئی شک نہین ہے کہ "سرمایۂ حیات" نہایت لازمی ہے۔ کیونکہ کوئی

زمینی پیداوار

کام۔ جیسا کہ تجربہ سے ظاہر ہے اسکے بغیر نہین چل سکتا۔ جسم کا اندرونی کام بھی اسکے بغیر دشوار ہے۔ رہی محنت۔ سو اسکی بابت یہ گزارش ہے۔ کہ کسی چیز کے بنانے مین انسان کی اپنی محنت اتنی بے مقدار ہوتی ہے کہ وہ کسی شمار مین نہین آسکتی۔ پیداوار کے لیے سب سے ضروری سبز پودا ہے۔ کیونکہ وہ قدرتی اشیاء سے سرمایۂ حیات یعنے غذا حاصل کرکے بڑھتا ہے۔ اور پھر پھول پھل لاتا ہے۔ انسان چاہے محنت کرے یا نہ کرے چاہے اسکے پاس زمین ہو یا نہو۔ وہ گذارہ کرسکتا ہے۔ لیکن اگر پودے نہون۔ تو وہ ضرور ہلاک ہو جائے۔

یہ خیال کہ کسی چیز کی قیمت اسکے بنانے یا پیدا کرنے کی محنت پر منحصر ہے غلط ہے اور اسکی کافی تردید ہوچکی ہے۔ کڑھائی گرم کرنے مین جو محنت درکار ہوتی ہے۔ اس سے گولڈ کوسٹ کے وحشیون کی نظرون مین اسکی قیمت نہین بڑھ جاتی۔ اور نہ اسکیمو اعلےٰ درجہ کی برف بنانے والی مشین کے عوض چربی کا ایک ٹکڑا دینے کو تیار ہوگا۔ جسے وہ سمندر کے جانورون سے حاصل کرتا ہے۔ کیا کبھی اس امر پر غور کیا گیا ہے۔ کہ دولت جو مالک کے پاس سرمایہ کہلاتی ہے۔ مزدور کے پاس پہونچ کر اس حیثیت سے محروم ہوجاتی ہے؛ فرض کرو۔ ہفتہ کے روز ایک کاریگر کو بیس روپیہ کی رقم ہفتہ بھر کی محنت کے معاوضہ مین ملتی ہے۔ اور وہ مالک کے سرمایہ سے دی جاتی ہے اور "مزدوری" کہلاتی ہے۔ کیونکہ اسکا محنت کے ساتھ تبادلہ کیا جاتا ہے۔ اسکی جیب مین وہی رقم ہے جو آدھ گھنٹہ پہلے مالک کے سرمایہ کا جزو تھی۔ وہ مزدور ویسا ہی سرمایہ دار ہے۔ جیسا راس چائلڈ۔

۳۷۔ اس دنیا مین جتنے عجیب خیالات رائج ہین۔ ان مین سے ایک یہ بھی ہے۔ اور یہ بہت ہی احمقانہ ہے کہ سرمایہ اور محنت مین تضاد ہے۔ اور نیز یہ کہ سرمایہ محنت سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے طبعی استحقاق کی رو سے

سرمایہ اور محنت

یہ مزدور کا ہے۔ اور نیز یہ کہ سرمایہ دار قزاق ہے۔ جو مزدور کا پیٹ کاٹتا ہے۔ اور اسے اپنی جیب مین ڈال لیتا ہے حالانکہ اس کا کوئی استحقاق نہین ہے۔

لیکن اصل یہ ہے۔ کہ سرمایہ اور محنت ایک دوسرے کے معاون ہین۔ سرمایہ محض انسانی محنت سے پیدا نہین ہوتا۔ اور وہ اسکی کوشش کے بغیر بھی پایا جاتا ہے۔ محنت سے پہلے اسکی ضرورت ہے۔ اسکے وسیلے سے وہ

سامان حاصل ہوتا ہے جس پر محنت صرف کی جاتی ہے۔ سرمایہ کی ایک نہایت ضروری صورت یعنی سرمایۂ حیات انسان کی محنت سے پیدا نہین ہوتا۔ انسان صرف اتنا کرسکتا ہے کہ جن اسباب سے یہ پیدا ہوتا ہے۔ انھین مہیا کرے کسی شے کے تیار کرنے کی محنت اور اسکے تبادلہ کی قیمت کے درمیان کوئی اندرونی تعلق نہین ہے۔

۴۷۔ جس وقت بچہ پیدا ہوتا ہے۔ تو لانبی سانس لیتا ہے اسکے بعد وہ اس سے زیادہ لانبی سانس کبھی نہین لے سکتا کیونکہ پھیپھڑون کے خانے جب ایک دفعہ ہوا سے بھر جاتے ہین۔ تو وہ پھر خالی نہین ہوتے۔ بلکہ عمل تنفس کے ساتھ انکا ایک حصہ خالی ہوتا ہے۔ سانس لینے کا عمل ایسا ہی ہے۔ جیسے ہوا بھرتے وقت دھونکنی کے دستے ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہین اور اس عمل مین کچھ محنت یا زور صرف ہوتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انسان محنت کا بندہ ہے محنت اور مشقت کے واسطے پیدا ہوا ہے۔ عمل تنفس جو روز ولادت سے شروع ہوتا ہے اس کی آنکھین بند ہونے تک رہتا ہے۔ اور اس اعتبار سے شہزادہ اور کسان کا بچہ یکسان ہین۔

لیکن نوزائیدہ بچہ اس سزا کے پہلے حصے کو کس طرح بھگتنا شروع کرتا ہے جس سے کسی کو گریز نہین ہے۔ اس اعتبار سے چاہے کچھ ہی ہو۔ مگر اسمین کوئی شک نہین ہے۔ کہ اسکے جسم کا ڈھانچ بہت پیچیدہ ہے۔ اور وہ اس مصالحہ سے تیار ہوا ہے جو اسکی مان نے اسے بہم پہونچایا ہے۔ اور اسی اثنا مین اسے محرکات یعنے عضلات بھی ملے۔ ہر ایک پٹھے کے اندر ایک مادہ ہوتا ہے جس سے قوت پیدا ہوتی ہے۔ مگر یہ قوت خاص حالات مین ظاہر ہوتی ہے اور انمین سے ایک یہ ہے کہ پٹھے کے متعلقہ عصبی ریشہ کی حالت مین کچھ تبدیلی ہو۔ بندوق کے اندر کی بارود بھی ایک ایسی ہی شے ہے جس کے اندر قوت موجود ہے۔ مگر اسکے لیے حالت کا بدلنا ضروری ہے۔ اور وہ گھوڑے کو اُنگلی سے دبانے سے واقع ہوتی ہے بارود کی مخفی طاقت فوراً قوت معروفہ مین تبدیل ہو جاتی ہے اور ایک لمحہ مین گولی نکل کر نشانہ پر جا پہونچتی ہے۔ اس لیے بارود کو کام کے مصالحہ کے نام سے پکارنا واجب ہے۔ اس لیے نہین کہ اسے فوراً کام مین لگایا جاسکتا ہے۔ بلکہ اصل وجہ یہ ہے۔ کہ اسکی تیاری مین بہت سا کام کرنا پڑتا ہے۔ خام شورہ اور گندھک کو جمع کرنے۔ لانے۔ اور صاف کرنے مین بہت محنت لگتی ہے۔ پھر لکڑی کاٹ کر جلائی جاتی ہے پھر اسکے کوئلہ کو پیسا جاتا ہے۔ پھر ان سب چیزون کو تناسب خاص سے ملایا جاتا ہے۔ اور پھر اسکے ننھے ننھے دانے بنائے جاتے ہین۔ بارود تیار ہو چکنے کے بعد بارود ساز کے سرمایہ اور اساسہ مین شامل ہو جاتا ہے نہ صرف یہی ہوتا ہے کہ جن چیزون کو بارود کے اندر داخل کیا جاتا ہے بلکہ انکے لانے بنانے مین جو محنت درکار ہوتی ہے۔ وہ بھی اسی مین شامل ہے۔

پس اصولاً ظاہر ہوا۔ کہ نوزائیدہ بچے کے عضلات کے اندر جو قوت کا مادہ ہوتا ہے۔ وہ اس شے کے

مشابہ ہے جو بندوق کی نالی کے اندر پائی جاتی ہے۔ بچہ ایک نئی دنیا مین داخل ہوتا ہے۔ اور اسکا اثر اسکے اوپر عصبی ڈھانچہ سے ہوتا ہے۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ عضلات کی مخفی اندرونی قوت عمل تنفس سے قوت معروف مین تبدیل ہوجاتی ہے۔ اور اس طرح سانس چلنے لگتی ہے۔ جب قوت کے ذخیرہ کا ایک حصہ خارج ہوتا ہے۔ تو پسلیان اوپر کو اُٹھتی ہین اور چھاتی اور پیٹ کے بیچ کا پردہ نیچے کو دبتا ہے۔ قوت کا مادہ اُس سرمایہ کا ایک حصہ ہوتا ہے جو بچہ اپنی مان کے پیٹ سے لے کر آتا ہے اور مان کی قوت کی کمی اُن خوراکون سے پوری ہوتی رہتی ہے۔ جو وہ روزمرہ کھاتی ہے۔

ان حالات پر غور کرکے یہ امر یقینی ٹھہرتا ہے۔ کہ زندگی کی مشقت کا پہلا کام جو پیدا ہوتے ہی شروع ہوتا ہے اور عمر بھر ہوتا ہے اس طبعی سرمایہ پر منحصر ہے۔ جو اسکے جسم مین ایسے انتظام سے جمع رہتا ہے۔ کہ جب وہ چاہے اس سے کام لے۔ اور مین سمجھتا ہون۔ کہ اس ذخیرۂ قوت کو سرمایہ کے نام سے پکارنا نامناسب نہین ہے۔ کیونکہ یہ امر بآسانی ثابت ہوسکتا ہے۔ کہ بچے کے عضلات کے اندر جو کام کرنے کی قوت جمع ہے وہ اُن اشیاے خوردنی سے پیدا ہوتی ہے۔ جو اسکی مان کھاتی اور جس سے وہ اسے بہرہ ور کرتی ہے۔ بعدازان جو کام بھی ہوتا ہے۔ اسمین اسی طبعی ذخیرۂ قوت یا سرمایۂ حیات سے کام لیا جاتا ہے۔ اور عمل تنفس کا مقصد یہ ہے۔ کہ اس طرح جو قوت صرف ہوتی ہے اسکے اثر سے آزادی حاصل کرلے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ اگر صرف سانس لینے ہی کا کام جاری رہے۔ تو اسکا طبعی سرمایہ جلد یا بدیر ختم ہوجائے گا۔ اور اسکے ساتھ ہی تنفس بھی بند ہوجائے گا۔ مگر نہین اس سرمایہ کو دودھ قائم رکھتا ہے۔ جو بچہ اپنی مان کی چھاتیون سے پاتا ہے۔ اب یہ دودھ اُن چیزون کی ایک صورت ہے۔ جو مان کھاتی ہے۔ اور جس کو بچہ کا جسم بہت جلد قبول کرکے قوت مین تبدیل کرلیتا ہے۔ یعنی وہ مان کے سرمایۂ حیات سے اپنی طاقت کی کمی پورا کرتا ہے۔ اب دودھ پینے مین بھی کچھ قوت درکار ہوتی ہے۔ جیسے کہ سانس لینے مین صرف ہوتی ہے۔ اس طرح بچہ اسے محنت سے حاصل کرتا ہے۔ گویا جو طاقت وہ مان کی چھاتیون سے پاتا ہے وہ اسے محنت کیے بغیر حاصل نہین ہوسکتی لیکن محنت کے مقابلہ مین اسے سرمایۂ حیات زیادہ ملتا ہے۔ اس لیے اسکا ہر طرح فائدہ ہی فائدہ رہتا ہے۔ وافر سرمایہ جسم کی نشوونما مین خرچ ہوتا ہے۔ اور نمو کے عمل مین جو قوت صرف ہوتی ہے۔ وہ بھی اسی قوت سے پوری ہوتی ہے۔ اس طرح بچہ اپنے بچپن لڑکپن اور جوانی کے ایام مین اُس سرمایۂ حیات پر بسراوقات کرتا ہے۔ جو اسے دوسرون کی عنایت سے حاصل ہوتا ہے۔

۷۵۔ جن لوگون نے شروع مین صلح و آشتی سے آپس مین مل جل کر رہنے کے بجاے باہمی جنگ آرائی قائم کی چاہے انکی اصل غرض کچھ ہو۔ مگر انھون نے ہیئت اجتماعیہ کی بنیاد ڈالی۔ امن قائم کرنے مین اُنھون نے زندگی کی کشاکش

کی حد باندھ دی یعنے ایک گروہ کے آدمی آپس مین اسی طرح لڑائی نہ کرین۔ جیسے دو دشمن ایک دوسرے کی جان لینے کو لڑتے ہین بعد ازان نظام اجتماعیہ نے جو صورتین اختیار کین ان مین سب سے اعلیٰ اور کامل وہ سمجھی جاتی ہے جس مین افراد وحشی اور مہذب کی جنگ ایک دوسرے کے ساتھ سخت ممنوع و مردود قرار دی گئی ہے۔ ابتدائی وحشی جو جی مین آتا کرتا۔ اور جو اسکے مانع آتا۔ اگر اسکا بس چلتا تو اسے مار ڈالتا لیکن برعکس اسکے ذی اخلاق انسان اپنے کردار کو اس حد کے اندر رکھتا ہے جس سے دوسرون کی شخصی حریت پر کوئی بندش عاید نہین ہوتی۔ وہ اپنی بھلائی کے ساتھ دوسرون کی بہبودی کا بھی خیال رکھتا ہے۔ کیونکہ اسکی ذاتی بہتری اسی کے طفیل سے حاصل ہوتی ہے۔ امن اسکے نزدیک انتہائی مقصد اور اپنی ذاتی بھلائی کا عمدہ وسیلہ ہے اور وہ اپنے طرز عمل کی کامل ضبط نفس سے رہنمائی کرتا ہے جو غیر محدود جہد للحیٰوۃ کے بالکل نقیض ہے۔ وہ عالم حیوانات سے بھاگنا چاہتا ہے۔ جہان کسی قسم کی اخلاقی بندشین نہین ہین۔ وہ اپنی جداگانہ اقلیم انسانی قائم کرنے کا خواہشمند رہتا ہے۔ جو ارتقاے اخلاق کے اصول کے تابع ہے کیونکہ ہیئت اجتماعیہ نہ صرف اخلاقی مقاصد ہی سے ہدایت پذیر ہوتی ہے۔ بلکہ اسکی تکمیل یعنے تمدنی زندگی مین وہ اخلاق مجسم بن جاتی ہے۔

۶۷ - جتنے بڑے بڑے ادیب ہو گزرے ہین ان مین سے گیٹی مین محقق اور صناع کی خوبیان یکسان موجود تھین۔ بلکہ مطالعہ و مشاہدۂ فطرت مین وہ اورون سے بڑھا ہوا تھا۔ اس نے اپنا علم محض کتابون سے حاصل نہین کیا تھا۔ معدنیات۔ ارضیات۔ نباتات۔ اور علم استخوان ہاے حیوانات (Osteology) گیٹی مشہور جرمن سے وہ اسقدر واقف تھا کہ اس زمانہ مین جو لوگ ان علوم کے اُستاد تھے وہ بھی اتنے ماہر عالم مصنف نہ تھے اور اگر اسے ان علوم مین سے کسی ایک کو پڑھانے کے لیے کسی یونیورسٹی مین مقرر کیا جاتا۔ تو بہت ہی اچھا ہوتا۔ مگر اسکے ہم عصر محققون نے اسکی گوناگون لیاقتون کی کوئی قدر نہین کی۔ اور اس نے اپنی توجہ ادبیات ہی تک محدود رکھی۔ اور دنیا اسے ایک مشہور و معروف اہل قلم اور اہل سخن سمجھنے لگی مگر گیٹی نے اسی پر کفایت نہ کی۔ بلکہ اس نے سائنس کے متعلق تحقیقات کی۔ اور کچھ لکھا۔ عوام کو یہ خیال نہ گزرا کہ زبردست عقل ایک ایسا انجن ہے کہ جس سے ہر قسم کی عقلی کارخانے چل سکتے ہین۔ اور ان لوگون کو یہ نہ سوجھا کہ انسان (بقول گیٹی) اپنے اور نیز اورون کے فائدے کے لیے زندہ رہنے کا مستحق ہے۔ اس لیے اسے ان علوم کو ترقی دینا چاہیے۔ جن سے اسے خاص دلچسپی ہے۔

واقعات سے ظاہر نہین ہوتا ہے۔ کہ گیٹی نے علم طبعی کی ان نام نہاد محققون سے کم قابل قدر خدمت کی ہے

سو نسال بیشتر حیوانات - نباتات - اور دیگر علوم کی بابت غیر معین خیالات پھیلے ہوے تھے - اور انھین خاص صورت اور خاص نام دینا ضروری تھا - اور یہ کام گیٹی نے انجام دیا - اس نے کئی مضامین پودون کی ترکیب اور نمو حیوانات کی ہڈیون کی بناوٹ اور ایک دوسرے کے تعلق پر لکھے - لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ جو نقائص مابعد کے عالمون کی تصانیف مین مارفالوجی (جان دارون اور پودون کی بناوٹ کا علم) کے متعلق پائے جاتے ہین - وہ متعدد نحوین کے پہلو بہ پہلو گیٹی کی تحریرون مین بھی موجود ہین - فزیالوجی اور طبعیات مین اسے کامیابی ہوئی - اور اسپر وہ کہتا ہے کہ حسد کی وجہ سے علما میرے خیالات اور میری تحقیقات کے نتائج پر غور کرنے سے انکار کرتے ہین -

۷۷ - انسان کے اعمال اور انکے معاوضہ مین بہت فرق ہے - اس وجہ سے قدرت ہم سے زیادہ منصف ہے وہ اوس توشہ کو نظر انداز نہین کرتی - جو انسان اپنے ساتھ لاتا ہے - اور انسان کے انصاف مین یہ خوبی بالکل نہین ہے - اگر مین جو پیدایش سے خونخوار وحشی ہون اور اپنے اجداد سے یہ عادتین مین نے ورثہ مین پائی ہین اپنے آپ کو مار ڈالون - تو میرے ہم جنس مجھے کسی اونچے درخت کی مضبوط ٹہنی سے پھانسی دین گے - مگر مجھے افسوس اور ضمیر کے تازیانے برداشت نہین کرنا پڑین گے - جو میرے لیے حقیقی سزا ہوتی - موجودات کے نظام کامل کا انصاف میرے لیے ایسا واضح ہے جیسے کوئی سائنٹفک حقیقت - گناہ کے ساتھ تاسف ایسا ہے جیسے زمین سورج کی کشش سے کھنچتی ہے - ہاتھ کنگن کو آرسی کیا - تجربہ اسکا شاہد ہے - بلکہ ہر ایک شخص اپنے ذاتی تجربہ سے جانتا ہے - کہ جب کوئی برائی کی جاتی ہے تو اسکے بعد دل کو کس قدر بے چینی اور تکلیف ہوتی ہے مین جزا و سزا کا بھی منکر نہین ہون - لیکن لوگ اسے اگلی زندگی کے باہر ڈھونڈتے ہین جس کی وجہ سے وہ اس امر سے بے بہرہ رہتے ہین کہ سزا و جزا یہین مل جاتی ہے - اگر جہنم کے عذاب کے خوف سے مین برائی سے باز رہون - تو یقیناً میرے لیے جہنم یہین موجود ہے : اگر کوئی انسان اس بات کو بخوبی سمجھ لے کہ چوری کرنے سے مجھے ویسا ہی نقصان پہونچتا ہے - جیسے سنکھیا کھانے سے - تو کیا وہ اس طرح بدی سے باز نہین رہیگا

فطرتی اور انسانی فعلون مین تضاد

۷۸ - عورتون کی فطری کمزوریون کی بابت حال مین بہت کچھ بیان کیا گیا ہے - اسمین کوئی شک نہین - کہ ان مین سے بعض تو انکی طبیعت مین ودیعت کی گئی ہین - مگر باقی انکی اپنی پیدا کردہ ہین یعنی انکی طرز زندگی سے پیدا ہو گئی ہین اصل بات یہ ہے کہ عورتین گھر مین بیکار بیٹھی رہتی ہین - جس سے جسم ناتوان ہو جاتا ہے اور روا ہی تباہی خیالات پیدا ہوتے ہین - اگر وہ طاقت بخش کام کرین - یا کسی نیک کام کی تکمیل مین ساعی ہون - کھیل کود کا عمدہ موقع ملے - الغرض مردون کی طرح انھین بے روک ٹوک عمدہ

عورتون کی کمزوریان

زندگی بسر کرنے کا موقع ہو تو انکی بہت سی کمزوریان جلد دور ہو جائین۔

۷۹۔ کثرت رائے کا عقیدہ میرے سینہ مین جاگزین نہین ہے۔ اگر تمام دنیا میری مخالف ہو جائے تو مین اپنی رائے اور خیالات کی نظر ثانی کرون۔ اور انپر نقادانہ نگاہ ڈالون۔ مگر مین ان سے کبھی دست بردار نہین ہونگا

عام رائے کا خدشہ یہ بات برملا کہتا ہون مکہ اگر میری گردن مین چکی کا پاٹ باندھکر مجھے سمندر مین ڈالدیا جائے۔ تب بھی مین اُن لوگون کے ساتھ حصہ دار نہین ہونگا دنیا جن کی دست نگر رہتی ہے اور وہ اسکی چاپلوسی کرتے ہین۔ اور خوفناک حقائق کے دوچار ہونے سے گھبراتے ہین۔

۸۰۔ کیا ہم اخلاقی اصول کی تمام و کمال پابندی کر سکتے ہین! میرا جواب نفی مین ہے ہم مین بہت سے ایسے ہین جو اسکے سیدھے سادے احکام کی بھی پابندی نہین کر سکتے۔ جیسے بعض آدمی پیدائش سے اپاہج

اخلاقی اصول کی پابندی یا فاترالعقل ہوتے ہین۔ ایسے ہی اخلاقی اعتبار سے بھی بعض آدمی لنگڑے لولے اور کوتاہ عقل ہوتے ہین۔ چاہے اُنھین جتنی سزا دو۔ مگر وہ کبھی سیدھا راستہ اختیار نہین کرینگے۔ ایسے لوگون کو یا تو کسی مکان کے اندر بند کرنا چاہیے یا انھین توپ دم کرنا چاہیے۔

۸۱۔ قابل آدمیون کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنی حرف گیری اور مخالفت کی تاب نہین رکھتے۔ جو لوگ اس کمزوری پر غالب آنے کی کوشش کرتے ہین۔ وہ بھی خوشامد کی باتون مین آکر اسکے نادانستہ

قابل آدمیون کی کمزوری شکار ہو جاتے ہین۔ سائنس کی سب سے بڑی لعنت "سند" "چیلہ" اور "اسکول" (فرقہ) ہے۔ اُنکے ذریعہ سے سائنس کے کام مین بہت رخنہ واقع ہوتا ہے۔ حالانکہ اسکے دشمن اتنے حایج نہین ہوتے۔ لوگ اس بات کو کبھی نہین سمجھ سکتے۔ اور محض علمیت اور ہوشیاری زندگی مین کوئی قدر و قیمت نہین رکھتی۔ بلکہ مستعدی اور معاملہ کے تمام پہلوؤن پر ذراسی دیر مین عبور حاصل کرنا ہی سب کچھ ہے۔ اور یہ خوبیان جبلّی ہوتی ہین۔ سکھانے سے حاصل نہین ہوتی ہین۔

۸۲۔ میری رائے مین ہر آدمی کا یہ فرض منصبی ہے۔ کہ وہ اپنی پرورش کا فوراً انتظام کرے۔ اور دوسرون پر

اپنی ضروریات کا خود اہتمام کرنا بوجھ نہو۔ علاوہ ازین ہوشیاری اور صفائی سے کام کرنے کا ہنر پیدا کرنا بجائے خود عمدہ تعلیم ہے۔ جس کا نتیجہ ہر پیشہ مین ظاہر ہو جاتا ہے۔ کسی ایسے کام کرنے کی عادت جسے تم پسند نہین کرتے (حالانکہ وہی کام کرنا اچھا ہوتا ہے جس سے تمھین دلچسپی ہے) نہایت بیش قیمت ہوتی ہے۔

۸۴۔ انسان ایک عجیب و غریب جانور ہے۔ اس مین گھوڑے کی سی قوت برداشت گدھے کی سی ڈھٹائی اور انسان کی سرشت اونٹ کا سا کینہ پایا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس مین فرشتے کی سی باتین بھی پائی جاتی ہین۔ اور جب اسے اپنی مرضی کے مطابق چال چلنے کا موقع مل جاتا ہے۔ تو اسے کسی کام پر آمادہ کرنا دشوار ہے

جے۔ آر۔ رائے

پھول

(نظم بطرز انگلش)

۱ تو عجب دل فریب ہے اے پھول
تجھ سے ہے گلشن جہان کی بہار
تیرے صدقے ہمین نہ جانا بھول
ہم تو کرتے ہین تجھکو دل سے پیار

۲ تو حسینون کی خلوتون کا انیس
تو امیرون کی بزم کی زینت
کنج عزلت مین عاشقون کا جلیس
تجھ سے ہے ہر دماغ کو فرحت

۳ تو ہے نیچر کا ہدیۂ نادر
کس کے دل مین نہین ہے تیری چاہ
مدح مین تیری ہے زبان قاصر
تو عجب چیز ہے خدا ہے گواہ

۴ تیری خوشبو دماغ کو مرغوب
آنکھ کو ہے پسند تیرا رنگ
خوش مذاقون کا باوفا محبوب
دلبری کے ہین تجھ مین سارے ڈھنگ

۵ اپنے گھرون کی تجھ سے آرائش
اپنی میزون کی تجھ سے ہے زینت
تجھ سے صحن مکان کی زیبائش
جان گلدستہ ہے تری نزہت

۶ اصل تو اصل ہے مگر در اصل
در و دیوار کی بھی گلکاری
یاد دلواتی ہے تری بے فصل
اس لیے سب کو دل سے ہے پیاری

۷ سادگی ناز کی صفائی مین
سب سے افضل ہے سب سے ہے بہتر
نہین تجھسا کوئی خدائی مین
سچ مین کہتا ہون یہ قسم کھا کر

۸ پڑتی ہے جب کسی کی تجھ پہ نظر
ہو کے بیتاب لوٹ جاتی ہے
بھول جاتی ہے جیسے اپنا گھر
نہین آنکھون مین پھر کے آتی ہے

۹ قدر کرتے ہین تیری جنٹلمین
پیار کرتی ہین تجھکو سب لیڈیز
اب تجھے ہے مزا تجھے ہے چین
تو ہے فیشن کی بھی نظر مین عزیز

۱۰ تجھکو سینہ سے کچھ لگاتے ہین
کبھی ہوتا ہے تو گلے کا ھار

نازتیرے سبھی اُٹھاتے ہین
تجھکو کرتے ہین جان و دل سے پیار
۱۱ شوخیان تیری شوخ رنگت کی
شوخ چشمون سے کرتی ہین چشمک
شوخیون کو ادا نزاکت کی
اور بھی دیتی ہے غضب پر چمک
۱۲ جمنے دیتا نہین کسی کا رنگ
رنگ تیرا وہ شوخ چنچل ہے
رنگ رخسار بھی ہے تجھ سے دنگ
دلربا کیا ہی تیری چھل بل ہے
۱۳ ایسے ہنس مکھ بھی کم کہین دیکھے
ہنستے جاتے ہین لوٹے جاتے ہین
ہم بھی کہتے ہین ہان نہین دیکھے
باتون باتون مین گُل کھلاتے ہین
۱۴ کہین جنگل مین تجھ سے ہے منگل
کہین ٹیسو لگا رہے ہین آگ
کہین باد صبا کی چھل بل
کہین گاتے ہین طائر اپنا راگ
۱۵ خیر ہے محتسب تجھے چپ رہ
ہم کو تیری شراب سے کیا کام
مے جو پینا ہو اُس سے جا کر کہہ
پھول پیتے ہین ہم نہ کر بدنام
۱۶ بعد مردن نہین کوئی غمخوار
اپنے بیگانے منھ چھپاتے ہین
ہان مگر ہم کو اس کا ہے اقرار
پھولون مین پھول کام آتے ہین
۱۷ کشتۂ ناز کی سر تربت
جب کوئی مہ جبین کھڑی ہو کر
کانپتے ہاتھون سے بصد منت
تجھکو لا کر چڑھائے رو رو کر
(ق)
۱۸ اُس گھڑی قدر ہو تری معلوم
تیرا اس وقت مرتبہ ہو عیان
تو تسلی دہ دلِ مغموم
مرہمِ زخمِ سینۂ ریشان
۱۹ تو بڑھاتا ہے شان سہرے کی
تجھ سے ہے آن بان دولھا کی
لین بلائین دولہن کے چہرے کی
شوخ دیدہ یہ تیری بیباکی
۲۰ کھلتے ہی کھلتے تو ہے مرجھاتا
تو بقا و فنا کا ہے فوٹو
عمر پاتا ہے تو غضب ڈھاتا
مار ہی ڈالتی تری خوشبو
۲۱ سونگھنے سے دماغ ہو تازہ
دیکھنے سے بصر کو ہو قوت
تیری خوبی کا کیا ہو اندازہ
کوئی پوچھے قمر سے تیری صفت

سید قمرالدین احمد قمر سندیلوی

مثنوی مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ والغفران

مثنوی شریف کی اور اور خوبیون سے قطع نظر کرکے اگر صرف تاثیر کلام کے لحاظ سے - اسکے طرز بیان پر غور کیا جائے۔ تو میرے فہم ناقص مین۔ فارسی کی جملہ اخلاقی تصانیف پر۔ اُسکی ترجیح کا پلہ بھاری ہوگا۔

آپ کو میرے دعوے کا ثبوت۔ وعظ و تذکیر کی مجلسون مین پورے طور پر ملے گا۔ کسی وعظ و پند مین مثنوی کے دو چار شعر بھی بمناسب موقع پر پڑھے جاتے ہین۔ تو وہ وعظ و پند تاثیر کے گہرے رنگ مین ڈوب جاتا ہے اور اہل جلسہ پر اُسکا اثر ہی کچھ اور ہوتا ہے۔

اب سے تقریباً۔ پندرہ برس پہلے کا ذکر ہے۔ کہ ایک روز انجمن اسلامیہ بانکی پور کا ماہواری جلسہ تھا۔ مکان انجمن کے لیے چندے کی تحریک کی جارہی تھی۔ بڑے بڑے واعظ اور مقررین نے ولولہ خیز اور ترغیب انگیز تقریرین کین مگر جلسے کا رنگ پھیکا ہی رہا۔

اخیر مین ایک معمر اور متبرک بزرگ کھڑے ہوئے اور اپنی پُرزور تقریر اور پُر رعب آواز مین۔ موقع موقع پر مثنوی کے جادو اثر۔ اشعار ملانے شروع کیے۔

مین کیا عرض کرون کہ مثنوی کے درد آمیز اور تاثیر خیز اشعار نے معمر واعظ کی بلند اور پلے کی آواز اور اُنکے دلکش انداز شعرخوانی کے ساتھ مل کر کیسی کیفیت پیدا کی؟ اور حاضرین کی کیا حالت تھی؟ دل بے جاتے تھے۔ آنکھین اشکبار تھین۔ ہر شخص بے خود تھا اور تمامی مجلس پر ایک محویت طاری تھی۔

اثناء تقریر مین جب اُن بزرگ نے اپنی زبان مبارک سے یہ شعر ارشاد فرمایا ؎ ہرچہ داری صرف کن در راہ او + لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا۔ تو حاضرین کا حال ہی دوسرا ہوگیا۔ ساری مجلس کی گویا کایا پلٹ ہوگئی۔ ہر طرف سے چندہ کی بوچھار ہونے لگی۔ نقدی سے گزر کر چیز و اسباب تک نوبت پہنچ گئی۔ کوئی عمامہ اتار کر پھینک رہا ہے۔ کوئی اچکن و کوٹ نذر کر رہا ہے۔ کسی نے چادر اُتار دی۔ کسی نے جیبی گھڑی نذر کی۔ الغرض مضمون شعر کی پوری پوری تعمیل ہو رہی تھی۔

جلسے مین مشکل۔ ایک چوتھائی۔ ایسے لوگ تھے۔ جو اُس شعر کے لفظی معنی بھی سمجھتے ہون۔ مگر ایک الٰہی تاثیر تھی جو دلون پر جادو کا کام کر رہی تھی۔

مین نے ارادہ کیا ہے کہ مثنوی مین سے۔عام اخلاقی مضامین کے اشعار۔وقتاً فوقتاً منتخب کرکے نذر ناظرین کیا کرون۔امید ہے کہ یہ کام کچھ نہ کچھ مفید ہی ثابت ہوگا۔"وما توفیقی الا باللہ"

فی زمانناً۔مثنوی کے جاننے والے۔سمجھنے والے اور اُسکے نکات غریب۔مقامات رفیع۔مضامین بلند۔خیالات ارجمند حقائق ومعارف۔اور دیگر مقاصد اعلیٰ کے مغز کو پہنچنے والے تو درکنار۔اُسکی طرف توجہ والتفات کرنے والے بھی کمیاب ہین۔بلکہ روز بروز نایاب ہوتے جاتے ہین۔

ایسے وقت مین۔اس مقدس تصنیف کے مضامین سے جسقدر واقفیت ہوجائے اور قوم کو اُن سے مستفید ہونے کا موقع دیا جائے وہی غنیمت ہے۔

فی الحال۔جہد وتوکل۔تدبیر وتقدیر واختیار وجبر کے پیچیدہ اور باریک مضامین سے ابتدا کی جاتی ہے اور بتدریج حسب موقع۔اور مضامین بھی پیش کش کیے جائین گے۔

مذکورۂ بالا مسائل۔مذہب اسلام مین ہمیشہ سے معرکۃ الآرا چلے آتے ہین اور ہنوز غیر منفصل ہین۔

ایک گروہ۔سرے سے۔تقدیر کا قائل ہی نہین وہ انسان کو ہر امر مین مختار کل سمجھتا ہے۔اسکے نزدیک۔ہر کام کا دار ومدار سعی اور کوشش پر ہے "لیس للانسان الا ما سعیٰ"

دوسرا فرقہ۔بندہ کو مجبور محض جانتا ہے اور کہتا ہے کہ جملہ تحریک کی ڈوری۔فعال مطلق ہی کے دست قدرت مین ہے "لا تتحرك شئ الا باذن اللہ"

آج تک ان مباحث کا قطعی فیصلہ نہین ہوا اور اگر ہوا تو اسی قدر ہوا کہ "انسان نہ مختار کل ہے اور نہ مجبور محض" اسکے اختیارات علم اسباب تک محدود ہین اور اسکی مجبوریان۔اعلیٰ اور ما فوق القدرت امور مین ہین۔پس دونون گروہ کے دعوے اپنے اپنے موقع پر بجا ہین یعنی انسان مختار بھی ہے اور مجبور بھی۔سارے جھگڑے غلط فہمیون اور کج اندیشیون کے نتیجے ہین۔اور قوت ممیّزہ کی بے تمیزی سے پیدا ہوگئے ہین۔یہ باتین آگے کے بیان سے غالباً کسی قدر ذہن نشین ہوجائینگی۔

دنیا عالم اسباب ہے۔یہان کے موجودہ واقعات۔واقعات گزشتہ کے نتیجے ہین اور واقعات آئندہ کی بنیاد۔یا یون سمجھیے کہ زمانہ موجودہ مین جو کچھ ہورہا ہے۔اسکے اسباب وعلل پیشتر ہی قائم ہوچلے تھے۔اور آئندہ جو کچھ ہوگا۔اسکے اسباب وعلل اسوقت قائم ہورہے ہین۔

یہ سلسلہ ازل سے قائم ہے اور ابد تک قائم رہے گا۔

اب ہر ایک موجودہ واقعہ کے سبب وعلت کا گزشتہ واقعات سے ٹھیک ٹھیک پتہ لگانا۔اور اُسی واقعہ کے

آئندہ نتائج کو صحیح صحیح سوچنا۔ اور سوچ سمجھ کر اپنے لیے۔ ایک محفوظ طریق عمل اختیار کرنا۔ یہی سب کام عقل انسانی کے فرائض ہین۔ اور اسی اعتبار سے انسان مختار کہلاتا ہے۔ اور ان فرائض کی انجام دہی مین اُس سے جو جو غلطیان سرزد ہون انصافاً وہ اُن کا جوابدہ ہے۔

"انصافاً" اسلیے کہا کہ انسان کو ان فرائض کی بجا آوری کے لیے آلات و اوزار۔ داخلی اور خارجی دونون قسم کے فطرت کی طرف سے۔ کافی طور پر (بلکہ کافی سے زیادہ) مہیا کر دیے گئے ہین۔ داخلی مثلاً عقل۔ فہم۔ قوت ممیزہ اور دیگر قواے دماغی وغیرہ وغیرہ۔ خارجی مثلاً بعثت انبیا۔ نزول کتب سماوی اور ہدایات بزرگان دین وغیرہ وغیرہ۔ پس اگر انسان قصداً اپنے کو مجبور سمجھ لے اور ان خداداد ذرائع سے حسب موقع و مناسبت کام نہ لے۔ تو ہر معقول پسند کے نزدیک وہ اس قابل نفرت غفلت سستی اور کاہلی کا بیشک جوابدہ قرار پائے گا۔

لیکن اس عالم اسباب کے سوا اور بھی بے شمار عوالم ہین جہان تک فطرۃً ناقص[1] ہونے کے سبب سے انسانی عقل کی رسائی ممکن نہین اور اُن عالمون کے متعلق نہ اُسکے ذمہ فرائض ہین۔ نہ اُنکی جوابدہی۔ باین لحاظ انسان کو مجبور کہتے ہین۔ پس انسان عالم اسباب تک مختار ہے اور عالم اسباب سے باہر مجبور۔ اُسکے اختیارات محدود ہین اور اُس کی مجبوریان غیر محدود۔

الغرض یہ باتین۔ نہایت دقیق اور پیچیدہ ہین۔ مولینا نے جس حُسنِ خوبی سے اس اُلجھی ہوئی گتھی کو سلجھایا ہے یہ اُنھین کا کام تھا نہ دوسرے کا۔ اور صرف اسی پر منحصر نہین ہے مولینا جس مضمون کو لیتے ہین اُسکے سمجھانے کا ایسا آسان۔ دلچسپ اور موثر طریقہ اختیار کرتے ہین جس سے بڑھکر خیال مین نہین آتا۔ وسعت معلومات اور روحانی ادراکات۔ زور بیان۔ حسن ادا۔ نئی نئی تشبیہین۔ جدید جدید نظیرین۔ اچھوتے اچھوتے استعارے۔ الغرض اُنکے کلام کامل کی تعریف مجھ ہیچمدان سے کیا ہو سکتی ہے؟ بلکہ اُسکی توصیف مین لب کشائی کرنا خود ستائی کرنا ہے ؎

مادح خورشید مداح خود است۔ سچ ہے۔

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق   ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

مذکورۂ بالا مسائل کے متعلق اشعار ذیل شیر و خرگوش کے اس قصہ کے جستہ جستہ مقامات سے منتخب کیے گئے ہین جس کی ابتدا اس شعر سے ہوئی ہے۔

---

[1] آدمی بیشک ناقص العقل ہے کیونکہ باوجود ہزارون برس کی [illegible] غور و خوض کے ابھی تک کسی شے کی پوری پوری حقیقت نہ دریافت کر سکا۔ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

از کلیله باز خوان این قصه را / وندر آن قصه طلب کن حصه را
گفت پیغمبر به آواز بلند / بر توکل[۱] زانوے اشتر به بند
رمز "الکاسب حبیب الله"[۲] شنو / از توکل در سبب کاهل مشو
رو توکل کن تو با کسب اے عمو / جهد می کن کسب مے کن مو به مو
جهد کن جدے نما تا وارهی / ور تو از جهدش بمانی ابلهی
پایه پایه رفت باید سوے بام / هست جبری بودن این جا طمع خام
پاے داری چون کنی خود را تو لنگ / دست داری چون کنی پنهان تو چنگ
خواجه چون بیلے به دست بنده داد / بے زبان معلوم شد او را مراد
دست همچون بیل اشارت هاے اوست / آخر اندیشی عبارت هاے اوست
چون اشارت هاش را بر جان نهی / در وفاے آن اشارت جان دهی
پس اشارت هاش اسرارت دهد / بار بردارد ز تو کارت دهد
حاملی محمول گرداند ترا / قابلی مقبول گرداند ترا
سعی شکر نعمت قدرت بود / جبر تو انکار آن نعمت بود
شکر نعمت نعمتت افزون کند / کفر نعمت از کفت بیرون کند
جبر تو خفتن بود در ره مخسپ / تا نه بینی آن در و درگه مخسپ
هان مخسپ اے جبری بے اعتبار / جز به زیر آن درخت سایه دار
تا که شاخ افشان کند هر لحظه باد / بر سر خفته بریزد نقل و زاد
جبر خفتن در میان رهزنان / مرغ بے هنگام کے یابد امان
گر توکل مے کنی در کار کن / کسب کن پس تکیه بر جبار کن
شیر گفت آرے ولیکن هم ببین / جهد هاے انبیا و مرسلین

[۱] یعنی اونٹ کو باندھ کر چھوڑ دو یعنی دشمن کی حفاظت ظاہری بجا لاکر خدا کی حفاظت پر توکل کرو۔ اور شتر بے مہار چھوڑ کر اپنے بس کا کام خدا کی مہربانی پر چھوڑنا گویا اس کا امتحان لینا ہے اور یہ بات سراسر بے ادبی کی ہے ۱۲

[۲] حدیث میں ہے "الکاسب حبیب الله" یعنی پیشہ ور مزدور خدا کا دوست ہے ۱۲

سعی ابرار و جہاد مومنان ۔ تا بدین ساعت ز آغاز جہان

حق تعالی جہدشان را راست کرد ۔ آنچہ دیدند از جفا و گرم و سرد

دامہاشان مرغ گردونی گرفت ۔ نقصہاشان جملہ افزونی گرفت

جہد می کن تا توانی اے کیا ۔ در طریق اولیا و انبیا!

با قضا[1] پنجہ زدن نبود جہاد ۔ زان کہ این را ہم قضا برما نہاد

کافرم من گر زیان کردست کس ۔ در رہ ایمان و طاعت یک نفس

سر شکستہ نیست این سر را مبند ۔ یک دو روزے جہد کن باقی بخند

بد محالے جست کو دنیا بجست ۔ نیک حالے جست کو عقبی بجست

چیست دنیا؟ از خدا غافل بدن ۔ نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

مال[2] را گر بہر دین باشی حمول ۔ "نعم مال صالح" گفت آن رسول

---

[1] یہ خیال عام ہو رہا ہے کہ کامیابی اور ناکامیابی تقدیری امور ہیں پس انکے حصول اور دفعیہ کے لیے ہاتھ پاؤن مارنا گویا قضاء الٰہی سے جنگ کرنا ہے۔ یہ خیال کاہلی سستی غفلت۔ آرام طلبی اور مفت خوری کے اوصاف ذمیمہ نے قوم مین پھیلا رکھا ہے۔ مولانا فرماتے ہین کہ جہد و کوشش کرنا قضاء الٰہی سے جنگ کرنا نہین ہے بلکہ مشیت ایزدی ہی نے اس عالم اسباب مین ہر قسم کی کامیابی کا راز جہد و کوشش مین پوشیدہ کر رکھا ہے ۱۲

[2] مال و اولاد کی نسبت آیت قرآنی اور حدیث نبوی دونون مین آیت مین ہے "المال و البنون فتنۃ" اور حدیث مین ہے "المال و البنون باقیات الصالحات" بادی النظر مین دونون کے معنی باہم متضاد معلوم ہوتے ہین۔ کیونکہ آیت مین مال و اولاد کو فتنہ فرمایا اور حدیث مین انھین چیزون کو باقیات الصالحات کہا۔ مگر فی الحقیقت دونون معنی اپنے اپنے محل پر ٹھیک ہین۔ مال اگر عمدہ مصرف مین نہ لگایا جائے۔ اور اولاد کی اگر مناسب تعلیم و تربیت نہ کی جائے تو دونون چیزین فتنہ ہین۔ جن سے ہمیشہ کے لیے انواع و اقسام کی برائیون کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ برخلاف اسکے اگر مال کو عمدہ کامون مین خرچ کیا جائے اور اولاد کو تعلیم یافتہ۔ مہذب و شایستہ بنایا جائے۔ تو وہی دونون چیزین باقیات الصالحات ہین اور ہمیشہ کے لیے خیر جاری کا منبع اور مصدر بن جاتی ہین۔
اس شعر مین مولینا نے حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور شعر آیندہ مین دونون چیزون کو (یعنی مال و اولاد کو) آب در کشتی و آب بیرون کشتی سے مثال دیکر سمجھایا ہے۔ کہ پانی اگرچہ ماہیت ایک ہی ہے مگر موقع استعمال بدل جانے سے اسکے نتائج باہم مخالف پیدا ہوتے ہین یعنی سبب ہلاکت اور باعث سلامت۔ ان اشعار کی یون بھی تاویل ہو سکتی ہے۔ کہ مال و اولاد کی محبت جب تک واجبی واجبی قانون قدرت کے موافق ہے تو اس محبت کی مثال "آب بیرون کشتی" کی ہے جو کشتی کی سلامتی کا باعث ہے۔ اور جب وہ محبت حد سے تجاوز کر گئی۔ اور جوش مین آکر خلاف ایمان اور خلاف عقل کام کیا گیا تو اس محبت کی مثال "آب در کشتی" کی ہے جو موجب ہلاکت کشتی ہے ۱۲

آب در کشتی ہلاک کشتی است　　　　آب در بیرون کشتی پشتی است

اس جبر سے آگے چل کر ایک جبر اور ہے۔ جس پر ہزارون۔ بلکہ لاکھون کروڑون۔ قدرت و اختیار نثار ہین اور جس کے حصول کے لیے بڑی بڑی عبادتون اور ریاضتون کی ضرورت ہے اور عالم اسباب کا ہرکس اس جبری دعوے کا مستحق نہین۔ کیونکہ اس عالم کا ہر کام جہد و کوشش سے وابستہ ہے۔

تصوف کا ایک انتہائی مقام "فنا فی اللہ" ہے۔ سالک جب تصفیہ باطن کے ذریعہ سے اس مقام تک پہنچ جاتا ہے تو اپنی ہستی کو باری تعالیٰ کی ذات پاک مین بالکل محو و مستغرق پاتا ہے۔

اس بیخودی مین وہ مجبور محض اور ہر قسم کی تکلیفات شرعی اور جواب دہی سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ اس عالم مین عابد و معبود دونون ایک ہو جاتے ہین۔ اور اُس بندہ مخلص کا قول و فعل گویا خدا کا قول و فعل ہوتا ہے

مصرعہ فانی است و گفت او گفت خدا است۔

مثنوی کے اشعار ذیل مین ایسے ہی جبر و اختیار کی طرف لطیف اشارے ہین۔

گفت با جسم آیتے تا جان شد او　　　　گفت با خورشید تا رخشان شد او
گفت در گوش گل و خندانش کرد　　　　گفت با لعل خوش و تابانش کرد
تا بگوش خاک حق چہ خواندہ است　　　　کو مراقب گشتہ خاموش ماندہ است
تا بگوش ابر آن گویا چہ خواند　　　　کو چو مشک از دیدہ خود آب راند
در تردد ہر کہ او آشفتہ است　　　　حق بہ گوش او معما گفتہ است
گر نہ خواہی در تردد ہوش جان　　　　کم فشار این پنبہ اندر گوش جان
پنبہ وسواس بیرون کن ز گوش　　　　تا بگوشت آید از گردون خروش
تا کنی فہم آن معماہاش را　　　　تا کنی ادراک رمز فاش را

ان اشعار سے اشارتاً پایا جاتا ہے کہ بندہ مجبور محض ہے اور کوئی کام خدا کی مرضی کے خلاف نہین ہوتا اگرچہ حقیقتہً یہ بھی ایسا ہی مگر یہ بات اُس سرے کی ہے اور تصوف کی آخری حد ہے۔ اور جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا "عالم اسباب کا ہر کس و ناکس اس بڑے دعوے کا مستحق نہین" اور یہ کہنا اُسکا ہرگز ہرگز معقول و مقبول نہین ہو سکتا کہ "ہم کچھ نہین کرتے جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے"

وہان تک رسائی پیدا کرنے والے پہلے ہی شاذ و نادر تھے اور اب مانے ہین تو بالکل عنقا ہی ہین ؎ ہست

بسیار اہل حال از صوفیان + نادرست اہل مقام اندر میان -

مولٰینا علیہ الرحمہ - اس جبر کو معیت با حق سے تعبیر کرتے ہین اور فرماتے ہین کہ یہ جبر عالم اسباب والا جبر نہین ہے - اُسکے معنی اُسکا مفہوم - اُسکا اثر - اُسکی قدر و قیمت - الغرض اُسکی ساری ماہیتین دوسری ہی ہین -

این معیت با حق است این جبر نیست
این تجلی مہ ست - این ابر نیست

ور بود این جبر - جبر عامہ نیست
جبر آن امارہ خود کامہ نیست

جبر را - ایشان شناسد لے پسر
کہ خدا بکشاد شان در دل بصر

غیب و آئندہ بر ایشان گشت فاش
ذکر ماضی پیش ایشان گشت لاش

اختیار و جبر ایشان دیگر است
قطرہا اندر صدف ہا گوہر ست

ہست بیرون قطرۂ خورد و بزرگ
در صدف آن دُر خورد ست و سترگ

طبع ناف آہو ست آن قوم را
از برون خون و ز درون شان مُشکہا

تو مگو کاین نافہ بیرون خود بود!
چون رود در ناف مُشکے چون بود

تو مگو کاین مس برون بُد محتقر
در دل اکسیر چون گشت ست زر

اختیار و جبر در تو بُد خیال
چون در ایشان رفت شد نور جلال

نان چو در سفرہ ست او باشد جماد
در تن مردم شود او روح شاد

اب اسی مسئلہ کو تمثیل دے کر سمجھاتے ہین -

یک مثال اے دل پئے فرقے بیار
تا بدانی جبر را از اختیار

دست کو لرزان بود - از ارتعاش
وانکہ دستے را تو لرزانی ز جاش

ہر دو جنبش آفریدہ حق شناس
لیک نتوان کرد این با آن قیاس

زین پشیمانی کہ لرزانیدیش
چون پشیمان نیست مرد مُرتعش

مرتعش را کے پشیمان دیدۂ
بر چنین جبرے چہ بر چسپیدۂ

مولانا نے "عالم اسباب" کے جبر - اور "فنا فی اللہ" کے جبر کو آب باران - خون آہو - مس کان اور نان سفرہ سے تشبیہ دے کر سمجھایا ہے کہ دیکھو آب باران پہلے قطرۂ آب تھا مگر سیپی مین پڑکر بیش قیمت موتی ہوگیا - خون آہو - ابتدا از ایک کریہ منظر چیز تھا - نافہ مین جانے سے مشک خالص ہوگیا - تانبا اصل مین

ایک کم قیمت دہات تھا اکسیر کی برکت سے زرخالص بن گیا۔ اور دسترخوان کی روٹی ایک جمادی چیز تھی آدمی کا جزو بدن بن کر مایۂ روح ہو گئی۔

یہی حال جبر کا ہے کہ عالم اسباب سے عالم "فنا فی اللہ" مین پہنچ کر اُس کی اور اُسکے متعلقات کی قدر و قیمت بے شمار گونہ زیادہ ہو جاتی ہے۔

دیانت حسین

اگر مین بھی مسلمان ہوتا

(ایک ترکی شاعر کی نظم کا ترجمہ)

قول شاعر ہے "اگر مین بھی مسلمان ہوتا" ہمہ تن عاشق ہمدردی اخوان ہوتا
سر سے پاؤن تک اسلام کی ہوتا تصویر مین بھی اس پیکر خاکی مین وہ انسان ہوتا
جب کسی بھائی مسلمان پر آفت آتی ساتھ دینے کو اُس آفت مین پریشان ہوتا

اس قدر دین کی تعلیم موثر ہوتی صاف لفظون کا اثر دل پہ نمایان ہوتا
دین ہے قومی بھلائی کا فقط نام اگر دین کے واسطے مین قوم پہ قربان ہوتا
نہ سہی زور سے زر سے سہی ہمت سے سہی ہر طرح اُن پہ تصدق یہ دل و جان ہوتا

نہ مجھے گردش تقدیر کی پروا ہوتی نہ مین طوفان مصیبت سے ہراسان ہوتا
اس طرح دوڑتا رگ رگ مین امیدون کا لہو یاس کا ڈر نہ غم حسرت و حرمان ہوتا
نا اُمیدی کا نہ کھٹکا کبھی آتا دل مین نہ کسی حال مین مایوس و پشیمان ہوتا

روح غیرت کی جو قالب مین سمائی ہوتی جسم مین خون حمیت کا بھی جولان ہوتا
سست پڑتے نہ کبھی عرصۂ ہستی مین قدم چست سرگرم ہمیشہ سر میدان ہوتا
مجھکو سرگرمی و ثابت قدمی پر بیتاب جو کوئی دیکھتا دنیا مین وہ حیران ہوتا

سچ تو یہ ہے کہ شفق شاعر ترکی کا سخن
مانتا دل سے "اگر مین بھی مسلمان ہوتا"

شفق عمادپوری

ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر

ایک مفصل ریویو

یہ کتاب مصنفہ جناب مولوی فقیر کرم الٰہی صاحب صوفی ہے۔ اسکی جلد اول جس مین ہند مین ظہور اسلام سے عہد غزنانیہ تک کا حال ہے زیر تبصرہ ہے اس پہلی جلد کی قیمت باین تشریح کہ مجلد تین روپیہ اور بلا جلد ڈھائی روپیہ ہے کتاب کی ضخامت یعنے معمولی تقطیع کے ۷۶۴ صفحے اور مصنف کی عرق ریزی پر نظر کرتے ہوئے یہ قیمت ہمین کچھ زیادہ نہین معلوم ہوتی۔ کتاب خود مصنف (مدرس اول اسلامیہ ہائی اسکول راولپنڈی) سے مل سکتی ہے مصنف کی دو اور تصنیفین خالد بن ولید اور تذکرہ بہادران اسلام پبلک میں پیش اور بجد مقبول ہو چکی ہین۔ اسلیے خود مصنف تعریف سے بے نیاز ہین۔

قبل اسکے کہ ہم تصنیف کی بابت کچھ کہین کتاب کی ظاہری حالت کی نسبت اتنا کہنا چاہتے ہین کہ کاغذ اور لکھائی چھپائی سب کچھ اچھا ہے۔ لیکن املا کی جابجا۔ گو زیادہ نہین۔ غلطیان ہین۔ لوح کے صفحہ کا کاغذ کچھ اور دبیز ہوتا تو مناسب تھا۔

اس کتاب مین ایک کمی اور بہت بڑی کمی ہے۔ وہ یہ کہ اسمین نقشہ نہین ہے جس کی اتنی مبسوط تاریخی تصنیف مین سخت ضرورت ہے۔ فی زمانہ نقشون کا ہونا ایک عام بات ہے۔ مصنف نے اپنی تصنیف مین بعض تاریخی مقامات مثلاً بھٹنڈا کی جغرافی حیثیت پر بہت مدلل اور تحقیقی پر لطف بحث کی ہے۔ فوج کی آمد کی راہ کی بحث مین کہین کہین داد نکتہ رسی دی ہے۔ ان تمام باتون اور نیز عہد بہ عہد ترقی اشاعت اسلام و وسعت قلمرو سلاطین کے تفصیلی اظہار کے لیے نقشون کی ضرورت پیش آتی ہے ورنہ ناظر کتاب کے لیے جذب مفہوم خالی از دقت نہین ہوتا۔ افسوس ہے کہ ہمارے اہل ملک ان خفیف خفیف باتون پر توجہ نہین کرتے اور اپنی تصنیف کی خوبی کو ادھوری ہی رہنے دیتے ہین۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہم کچھ تمہیداً لکھین تاکہ وجہ تصنیف کتاب پر کافی روشنی پڑے اور پھر نفس تصنیف کی طرف رجوع کرین انفرادی یا اجتماعی کسی حیثیت سے منجملہ اُن چیزون کے جو بہت کچھ ہماری اصلاح و تخریب مین دخل رکھتی ہین ہمارے آبا و اجداد کے اعمال ہین۔ ہمارے خصائص جس طرح ان قالبون مین ڈھلتے ہین محتاج بیان نہین ہین۔ فطرتاً ہم ایک ایسے فرد سے جس کا خاندان جرائم پیشہ ہو جرم کا اندیشہ کرتے ہین۔ سخاوت عدل اور مروت عہد اسی طرح بخل۔ جور۔ شقاوت یہ تمام محامد اور ذمائم نسلاً بعد نسلاً یکے بعد دیگرے ابّاً عن جد ہم مین منتقل ہوتی رہتی ہین اور عادتین راسخ ہو کر طبیعت ثانیہ ہو جاتی ہین۔ باین صورت قوم ماضیہ ہمارے لیے اور ہم نسل آئندہ کے لیے ریگ زمانہ پر نقش قدم چھوڑتے ہین جو اپنے اچھے یا برے اثر کے لحاظ سے خضر راہ یا غول بیابان ہوتے ہین۔ لیکن جس طرح برائیان اور بھلائیان خاندانون اور جماعتون مین جڑ پکڑتی ہین اسی طرح مٹتی بھی ہین۔ علم۔ جہل۔ عشرت۔ عسرت اور ایسے ہی دوسرے عامل یہ نتیجہ پیدا کرتے ہین تاآنکہ ایک وہ

زمانہ آتا ہے کہ خوبی سبدل بہ بدی ہوتی اور برائی بھلائی کی صورت اختیار کرتی ہے - یہ کہنا بیجا نہین ہے کہ ازمنہ پارینہ کی روایتین اور خاندانی کارنامون کی کہانیان اور قصے بسا اوقات خاندان اور اسکے افراد کا اخلاقی معیار قائم کرنے مین بہت اثر رکھتی ہین۔ زمانہ نے اس اثر کو تسلیم کر لیا ہے "سلف سے ہوتی آئی ہے" ایک عام فقرہ ہے - ہماری عادتین خصائل اور رسم و رواج جو اس طرح جڑ پکڑ گئے ہین کاب ہلائے نہین ہلتے انکی استواری کا باعث اور کچھ نہین ہے مگر یہ کہ وہ چونکہ اسلاف کے زمانہ سے برابر قائم رہے ہین اسلیے ہماری ہستی کے ساتھ شیر و شکر ہو گئے ہین۔

یہ خاندانی قصص و حکایات اکثر گری ہوئی حالت سے ابھار دیتے ہین - عامۃ الناس سے قطع نظر سلاطین مین انکی مثالین بہت کثرت سے پائی جاتی ہین ۔ تاریخ انگلستان مین رابرٹ بروس کا حال بہت مشہور ہے - اور جانے دیجیے اسی کتاب "ہندوستان کی اسلامی تاریخ" مین ہم کو خاندان سامانی کے عروج کی کیفیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح ایک چوپان لڑکے کے سر مین اپنے خاندان کی تاریخی عظمت سنتے سنتے حکومت کی ہوا سمائی - اور پھر اس نے اپنی حالت سنبھال کر ایک سلطنت کی بنا قائم کر دی -

ایسی حالت مین جب کہ کوئی قوم کوئی ملت (مثلاً مسلمان) اپنے اخلاق حسنہ بالکل بھول بیٹھے - اگر اسکے سنوارنے کی کوئی صورت ہے کہ جس مین روپیہ اور وقت کسی کا بھی بہت زیادہ صرف نہو اور یہ مرحلہ بہ آسانی طے ہو جائے تو یہی کہ اسکے گزرے ہوئے بزرگون کے کارنامون کے آئینے اسکے سامنے لا کر رکھدیے جائین جس کے انعکاس سے مردہ دلون مین ایک نئی جان آجائے گی - بھٹکے ہوئے راہ راست پہ آجائین گے اور ایک نیا دور اس قوم مین شروع ہو جائیگا جس قدر زبردست اثر جذبات پہ ہوگا اسی قدر سریع السیر ترقی کی امید ہے - لیکن یہ ازمنہ گزشتہ کی تاریخین ایک ہی اثر نہین رکھتین کہ کسی ایک قوم کے بناؤ یا بگاڑ مین مدد دین بلکہ اپنے اثر مین کچھ اور بڑھی ہوئی ہین یہ دو ملے ہوئے دلون کو جدا کر دیتی اور روٹھے ہوئے دلون کو منا دیتی ہین -

بدقسمتی سے ہم ایک ایسے زمانہ مین اس دار العبرت مین جلوہ شہود مین آئے جب کہ بلحاظ روحانیت و اخلاق گھٹا جہل کی ہر طرف چھا رہی ہے۔ فلاکت سما اپنا دکھلا رہی ہے - جبکہ ہم کو اپنے ہر چہار طرف باد سموم کے جھونکے اور تنزل کے گرد باد کے طوفان چکر لگاتے منڈلاتے دکھائی دیتے ہین - ہمکو اپنے بگڑنے کے سوا بننے کی کم صورتین نظر آتی ہین - زمانہ تو زمانہ ہم خود اپنے برخلاف ہین - یہ وہ عہد ظلمت مہد ہے جسمین بقول جناب مولوی فقیر کرم الٰہی صاحب "مسلمانون کی اسلامی عصبیت قومی حمیت زنگ آلود ہو چکی ہے اور شاید یہ کہنا بیجا نہین کہ ہم اپنی اسلامی ہستی کھو بیٹھے قصہ مختصر سعدی از دست خویشتن فریاد" کا نقشہ پیش نظر ہے -

ایک جانب تو یہ کیفیت ہے اور دوسری طرف یہ نظارہ عجائبات عالم کے کرشمے دکھلا رہا ہے کہ جن سے ہم نے بہ للیت ورافت سلوک کیے۔ جن کی دلجوئی مدنظر رکھی۔ جن کی مذہبی آزادی مین فرق نہ آنے دیا آج وہ ہمارے خون کی پیاسے ہو رہے ہین اور وہ بھی محض اس بے سروپا الزام۔ غلط افترا اور بیجا بہتان د جس نے آج ملک کی بدقسمتی سے تاریخی پایۂ اعتبار حاصل کر لیا ہے) پر کہ ہم نے اشاعت مذہب کے لیے خون کی ندیان بہائین۔

یہ نتیجہ ہے ہمارے جہل۔ ہماری لاعلمی۔ ہماری نکبت کا۔ خود اپنے کو بھولے ہوئے تھے۔ اپنی تاریخی وقعت سے ناواقف تھے تو ہم دوسرون کو کیا بتاتے کہ ہم نے انکے ساتھ کیا کیا قصہ کوتاہ ہمارے جہل نے خود ہماری ہستی برباد کرنے مین کچھ کسر نہین اُٹھا رکھی اور ہمارے مدتون کے پلے ہوئے ملکی بھائی ہم سے جدا ہوگئے۔ آخر اسکا سبب بجز اس کے کہ تاریخ کے سرچشمے سے جو گندہ نہرین۔ ندیان پھوٹ نکلی ہین اور جن سے ہماری نسل کی نشو و نما ہوتی ہے وہ ہمارے لیے زہر ہلاہل سے کم نہین۔ ہماری خوبیان ہم سے نسبتاً منسیا ہو رہی ہین اور ہماری منافرت عداوت کے انتہائی درجہ پر پہونچتی نظر آ رہی ہے۔ یہی نہین ہے کہ ہمارے اخلاق، ہماری خوبیان، بذل و سخا۔ جود و عطا۔ لطف و مدارا۔ عدل و انصاف۔ رحم و کرم۔ غیرت و حمیت۔ فتوت و مروت۔ جوش و شجاعت مہمانداری و مہمان نوازی۔ حق بینی و حق آگاہی حق کوشی و حق پژوہی ہم سے اور انکی داستانین فی زماننا صفحہ تاریخ سے محو ہو رہی ہون بلکہ ہمارے بھلے کام بُری دکھائے جاتے ہین۔ دنیا کی کوئی بُرائی نہین جو ہم سے منسوب نہ کی جاتی ہو۔ غادر۔ خائن۔ رہزن۔ قزاق۔ قطاع بحر۔ بدعہد۔ ظالم۔ طامع۔ حریص۔ خونریز۔ سفاک۔ قسی القلب غرضیکہ ہمین جتنا بُرا کہو سب بجا ہے اور شقی الدہر ہم سے زیادہ دنیا مین کوئی نہین۔ یہ سب ہے ہمارے گذشتہ اعمالون کی وہ یک رخی اور غلط تصویر جو اس زمانہ کی نام نہاد تاریخین پیش کرتی ہین۔

آخر اس بُرائی کا دفعیہ۔ اس مرض کا علاج؟ بس یہی کہ جو گندہ نہرین ہین انکو نیست و نابود کر دیا جائے اور اُنکی جگہ صاف و شفاف بہ از شہد و شیر پانی بہم پہونچایا جائے جس سے ہمارے نوخیزون کی پرورش و پرداخت ہو لیکن قبل اسکے کہ ہم اس علاج کو شروع کرین ہمارے لیے لازمی ہے کہ ہم ان اسباب پر نظر کرین جن سے یہ مرض پیدا ہوا تاکہ بحالت معالجہ ہم خود اسی بلا مین مبتلا نہو جائین۔ اگر بہ نظر تامل دیکھا جائے تو اسلام کی تاریخ کا بہ دیانت و تدین مطالعہ یورپ مین کچھ ہی دنون سے شروع ہوا ہے۔ ایک زمانہ تک یورپ نے اسلام کی حالت دریافت کرنے کی پرواہ ہی نہین کی۔ اور ان مصنفین کا ماخذ وہی زہر آلود تصنیفین تھین جو قرون وسطیٰ مین لکھی گئی تھین۔ فرڈینڈ اور ازابیلا اور انکے اخلاف جب ہسپانیہ اور اندلس سے اسلامیون کا استیصال کر چکے اور صفحۂ روزگار پر اپنے کارنامے خونین حروف مین

لکھ چکے تو اس اندھیر نگری مین انکو ہر چہار طرف سناٹا نظر آیا۔ اسلیے کہ یورپ کیا ساری دنیا مین اسوقت جو کچھ روشنی تھی بس مسلمانون کے علم کی تھی۔ یہ حالت دیکھکر انھون نے مختلف شعبہا سے علم کی سرپرستی شروع کی اور ان خدمتون کے لیے مصنفین کو مامور کیا اس گروہ مین شاید ہی اس بیان مین مبالغہ ہو کہ قریب قریب تمام اہل علم اسقف اور انکے امثال تھے اسلیے کہ عیسائی یورپ اس زمانہ مین علم کو فارغخطی لکھ چکا تھا۔ جو کچھ برائے نام علم تھا وہ اسی مذہبی گروہ مین تھا۔ دور اولین کے ان مصنفین نے کچھ اس طرح واقعات کو قطع و برید اور رنگ آمیزی سے پیش کیا کہ انسانی دماغ مین شاید ہی کوئی خرابی ہو جو انھون نے رسول عربی صلعم اور انکے تابعین مین نہ دکھلائی ہو۔ اسمین انکے دو مقصد تھے۔ (۱) سیاسی اور (۲) مذہبی نفرت انگیزی۔ تاکہ اسلام کو بیخ و بن سے اُکھاڑ پھینکا جائے اور اسمین شک نہین کہ وہ اپنے مقصد مین کامیاب اور بدرجہ اتم کامیاب ہوے۔ سیاسی نظر سے دیکھیے تو مسلمانون سے اس درجہ نفرت ہوگئی کہ لفظ مور اور ترک (جسے اور مسلمان واحد المعنی سمجھتے تھے) قطاع البحر (سمندری ڈاکو) اور خونی و سفاک کا مرادف قرار پایا۔ یورپ کی مختلف زبانون کے افسانے ایسی کہانیون اور ایسی کہاوتون سے بھرے پڑے ہین جن سے اس نفرت کا پتہ چلتا ہے۔ مذہبی نقطۂ خیال سے لیجیے تو یہانتک نوبت پہونچی کہ ضعیف البنیاد عیسائیت کی عمارت یورپ مین متزلزل ہوکر رہی اور اس قلمرو مین اس سرے سے اُس سرے تک تدبر کی حکمرانی ہوگئی لیکن اسلام کی تحصیل و مطالعہ کا خیال الاماشاءاللہ کسی کو نہ آیا۔

اگر یہ نفرت اسی حد تک رہتی تو غنیمت تھا۔ نہین اسمین ایک اور کونپل پھوٹی جس نے اس عداوت کی صورت اختیار کی جو یورپ سے نکلکر اقطاع عالم پر پھیل گئی۔ مذہبی گروہ کی کوشش کے علاوہ یہ کیونکر ہوا؟ آئیے ہم بتائین یورپ کی نت نئی ایجادون نے جہان اور طرف ہاتھ پیر مارے وہان یہ ہوا کہ فسانہ نویسی مین تاریخ نگاری کی بھی شاخ لگ گئی جس نے مورخین پر اثر ڈالا۔ انکے مورخانہ وقارمتانت اور تمکین مین بل آگیا۔ یہان بھی تدوین واقعات مین اضافہ و تنسیخ۔ ترمیم و اصلاح کے ساتھ ہی اپنے اصول اور بات منوانے کے لیے جذبات کو اُبھارنے کی روش اختیار کی گئی۔ یہ طرز تحریر کچھ ایسا خوش آیند اور دلفریب تھا کہ برقی سرعت کے ساتھ اس سرے سے اُس سرے تک پھیل گیا۔ اور مورخین اسلام (جنھین انصافاً علم تاریخ نویسی کا معلم اول کہنا چاہیے) کے اصول فن بالکل پس پشت ڈالدیے گئے واقدی۔ ابوالفداء۔ ابن خلدون۔ ابن خلکان۔ جریرطبری اور ابن اثیر بیشک روایت مین درایت کو دخل دیتے تھے لیکن نہ اسقدر کہ اپنے اصول پہلے سے مقرر کرلیتے اور انپر وقوع اور عدم وقوع واقعہ کی بحث کی بنیاد قائم کرتے اور پھر مورخانہ ایمان اور تدین سے منھ موڑ کر اپنی سخن پروری کی غرض سے انسانی جذبات اور واردات قلبیہ کو

اُبھارتے - انکے سادہ - صاف - صریح اور کھلے ہوئے لفظون مین آپ واقعات اور انکی اپنی رائین پائین گے اور بس ہے انھین اس سے کچھ غرض نہین کہ کوئی انکی راے مانتا ہے یا نہین - یہ حق ناظر کتاب کا ہے اور اسکے لیے انھون نے چھوڑ دیا ہے

جیسا کہ ہم لکھ آئے ہین یہ عداوت اسلام اقطاع عالم پر متسلط ہو گئی - ہندوستان بھی جسے ایک اسلامی ملک کہنا نازیب نہین ہے - اس سے نہ بچا - ہمارے ملک مین بچون کی تعلیم کے لیے جن لوگون نے تاریخ لکھنے کی طرف توجہ کی وہ انھین بزرگوار کے خلف رشید ہین - ایک تو خود انمین نفرت اسلام کا زہر اپنا کام کر چکا ہے اور وہ نہایت ہی بُرے خیالات اپنے آغوش دماغ مین پرورش کر رہے ہین - دوسرے سوء اتفاق سے کچھ ایسے واقعات بھی پیش آگئے کہ انکے قیاس مین اور قوت ہو گئی ؛ مثلاً ۱۸۵۷ء کا غدر جسمین فتنہ انگیزی خلاف واقعہ عام مسلمانون سی صلح جو اور امن پسند قوم سے منسوب کی گئی -

بہرکیف یہ واقعات تھے جن سے انکی آتش غیظ و غضب مشتعل ہو گئی اور بدگمانی راسخ ہو گئی - بدقسمتی سے بموجب قول مصنف کشف الحجاب اہالیان انگلستان وہ قوم ہین جن کے دل مین جب ایک بات جم گئی تو مشکل سے نکلتی ہے - اس بدگمانی نے ہمین کہین کا نہ رکھا - صورت حال تو وہ - دلون کی مسموی کی یہ کیفیت - آلات حملہ ایسے کچھ - یہ ہے ہمارے مصنفین کی حالت پھر جبتک وہ زہر نہ اُگلین اور آگ نہ برسائین کچھ تعجب نہین من حیث المصنف وہ اچھے ہون خواہ بُرے انکی تحریرین قابل اعتماد ہون یا ساقط الاعتبار - لیکن اس سے کسی حالت مین انکار نہین ہو سکتا کہ یہ تحریرین ہرگز اس قابل نہین کہ ہمارے درسی نصاب مین شامل کی جائین - ہم اہل ہند ہندو ہون خواہ مسلمان جبلتاً عقیدت کیش - مذہبی ارادت مند راسخ الاعتقاد فی الایمان اپنے سورماؤن کو پوجنے کی حد تک ماننے والے ہین - ہمارا مذہب جزو معاشرت ہے - ہمارے خیر و برکت کے جملہ امور مذہبی ثواب و عقاب کے امید و بیم پر مبنی ہوتے ہین - آج ہماری مذہبی ہستی ہم سے علٰحدہ کر دیجیے تو ہم جسم بیجان ہو جائینگے نہ ہندو ہندو ہونگے نہ مسلمان مسلمان - اور پھر ہمارے ابھرنے کی کوئی امید نہ رہے گی - مگر ضعیف الاعتقادی ہی کی تعلیم یہ کتابین دیتی ہین - نتیجہ یہ ہے کہ آج تعداد غالب اس گروہ کی جسے تعلیم یافتہ کہتے ہین کٹھ پتلی سے زیادہ حیثیت نہین رکھتی - انمین کوئی خاص مذہبی جوش نہین - مذہب سے علٰحدہ خالص اخلاقی تعلیم جس پر عمل کا بھی صیقل ہوا نہین ہے نہین - نوبت یہ ہے کہ ازین سو رانده وازان سو درمانده ہو کر یہ بھٹکتے پھرتے ہین اور انکا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہین مناسیج پوچھیے تو جو رستبازی صداقت شعاری خالصۃً لوجہ اللہ حسن عمل ہمارے اسلاف مین تھا ہم مین نہین ہے - شاذ و نادر ہی ہمارے کام ہونگے جنمین خودی ذاتی منفعت یا نام و نمود کو دخل نہو - ایثار نفس خود فراموشی و خود انکاری تو بڑی چیزین ہین - اور یہی ہماری ناکامی اور حسرت کشی کا راز ہے - اور وجہ بس یہ ہے کہ مذہبی کمزوری کے ساتھ ہماری بہت سی عملی خوبیان عنقا ہو گئین -

جیسا کہ ہم لکھ آئے ہین کہ مذہبی حالات کے جدا کرنے سے ہمارا وجود معطل کیا کالعدم ہو جائے گا - ہمین اسی کی ضرورت

کہ ہمارے مذہبی پہلو کو جسقدر ہو سکے تقویت دی جائے۔ ہمارے مذہب کی سچی تعلیم کا نشر ہو۔ اسپر عمل پیرا ہونے کے اصول ہمارے ذہن نشین کیے جائین۔ ہمارے قابل فخر اسلاف کے کارنامون کا اصلی مرقعہ پیش کیا جائے۔ جب ہی ہم اُبھر سکتے ہین و الا فلا۔

موجودہ کتابین یہی نہین ہے کہ مسلمانون اور ہندوؤن کی جڑین کھود رہی ہین۔ بنیادین ہلا رہی ہین اور آخر الامر ملک مین بدامنی اور بغاوت کی صورت نمایان ہونے کا باعث ہو رہی ہین۔ ایسی مثالین ان کتابون مین بکثرت ملتی ہین جنمین ہماری عقیدت و ارادت کے بیخ کنی کرنے والے اور ہندو و مسلمانون کو لاٹھی مار کر جدا کرنے والے فقرے پائے جاتے ہین۔ ہم دو ایک مثالین لکھنے پر اکتفا کرتے ہین۔

مارسڈن صاحب اپنی کتاب مین جو انگریزی مدرسون کے نصاب مین داخل ہے سری رامچندر جی کے بن باس کے موقع پر مہاراجہ دسرت کو لکھتے ہین کہ "بے وقوف بڈھے راجہ نے رانی کے کہنے سے یہ حکم دیا"۔ جائے تامل ہے کہ کہان تو راجہ دسرت محض اپنے قول دیدینے کے وجہ سے رانی کیکئی کے تریا چرتر کا شکار ہو گئے ہین۔ انکی پابندی عہد سے "قول مردان جان دارد" اور "بات کے دھنی راجپوت کی بات انکے جان کے ساتھ ہے" کا سبق ہم کو ملتا ہے اور ایفاے وعدہ کا ایک گونہ مثالیہ ہمارے پیش نظر ہے کہان صاحب بہادر راجہ کو بڈھا بیوقوف ٹھہراتے ہین۔ ببین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔ کیا ایسے فقرون سے لڑکون پر جن کے لوح دل نقوش سے بالکل صاف ہوتے ہین برا اثر نہین مترتب ہوگا۔ مسلمانون کے اسلاف (جو ایسی تیز طبیعتون کے آماجگاہ ہین) کی نسبت ایسے فقرے اس کثرت سے ہین کہ احتیاج بیان نہین۔

سر رو پر بتصریح تیسری جنگ پانی پت کے موقع پر لکھتے ہین "صبح کے آٹھ بجے سے سہ پہر کے دو بجے تک ہر ہر مہادیو اور دین دین کے معاندانہ نعرے (میدان کارزار مین) گونجتے رہے" کیا اس فقرے سے ولولہ جنگ نہ پیدا ہوگا کیا "ہر ہر مہادیو" اور "دین دین" سے مذہبی حرارت جوش مین نہ آئے گی۔ یہ حالت ہے ان کتابون کی جن سے ہمارے اطفال تعلیم پاتے ہین۔

جہاد جس کی غرض صرف مدافعت یا انتقام ہے اور اس طرح ظاہر کیا جاتا ہے گویا کہ بزور شمشیر اشاعت مذہب مقصود تھی۔ حالانکہ سلطان محمود کے قریب قریب تمام حملے مذکورہ دو صورتون مین سے ایک پر مبنی تھے۔ لیکن اسکا اظہار کسی مقام پر نہین کیا جاتا بلکہ یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ منچلے راجپوتون کو جبراً مسلمان کرنے کی غرض سے محمود نے ہندوستان پر حملے کیے۔ شہنشاہ عالمگیر کے تقریباً جملہ افعال کو مکاری۔ غداری۔ کیادی۔ فسون سازی۔ خود پرستی اور وحشیانہ مذہبی جوش سے منسوب کیا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ اورنگزیب پر واقعہ بنارس اور متھرا کے سبب سے الزام

دیا جاتا ہی۔ حالانکہ ان دونون مقامات پر اورنگ زیب نے سیاسی مصالح کی بنیاد پر مندرون کو منہدم کیا نہ کہ مذہبی جوش کی وجہ سے۔ اسلیے کہ ان مندرون مین علاوہ اسکے کہ داراشکوہ کے لیے بھجن گائے جاتے تھے اور دعائین کی جاتی تھین سلطان کے خلاف سازش کی تعلیم دیجاتی اور تیاریان کی جاتی تھین۔ کیا ہمارے اس مہذب اور ترقی یافتہ زمانہ مین کوئی سلطنت ہے جو ایسے مار آستین کو پرورش کرے اور گلے کا ہار بنائے۔

اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ جاء الحق وزہق الباطل ان الباطل کان زہوقا کا اٹل قانون ایک نہ ایک دن اپنا عمل پورا کرکے رہتا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہین کہ یورپ مین جہان مسلمانون کو سوائے بُری طرح یاد کرنے کے اچھا کوئی جانتا ہی نہ تھا اب ڈاکٹر گستیو لیبان اور ڈاکٹر جوزف کے ایسے مصنفین پیدا ہوگئے ہین جو اسلام کے رخ زیبا سے عیسائی یورپ کے تعصب کا تاریک پردہ اُٹھانے اور اسکے اصلی خط وخال کو ظاہر کرنے کی سعی ہین ہین۔ دوسری طرف رینکی (ایک المانی فاضل) نے موجودہ تاریخی انشا پردازی مین ایک انقلاب پیدا ہونے کا بنیادی پتھر رکھدیا ہے۔ یعنی وہ ایسی سیدھی اور سادہ روش کو اختیار کرتا ہے جو مسلمان مورخین کا شیوہ تھا۔ اب امید ہوتی ہے کہ واقعات اصلی رنگ مین دکھائی دین اور یہ اسلوب مورخی ایک درجہ عمومیت حاصل کرکے ہندوستان کے نام نہاد مورخین مین ایک تغیر عظیم پیدا کردے لیکن اسکے لیے ایک مدت چاہیے۔ "تا تریاق از عراق آوردہ شود۔ مار گزیدہ مردہ شود" جبتک تو ہمارا کام تمام ہوچکے گا۔ ہم کو جو کچھ کرنا ہے خود آپ کرین۔ اپنے پاؤن پر کھڑے ہون اور اپنے قوت بازو پر عمل کرین۔

اس امر کی اس زمانہ مین سخت ضرورت ہی کہ واقعات بلا رنگ آمیزی کے اپنی اصلی حالت مین دکھائے جائین تاکہ جو غلط فہمی اور بدظنی اور اسکے سبب سے اپنی کم وقعتی اور فیما بین کشیدگی پیدا ہوگئی ہے یہ رفع ہوجائے اور "دیکھ سکتا نہین ہے ایک کو ایک" کا نقشہ مٹ جائے۔ ہندو اور مسلمان خود کتب تواریخ لکھین اور ان مین یہ امر مدنظر رہے کہ ایک دوسرے کے واردات قلبیہ اور محسوسات کو ملحوظ رکھین۔ اگر کوئی واقعہ ایسا پیش آجائے جس کے بیان مین مورخانہ تدین کی وجہ سے انھین بلا فریق ثانی کے نتائج دکھلائے چارہ کار نہو تو کچھ ایسے لب ولہجہ مین ادا کرین کہ کوئی برا اثر مرتب ہو ہماری تمنا ہے کہ ابنائے وطن اب خود تاریخی کتابین لکھین جن مین ہندو مسلمان ایک دوسرے کے احساسات اور جذبات سے بالکل آنکھ بند نہ کرلین بلکہ انکو پیش نگاہ رکھین اور پھر اپنی عظمت اور جلالت جس قدر چاہین سراہین مگر اس کوشش سے دریغ نہ کرین کہ ہندو مسلمان پھر ایک ہوجائین اور پہلو بہ پہلو ہوکر کام کرین۔

(باقی آیندہ)

نقش ہستی

دردِ دل

فریاد کی کوئی لے نہین ہے
نالہ پابند نے نہین ہے

پیا پے ہچکیان توڑین بھی اب رشتہ رگِ جان کا
الٰہی کام آسان ہو مریضِ دردِ ہجران کا

نہین معلوم! اشکِ دردِ دل کا حشر کیا ہوگا؟
تڑپنے مین قیامت ضبط مین خطرہ ہے طوفان کا

نہایت خود غرض ہین ساکنانِ حصۂ فانی
کھلا یہ حال دیکھا آج جب شمعِ شبستان کا

فقط اتنی تمنا ہے اُنھین ہم حال دکھلاتے
دلِ بیتاب کا، دردِ دلی کا، چشمِ گریان کا

فلک نے ہم کو عزت دی تو بربادی کے پہلو مین
دلِ صدچاک کو شانہ بنا کر زلفِ دوران کا

فقط اک نسخۂ لاتقنطوا کافی و شافی تھا
مرض اب بڑھ گیا لیکن مریضِ دردِ حرمان کا

طریقہ پوچھ لین فریاد کرنے کا عنادل سے
یہی ہے مدعائے باغبان اسیرِ گلستان کا

الٰہی! دل جلون کی کیون نہین فریاد سُن لیتا؟
دھوان سوئے فلک دیکھا ہے جاتے شمعِ سوزان کا

پڑی ہے جو تجھے ہمدم مرے کروٹ بدلنے کی
اگر سُنتا ہے! سُن لے حال شورش ہائے پنہان کا

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخوان سوزد

نئے انداز سے اغیار یون ہم کو ستاتے ہین
کہ ہنس ہنس کر ہمارے درد کو مہلک بتاتے ہین

غبارِ رہ سے او ٹھکرہ گزر سے دور بیٹھے تھے
مگر وہ کجروی سے خاک مین ہم کو ملاتے ہین

نہین گر بسملون سے چھیڑ خانی کی غرض اُنکو
ہنسا کر زخمِ دل کو کیون ہمین پہرون رُلاتے ہین

خدایا! اس دلِ بیتاب کو صبر آزما کر دے
اگر زخمِ جگر پر اور وہ چرکے لگاتے ہین

نہین دل پر اگر قابو زبان پر اپنا قابو ہے
مگر کچھ سوچ کر خاموش ہین صدمے اُٹھاتے ہین

حرم مین تیرے بندون کا جو قتلِ عام کرتے ہین
الٰہی! حشر کی ضد مین وہ یہ فتنے جگاتے ہین

کہین اس ناخدا ترسی کا اُنکی کچھ ٹھکانا ہے؟
ہمارے تلملانے پر کھڑے وہ مسکراتے ہین

ہماری ہستئ موہوم بھی ہے ناگوار اُن کو
نشانِ خاکِ تربت اس لیے چل کر مٹاتے ہین

کہاتنک ضبط ہو؟ اب ضبط کی طاقت نہین باقی مبارک درد دل! اب حال دل اُنکو سُناتے ہین

الٰہی! نالۂ سوزان مین وہ اکسیر پیدا ہو
کرین کچھ اس طرح فریاد ہم، تاثیر پیدا ہو

رسولُ اللہ! امت اب گرفتار مصیبت ہے حضور! امیدوارون پر ہجوم یاس و حسرت ہے
در دولت پہ ہے جو کشمکش ہم دادخواہون کی قیامت آگئی سرکار! ہنگام شفاعت ہے

زمانے پر وہ روشن ہے تغاب! تیرے ہاتھون سے بنی جو اپنی درگت ہے، بُری جو اپنی حالت ہے
بساط عجز مین اک دل ہے وہ بھی پُر ہے شکوون سے نہ اپنے پاس دولت ہے نہ اپنے پاس حشمت ہے
بعد فروت عدو ہین متفق ہم کو مٹانے پر بقاء ہستی اسلام کی اب کون صورت ہے؟
عدو سرسبز ہون احباب کے جینے کے لالے ہون کوئی یہ بھی خداوندا! قیامت مین قیامت ہے
جنھون نے عمر بھر دیکھین ترے اسلام کی آنکھین وہی آنکھین دکھاتے ہین الٰہی تیری قدرت ہے
ترے ایفاء وعدہ کی ابھی مشتاق دنیا ہے اگر اسلام! تیری عمر تھوڑی ہے قیامت ہے
دبایا جس نے آکر دہر مین کفر و ضلالت کو اُسی اسلام پر اب حملۂ کفر و ضلالت ہے

پڑے جو کچھ ترے اسلام پر اُفتاد سُنتا جا
الٰہی! عمزدون کی کچھ نہ کچھ فریاد سُنتا جا

نہین شیوہ ہمارا ہم کرین شکوہ مصیبت پر مگر جور و ستم کی حد بھی ہے مرحوم اُمت پر
مٹا ڈالا اگرچہ دست نیرنگ زمانہ نے مگر آنے نہ پایا حرف تک صبر و قناعت پر
اگر ہمین ہو منظور آزمایش اپنے بندون کی تو ہم شکوے شکایت بھی اُٹھا رکھین قیامت پر
نظر آتا ہے لیکن حال جب تیرے شہیدون کا تو ڈرتے ہین نہ رکھدین حرف دشمن تیری قدرت پر
غلط بالکل غلط ہے دشمنان دین کا دعوے کہ طرز مدعی شاہد ہے خود انکی عداوت پر
مٹے نام محمدؐ شورش بلقان کا مطلب ہے ٹریپولی کا یہ حملہ ہے، حملہ دین و ملت پر
گنہگار اس لیے ہین ہم کہ ہین امت محمد صلعم کی فاتح قسطنطنیہ خطا اپنی ہے یہ چلتے ہین کیون راہ شریعت پر؟
ہمین لاتقند کا حکم تو ہے رحمت باری روحی فداہ مگر چپ کس طرح بیٹھین ٹریپولی کی حسرت پر؟
ٹھہر! اے دیدۂ خونین تجھے رونا ہے محشر تک ابھی بخت مراکو پر ابھی ایران کی حالت پر

جزائے صبر دیتا ہے تو دے ان خودپسندون کو

نہین تو صبر ہی دے لے مرے اللہ بندون کو

ہماری خانہ آبادی فلک تجھ کو نہین بھائی — کمائی تو نے صدیون کی فقط اک پل مین لٹوادی
اوجاڑا ہم نے کس کا آشیان اس باغ عالم مین؟ — کیا جاتا ہے کیون برباد ایوان ٹڈیپو لی
الگ گلشن سے مرغانِ چمن کو ذبح کرتے ہین — مگر گھر مین ہمارے قتل کرتے ہین ہمین رُوسی
خیال پردہ داری ہو ہمین منہج کے اندر بھی — سرِ رہ دین عدوے دین شیخ عصر کو پھانسی
خس و خاشاک ہون گلنار، رنگین دامن صحرا — یہی حرمت زمانے مین ہے اب خون شہیدان کی
لگے تھے زخم جو پہلے ابھی بھرنے نہ پائے تھے — کہ اُمپیرا ور کی دست تظلم نے نمک پاشی
پئے تشہیر ان لاشون کو بے گور و کفن رکھا — نہین تو کیا نہ ملتی تھی زمین صحرا مین دو گز بھی؟
اوڑھا دے چادرِ رحمت، برہنہ سونے والون کو — کہ ان ایمان کے پتلون کو چھپا سکتی نہین مٹی
نکل آیا ہے دل بیساختہ اشک تپیان پر — معاف اے حکم فاصبر ضبط کی طاقت نہین باقی

مرے مالک مرے علام تیرے نام کے صدقے
ہوے ہین سر فروشان وطن اسلام کے صدقے

فلک اس مستیِ فانی سے تو ہشیار کب ہوگا؟ — کہاں تک خواب غفلت بخیزاب بیدار کب ہوگا؟
نہین باقی ہے طاقت ضبط کی مظلوم بندون مین — بتا اے داور محشر ترا دربار کب ہوگا؟
لگی ہے ٹکٹکی سی سوے یثرب دادخواہون کی — مرے عیسیٰ علاج نرگس بیمار کب ہوگا؟
ق کٹے گی رات کب ظلم و ستم کی یاس و حرمان کی — وہ فردائے قیامت اے مرے سرکار کب ہوگا؟
ہماری آہ ٹکرا کر جو پھر آتی ہے گردون سے — بنائے ظلم یہ قصرِ فلک مسمار کب ہوگا؟
فرشتو! بند کر دو نامۂ اعمال کا دفتر — بتا دو ہم کو محضر خون کا تیار کب ہوگا؟
تری رحمت کے منکر کب ہین شایان تری رحمت کے — تجھے جوش سیاست اے مرے قہار کب ہوگا؟
عدالت مین تری کس دن کھڑی ہوگی صفِ محشر — الٰہی! ظالم و مظلوم کا اظہار کب ہوگا؟

رہے گا ہو کے یہ سب کچھ، مگر وقت معین پر — بتا دے ہوش تجھ کو کیفیٔ سرشار کب ہوگا؟

مخاطب کا ادب ہے لازمی طرز تکلم کو
بہت حد سے نہ بڑھنے پائے یہ واجب ترحم کو

اے۔ ایم ۔ مبین عباسی ۔ کیفی

شہادت کا جنون

چھبیس برس حکومت کرنے کے بعد ۲۲۲ھ مین سلطان حکم اس جہانِ فانی سے رخصت ہوا اور اسکے بعد اسکا بیٹا عبد الرحمن ثانی تخت نشین ہوا۔ عبد الرحمن کو نسبتاً ایک آسودہ اور مرفہ الحال ملک وراثت مین ملا؛ قرطبہ کے غدار مرتدون نے یا تو اطاعت قبول کر لی تھی یا ملک سے باہر بھاگ گئے تھے۔ اور تمام مفسدہ پرداز اشخاص کو ایسا سبق مل چکا تھا جو اُنکے دلون سے محو نہین ہوسکتا تھا۔ صرف عیسائی حدود پر کسی قدر بےچینی کے آثار پائے جاتے تھے لیکن اُنکا آسانی سے قلع قمع کیا جا سکتا تھا۔ عبد الرحمن نے لہو ولعب کا شوق اپنے باپ سے ورثہ مین پایا تھا۔ مگر اُس کے کیریکٹر مین وہ مضبوطی اور استحکام نہ تھا جو عیش پسندی کو اخلاقی کمزوری کے ذلیل پہلو سے بچاتا اور باز رکھتا ہے۔ نئے سلطان نے قرطبہ کو بغداد ثانی بنا دیا اور ہارون الرشید اعظم کی طرح اُس نے اس شہر کی آرائش پر بیشمار زر وجواہر صرف کیا۔ متعدد محلات تعمیر کیے اور باغات لگائے اور اپنے دار الخلافہ کو مساجد عالی شان عمارات اور پلون سے مزین کر کے اسکی رونق دوبالا کر دی۔ دیگر علم دوست مسلمان بادشاہون کے مانند یہ بھی شاعری کا عاشق تھا اور خود بھی اچھا خاصہ شاعر تھا۔ اگرچہ بسا اوقات اسکے اشعار کسی نمک خوار کی دماغ سوزی کا نتیجہ ہوا کرتے تھے شایستگی اور نرم مزاجی اُسکی فطرت مین داخل تھی۔ اس طبعی لینت کی وجہ سے دوران حکومت مین چار اشخاص اسکے مزاج پر برابر حاوی رہے۔ ان مین سے ایک تو مغنی تھا۔ دوسرا ایک عالم تیسری ایک عورت۔ اور چوتھا ایک حبشی غلام تھا۔ ان مین سب سے زیادہ بارسوخ شخص یحیی تھا جو مشہور عالم دینیات تھا۔ اسی شخص نے خلیفہ حکم کے عہد مین طلباء کو سلطان کے برخلاف برانگیختہ کیا تھا اور اب نئے خلیفہ کے مزاج پر پورا تسلط پا لیا تھا۔ باقی تین آدمی جو سلطان کے مزاج مین درخور رکھتے تھے۔ ان مین ملکہ طروب؟ (   ) اور حبشی غلام نصر سیاسی امور مین خاصہ اقتدار رکھتے تھے۔ مگر زریاب (مغنی) نے اپنے رسوخ کو علم ومذاق ہی کے دائرے تک محدود رکھا اور سیاست مین دخل دینے سے کنارہ کش رہا۔ زریاب ایرانی النسل تھا اور بغداد کے مشہور موسیقی دان اسحاق موصلی کا شاگرد تھا۔ ایک دن بدقسمتی سے زریاب خلیفہ ہارون الرشید کے دربار مین اپنے اُستاد پر گوے سبقت لے گیا جس کے باعث اُستاد کے دل مین شاگرد کی طرف سے آتش حسد مشتعل ہوگئی اور وہ اُسے جان سے مارنے یا کم از کم خارج البلد کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ زریاب نے غربت کو موت پر ترجیح دی اور بغداد سے نکل کھڑا ہوا

جب وہ ہسپانیہ مین پہنچا تو لوگون نے اُسے ہاتھون ہاتھ لیا اور سلطان نے اسکی بڑی قدردانی اور عزت افزائی کی اور اُسکے عیش وآرام کے جملہ اسباب مہیا کردیے چنانچہ ذریاب۔ سلطان کی نوازش ہاے کریمانہ کی وجہ سے بیٹھے بٹھائے بیشمار آمدنی کا مالک بن بیٹھا۔ سلطان ذریاب کی بڑی خاطر و مدارت کرتا تھا اور اکثر اُسے شریک طعام کیا کرتا اور اسکے گیت اور حیرت ناک کہانیان بڑی دلچسپی کے ساتھ گھنٹون سُنا کرتا تھا۔ ذریاب کو ایک ہزار سے زیادہ گیت زبانی یاد تھے اور ان مین ہر ایک کی لَے مختلف اور جداگانہ تھی۔ اور وہ خود یہ کہا کرتا تھا کہ مین نے یہ تمام سُر ہوائی مخلوق سے سیکھے ہین۔ اُسکا ستار بجانے کا انداز نہایت ہی دلکش اور دل فریب تھا۔ ذریاب کی شایستگی اور ظرافت مین کوئی کلام نہین۔ درحقیقت اسکی طبیعت دماغ بذلہ سنج واقع ہوئی تھی۔ اُس نے بالون کی تراش کا نیا طریقہ اختراع کیا اور انواع اقسام کے لذیذ کھانے بھی اندلس مین ایجاد کیے۔ شیشے کے ظروف بھی اسی نے پہلے پہل استعمال کیے تھے۔ اس طرح وہ اُس زمانے کے فیشن کا مالک تھا اور لوگ اس کی تقلید کو اپنے لیے باعث افتخار سمجھتے تھے۔

لیکن جبکہ اہل دربار نئے نئے کھانون اور جدید ترین فیشن کے ایجاد مین منہمک ہو رہے تھے۔ قرطبہ مین اُس وقت چند ایسے لوگ بھی موجود تھے جو گہرے اور عمیق خیالات مین مستغرق تھے۔ اُس وقت ملک کی حالت نہایت پرامن تھی اور بیرونی دشمنون کے خلل انداز ہونے کا کوئی اندیشہ وگمان نہ تھا۔ اسمین شک نہین کہ خلیفہ عبدالرحمن نے۔ جو ذاتی جرأت اور جنگی ناموری کے شوق مین کسی سے کم نہ تھا۔ بسا اوقات اپنے شمالی عیسائی دشمنون کے خلاف لشکر کشی کی جو کہ سرحد پر برابر چھاپہ مارتے تھے اور غارت گری کیا کرتے تھے۔ لیکن یہ خفیف لڑائیان اسلامی حکومت کی نیو کو نہین ہلا سکتی تھین۔ ان دنون مین ہمیشہ خانگی مشکلات ہی پیش آتی تھین۔ اور اندرون سلطنت ہی سے فساد پیدا ہوتے تھے۔ چنانچہ موجودہ مشکلات بھی جن کی بنا پر ہم نے قلم اُٹھایا ہے قرطبہ ہی کے چند پرجوش عیسائیون ہی کی طرف سے معرض ظہور مین آئین۔ عام عیسائی علے العموم اپنے مذہب پر زیادہ زور نہ دیتے تھے۔ کیونکہ مسلمان اُن سے بطریق احسن پیش آتے تھے اور دوسرے انکو کامل مذہبی آزادی حاصل تھی۔ حکمران قوم کی طرح اُنکے لیے بھی تجارت وثروت کے تمام ذرائع کھلے ہوے تھے۔ انکے علاوہ انھین اور کس بات کی خواہش ہوسکتی تھی بجز اسکے کہ اپنی گم شدہ سلطنت کو دوبارہ حاصل کرین؟ لیکن چونکہ یہ بات اُس وقت محال وناممکن تھی اس لیے وہ اپنی اس حالت پر شاکر اور مطمئن تھے اور اپنے نرم اور حلیم الطبع حاکمون کے زیر نگین رہنے پر رضامند تھے۔

یہ صلح جویانہ اسپرٹ تمام اندلس مین عام طور پر موجود تھی۔ لیکن بعض بعض مقامات مین چند ایسے پرجوش اور غیرت مند اصحاب بھی پاے جاتے تھے جن کو "کافرون" کی اطاعت ایک لمحہ کے لیے بھی گوارا نہ تھی۔ اُنکے دل سے اپنے

مذہب کی گزشتہ شان و شوکت محو نہین ہوئی تھی اور مذہبی علماء بالخصوص مسلمانون کے خلاف اپنی حقارت کے اظہار سے باز نہین رہ سکتے تھے۔ کیونکہ انھون نے ان علماء کے تمام اختیارات سلب کر لیے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ کے مذہب کی جگہہ (بزعم خویش) ایک جھوٹا مذہب قائم کر دیا تھا۔ مورون کی نرمی اور نیک طینتی انکے جوش کو اور زیادہ ہیجان مین لائی تھی۔ یہ لوگ مذہب کی خاطر زمانۂ سلف کے اولیاء کی طرح مصائب اور تکالیف برداشت کرنے اور ستائے جانے کو ( ) ترجیح دیتے تھے اور مورون کے ہاتھ سے شہادت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ وہ مسلمانون سے صرف اس لیے ناراض تھے کہ مسلمان "ہمین راستبازی اور صداقت کی خاطر ایذا نہین پہنچاتے! تاکہ ہم خدا کی سلطنت مین شریک ہو سکین"[1] مورون کی نیک نہادی اور شایستگی کو یہ جوشیلے لوگ نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انکے کھیل کود۔ گانے۔ بجانے حتیٰ کہ انکے علوم و فنون سے بھی یہ نام نہاد زاہد بالکل محترز اور نفور رہتے تھے۔ اصلی خدا پرستی انکے نزدیک تکلیف۔ روزہ۔ مصیبت اور جسمانی ایذا کے ذریعہ سے پاکیزگی حاصل کرنے کا نام زندگی تھا۔ اور اس وقت ان لوگون سے جو کچھ عمل مین آیا وہ دراصل راہبانہ مسیحیت کے جذبات کے اظہار کے سوا اور کچھ نہ تھا ہسپانوی عیسائی ایک فوری اور اہم جذبہ سے جوش مین آگئے اور شہادت کا جنون انکی رگ و پے مین سرایت کر گیا۔ اور اپنا اثر دکھائے بغیر نہ رہ سکا۔

یہ کس قدر دلسوز اور ترحم انگیز نظارہ تھا کہ محض خواب و خیال کی خاطر نیک لوگ اپنی اور دوسرون کی قیمتی جانین تلف کرنے پر تلے ہوے تھے۔ اہل اندلس کی یہ "خودکشی" بعل کے راہبون یا ہندوستانی جوگیون کے زیادہ مشابہ تھی جو طرح طرح کی تکالیف مذہب کی خاطر برداشت کرتے ہین۔ اور جسمانی ایذا کی پروا نہین کرتے۔ عیسائیت ہرگز اس بات کی تعلیم نہین دیتی کہ لوگ اپنی جانون کو اس طرح معرض ہلاکت مین ڈالین۔ اس وقت ہسپانوی عیسائیون کے لیے مذہبی رسوم کی انجام دہی مین کسی طرح کی ممانعت یا دقت نہ تھی اور مزید برآن مور عیسائیت کے اصول سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ بلکہ انجیل و توریت کا انھین بہت سے عیسائیون سے زیادہ علم تھا۔ وہ حضرت عیسیٰؑ کا نام بغیر ادب کے نہ لیتے تھے اور ہمیشہ عیسیٰ علیہ السلام کہتے تھے یہ بات سب پر روشن ہے کہ اسلام حضرت مسیحؑ کے من جانب اللہ ہونے کو مانتا ہے اور انکے لیے بہت ادب ملحوظ رکھتا ہے۔ مسلمانون نے عیسائیون کو پوری آزادی دے رکھی تھی۔ اور اس صورت مین عیسائیون کو شہادت اختیار کرنے کا کوئی اچھا اور کارگر بہانہ ہاتھ نہین لگ سکتا تھا۔ اور قانونی طور پر گرفتار ہونے کا انکے لیے

---

[1] حضرت عیسیٰؑ کا قول ہے:۔ "مبارک ہین وہ لوگ جو صداقت کی خاطر گرفتار مصیبت ہونگے۔ کیونکہ خدا کی بادشاہت انھین کے لیے ہے۔" متی باب ۵۔ آیت ۱۰۔ ان لوگون کا جوش و خروش اسی آیت پر مبنی تھا۔ مترجم

کوئی راستہ نہ تھا ۔ بجز اسکے کہ حصول مقصد کے لیے وہ انجیل کی تعلیم کو نظر انداز کردین اور حضرت عیسیٰؑ کے قول کو دل سے بھلا دین "اپنے دشمنون سے محبت سے پیش آؤ ۔ جو تم سے نفرت کرین ان سے بھلائی کرو ۔ جو تمھاری حقارت کرین اور تمھین ایذا پہونچائین ۔ ان کے لیے دعا مانگو" عیسائیون کی نہ تو حقارت کی جاتی تھی اور نہ انھین کوئی تکلیف پہنچائی جاتی تھی ۔ ہان بعض اوقات بازاری لڑکے راہبون کا سر بازار مضحکہ ضرور اُڑاتے تھے ۔ مگر شریف اور اعلےٰ خاندان کے مسلمان ہرگز اسمین شریک نہ ہوتے تھے باوجود ان تمام آسائشون کے جو ان عیسائیون کو مورون کی حکومت مین حاصل تھین ۔ یہ لوگ اپنے نرم مزاج دشمنون کے بہت مخالف تھے اور ان سے محبت کرنا تو درکنار بلکہ عمداً انکو گالیان دیتے اور انکے مذہب کی توہین کرتے تھے ۔ ان تمام باتون سے وہ مسلمانون کو صرف جوش دلانا چاہتے تھے ۔ تاکہ وہ مغلوب الغضب ہو کر ان عیسائیون کو قتل کردین اور اس طرح انھین شہداء کے زمرے مین شامل کردین ۔ تمام اسلامی ممالک کا یہ عام قانون ہے کہ جو شخص رسول صلعم یا مذہب اسلام کی تضحیک و تکفیر کریگا اُسکے لیے سزائے موت ہوگی ۔ یہ ایک سخت وحشیانہ قانون ہے ۔ لیکن دنیا مین اس سے بھی زیادہ برے[1] اصول عمل پذیر ہوے ہین اور آکسفورڈ اور سمتھ فیلڈ کے بے رحمانہ مناظر اس بات پر بخوبی شاہد ہین ۔ دیدہ و دانستہ مذہبی جنگ کی آگ کو مشتعل کرنا اور دوسرون کے مذہب کو برا بھلا کہنا عیسائیت کے شایان شان نہین ۔ اور ایک ایسے قانون کی عمداً خلاف ورزی جس کی ادنیٰ سزا موت ہو ۔ شہادت نہین ہے بلکہ "خودکشی" ہے ۔ وہ لوگ جو اس مجنونانہ جوش کا شکار ہوئے درحقیقت اس مرض کے شہید ہی تھے ۔ اور انکا انجام ایسا دردانگیز ہے گویا کہ انھون نے مذہب ہی کی خاطر جام شہادت نوش کیا تھا ۔

اس خودکشی کے جوش کا بانی مبانی یولاجیس تھا جو کہ قرطبہ کے ایک پرجوش عیسائی خاندان مین سے تھا ۔ یولاجیس نے اپنی عمر کا گران مایہ حصہ دعا ۔ روزہ اور سخت جسمانی ریاضت مین صرف کیا تھا ۔ اور دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی ۔ مورون کے جھوٹے مذہب کی عیب چینی کرنا اور اپنے ہم مذہبون کے دل مین حمیت و غیرت پیدا کرنا اسکے خاص مقاصد تھے ۔ ان اغراض کی انجام دہی مین اُسے قرطبہ کے نوجوان دولت مند الوراد اور چند راہبون ۔ عالمون اور خواتین کی جانب سے بہت قابل قدر مدد ملی ۔ جو لوگ اس نوجوان پیشوا کے صید ہوئے انمین ایک خوبصورت لڑکی بھی تھی

[1] یہان مصنف اُن قبیح اور ظالمانہ کارروائیون کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ جو ریفارمیشن کے زمانہ مین ظہور مین آئی تھین پراٹسٹنٹ اور رومن کیتھلک ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو رہے تھے ۔ اور جوش انتقام مین ان لوگون سے وہ افعال سرزد ہوے جن کی بے رحمی کا اعادہ کرنے سے قلم کانپتا ہے جس کا بس چلتا وہ اپنے مخالف فریق کے لوگون کو سخت سے سخت عقوبت دیتا ۔ اور اس طرح بہت سے پراٹسٹنٹ اور رومن کیتھلک صلیب پر لٹکائے گئے اور زندہ آگ مین جلا دیے گئے ۔ آکسفورڈ اور اسمتھ فیلڈ مین کئی مذہبی علماء جلائے گئے تھے ۔ مترجم

جس کا نام فلورا تھا۔ اس لڑکی کا باپ مسلمان تھا اور ماں مسیحی تھی۔ ماں نے اپنی بیٹی کو خفیہ طور پر عیسائیت کی تعلیم دی تھی۔ مگر کئی برس تک فلورا بظاہر مسلمانوں میں شمار ہوتی رہی۔ لیکن آخرکار جس خودکشی کی اسپرٹ نے یولاجیس کو برانگیختہ کیا تھا اُس سے وہ بھی اثر پذیر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اور انجیل کی بعض آیتوں سے جوش میں آکر اپنے بھائی کے گھر سے بھاگ نکلی جس کے پاس وہ باپ کے انتقال کے بعد سے مقیم تھی۔ اور عیسائیوں میں پناہ گزین ہوئی۔ فلورا کے مسلمان بھائی نے اُسکی بہت تلاش و جستجو کی مگر کچھ پتہ نہ چلا اور اُسکی کوشش رائیگان گئی۔ متعدد پیشواؤن پر ورغلانے اور بہکانے کی فرد جرم لگائی گئی اور اسکی پاداش میں وہ سب محبوس کیے گئے۔ فلورا نے جب اوروں کو اپنے قصور کی بنا پر سزایاب ہوتے دیکھا تو وہ اس امر کی تاب نہ لا سکی اور اپنے بھائی کے پاس واپس لوٹ آئی اور اُسکے سامنے عیسائیت قبول کرنے کا اعتراف کیا۔ بھائی نے فلورا کو اس ارادے سے منحرف کرنے کی بہت کوشش کی۔ مگر بے سود۔ آخرش اُسکے تمرد اور ضد سے عاجز آکر اُسے قاضی کے روبرو لا کھڑا کیا۔ اور ارتداد کے جرم میں ماخوذ کیا۔ اسلامی شریعت کے مطابق مسلمان باپ کی اولاد مسلمان ہی شمار ہوتی ہے اور ماں کے مذہب سے اُسے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح اسلامی قانون میں ارتداد کی سزا موت ہے۔ چنانچہ آج کل بھی سلطنت روم میں یہی قانون رائج ہے۔ اگرچہ گذشتہ چالیس سال کے عرصے سے اسپر زیادہ زور نہیں دیا گیا ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر آج سے ایک ہزار برس قبل ہمیں ارتداد کے مجرموں کے ساتھ نرمی کی امیدیں نہیں ہوسکتی۔ مگر پھر بھی جس قاضی کے حضور میں فلورا لائی گئی تھی اُسے اس بدنصیب لڑکی کی حالت پر بہت ترس آیا اور شریعت کے برخلاف اس نے فلورا کو سزائے موت نہ دی۔ بلکہ صرف سزائے تازیانہ پر قناعت کی اور پھر اُسکے بھائی کے حوالے کر دیا کہ وہ فلورا کو اسلام کی تلقین کرے۔ مگر وہ دوسری دفعہ گھر سے بھاگ نکلی اور اپنے چند عیسائی واقف کاروں کے یہاں پناہ گیر ہوئی۔ اور یہیں پہلے پہل اُسکی یولاجیس سے ملاقات ہوئی جسے اس بدنصیب اور خوبصورت لڑکی کے ساتھ ایسی پاک محبت ہوگئی جیسی کہ فرشتوں کے درمیان ہی ہوسکتی ہے۔ فلورا کی پرہیزگاری اور جرات کا یولاجیس کے دل پر خاص کر اثر ہوا اور وہ اسے دلی سمجھنے لگا۔ چھ برس کے بعد بھی وہ ان باتوں کو نہیں بھولا اور لکھتا ہے:۔

"مقدس بہن! تو نے از راہ انکسار مجھے اپنی زخمی گردن دکھائی تھی جو کوڑوں کی ضرب سے لہولہان ہو رہی تھی۔ اور اپنی قدرتی آرائش یعنی زلفوں سے محروم تھی۔ تیری یہ حرکت صرف اس بناء پر تھی کہ تو مجھے اپنا روحانی باپ خیال کرتی تھی اور مجھے اپنے مانند پاک دامن سمجھتی تھی۔ میں نے اُس وقت آہستگی کے ساتھ تیرے زخموں کو چھوا تھا۔ اور اگر میرے بس میں ہوتا تو میں انھیں اپنے لبوں کے ذریعہ سے مندمل کرنے کی کوشش کرتا...... جب میں تجھ سے جدا ہوا تو میں ایسے شخص کے مانند تھا جو خواب میں گرم رفتار ہو اور پے در پے آہیں بھر رہا ہو"۔ فلورا ایک اور راہبہ کے ہمراہ ایک محفوظ اور پوشیدہ مقام میں

پہنچا دی گئی اور کچھ عرصہ تک یولاجیس کی اُس سے مطلق ملاقات نہین ہوئی۔

اسی اثنا مین قرطبہ کے عیسائیون کا یہ جوش وخروش بار آور ہونے لگا تھا۔ ایک احمق پادری پرفیکطوس نے لوگون کے اُکسانے پر مذہب اسلام کی علانیہ تحقیر وتوہین کرنا شروع کردی اور آخرش اس جرم کی پاداش مین عید الفطر کے دن دار پر لٹکا دیا گیا جبکہ اور سب لوگ ماہ رمضان کے اختتام پر رنگ رلیان منا رہے تھے اور کنا ردریا لہو ولعب مین مشغول تھے۔ اس متعصب پادری کے پھانسی پانے سے ان لوگون کی دلچسپی کا ایک اور سامان مہیا ہوگیا۔ غریب پادری نے بڑی دلیری اور جرأت کے ساتھ موت کا سامنا کیا۔ اور آخر دم تک حضرت محمدؐ اور ان کے مذہب کو بُرا بھلا کہتا رہا درانحالیکہ وہ اُسوقت بے رحم اور غضبناک مسلمانون کے نرغہ مین گھرا تھا۔ قرطبہ کے اسقف نے بڑی عزت واحترام سے اسکی تجہیز وتکفین کی اور کلیسا کی رسم کے مطابق اُسے ولی (Saint) کا درجہ دے دیا۔ اسی شام کو دو مسلمان دریا مین ڈوب گئے۔ اور لوگون نے اس واقعہ کو پرفیکطوس کے قتل پر محمول کیا۔ اور اسے آسمانی فیصلہ قرار دیا۔ حبشی غلام نفر بھی سال بھر کے اندر ہی مرگیا۔ جس کے سامنے کہ غریب پادری کو پھانسی دی گئی تھی۔ عام لوگون کے نزدیک یہ ایک اور فیصلۂ ربانی تھا!

اس واقعہ کے چند روز بعد اسحٰق نامی ایک راہب نے تبدیل مذہب کی خواہش ظاہر کی اور اس بہانہ سے قاضی شہر سے ملاقات کی جس وقت قاضی اصول اسلام کی تشریح سے فارغ ہوا تو یہ راہب بجائے مذہب اسلام قبول کرنے کے اُلٹا گالیان دینے لگا اور اسلام کی توہین وتذلیل کرنے لگا۔ اس امر سے قاضی بہت ہی متحیر ہوا۔ اور طیش مین آکر اُس نے ایک تھپڑ رسید کیا اور کہنے لگا "کیا تم نہین جانتے کہ ہماری شریعت مین اس جرم کی سزا موت ہے؟" راہب نے جواب دیا "مجھے خوب معلوم ہے۔ مجھے سزائے موت ہی دو۔ میری یہی خواہش ہے۔ کیونکہ ہمارے آقا نے فرمایا ہے مُبارک ہین وہ لوگ جو راستبازی کی خاطر ستائے جاتے ہین۔ کیونکہ خدا کی بادشاہت انہین کی ہے" قاضی نے اس راہب کی حالت پر بہت افسوس کیا اور سلطان سے اس بات کی استدعا کی کہ اُسکے قصور سے چشم پوشی کی جائے مگر سلطان نے منظور نہ کیا اور آخرکار اُسکا سر قلم کردیا گیا۔ اور اس طرح اسحٰق بھی ولی بنا دیا گیا۔ بعد مین اُس کے معتقدون نے اسکے معجزون کے بھی ثبوت بہم پہونچائے۔ اور یہ بھی ثابت کیا کہ نہ صرف ایام طفولیت سے۔ بلکہ دنیا مین آنے سے پیشتر ہی اس نے معجزے دکھانا شروع کردیے تھے۔ سلطان کے محافظون مین ایک شخص سانچو بھی تھا۔ جو یولاجیس کا مرید تھا اس نے بھی حضرت محمدؐ کی توہین کی اور اسی طرح اسکا بھی سر قلم کیا گیا۔ اتوار کے دن چھ اور راہب قاضی کے سامنے دوڑتے ہوئے آئے۔ اور چلا کر کہنے لگے "ہم بھی وہی الفاظ کہتے ہین جو ہمارے بھائی

اسحق اور سانچو نے زبان سے نکالے تھے؟ یہ کہکر وہ حضرت محمدؐ کے نام کی بے حرمتی کرنے لگے۔" اپنے ملعون نبی کا ہم سے انتقام لو۔ ہمارے ساتھ جو وحشیانہ سلوک کر سکتے ہو کرو۔" ان لوگوں کے بھی سر کٹوا دیے گئے۔ ان کے بعد اور راہبوں نے جوش میں آکر اپنی جانیں جلاد کی نذر کردین۔ اور اسی طرح دو ماہ سے بھی کم عرصہ مین ۱۱ آدمی نہنگ اجل کا لقمہ ہوئے۔

عیسائیون کی کثیر التعداد جماعت نے اپنے جوشیلے بھائیون کی ان بیجا حرکات پر بہت افسوس کیا اور ان سے سخت مایوسی ظاہر کی۔ اور انھون نے ان مجانین سے بالکل الگ تھلگ رہنے کا عہد کر لیا۔ یہان اس امر کو نظر انداز نہین کرنا چاہیے۔ کہ اہل ہسپانیہ علی العموم اس قسم کے جذبات سے بالکل عاری تھے۔ اور انھون نے مذہبی حمیت کے اظہار مین کبھی ناموری حاصل نہین کی۔ ان کا مذہب سطحی تھا۔ اور ان مین سے بہت سے مسلمان ہو گئے تھے اور یہ دونون گروہ آپس مین بڑے اخلاص و محبت سے رہتے سہتے تھے۔ عیسائی اپنی قدیم لاطینی زبان اور علم ادب کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے تھے۔ انھون نے عربی سیکھ لی تھی اور عربون کی طرح لکھنا پڑھنا شروع کر دیا تھا چنانچہ یولاجیس بھی اس انقلاب پر تاسف کا اظہار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:" عیسائی عربی اشعار اور قصے کہانیان تو بڑی رغبت اور شوق کے ساتھ پڑھتے ہین۔ مگر اپنی انجیل مقدس اور عیسائی بزرگون کے حالات پڑھنے کی طرف مطلق توجہ نہین کرتے۔ ہمارے نوجوان فقط عربی بولنا جانتے ہین۔ وہ مسلمانون کی کتابین بڑی سرگرمی سے مطالعہ کرتے ہین اور انھین بہت اچھا سمجھتے ہین۔ برخلاف اسکے عیسائیون کی کتب کو وہ ایک نظر دیکھنا بھی گوارا نہین کرتے۔ وہ اپنی زبان بھولتے چلے جاتے ہین۔ اور ہزار مین سے ایک شخص بھی ایسا نہین جو لاطینی زبان مین خط لکھ سکے۔ حالانکہ وہ سب کے سب عربی مین اشعار بھی بہت آسانی سے لکھ لیتے ہین!" اصل مین بات بھی یہی تھی۔ ہسپانیہ کے عیسائی عربی افسانون اور اشعار کو اپنی مذہبی کتب سے بدرجہا دلچسپ اور سبق آموز پاتے تھے۔ وہ دن بدن "عرب" ہوتے چلے جاتے تھے۔ اور پہلے سے زیادہ شائستہ اور تہذیب یافتہ ہو گئے تھے اور مذہبی اختلافات کو چھوڑتے جاتے تھے۔ ان سب باتون کی وجہ سے وہ مورون کے احسان مند تھے اور اپنے بھائیون کے اس بیہودہ جوش سے انھین بہت صدمہ ہوتا تھا۔ انھون نے اس ہیبت ناک طوفان بے تمیزی کی روک تھام مین بہت کوشش کی۔ اور اپنے ساتھیون کو بہت سمجھایا۔ کہ تمھارا یہ طرز عمل بالکل لاحاصل ہے۔ مورون کے حسن سلوک اور نرمی پر انھون نے خاص طور پر زور دیا اور انجیل کی اس صلح کل تعلیم کی طرف بھی توجہ دلائی کہ "دوسرون کو بُرا کہنے والے خدا کی بادشاہت مین ہرگز داخل نہو سکین گے۔" انھون نے یہ بھی کہا کہ مسلمان تمھارے اقدام موت پر مطلق ہراسان نہین ہین۔ کیونکہ ان کو یقین ہے کہ اگر تمھارا مذہب سچا ہوتا تو خدا اپنے شیداء کا ضرور بدلہ لیتا۔

یہ شریف النفس عیسائی جو کہ مذہبی جذبات کی بے نظیر طاقت سے (خواہ وہ نیکی کے لیے ہو یا بدی کے ہے محض نابلد تھے اور صرف عبادت و خدا پرستی ہی سے سروکار رکھتے تھے۔ ان جوشیلے آدمیون کو سمجھانے سے قاصر رہے اور انکی کوئی کوشش کارگر نہین ہوئی۔ تمام عیسائیون کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ ان لوگون کی نامصلحت اندیشی اور مسلسل سزائین آخر کار ساری جمعیت کے لیے باعث آزار ہونگی اور چنے کے ساتھ گھن بھی پس جائے گا۔ برخلاف اسکے یولاجیس اسی بات کا خواہان تھا اور اپنے ہر فعل کے جواز مین وہ انجیل اور اولیار کی زندگی سے ثبوت پیش کرتا تھا۔ اُسکے پرجوش چیلے مصیبت[1] کی آگ ہی مین جلنا پسند کرتے تھے اور اسی کو سب سے بہتر اور افضل خیال کرتے تھے۔ انجام کار گورنمنٹ کے ایما اور اعتدال پسند پارٹی کے سمجھانے پر مذہبی پیشوا اس مغویانہ اسپرٹ کی بیخ کنی پر مجبور ہوئے اور تمام اسقف۔ اشبیلیہ کے محتسب کی صدارت مین اس امر پر غور کرنے کے لیے جمع ہوئے۔ اگرچہ وہ سابقہ "شہادتون" کی تردید تو نہین کرسکتے تھے۔ کیونکہ کلیسا نے ان لوگون کو ولی کا درجہ دیدیا تھا۔ تاہم انھون نے بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ اس قسم کی کوئی بات ہونے پائے۔ اور اس فیصلہ کی بموجب سرگرم لیڈر محبوس کردیے گئے۔ زندان مین فلورا اور یولاجیس کی پھر دوبارہ ملاقات ہوئی۔ ایک دن فلورا نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ گرجا مین دعا مانگ رہی تھی کہ اچانک اُس نے اپنے برابر اُس حق کی بہن کو دیکھا جس نے اول ہی اول شہادت اختیار کی تھی۔ مریم کی یہ دلی آرزو تھی کہ وہ خدا کی بادشاہت مین اپنے شہید بھائی اسحق سے جاملے اور جب فلورا کو یہ بات معلوم ہوئی تو اُس نے بھی مریم کی ہمراہی کا مصمم ارادہ کرلیا چنانچہ دونون قاضی شہر کے روبرو گئین اور آنحضرت ؐ کی بے ادبی کرنے لگین۔ دونون جوان اور حسین لڑکیان جو خلوص دل سے "عالمگیر امن اور برادرانہ محبت" کے دین پر قائم تھین۔ قاضی کے سامنے کھڑی تھین۔ اور اُنکے شیرین لب تلخ نوائی کررہے اور زہر اگل رہے تھے! اور اس طرح وہ حضرت عیسیٰؑ کے پاک مذہب کو شیطانی مذہب ثابت کررہی تھین! لیکن یہ نیک نہاد جج آسانی سے برافروختہ ہونے والا نہ تھا۔ وہ اس مجنونانہ جوش سے عاجز آگیا تھا۔ اور بسا اوقات بہرا بن جاتا تھا جبکہ لوگ دیدہ و دانستہ اپنی موت کے خواہان ہوتے تھے۔ قاضی کو ان دونون لڑکیون پر بہت رحم آیا اور اُس نے انھین اس احمقانہ حرکت سے باز رہنے کی ہدایت کی مگر انھون نے نصیحت سننے سے انکار کردیا اور اپنے شجاعانہ مقصد پر برابر اڑی رہین۔ آخرکار قاضی نے مجبور ہوکر ان کو جیل مین بھیجدیا۔

یہان۔ طویل قید مین یہ لڑکیان بہت خوف زدہ ہوگئین اور انکے راسخ عقیدہ مین بہت کچھ فرق آگیا۔ وہ اپنے مذہبی

---

[1] یہ بھی کیوبش ' Passion ' کے لفظی معنی ستائے جانے یا مصیبت مین گرفتار ہونے کے ہین محاورہ مین لوگون کے لیے مستعمل ہوتا ہے جو مذہب کی خاطر طرح طرح کی تکلیفین سہین۔

جوش سے تنگ آگئی تھین اور اُس سے تائب ہونے ہی کی سوچ مین تھین کہ دفعتاً یولاجیس اُنکی ہمت بڑھانے اور اُنکی تباہی کے سامان کے لیے آ پہنچا۔ یولاجیس کا یہ کام سخت تھا۔ بہ تقاضاے بشریت یہ بات سخت جانگزا اور تکلیف دہ تھی کہ وہ اُس عورت کو موت کے لیے آمادہ کرے جس کے ساتھ اُسے انتہا درجہ کی محبت تھی۔ لیکن یولاجیس ان تمام خیالات پر غالب آیا اور اس نے اپنے مقصد کی انجام دہی مین ذرا بھی کوتاہی نہ کی حتیٰ کہ فلورا کو یقین دلانے کے لیے اُس نے شہادت کی خوبیون پر ایک رسالہ بھی تصنیف کر ڈالا۔ وہ رات دن پڑھنے مین مصروف رہتا تا کہ رحم و الفت کے خیالات اُسکے ارادے پر غالب نہ آسکین۔ فلورا اور مریم بھی جادۂ استقلال پر قائم رہین۔ قاضی نے اُنکو بچانے کی بہت کوشش و جانفشانی کی۔ مگر اُنکے دل پر مطلق اثر نہین ہوا۔ آخر کار جب قاضی کو اُن کی طرف سے بالکل مایوسی ہوگئی تو اُس نے سزاے موت کا حکم دیدیا۔ یولاجیس فلورا کے ساتھ اپنی آخری ملاقات کا حال ان الفاظ مین قلمبند کرتا ہے: "وہ مجھے فرشتہ معلوم ہوتی تھی اُسکے گرد ایک نورانی ہالہ تھا۔ اور اسکا چہرہ خوشی کے مارے چمک رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ابھی سے جنت کے مزے لوٹ رہی ہے + + + + + + جب مین نے اُس کے شیرین الفاظ سُنے تو مین نے اس مبارک ارادہ پر قائم رہنے کی ہدایت کی اور اُسکو وہ تاج دکھایا جو جنت مین اُسکا انتظار کر رہا تھا۔ مین اس فرشتے کے قدمون مین گر پڑا اور اسکی پرستش کرنے لگا۔ اور اُسسے اپنی دعاؤن مین یاد رکھنے کی استدعا کی۔ اسکی حوصلہ افزا باتون سے تقویت پاکر میرا غم و فکر بتدریج کم ہوتا گیا" فلورا اور مریم آخر کار ۲۴ نومبر ۸۵۱ء کو پھانسی دیدی گئین۔ یولاجیس نے کلیسا کی اس عظیم الشان فتح پر بڑی مسرت و بہجت ظاہر کی۔ اس واقعہ کے چند روز بعد یولاجیس اور دوسرے پادری قید سے رہا کر دیے گئے۔ ایک برس بعد عبدالرحمٰن ثانی کا بھی انتقال ہوگیا۔ اور اسکا بیٹا محمدؐ جانشین ہوا جو بڑا خود غرض اور سخت گیر تھا۔ مذہبی علماء کو اسکی تخت نشینی سے بہت خوشی تھی۔ کیونکہ نیا سلطان عیسائیون کی شرارتون کا پورا پورا انتقام لینے پر آمادہ معلوم ہوتا تھا۔ اس نے بہت سے گرجے منہدم کرادیے اور ایسی سخت گیری عمل مین لایا کہ کثیر التعداد عیسائی مسلمان ہوگئے۔ عبدالرحمٰن کے زمانہ مین عیسائیون کی اس یاوہ گوئی پر کبھی بھی بہت توجہ نہین کی گئی لیکن اس تلطف آمیز دانشمندانہ پالیسی کو یک قلم ترک کر دیا گیا۔ اور اسکی جگہ بے رحمانہ اور سخت پالیسی نے لے لی۔ ان حالات مین مذہب کا تبدیل کرنا کوئی عجیب امر نہین معلوم ہوتا۔

ان سختیون کے باوجود یہ جوشیلا گروہ خاصہ طاقتور اور بارسوخ ہوگیا تھا۔ اور اسکا اثر قرطبہ کے حدود سے بھی بہت پرے جا پہنچا تھا۔ طلیدو کے باشندون نے یولاجیس کو اپنا اسقف مقرر کرلیا، مگر جب سلطان نے اپنی اجازت دینے سے انکار کیا۔ تو یہ جگہ عمداً خالی رہنے دی گئی۔ ان ہی ایام مین دو فرانسیسی راہب شہداء کی مقدس نشانیان

اور تبرکات لینے کی غرض سے قرطبہ مین وارد ہوئے۔ اور ایک خوبصورت تھیلی انکی ہڈیون سے بھر کرے گئے اور پیرس مین اُنکی عام زیارت کرائی گئی۔ مگر ان مجذوبون پر ایک سخت بلا نازل ہونے والی تھی۔ یولاجیس کے ساتھ ایک اور مسلمان لڑکی گھر سے بھاگ نکلی تھی۔ اور اس مرتبہ پیرومرید دونون کے دونون قاضی کے حضور مین لائے گئے۔ یولاجیس نے فقط اس بات کا ارتکاب کیا تھا کہ اُس نے تبدیل مذہب مین اس لڑکی کی اعانت کی تھی۔ اور اس جرم کی سزا محض تازیانہ تھی۔ لیکن یولاجیس کو یہ سزاہت شاق گزری۔ اور وہ خدا کے حضور مین فروتنی اور عاجزی کرنے اور اس کی راہ مین ہر طرح کی جسمانی تکالیف برداشت کرنے پر تیار تھا۔ لیکن کافرون کے ہاتھ سے پٹنا اُس کی غیور طبیعت نے گوارا نہ کیا "اے قاضی! اپنی شمشیر کو تیز کر اور میری روح میرے خالق کے پاس بھیجدے۔ لیکن یہ خیال کبھی نہ کرنا کہ مین اپنے جسم کو ضرب تازیانہ سے اذیت پہونچاؤن گا۔" اتنا کہکر وہ کلمات کفر بکنے لگا اور اسلام پر لعن طعن کرنے لگا۔

قاضی نے یولاجیس جیسے نامور اور سربرآوردہ لیڈر کے خلاف فتویٰ صادر کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لینا قبول نہ کی۔ اور بالآخر یہ مقدمہ خلیفہ کی پریوی کونسل کے روبرو لایا گیا۔ کونسل کے ایک رکن نے یولاجیس سے کہا "کہ ایک دانشمند اور تعلیم یافتہ آدمی کو اپنی جان اس طرح ضائع نہین کرنی چاہیے۔ اس قسم کی باتین تو احمق اور دیوانے کیا کرتے ہین۔ تم میری بات پر عمل کرو۔ اور ضرورت کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کردو۔ اپنے الفاظ واپس لے لو اور تم فوراً رہا کردیے جاؤگے۔" لیکن اس رعایت کا وقت گذر چکا تھا۔ یولاجیس اگرچہ لوگون کو شہادت کے آمادہ کرنے کے کام کو دل سے پسند کرتا تھا۔ مگر اپنے ان الفاظ کو اب عزت کے ساتھ واپس نہین لے سکتا تھا۔ چنانچہ اُس نے اس سے انکار کردیا۔ اور آخر کار دار پر چڑھادیا گیا۔ اور دلیری اور جوش کے ساتھ ۱۱ مارچ ۸۵۹ء کو مرگیا۔

اپنے لیڈر کے بیش بہا وجود سے محروم ہوکر عیسائی "شہادت طلبون" نے بھی ہمت ہاردی اور ہم ان مجنونانہ حرکات کا پھر کہین ذکر نہین پاتے۔

فضل الٓہی قریشی

(ترجمہ)

جذبات محوی

لیے جاتا ہے شوق سیر یارب مجھکو دنیا مین
تمنا مین نہون پامال اس بزم تماشا مین

لیے جاتی ہے کیون اے بیخودی مجھکو گلستان مین
سوا دو چار پھولون کے ہے کیا اب اسکے دامان مین

مزا ہے ہو بھی جا گرد غبار ناقہ لیلے
ارے او قیس دیوانے ! ہے کیا ہی بیابان مین

کس مزے کی موت میخانہ مین آئی رند کو
گھونٹ مے کا منہ مین اور ہونٹون مین ساغر رہ گیا

قوت پروازنے ہے ہے دیا کس دم جواب   بازوؤن سے بام تک جاکرکبوتر رہ گیا

نصیب اے تجھے ہوگی کب بس اپنے گوشہ مین تو تو جاکر   خدا خدا کر۔خدا خدا کر۔خدا خدا کر۔خدا خدا کر

ضبط غم حبیب کے قابل نہین رہا   تھا جس کو ناز صبر پہ وہ دل نہین رہا
وارفتگی عشق نے گو کھو دیے حواس   لیکن مین تیری یاد سے غافل نہین رہا

شکایت ستم روزگار کیا کرتا   مرا یہ منھ نہین قسمت کا جو گلہ کرتا
تم اپنے آنے کا جھوٹا ہی وعدہ فرماتے   مین اس امید پہ کچھ روز تو جیا کرتا
یہ کیا خبر تھی کہ مرنا ہے صبح تک شب غم   مین آہ آہ نہ کرتا خدا خدا کرتا

چارہ گر سہل دوا ے دل بیمار نہین   سو مرض ہین اسے کچھ ایک ہی آزار نہین
لطف سے بڑھکے ترا جور مزا دیتا ہے   ظلم کر رحم کا مین تجھ سے طلبگار نہین
موت دے گی اسے دنیا کے مصائب سے نجات   تیرے بیمار کو اب حاجت غمخوار نہین

بیمار کی آنکھین جو دم نزع کھلی ہین!   انداز ستم ہاے فلک دیکھ[1] رہی ہین

اے غبار راہ اُف سر پیٹتی ہے بیکسی   ہے یہ تابوت وفا کس عاشقِ مایوس کا

افسردہ ہون داغ دل اور زخم جگر کے   یارب رہین گلزار یہ شاداب ہمارے

افسوس وہ رقیب سے ملنے لگے ہین پھر   درپے ہمارے رنج کے پھر آسمان ہے اب

زرد کیون ہوتا چلا جاتا ہے چہرہ آپ کا   سچ تو کہیے جان و دل کس پہ فدا کرتے ہین آپ
محفل دلدار مین اچھا نہین ہونا ذلیل   حضرت دل روز جاتے ہین برا کرتے ہین آپ

الٰہی مین جہان سے با دل ناشاد آیا ہون   ہجوم حسرت و ارمان لحد مین ساتھ لایا ہون

گوارا کر لیا ہم نے غم فرقت مین مر لینا   کبھی تم بھی دعاے مغفرت سے یاد کر لینا
چلا ہے کوچۂ قاتل کو گھبرا کر مصائب سے   ذرا او نامرادی بڑھ کے محوی کی خبر لینا

ساقی ترا بھلا ہو بہلا ہون گفتگو مین   بس آج تو پلا دے جو کچھ بھی ہو سبو مین
برباد کر نہ دینا اے صرصر حوادث   کچھ پھول ہم لیے ہین دامان آرزو مین
اندوہ بیکسی مین جینا نہ تھا مناسب   دنیا سے چل دیے ہم راحت کی جستجو مین
کس غم مین تیری آنکھین ڈوبی ہین خون محوی   ٹکڑے جگر کے بھی کچھ بہ آئے ہین لہو مین

[1] یہ قافیہ قصداً رکھا گیا ہے۔

سنہ ۱۹۱۲ء مین محمود نے کیا کہا تھا؟

"یہ گاڑی مین کون حضرت ہین؟"

"ہمارے نئے بالسٹر صاحب۔ مسٹر محمود۔"

"اور وہ عورت ان کے پہلو مین؟"

"صاحب بہادر کی بی بی۔ اُن کی بیگم صاحبہ"

"نہین! تمھین میرے سر کی قسم؟"

"خدا کی قسم۔ ابھی پوچھ کر آیا ہون"

یہ دونون شخص صدر بازار مین اپنے مکان کے برامدے پر کھڑے ہوے تھے۔ سوال کرنے والے نے آگے کی طرف جھک کر۔ ایک آنکھ بند کر کے اور داہنے ہاتھ سے مٹھی کی دوربین بنا کر خوب غور سے گاڑی کی طرف دیکھا۔ جب تشفی ہو گئی تو اپنے ساتھی کی طرف نظر جما کے دیکھا جس پر اُس نے ہونٹ بند کر کے مسکرانے کی کوشش کی اور اپنا سر اس طرح ہلایا گویا کہ کوئی نہایت ہی حیرت انگیز خبر سنائی ہے۔ اس سے دوسرے شخص کے چہرہ پر استعجاب کی وجہ سے جو شکنین پڑی تھین وہ غائب ہو گئین اور چہرہ پر کسی قدر غیر معمولی سنجیدگی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اور اسی حالت مین اس نے ایک مرتبہ "آخ تھو" کر کے زمین پر تھوکا اور "لاحول" پڑھا۔ لیکن دو سکنڈ کے بعد ایک فوری تغیر واقع ہوا کیونکہ اُس نے بڑی زور سے قہقہہ مارا اور بغیر کچھ کہے اندر کی طرف بھاگا چلا گیا۔ زنان خانے کی کھڑکی کے پاس پہونچکر ٹاٹ کا پردہ اُٹھایا اور چلا کر آواز دی "اے امان۔ اے ممانی۔ اے بھابی۔ چلو جلدی کوٹھے پر آؤ۔ ایک بڑا تماشہ نکلا ہے۔"

اتنا سُننا تھا کہ معلوم ہوا کسی نے بھڑون کے چھتے مین ہاتھ لگا دیا۔ ایک درجن سے زیادہ عورتون کی ہان ہون اور جوتیون کی پھٹر پھٹر سے زینہ گونجنے لگا۔ گرتی پڑتی سب کے سب کوٹھے پر جا پہونچین۔ اور پوچھنے لگین کہ "کہان کہان؟" "گاڑی کے رخ پر اشارہ کر کے" "وہ دیکھو۔ گاڑی وہ گئی۔ وہ کھڑی ہوئی۔ اب اس موڑ پر پہونچی۔ وہ بیگم صاحب دکھائی دیتی ہین کہ نہین۔ خوب صاف معلوم ہو رہا ہے۔ آ صالحہ تجھکو گود مین لے کر دکھا دون۔ دادی نے کیا کہا! قیامت کے آثار ہین کہ ایسی بے غیرتی ایک شریف! اسمین کیا شک ہے۔ ہا ہا ہا۔ اب تم لوگون کو یقین آیا ہوگا کہ جو کچھ مین نے پردہ کلب کے متعلق اخبار مین پڑھکر سُنایا تھا وہ بالکل صحیح ہے اُس بیچاری کا کیا قصور ہے۔ کیا کہا ممانی جان؟ بیشک آپ سچ فرماتی ہین۔ اُس پر واجب تھا کہ کم سے کم برقعہ تو اوڑھ لیتی۔"

یہ ہین ایک ادنیٰ نمونہ تھا اُس ہلچل کا جو اُس چھوٹے سے شہر مین مسٹر محمود اور اُنکی بی بی کو سر بازار دیکھکر پیدا ہوئی - حالانکہ یہ وہ شہر تھا جہان کے لوگون کی روحین ہمیشہ خواب آلود رہتی تھین - ہندوستان مین کوئی بڑا سے بڑا انقلاب ہوجائے - حکومت بدل جائے - زلزلہ آئے - شہر کے شہر تباہ ہوجائین ہزارون آدمیون کے گھر تہ و بالا ہوجائین تب بھی انکے کان پر جون نہ رینگے - مگر اُنکی آنکھون کے سامنے کوئی شریف خاندان کا مسلمان اپنی بی بی کو کھلے مُنہ گاڑی پر لے کر نکلے تو یہ کسی طرح قابل تحمل نہین ہوسکتا تھا - اس وجہ سے لوگون کے جوش اور مضحکہ آمیز دلچسپی کی آگ ایک سرے سے دوسرے سرے تک بھڑک اُٹھی - اور جون جون گاڑی بڑھتی جاتی تھی دورویہ مکانات کے لوگ آنکھین پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے تھے - سڑک پر چلنے والون نے رُک رُک کر گستاخی کے ساتھ گھورنا شروع کردیا - حلوائی - لبباطی - بنیا غرضکہ تمام دوکاندار اپنا اپنا کام چھوڑ کر تماشہ دیکھنے لگے - بعض اوباش لوگون نے پھبتیان اوڑانے کا ارادہ کیا مگر اُس خاموش - سنجیدہ اور بارعب چہرہ کو دیکھکر جو گاڑی مین ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا ہوا تھا کسی کو زور سے بولنے کی ہمت نہ پڑی - پھر بھی دبی زبان سے کٹے کٹے جملون - چشم و ابرو کے اشارون اور ہلکے ہلکے قہقہون مین کیا کچھ نہین کہا گیا - اتنے مین گاڑی جو ابتک آہستہ آہستہ جارہی تھی موڑ پر پہونچکر تیز ہوگئی اور تماشائیون کی جماعت کثیر جو کوئی سو قدم کے فاصلہ پر پیچھے پیچھے آرہی تھی ہا - ہو کے نعرے لگا کر منتشر ہوگئی - اسپر صاحب بہادر نے پیچھے مڑکر غصہ سے دیکھا - ہونٹون کو حرکت ہوئی - آنکھون نے آگ برسائی پھر ایک تحقیر آمیز تبسم نے چہرہ کی خشونت دور کردی اور اُس نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا "خدا معلوم ان جاہلون کو کب تہذیب آئے گی - قدیم رسوم اور خراب معاشرت نے انکے دلون کو اسقدر سیاہ کردیا ہے کہ ایک مدت چاہیے کہ یہ خیالات انکے دماغون سے دور ہون اور وہ زندگی کے طریقون کو نئی آنکھون سے دیکھین - مگر غور سے دیکھا جائے تو انکا بھی کچھ قصور نہین ہے - کوئی سکھانے والا - اپنی مثال دکھانے والا ابتک نہین تھا جو اُنکی رہنمائی کرتا - میری نظرون مین انکی وقعت چھوٹے بچون سے زیادہ نہین ہے جن کو تربیت کی سخت ضرورت ہے - اور اُنکی شرارت (میرا مطلب ہے کہ اس گستاخی) پر ہم کو بُرا نہ ماننا چاہیے - آج کا واقعہ ہماری پہلی آزمایش تھی - رفتہ رفتہ مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ عادی ہوجائین گے اور ہماری تقلید کرینگے اور اگر نہ کرینگے تو ہمارا فرض ہوگا کہ اُنکو راستی پر لائین (ہونٹ دبا کر اور اپنی مٹھی زور سے بند کرکے) مین پردہ کی اصلاح کی طرف کمر باندھکر پیچھے پڑا ہون اور تم بھی میرا ساتھ دوگی نا - زبیدہ ؟ (اپنے ساتھی کو خاموش پاکر جلدی سے اُسکی طرف مڑکے دیکھتا ہے) زبیدہ زبیدہ - کیا سوگئین (بازو ہلاکر) این - کیا سوگئین - مُنہ کیون ڈھانکے ہو؟

اب گاڑی آبادی سے دور نکل گئی تھی اور ایک چھوٹے سے پارک کی طرف جو اس شہر کا تفرج گاہ تھا

جارہی تھی - شام بھی ہوگئی تھی - محمود نے ہاتھ کے اشارہ سے کوچبان کو "بنگلے" یعنے اپنے گھر کی طرف لوٹنے کا حکم دیا اور مڑکر پھر اپنے ساتھی کا بازو ہلایا "باہر کی ہوانے اتنی جلدی تمھین سلادیا - این - کبھی کی عادت نہ تھی - یہ پہلا دن تھا جو تم نکلی ہو" اسپر ایک دبی آواز سے "نہین" نکلی - بے حس وحرکت اعضامین کسی قدر جنبش ہوئی - چہرہ جو بازو والی گدی سے چسپان تھا آدھے انچہ کے قریب باہر ہٹا - پھر ایک شرمائی ہوئی اور ڈرتی ہوئی آنکھ کے کونہ سے سامنے کی طرف دیکھا گیا اور جب یقین ہوگیا کہ میدان صاف ہے تو پیشانی - ناک اور رخسارے جو پسینہ سے تر اور برف سے زیادہ ٹھنڈے تھے ٹھہر ٹھہر کر نکالے گئے - پھر بایان ہاتھ جو گدی کو زور سے پکڑے ہوے تھا کسی قدر ڈھیلا کیا گیا - جھکا ہوا جسم بھی کچھ ابھارا گیا - اور اُف کہکر اپنی سراسیمگی کو چھپانے کے لیے دوپٹے کے آنچل سے ہوا دینا شروع کی - آنکھین ابھی تک نیچے گڑی ہوئی تھین - دفعتہً اُسکو ایسا ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے اپنا ہاتھ اُسکے بازو پر رکھا - اور اُوئی کہکر اُس نے فوراً ہی ہاتھ کو پیچھے ہٹادیا اور پھر گردن اُٹھاکر ایک بار اپنے شوہر کی طرف خوب نظر بھر کے دیکھا اور چیخ مار کر دوپٹے کے آنچل سے اپنا مُنھ چھپالیا - اور گھر پہونچنے تک اسی حالت مین بیٹھی رہی -

اس موقع پر محمود کی صورت دیکھنے کے قابل تھی - پہلے تو انتہا درجہ کی حیرانی اُسکے چہرہ پر چھاگئی - پھر مایوسی سے رنگ تغیر ہوا - بعد ازان ناک بھون چڑھاکر ہونٹ (کچھ کہنے کے لیے) ہلتے ہلتے رہگئے - پھر چند منٹ تک وہ سکوت اور سنجیدگی کے عالم مین اپنی بی بی کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا - اور آخرکار اُسکا ہاتھ پکڑ کر نہایت تشفی آمیز اور ترحمانہ لہجہ مین کہا "کیا تمھین غش آگیا تھا - تمھارا دل تو اسقدر دھڑک رہا ہے کہ خدا کی پناہ - بولتی کیون نہین ہو - زبیدہ آخر حال کیا ہے" اسکا جواب کچھ نہین ملا تھا کہ گھر آگیا - گاڑی برامدے بین جاکر ٹھہری - اتفاق سے اُسوقت کوئی موجود نہ تھا - اور قبل اسکے کہ محمود اترے اُسکی بی بی کچھ ایسے اضطراب کے ساتھ کود پڑی کہ گرتے گرتے بچی - پھر سیڑھیون کو ایک جست مین پھاند کر اور چارون طرف ایک خوف زدہ نگاہ سے دیکھکر اندر کمرہ مین دوڑ گئی اور جاتے ہی ایک پلنگ پر اپنے آپ کو ڈال دیا اور دونون کہنیون کو ٹیک کر ہانپنے لگی - شوہر کو کمرے مین آتا ہوا دیکھکر اُس نے ملامت آمیز لہجہ مین کہا "مین سچ کہتی ہون تم نے مجھکو بڑا دھوکا دیا - باغ دکھانے کے بہانے سے تمام شہر مین کھُلے مُنھ پھرایا - بس میرا یہ حال تھا کہ اگر زمین پھٹے تو اوسمین سما جاؤن - اُف - عزت و آبرو آج خاک مین مل گئی - اب میرا مُنھ بھلا کسی کو دکھانے کے قابل ہے - امان جان آج پاس ہوتین تو میری یہ نوبت کیون آتی"

یہ کہکر اپنا مُنھ ڈھانک کر رونے لگی - محمود کی حیرانی اگر پہلے ایک درجہ تھی تو اس واقعہ کے بعد سو درجہ بڑھ گئی - لڑکی تھر تھر کانپ رہی تھی - معلوم نہین کہ غصہ سے یا خوف سے - اسپر اُسکی کم عمری کا خیال آیا اور پھر

اُسکے غیر معمولی حسن کا۔ لیکن اپنی نرم دلی کو چھپا کر اُس نے ذرا کرخت لہجہ مین کہا "زبیدہ اگر تم کو میرے ساتھ رہنا ہی تو اس قسم کی باتین زبان سے خبردار مت نکالنا۔ یہ برتاؤ تمھارا قابل افسوس ہی۔ آخر مین تم کو ایک ہفتہ سے اس بات پر لکچر دے رہا تھا اور پوری طور پر سمجھا دیا تھا کہ میری صحبت مین رہ کر پردہ وردہ تم کو بالاے طاق رکھنا پڑے گا۔ اور تم بھی ہان مین ہان ملا کر میرے حکم کے مطابق عمل کرنے پر راضی ہوگئی تھین۔ لیکن اب جو آزمایش کا وقت آیا تو ہمت ہار گئین۔ کیسے شرم کی بات ہے؟ یاد رکھو مین اپنی سوسائٹی مین ایک عمدہ مثال پیش کرنا چاہتا ہون اسلیے تم کو باہر نکلنا پڑے گا لیکن تم نے آج پہلے ہی میرے دل کو اپنی نبردلانہ حرکت سے سخت رنج پہونچایا" اتنا کہنا تھا کہ لڑکی کا رنگ فی الفور متغیر ہوگیا اور وہ سہم کر جلدی سے اپنے آنسو پوچھکر کھڑی ہوگئی۔ اور محمود سے لپٹ کر یہ لجاجت کہنے لگی۔ "ہائے خدارا مجھ سے خفا نہو نا۔ مین سچ کہتی ہون جو تم کہوگے کرونگی۔ مگر آج تو پہلا دن تھا۔ اور اتنے بہت سے آدمی میری طرف گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔ مین نے۔ مین نے عمر بھر مین آج سے پہلے کسی غیر مرد کا مُنھ نہین دیکھا تھا اور ایک دم سے تم نے بہت سے مردون کا سامنا کرا دیا رفتہ رفتہ تم مجھے دھیٹ بنا دوگے مگر آج کی طرح نہین۔ ایسے کھُلے بازار مین نہین" (محمود کا ہاتھ پکڑ کر چلبلے پن سے مسکرائی اور ایسے لہجہ مین کہا گویا بڑی عمدہ ترکیب یاد آگئی) "اچھا ہان۔ اگر اسی طرح تمھین مجھے باہر لے جانا منظور ہے تو میرے برقعہ مین کیا ہرج ہے۔ دادی جان کہتی تھین کہ عرب مین عورتین برقعہ پہن کر بازارون مین پھرتی ہین۔ اور میرا برقعہ بڑا خوبصورت ہے۔ اگر کہوگے تو اسمین بڑی خوبصورت سی گوٹ کی جھالر منگا کر لگا لون گی۔ اسٹیشن پر مین کئی مرتبہ گئی ہون اور کبھی ڈری نہین۔ (محمود کے ہونٹون پر ہنسی کے آثار دیکھکر) اتنو خوش ہوگئے۔ تمھاری بات بھی نہین گئی اور میری آبرو بھی نہین (شوہر کا چہرہ خشمگین نظر آیا) دیکھو۔ خفا نہو۔ مین نے آخر کون سی بُری بات کہی؟"

ہمارے ریفارمر کو اپنی تعلیم و تلقین کا یہ خراب اثر دیکھکر بہت غصہ آیا اور زبیدہ کا ہاتھ جھٹک کر اُس نے درشت آواز سے کہا "میری سمجھ مین نہین آتا کہ تمھاری عقل کہان ہے سخت افسوس ہے کہ آج کی آزمایش نے تمھارے اوپر بالکل برعکس اثر کیا تمھاری حالت بالکل ایسی ہی ہے جیسی ہسٹریا کی مریض لڑکیون کی ہوتی ہے اور بلا سوچے سمجھے جو مُنھ مین آتا ہے کہتی چلی جاتی ہو (زمین پر اپنا پاؤن مار کر اور غصہ سے دانت پیس کر) اوہ۔ یہ تمھارے نامعقول خاندان کا اثر ہے۔ تمھارے ماں باپ کا فرض تھا کہ تم کو ایسی تربیت دیتے کہ تم ایک سمجھدار پڑھے ہوے آدمی کی صحبت کے قابل ہوتین۔ ایسے پُرانے دقیانوسی خیال کے لوگون مین تم نے پرورش پائی ہے جن کے دماغون مین گھن پڑ گئے ہین اور اُنکی صحبت کی وجہ سے تمھاری سمجھ مین میری کوئی بات نہین آتی۔ مگر

مین نے عہد کر لیا ہے کہ تم کو اگر اپنے ساتھ رکھنا ہے تو تمھین مجبور کرون گا۔ (اسپر زبیدہ کو آبدیدہ دیکھکر پاس کی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے اور اُسکے سفید ملائم ہاتھون کو اپنے ہاتھ مین لے کر دلاسا دینے کے لیے کہنے لگتا ہے) سُنو سُنو تم کو آخر کس بات کا ملال ہے سمجھدار لڑکی ہو۔ اگر نہین ہو تو اس عمر مین ہونا چاہیے۔ پھر تعلیم یافتہ بھی ہو انگریزی کی کتابین بھی اچھی طرح سمجھ لیتی ہو۔ میرا مطلب اس سے یہ ہے (مکرر زور دیکر) یہ ہے کہ دیکھو مین ولایت مین بہت دن رہا ہون اور ہندوستان کے مردون اور عورتون کی پست حالی کو دیکھکر مین نے عہد کر لیا تھا کہ اگر خدا کسی دن مجھے ایسی سمجھدار بی بی دے گا جیسی تم ہو تو ہم دونون مل کر اپنی نادان قوم کی معاشرت مین اصلاح کرینگے اور سب سے پہلے پردہ کی اس خراب رسم کو توڑ دین گے۔ جس پر لوگ پہلے بہت بُرا کہین گے مگر ہم ہمت اور بردباری کے ساتھ تمام باتون کو جھیل کر اُنکو تقلید پر آمادہ کرینگے اور رفتہ رفتہ ایک جماعت اپنے ہامذاق لوگون کی بنا کر قوم کی طرز زندگی مین ایک بہت بڑا انقلاب پیدا کر دینگے۔ مین سچ کہتا ہون کہ اگر صرف ہم دونون مضبوط ارادے کے ساتھ متحدہ کوشش کرین تو یہ سب لوگ جو ابھی لعن طعن کرتے ہین کان دبا کر خاموشی کے ساتھ تقلید کرینگے۔ اگر رہنمائی کرنے والے ہمارے ایسے بااثر اور اعلےٰ خاندان کے لوگ ہون تو اُنکی مثال کا بہت بڑا اثر پڑے گا۔ اسی لیے ہم نے اپنا وطن چھوڑا اور اس چھوٹے سے شہر مین آئے کہ یہان کامیابی کی زیادہ امید نظر آتی تھی (جوش مین آکر کھڑا ہو جاتا ہے) زبیدہ۔ زبیدہ تم کو معلوم نہین کہ اس کا کتنا بڑا اثر پڑے گا۔ یہ بستیان جہان سارے ہندوستان بھر سے زیادہ شریف اور نجیب سے نجیب خاندان آباد ہین حیف ہے کہ انہین معاشرت اسقدر پست ہو۔ یہین پردہ کا تعصب بھی سب سے زیادہ ہے۔ مگر یہ سب باتین بدل جائین گی آؤ ہم دونون مل کر اس مہیب پہاڑی کو جو عمدہ تہذیب اور اعلےٰ معاشرت کے رستے مین حائل ہے توڑ کر برابر کر دین۔ اور آیندہ نسلین ہمین دعا دین گی۔ (بی بی کو اپنا مُنھ تکتا دیکھکر سمجھانے کی غرض سے بیٹھ جاتا ہے) کیون تمھاری سمجھ مین کیا نہین آیا؟ تم پردہ مین کیون رہو؟ کیا تم مین دماغ اور سمجھ کی کمی ہے یا مجھکو تمھاری عصمت پر پورا اعتبار نہین ہے۔ یا تم کو کوئی حق ہی نہین کہ تم تجربات اور مشاہدات عالم سے فائدہ اوٹھاؤ انسان ہو حیوان تو نہین۔ پھر کیون تمھارے پاؤن مین زنجیرین ڈالی جائین۔ تمھارے دل کو کُند بنایا جائے اور تمھاری روشن دماغی کے حلقہ کو ایک چھلے سے زیادہ بڑھنے نہ دیا جائے۔ یہ کفران نعمت ہے اور تاریخ انسانی مین اس سے بڑھکر ظلم۔ بے انصافی اور کمینہ پن کی مثال نہین نظر آئے گی۔ بس اب وہ وقت آگیا ہے کہ کوئی میری طرح مردانہ وار اُٹھ کھڑا ہو اور اسکی مخالفت مین آواز بلند کرے اور اپنی قوم کے جہلا کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرے۔ افسوس مین تنہا رہکر اسمین کامیابی نہین حاصل کر سکتا۔ تمھاری مدد کی ضرورت ہے۔"

یہ آخری جملہ ایسے مایوسانہ لہجہ مین محمود کی زبان سے نکلا تھا کہ اُسکی ناتجربہ کاربی سے نہ رہا گیا اور وہ بول اُٹھی" اور مین مرتے دم تک تمھارے ساتھ ہون۔ مگر آج کا سا...." وہ آگے کچھ نہ کہہ سکی اسلیے کہ محمود نے اپنے ہاتھ سے اُسکا منھ جلدی سے بند کردیا اور ہنس کر کہا" بس بس۔ یہ کافی ہے۔ تم قول دے چکین اب ایک مرتبہ پھر تمھاری آزمایش کی جائے گی۔ لیکن ایسی سخت نہین جیسی کہ آج ہوئی۔ واقعی میرا ارادہ بھی تمھین شہر کے اندر نکالنے کا نہ تھا۔ مگر وہ باغ کے راستہ مین پڑتا تھا۔ خیر اب تیار ہو جاؤ آیندہ ہفتے مین چند منتخب دوستون کو دعوت کر بلاؤن گا۔ اور تم کو ہم لوگون کے ساتھ میز پر موجود رہنا پڑے گا۔ مگر دیکھو ایسی بیہودہ شرم نہ کرنا جیسی آج تم نے کی" معلوم نہین کہ زبیدہ اسے پورے طور پر سمجھی بھی کہ نہین لیکن وہ کچھ بولنا ضرور چاہتی تھی کہ محمود نے نہایت محبت سے اُسکے ہونٹون کو پیار سے خاموش کر دیا۔

"ناظر"

تنہائی

ماخوذ از نظم سروجنی نائڈو صاحبہ

آج کیا جوبن پہ ہے فصل بہار
ہے عجب دلکش درختون کا نکھار
نرگس و شمشاد و سوسن یاسمن
ہے کہین بیلا چنبیلی کی قطار
بلبل و قمری کہین ہین خندہ زن
سرخ ہے مارے خوشی کے کیا انار

قدرتی ہے فرش مخمل کا بچھا
ہے عجب پُر لطف سبزے کی فضا
نعرہ زن ہین قمریان حق سرہ
کیاریان ہین کس غضب کی خوشنما
ناچتے ہین مور کیا کیا چار سو
بہ رہا ہے جن مین پانی جا بجا

دیکھتے ہین ہم یہ دریا کی بہار
چاندنی کی شب ہے موجین آبدار
حسرتین بنکر اُٹھین موجین ادھر
ہین ستارے آب پہ گویا شرار
یاس و امیدون کا ہنگامہ ادھر
ولولے اُٹھے ہوا دل بے قرار

ہے یہ سب کچھ پر نہین اتنا کوئی
آکے پہونچا دے خبر مجھکو تری
کس طرح ہو میری آہون کا اثر
ہے صبا کو کیا غرض اسکی پڑی
کیون ستارے دین مجھے اسکی خبر
کیون کسی کی وہ کرے نامہ بری

کچھ نہین معلوم مجھکو تیرا حال
تو کہان ہے ہے یہ ہر لحظہ خیال
لے وفا ہے فرقت جانان غضب
کب وہ آئے گی گھڑی دن نیک سال
دیکھیے بچھڑے ہوئے ملتے ہین کب
جب تجھے دیکھین گے ہم اے خوش جمال

وفا از دکن

ایک ظالم گھر کی بہو کی زبانی

مری آہ بے صدا ہے۔ مرا نالہ بے فغاں ہے مری جان پر ہے صدمہ۔ مگر دل میں غم نہاں ہے
کہ چھپا ہے درد میرا

مرے لب ہیں اور خموشی۔ مرے منہ میں گو زباں ہے مری بیکسی کا نقشہ مری شکل سے عیاں ہے
کہ ہے رنگ زرد میرا

میں پرائے گھر میں آئی تو مری خطا نہیں ہے میں حیا سے کچھ نہ بولی تو یہ رسم کیا نہیں ہے
یہی رسم ہے ستم کی

یہ ستم ستم نہیں ہے یہ جفا جفا نہیں ہے مجھے یہ سمجھ لیا ہے کہ مرا خدا نہیں ہے
نہیں حد ہے میرے غم کی

کبھی ساس کو ہو شکوہ۔ کبھی نند کو گلہ ہو کبھی ان کو میرے اوپر خفگی کا حوصلہ ہو
جو کہوں تو کیا کہوں میں

مری ایک جان اس پر ستموں کا سلسلہ ہو مجھے اے خدا یہ حاصل مرے عجز کا صلہ ہو
سہوں اور چپ رہوں میں

مجھے بیخودی ہے ایسی کہ میں آپ میں نہیں ہوں میں یہاں پڑی ہوئی ہوں مگر اور بھی کہیں ہوں
مرا دل ہے ماں کے گھر میں

جو میں باپ ماں سے چھوٹی تو فراق سے حزیں ہوں جو میں ساس کے گھر آئی تو ستم زدہ میں ہوں
کہ ہوں خار ہر نظر میں

ابھی گھونٹ دیں گلا سب۔ کوئی بولنا جو چاہے نہ تو منہ سے اُف لگائے نہ تو درد سے کراہے
نہ کہے کچھ اپنی حالت

کہو اس ستم کے گھر میں کوئی کس طرح نبا ہے کوئی ایسے گھر میں لڑکی کبھی بھول کر نہ بیاہے
کہ نصیب ہو مصیبت

م۔ ل۔ ازاری

نیرنگ جمال کی تنقید پر ایک نظر

رسالہ ادیب اور الناظر میں نیرنگ جمال کے عنوان سے ایک نظم کے دو رخ شایع ہوے ہیں جو عموماً پسندیدگی کی نظر سے دیکھے گئے اور عام پسند ہونے کی وجہ سے حضرت احمد علی شوق نے اسی نظم کا تیسرا رخ بھی لکھ ڈالا جو نسبتاً زیادہ خوب اور قابل تعریف ہے' خاص کر جنگل کی سینری کا بیان نہایت ہی دلکش اور پر لطف پیرایہ مین ادا کیا گیا ہے' یہ تیسرا رخ الناظر کے جنوری نمبر مین زیب دہ اوراق ہے مگر اسکے ساتھ ہی ہی ماہ کے الناظر مین کسی صاحب کی طبع زاد ایک طول طویل تنقید بھی شامل کر دیگئی ہے جو گذشتہ دونون نظمون کے متعلق ہے۔ لیکن قبل اسکے کہ تنقید زیر بحث پر نظر ڈالی جائے یہ دیکھ لینا مناسب ہے کہ صاحب تنقید نگار نے اپنی طولانی خامہ فرسائی کی ابتدا ہی مین حضرت شوق کی قدر و منزلت کو تسلیم کرتے ہوے یہ الفاظ لکھے ہین۔

"جناب منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی کا پایہ دنیاے سخن مین نبظاہر اسقدر رفیع ہے کہ زمانۂ موجودہ کے کسی دوسرے شاعر کو اُنکا ہم پلہ نہین کہا جاتا۔ آپ ایک مسلم الثبوت اور کامل فن نغز گو شاعر سمجھے جاتے ہین۔ آپ کی متعدد لاجواب مثنویان۔ نیچرل نظمین۔ قومی ترانے وغیرہ اُردو لٹریچر مین ایک ایسا بیش قیمت اضافہ ہین جو بقول صاحب الناظر جذبات شاعری کے لحاظ سے بے مثل ہین۔"

اگرچہ مجھے ذاتی طور پر حضرت شوق کی خدمت مین نیاز حاصل نہین ہے مگر آپ کے کلام فصاحت التیام کے بیشتر حصے مختلف مطبوعات مین نظر سے گزرتے رہے ہین جن کو دیکھکر بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ پختگی کلام لطف زبان اور فکر رنگین کے لحاظ سے حضرت شوق کے رشحات قلم درحقیقت اُردو شاعری مین قیمتی اور گرانقدر اضافے ہوے ہین خاصکر نظم مذہب و سائنس' جنگل کی اندھیری رات' اور رشید و مبینہ کا ڈراما ایسی دلچسپ و نتیجہ خیز نظمین ہین جو اُردو علم ادب کی کمی کو بڑی حد تک پورا کرتی ہین۔ رشید مبینہ کا ڈراما اردو شاعری کے لیے نہ صرف مایۂ ناز چیز ہے بلکہ اس ڈرامے مین جا بجا شریفانہ جذبات اور اخلاقی خوبیون کی بھی جھلک نظر آتی ہے۔ لیکن حضرت شوق کی بعض نظمین ایسی بھی نکلی ہین جو اخلاقی حیثیت سے کوئی امتیاز نہین رکھتی ہین مثلاً عالم خیال' اور نیرنگ جمال' یہ دونون نظمین اگرچہ صحت و صفائی زبان اور سلاست بیان کی خوبیون سے مالامال ہین مگر ایسی نظمون کو زیادہ قابل قدر کہنا بھی صحیح نہوگا جیسے عالم خیال ایک اُداس تصویر کے متعلق ہے اور نیرنگ جمال مین دیسی معشوق کی صرف اس کیفیت کا خاکہ کھینچا گیا ہے جو ریل کے سفرون اور اسٹیشنون پر اکثر اوقات مشاہدہ مین آتی رہتی ہے تاہم ان دونون نظمون کو فارسی کی بہار دانش

اور جان صاحب کی ریختی سے بدرجہا زیادہ دلچسپ اور حسن تخئیل کا طرفہ تر نمونہ کہنا غیر موزون نہین ہے۔ بہرحال مثنوی ترانۂ شوق کے بعد سے جسقدر آپکا کلام مقبول عام ہوتا رہا ہے اسکے لحاظ سے جناب شوق کا نام نامی زمانے مین کالبدر المنیر تابان ہے مگر جنوری کے الناظر مین مولانا ابوالرشاد کا اسم گرامی دیکھتے ہی مجھے خیال ہوا کہ افق اُردو مین ظلمت اوہام پھیل جانے کا خطرہ ہوا اسلیے کہ اُردو کے سرمایۂ ادب مین جو آجکل دن دونی رات چوگنی ترقی ہو رہی ہے اسکے ساتھ ہی اسباب ناموافق کا ظہور پذیر ہونا ضرور ہے کہ ناگوار نتائج پیدا کرے اور اردو شاعری کی روز افزون ترقی محدود بلکہ مسدود ہو کر بجائے خاص کر ملک کے مشاہیر اہل قلم اور شعرائے باکمال جو تازہ بتازہ خیالات سے اُردو زبان پر احسان کرتے جاتے ہین انکی کوششون اور دماغ سوزیون کا اعتراف نہ کرنا ایسی خطرناک غلطی اور ظلم ہے جس کی وجہ سے اس دور جدید مین ادبی خدمات کا تسلسل قائم نہین رہ سکتا۔ کسی مفید و مناسب تنقید کی ضرورت سے انکار نہین مگر دیکھنا یہ ہے کہ کسی مسلم الثبوت شاعر اور مستند زبان دان کے کلام پر جو بیجا اعتراضات یا ناروا نکتہ چینی کی جاتی ہے وہ اعتراضات اس کلام کے مقابلے مین کچھ وزن بھی رکھتے ہین یا محض بے بنیاد اور بادر ہوا ہین چنانچہ تنقید زیر بحث بھی ہمارے نزدیک ایسی ہی فضول اور مہمل ہے اب اصل تنقید پر رفع غلط فہمی کے لیے ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو صاف ظاہر ہے کہ نظم زیر تنقید یعنی نیرنگ جمال ایسی دلآویز نظم ہے جو لطف زبان جدت تشبیہات اور واقعہ نگاری کے لحاظ سے مستحق داد ہوسکتی ہے گو اخلاقی حیثیت سے اسپر بحث کرنا فضول ہے اس لیے کہ معنوی طور پر اسمین کوئی نمایان خوبی نہین رکھی گئی ہے بلکہ یہ کہنا موزون ہوگا کہ اس بدر کامل مین وہ داغ موجود ہے جس کو چرخا چلانے والی بڑھیا کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے مگر یہ زمانہ موجودہ اس طرح کی نظمون کو صحت و صفائی زبان کے علاوہ نازک خیالی کی صفت سے معرا نہین کہہ سکتے۔ اگر صرف اخلاقی حیثیت سے یہ تنقید کی جاتی تو اسمین شاید زیادہ بحث کی گنجایش نہ تھی لیکن ستم تو یہ ہے کہ تنقید نگار صاحب نے کچھ اس طرح دل کا بخار نکالا ہے کہ نظم زیر تنقید اور دیگر کلام شوق کو بھی ہر ایک حیثیت سے قابل اعتراض قرار دیا ہے۔ مثلاً یہ کہ نیرنگ جمال کا پہلا رُخ ادیب مین اور دوسرا رُخ الناظر مین کیون شایع ہوا۔ اسکا جواب کیا دیا جائے ظاہر ہے کہ آفتاب کی کرنین اگر ایک ہی مرکز پر جمع ہوکر گرین تو آگ لگا دین گی ع ذرہ ذرہ ساغر میخانۂ نیرنگ ہے۔

ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا ہے کہ پہلا رخ مثنوی کی طرز مین تھا اور دوسرا انگریزی نما مخمس بنگیا جو قادر الکلامی کی شان کے خلاف ہے مگر تنقید نگار صاحب کے مذاق خاص کا خیال کیونکر ہوسکتا ہے

شہرت پر مبنی کوئی نیا ستارہ دو روز نمودار ہو جسکی رفتار اثر بارکے اثر سے خالی ہو کر بعض ناظرین کو ...

انگریزی کی مثل ہے کہ نیرنگی ہر شے مین دلچسپ ہے (Variety is pleasing)

سطور ذیل مین ان کل اعتراضات کی نمبروار تردید کی جاتی ہے جو ابوالارشاد صاحب نے بڑے شد و مد سے قائم کیے ہین مگر ان مین سے ایک بھی ایسا نہین جو معیار صحت پر ٹھیک اُتر سکتا ہو۔

۱ - کیون سکون ہے کیا کہون حسن کے اثر سے ہے + اسپر اعتراض یہ ہے کہ حُسن کے اثر کا نتیجہ سکون نہین ہو سکتا۔ سبحان اللہ حسن کا اثر ولولہ انگیز ضرور ہے مگر کبھی حیرت زدہ بنا دینا بھی حسن ہی کا کرشمہ ہے ایسی حالت مین حیرت کا تقاضا سکون نہوگا تو کیا ہوگا۔ حسن کا اثر حیرت اور اسکا نتیجہ سکون ظاہر ہے۔

۲ - چوتھا شعر صحیح یہ ہے۔ کیون سکون ہے اسلیے تا کہ دل تھما رہے + میرے دل مین اسکا رخ چین سے جما رہے۔ یہان دل کے واسطے خواہ مخواہ آئینہ دل کے الفاظ لانا ضروری نہین جیسا کہ آپ کا خیال ہے اور نہ خانۂ دل وغیرہ کی بھرتی سے کوئی لطف پیدا ہو سکتا ہے۔ سیدھی سی بات ہے عاشق چاہتا ہے کہ صبر و سکون کے ساتھ معشوق کا رخ زیبا دل مین جما رہے۔ اس مضمون کو جس سادگی و صفائی سے جناب شوق نے ادا کر دیا ہے اور سکون دل کی تمنا کا جو فوٹو کھینچ دیا ہے لایق ہزار آفرین ہے۔

۳ - شکل تھی پیامبر میرے درد عشق کی + تھی شہادت اسکے ساتھ رنگ زرد عشق کی + ترچھی چتونون سے وہ دیکھتی تھی یار بار + میرے رخ پہ کی نظر اس نے تین چار بار۔ پہلے شعر پر اعتراض کیا گیا ہے کہ دفعتہً رنگ زرد ہو جانا خلاف واقعہ ہے (شاید معترض نظر باز پہلے ہی سے بیمار ہونگے کہ ع زرد چہرہ تھا ارغوان کی طرح) اس اعتراض کی وقعت طرز کلام سے ظاہر ہے ورنہ چشم زدن مین رنگ رخ کا متغیر یا زرد ہو جانا شاعرانہ تخیل کے خلاف کب ہے ناسخ کہہ گئے ہین سہ ہو گیا زرد پڑی جس پہ حسینون کی نظر + یہ وہ گُل ہین کہ جو تاثیر خزان رکھتے ہین۔

۴ - ہر نظر کے بعد کچھ رنگ رخ کا اوڑ گیا + کہتی ہوگی دل مین لو اور گل کھلا نیا۔ رنگ رخ کا فوری تغیر کوئی عجیب بات نہین نہ کسی ہیبت ناک منظر کے لیے مخصوص ہے بلکہ ایک عاشق تن نوجوان کے دل پر جب نگاہ ناز کی بجلی گرتی ہے تو یہی کیفیت ہو جاتی ہے کہ ایک رنگ آتا ہے اور ایک جاتا ہے۔ پھر گل کھلا نیا محاورہ کسقدر پُر لطف باندھے گئے ہین

۵ - کون تھی کدھر گئی دل کو لے کے چل ہی دی + وار کر کے چل ہی دی داغ دے کے چل بھی دی۔ اس شعر مین بھی کی تکرار بھی وزن کو پورا کرنے کے لیے نہین بلکہ ادائے مطلب پر زور دینے کے لیے ہے چل دی کے بجائے چل بھی دی مین اور ہی لطف ہے داغ دینے سے مراد داغ فراق ہے جو کسی طرح غلط نہین کہا جا سکتا۔

۶ - اُس کے بے حجاب گال اور وہ بے عتاب سرخ + بال بے بنائے جال دیدے بے شراب سرخ۔

بے عتاب کوئی لفظ نہین تو شاید حرف یا کلمہ ہوگا مگر گالون کی بیچرل سرخی کو حسن و خوبی و خوبصورتی سے دکھایا ہی درحقیقت لاجواب حسن بیان ہے ۔مصرعہ ثانی مین دیدے بمعنی آنکھین نہین ہین بلکہ آنکھون کی سفیدی کو دیدہ کہتے ہین اسلیے سفیدی و سرخی کے نیرنگ نمایان خوبی سے دکھائے ہین اسکے ساتھ ہی آنکھون کی مستانہ کیفیت کو بس عمدہ پیرایہ مین بیان کیا ہے اسپر اعتراض کرنا انصاف کا خون کردینا ہے معترض صاحب فرماتے ہین کہ صرف گالون کا بیحجاب ہونا ٹھیک نہین رخ بیحجاب ہوسکتا ہے مگر آیندہ ایک موقعہ پر رخ کے واسطے بے نقاب کھلنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔غرض فقط اعتراض کرنا ہے تحقیق سے سروکار نہین۔

۷۔ آنے تھے ہوا سے بال اُڑکے اُسکے گال پر + حسن ڈالتا تھا جال بار بار لال پر + لب پہ دانت تھی کبھی اور اُس کے لب تھے لال + لال لب سفید دانت لال پر سفید خال ۔ لب و دندان کی یہ نئی تشبیہ قابل داد ہے مگر معترض صاحب کی راے مین یہ تشبیہ امانت لکھنوی کے مصرعۂ ذیل مین موجود ہے کہ ع بھیڑیے ملتے تھے آنکھین تری گر گابی پر۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک ۔ اسکے بعد منیر شکوہ آبادی کے چند اشعار نقل کردیے ہین جنہین رعایات لفظی کے سوا مذکورۂ بالا دونون شعرون سے کوئی مناسبت ہی نہین ہے۔

۸۔ دیدے اُن مین پتلیان پھرتی تھین ادھر اودھر + شام ادھر سحر اودھر سحر ادھر شام اُدھر + یہان بھی دیدہ بمعنی چشم نہین ہے بلکہ سحر و شام کا فرق امتیازی دکھایا ہے چنانچہ مصرعہ اولی مین مصرعۂ ثانی کا ثبوت کامل ہے جو جناب شوق کی دقت نظر پر دال ہے۔گویا دونون وقت ملنے کا سین دکھایا ہے۔

۹۔ قد کبھی ادھر جھکا سر کبھی اودھر جھکا + اس طرف شجر جھکا اس طرف ثمر جھکا ۔نخل قد کے لیے سر کو ثمر سے تشبیہ دینا غیر موزون نہین ہے جیسا کہ شعر مشہور ہے ع پھل لگا ہے آج نخل دار مین ۔ مگر معترض کے نزدیک جو حصۂ جسم ثمر کہا جا سکتا ہے اسکے لیے ثمر کا لفظ واحد استعمال نہوگا۔

۱۰۔ ابروؤن کو تھی کبھی یون وہ بل دیے ہوئے + جیسے ہو ہرن کی شاخ پیچ و خم لیے ہوے ۔سبحان اللہ کیا تشبیہ دلآویز ہے مگر معترض کو ناقص اور بھدی معلوم ہوتی ہے کیونکہ ناسخ کا مطلع ہے۔

سوال وصل پر ہنا پر یہ وتیرے ابرو کا   اشارہ ہے برات عاشقان بر شاخ آہو کا

۱۱۔ بائین سمت سیٹ پر اسکی مان ہو یا بہن + رُخ ادہر کو پھیر کر ہوتی تھی وہ ہم سخن ۔ہم سخن ہونا ہمکلام ہونے کے بجاے خلاف محاورہ ہو تو ہو مگر غالب نے کیا خوب کہا ہے ؎ یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے + وگرنہ خوف بدآموزیے عدو کیا ہے۔دوسرا اعتراض قافیے کے متعلق ہے مگر ہاے ہوز جوردی قرار دیگئی ہے درحقیقت

ہندی کے حرف دیہ، مین شامل حال ہے اسکے علاوہ حرف ردی کا خفیف اختلاف کچھ ایسا نقص نہین۔ سید انشا اپنے مشہور قصیدے مین کہتے ہین جسکا مطلع ہے ع گھیان پھولون کی تیار کراے بوے سمن۔ ؎

نکہت آئے گی نکل کھول کلی کا کمرہ
ساتھ ہوے گی نزاکت بھی جو ہے اُسکی بہن

۱۲۔ دمبدم ہوا کے ساتھ بلٹین کھاتی تھین لیٹین + چھوٹی چھوٹی ناگنین لے رہی تھین کروٹین۔ اسپر اعتراض یہ ہے کہ لٹون کا بلٹین کھانا بے محل ہے اور خالی لٹ کہنا بھی صحیح نہین مگر شاید معترض نے یہان زلف کی لٹ کے بجاے دہاگے کی لٹ کے معنے سمجھے ہون ورنہ کوئی ذیفہم تو اس طرح کے بعید از قیاس معنی نہین پہنا سکتا۔

۱۳۔ کہہ رہا تھا رخ کہ ہے ابتدا شباب کی + بڑھ رہی تھی دمبدم دولت آب وتاب کی + اسکا دل امنگ کا لطف پا چلا ہے اب + حسن کے غرور کا لطف آچلا ہے اب + دیکھتی تھی آرسی ہاتھ اُٹھا کے بار بار + تیوریان چڑھاتی تھی مسکرا کے بار بار۔ ان مسلسل ابیات کے آخری شعر پر اعتراض یہ ہے کہ دوشیزہ لڑکی کے ہاتھ مین آرسی کا ہونا خلاف رواج ہے مگر میر حسن مثنوی مین کہتے ہین ؎ انگوٹھے کی لے سامنے آرسی + وہ دیکھ اپنی صورت کو گلزار سی۔ بخیال معترض یہ ادائین چھچھورا پن ظاہر کرتی ہین اور کسی بن بیاہی لڑکی کا بیساختہ محو خود آرائی ہوجانا منشاء فطرت کے خلاف تصور کر لیا گیا ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ حسیات فطری کا صنف نازک مین تیز اور قوی ہونا تمام دنیا مین امر مسلم ہے مہر ومحبت خود بینی اور خود نمائی کے جذبات سے جلد تر متاثر ہوجانے والی عورت ہی ہوسکتی ہے نہ کہ مرد۔ خاصکر کنواری لڑکیان جنکی عقل اور تجربہ پختگی کو نہ پہونچا ہو اُن مین ضرور ہے کہ طفلانہ مزاجی کی جھلک پائی جائے بقول شاعر ع شوخی چالاکی مقتضا سن کا۔

۱۴۔ ناک مین سفید نگ حسن اُسکا جلوہ گر + پڑ رہی تھی جس کی جوت اس کے بائین گال پر۔ اس شعر مین سفید نگ کے بجاے لونگ فرض کر کے اعتراضات کا طومار اُٹھا دیا ہے مگر معترض صاحب نے دوسرے مصرع کو اچھی طرح دیکھ لیا ہوتا تو سفید نگ کے لیے چونا مٹی کھریا وغیرہ تلاش کرنے کی زحمت نہ کرتے اس لیے کہ نگ کی تعریف مین لفظ جوت کی وضاحت موجود ہے مگر اس لفظ کو جا بجا شاید کاتب نے سہواً غلط لکھدیا ہے۔ یہ اعتراض کہ کیل یا لونگ کا استعمال نا کتخدا لڑکیون کے لیے خلاف رواج ہے۔ کسی قدر قابل قبول ہے مگر رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ مرصع لونگ مین نیم کے تنکے سے زیادہ ناولٹی ضرور ہوسکتی ہے۔

۱۵۔ خوشنما کریلیان خوشنما کلائیان + بیلین یا کریلیان شاخین یا کلائیان۔ مصرعہ اولیٰ کا لطف دوسرے مصرعہ نے دوبالا کر دیا ہے مگر معترض کی نظر مین یہ فقط بھرتی ہے۔

۱۶ - پھر وہ کھیلنے لگی اپنی اوڑھنی کے ساتھ + سر کو وہ جھکائے تھی اور لفڑی تھے ہاتھ - شاید معترض نے اسکو ع چہل سال عمر عزیزت گذشت کا مصداق سمجھ رکھا ہے مگر جوانی کا زمانہ عورتوں کیا مردون کے لیے بھی کھیل تماشون سے خالی نہین ہوتا جیسے جرأت کہتے ہین سه لگا یار وگ جوانی مین کیون میان جرأت + ابھی تو کھیل تماشے کے تھے تمھارے دن - مصرعہ ثانی مین سر کے بعد "کو" پر اعتراض ہے مگر سر جھکانا - شرم یا اطاعت ظاہر کرنے کے لیے کہا جائے گا اور سر کو جھکائے تھی فقط اوانہدی ہے -

۱۷ - شوق میرے رنگ کو دیکھتے تھے بار بار + دیکھتے ہی دیکھتے رنگ اوڑا ہزار بار - اس شعر مین نوجوان کی زبانی رنگ اوڑا ہزار بار جو کہا گیا ہے یہان اپنی حالت کے تغیر کا احساس نہین بلکہ شوق کے خیال کی ترجمانی ہے تخلص کا نباہ کچھ برا نہین معلوم ہوتا -

اس نظم کو اخلاقی حیثیت سے گرا ہوا ظاہر کرنا بجا درست ہے اس لیے کہ جناب شوق نے تو ہیرو کو حرکات نازیبا کا مرتکب نہین ٹھہرایا ہے مگر کلام شوق کے شارح یعنے معترض صاحب کی خوش مذاقی اور طرز بیان کی سنجیدگی داد طلب ہے - فرماتے ہین کہ "کسی جنٹلمین کا ریلوے اسٹیشن پر زنانہ گاڑی کے مسافرون کو گھورنا ... اسکے دامن اخلاق پر ایک بدنما دھبہ ضرور لگاتا ہے" یہ مبتذل اور بازاری الفاظ و خیالات شوق کے کلام مین کہان مل سکتے ہین -

اسی سلسلے مین نیرنگ جمال کا دوسرا رخ دیکھکر تو حضرت معترض کے اظہار خیالات کا مقیاس الحرارت کئی درجے تیز ہوگیا ہے مگر اس انگریزی نما محسن کی خوبیون کو ملیامیٹ کر دینے کے لیے جو ڈائنامیٹ تیار کیا گیا ہے اسکا اثر ایک پھلجھڑی سے زیادہ نہین ہے -

نیرنگ جمال کا دوسرا رخ منہدا دل سه

۱۸ - مرا صبر کس نے لوٹا کہ ہے مجھکو بیقراری — مرا سر یہ کہہ رہا ہے کہ ہوا جنون مجھکو
مرا دل پسا اسی سے ہوے سرخ اشک جاری — کہ دکھا رہا ہے آنچل مرے دل کا خون مجھکو
مرا حسن کس نے دیکھا کہ نظر لگا گیا ہے

اعتراض ہے کہ یہ الفاظ کسی عفت مآب کی زبان سے نہین نکل سکتے بلکہ کسی کھائی کھیلی عورت کی گفتگو قلمبند کر دی گئی ہے مگر اول تو یہ ہے کہ حضرت شوق نے کہین بھی ہیروئن کی عفت مآبی کا دعویٰ نہین کیا ہے نہ کسی شاعر یا فسانہ نگار کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ ہمیشہ عمدہ اور اعلیٰ کیرکٹر دکھاتا رہے - دوسرے یہ کہ حضرت شوق نے اپنے الفاظ مین

اُیک فراق زدہ عورت" کے خیالات کا خاکہ کھینچا ہے جس کا مفہوم ذہنی حافظ کے مصرعہ ذیل سے ملتا جلتا ہے۔

ع چنان بردند صبر از دل کہ ترکان خوان یغما را۔

کالیداس نے شکنتلا کے سوز ہجر اور درد فراق کو جس پیرایہ سخن مین ادا کیا ہے اسمین جذبات نطری کے سوا رواجی تصنع یا جھوٹی شرم وحیا کا شائبہ تک نہین ہے۔ ہان اگر آپ کو جذبات درد وسوز کے بجاے غصہ اور جھنجلاہٹ کی مصنوعی کیفیات دیکھنا پسند ہون تو گلزار نسیم کی سیر کیجیے جہان بکاولی فرط بیقراری مین کہہ رہی ہے۔ ؎

ہے ہے مرا پھول لیگیا کون ÷ ہے ہے مجھے خار دیگیا کون ÷ ہاتھون کو ملا کہا کہ ہیہات ÷ خاتم بھی بدل گیا ہے بدذات جس نے مجھے ہاتھ ہے لگایا ÷ وہ ہاتھ لگے کہین خدایا ÷ عریان مجھے دیکھکر گیا ہے ÷ کھال اسکی جو کھینچیے سزا ہے

۱۹- نہ وہ کان اور نہ بندے نہ وہ بال اور گھونگھر | نہ شگفتگی وہ رخ کی نہ وہ رنگ اب گلابی
کوئی دیکھے چپ لبون کو تو وہ سمجھے لال پتھر | کوئی دیکھے سُرخ آنکھین تو کہے مجھے شرابی

یہ شگوفہ کس نے چھوڑا کہ یہ گل کھلا گیا ہے

دل افسردہ کی حالت دکھائی ہے کہ زیب وزینت کا خیال جاتا رہا مطلب صاف ہے کہ اب ویسے کان اور ویسے گھونگھر کہان رہے مگر مصرعہ ہاے بالا سے یہ مطلب نکالنا کہ کان اوڑا دیے گئے یا سر مونڈ دیا گیا ایسی سخن فہمی ہے جس کی داد شاید منشی امیر احمد علوی کے ایسے مضمون نگار دے سکتے ہین۔ لعل لب کو لال پتھر کہنا بھی کوئی ایسی غلطی نہین ہے جواہر کو اکثر پتھر بولتے بھی ہین۔

۲۰- مرے رخ سے یہ ہٹا کیون ہین حجاب ہی کو کوسون ÷ جو نہ کھُلتین میری آنکھین تو نہ لڑتین یہ کسی سے ÷ مصرعہ اولی مین حجاب کے بجاے لفظ نقاب مناسب سمجھا گیا ہے مگر اوڑھنی کے آنچل کو نقاب کیونکر کہہ سکتے ہین اور بعض اعتراضات مکرر ہین۔

۲۱- وہ رخ اور اسکی آنکھین کسی گل پہ جیسے بھونرے | وہ سیاہ کوٹ تن پر وہ سر اور لال ٹوپی
نہ مجھے گئی آگ اسکی کہ لگی تھی میرے جی سے | وہ بنے مرا کنھیا تو بنون مین اُس کی گوپی

مجھے دے کے چاہ اپنی وہ سٹرن بنا گیا ہے

شعر اول ایک تصویر خیالی کا دلکش خاکہ ہے مگر معترض صاحب اسکو "دندان تو جملہ در دہانند" کا مصداق سمجھتے ہین ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ شعر دوم کے مصرعہ ثانی پر بیجد غصہ ونفرت کا اظہار کیا گیا ہے مگر کسی مصرعہ مین صنم یا بت کے مرادف الفاظ لانا عیوب سخن مین داخل نہین بلکہ جس طرح مغربی زبانون مین عشق کا دیوتا اپالو،

کہا جاتا ہے اسی طرح اُردو مین سر کرشن کے سوا کس کا نام لیا جائے۔

اصل یہ ہے کہ نظم نیرنگ جمال کو معترض صاحب نے تمام و کمال خلاف شرع و شرافت ثابت کرنے کے لیے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا دیا ہے اور اس فعل عبث مین رسالہ الناظر کے کئی صفحے سیاہ کیے ہین ستم ظریفی یہ ہے کہ وہ اس نظم کو ایسا آتشگیر مادہ سمجھے ہوے ہین جس سے اسلامی شایستگی کے میگزین کو صدمہ پہونچنے کا احتمال ظاہر کیا جاتا ہے فرماتے ہین کہ اگر سوء اتفاق سے یہ نظم کسی دوسری زبان مین ترجمے کے ذریعے سے پہونچی تو اسلامی کیرکٹر کا پھر برا اچھا اوڑے گا" مولانا ابوالارشاد کو یاد رکھنا چاہیے کہ الف لیلہ ایسی کتاب ہے جو کئی زبانون مین ترجمہ ہو چکی ہے مگر اسکے ہزارون قصے اور دلچسپ کہانیان کبھی بھی اسلامی صفات کا معیار نہین ہو سکتی ہین اسی طرح نیرنگ جمال بھی صرف ادبی نقطۂ نظر سے دیکھنے کے لایق ہے یا زیادہ خوش عقیدگی منظور ہو تو اسکو شیکسپیر کے انداز کا ایک ڈراما سمجھ لیجیے جسمین عاشقانہ جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوے ہین لیکن فرض کیجیے کہ ایک آزاد خیال نوجوان اس ہولے حریت مین کسی لیلاے بے نقاب کو دیکھکر مجنون ہو گیا ہو تو اس ایک واقعہ سے اسلامی تہذیب کی کیا رسوائی ہوئی جاتی ہے یا فرض کیجیے کہ کسی دوشیزہ نے ایک خوش وضع جنٹلمین کو دیکھکر دل ہی دل مین کنہیا جی کا تصور جمانا شروع کیا تو یہ کیا بڑا اخلاقی گناہ یا کونسا ایسا خلاف تہذیب جرم قبیح کہا جائے گا۔ یہ سچ ہے کہ یہان اس مصرعہ سے ع "وہ بنے مرا کنھیا تو بنون مین اسکی گوپی" جذبۂ محبت کا وہ اعلےٰ مفہوم نہین پیدا ہوتا جسکو فوق الفطرت کہنا چاہیے اور اسمین شک نہین کہ کنھیا اور گوپیون کے روحانی تعلقات کی عمیق فلاسفی کو انسانی زندگی کی عام رہگذر مین پامال سمجھ لینا بے جا ہے لیکن ظاہری دنیا مین تو الجنس یمیل الی الجنس کا مشہور کلیہ ایسا ہے جسکو الفاظ بے معنی یا خلاف واقعہ نہین کہہ سکتے۔ اسی لحاظ سے طرفین کا ایک دوسرے کو بطیب خاطر دیکھنا مقتضاے فطرت اور سچی بات ہے۔ یہان "کشش حسن اور جذبۂ محبت" کی صرف ایک معمولی اور عادی کیفیت دکھائی گئی ہے اسلیے کہ جب خود فطرت نے عورتون کو بھی چشم و گوش دیے ہین تو کیا وجہ تھی کہ نیرنگ جمال کی ہیروئن حق انتخاب سے محروم یا کور و کر بنا دی جاتی۔

انصاف سے دیکھیے تو حضرت شوق نے کیرکٹر نگاری کا حق ادا کر دیا ہے اور ہندوستانی معاشرت کی اس کمزوری کو نمایان طور پر دکھا دیا ہے کہ مردون کی دزدیدہ نگاہون کا اثر نادان عورتون کے دلون پر کس قسم کا ہو سکتا ہے۔

"حق پسند"

راز خلوت

اس طرح ہین آج ہم خلوت نشین ۔۔۔ سامنے بیٹھا ہے اک ناز آفرین
دلربا دلگیر دلبر دلستان ۔۔۔ مہوش و مہ پارہ مہرو مہ جبین
آفت جان دشمن ایمان لقب ۔۔۔ ناز پرور نازنین ناز آفرین
سنگدل۔ ظالم۔ ستمگر۔ تند خو ۔۔۔ فتنۂ محشر جفا جو نکتہ چین
خوبرو خوش رو حسین و شمع رو ۔۔۔ محفل آرائے حسینانِ زمین
ایک رشک حور ہے جلوہ فگن ۔۔۔ گھر ہے اپنا رشک فردوس برین
ہے ہر اک انداز اُس کا دل فریب ۔۔۔ ہر ادائے ناز اُس کی دل نشین
کیون نہو حیران مثل آئینہ ۔۔۔ چشم زاہد دیکھکر ایسا حسین
مار ڈالا پھر ہجوم شوق نے ۔۔۔ جا کے بٹھلایا مجھے اُس کے قرین
میری نظرین کیا کہون اُس کی طرف ۔۔۔ اُس کی نظرین کیا کہون سوئے زمین
کیا کھلانا ناگنون کا سہل ہے ۔۔۔ کس طرح چھوتا مین زلف عنبرین
چومتا کیونکر جبین صاف مین ۔۔۔ دیکھکر ابرو کا بل چین جبین
ابروئے جانان کا کھنچنا قہر تھا ۔۔۔ اک ستم ڈھاتی تھی چشم سرگین
بوسۂ مصحف بھی لینا تھا گناہ ۔۔۔ دور ہم بیٹھے رہے زار و حزین
وہ لب جان بخش کیونکر چومتا ۔۔۔ نیم جان حسرت سے تھا مین بالیقین
ہان کہان تک ضبط گریہ آخرش ۔۔۔ ہان کہان تک ضبط آہ آتشین
ہاتھ سے جاتا رہا صبر و شکیب ۔۔۔ اس طرح تڑپا دل اندوہگین
کس نے کی عرض تمنا کس نے کی؟ ۔۔۔ کس نے چپکے سے کہا منہ سے "نہین"؟
کس نے باسط مرغ بسمل کر دیا؟ ۔۔۔ کس نے دے دی عشق مین جان حزین؟
کس نے پوچھا ہنس کے کیا تم مر گئے؟ ۔۔۔ کس نے مرتے دم کہا "صد آفرین"؟

باسط بسوانی

اطلاع منجانب سکرٹری شعبہ ترقی اُردو

(آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس)

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب الناظر

براہ کرم اس اطلاع کو اپنے رسالہ مین درج فرماکر ممنون فرمائیے:- آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ جلسہ بابت ۱۹۱۲ء مین شعبہ اُردو کی خدمت راقم کے تفویض کی گئی ہے۔ یہ شعبہ جیسا کچھ اہم اور ضروری ہے وہ محتاج بیان نہین اور یہ بھی مخفی نہین کہ اگرچہ اس شعبہ کے متعلق کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہا ہے۔ لیکن اب تک وہ سسکتی ہوئی حالت مین ہے اور اس سے جو توقع کی گئی تھی وہ ابھی تک پوری نہین ہوئی۔ مین اب اسے خاص اصول پر چلانا چاہتا ہون۔ چونکہ اُردو زبان کا قائم کرنا اور ترقی دینا تمام اہل ملک کا فرض ہے لہذا مجھے قوی امید ہے کہ پبلک میری دستگیری کرے گی مین اسکے اغراض و مقاصد عام طور پر کثرت سے شایع کرنے والا ہون اور جو کام زیر تجویز ہین اسکی اطلاع ارکان ترقی اُردو اور پبلک کی خدمت مین وقتاً فوقتاً کی جائے گی۔ لہذا اس بارہ مین ذیل کے پتہ سے خط و کتابت کی جائے۔ اور جو صاحب مجھے اسکے متعلق کوئی مشورہ دین گے مین اُنکا نہایت ممنون ہون گا۔

عبدالحق بی اے (علیگ)

صدر مہتمم تعلیمات صوبہ اورنگ آباد (دکن)

سکرٹری ترقی اُردو (آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس)

معزز معاصرین جو مقاصد انجمن سے ہمدردی رکھتے ہون براہ کرم اس اعلان کو اپنے معزز موقت الشیوع مین نقل کردین

غزلیات

(در شان خواجہ غریب نوازؒ)

آج قسمت درِ خواجہ پہ مجھے لائی ہے — یہی وہ در ہے جہاں لطف جبین سائی ہے
تھا بہت دور مگر کھینچ بلایا مجھکو — جانتے تھے کہ یہ مدت کا تمنائی ہے
مین نے اجمیر مین جس وقت قدم رکھا ہے — تہنیت کے لیے جنت کی ہوا آئی ہے
مجھکو دیکھو قدم حضرت خواجہؒ دیکھو — آج تو ذرہ و خورشید مین یکجائی ہے
خاک بوسی کو جھکا ہون تو دھڑکتے دل سے — مرے خواجہؒ مرے خواجہؒ کی صدا آئی ہے
شاہ آصف کی بدولت ہوئی دولت یہ نصیب — جنکے قدمون سے لگی خلق خدا آئی ہے
مرحبا دولت دارین لٹانے والے — کس نے اس در سے مراد اپنی نہین پائی ہے
مثل پروانہ ہے روضے پہ ہجوم عشاق — رہ کے خلوت مین عجب انجمن آرائی ہے
بادشاہون کا بھی دربار نہ دیکھا ایسا — حق نے کیا شان عطا آپ کو فرمائی ہے
جرعہ نوشان عقیدت کو مزے آئے ہین — جس طرف دیکھیے رحمت کی گھٹا چھائی ہے
گنبدِ پاک یہ ہے یا کوئی خورشید جمال — جلوہ افروز بصد عشوہ و رعنائی ہے
جی مین آتا ہے یہین چھوڑ کے جاؤن دلکو — ایسی اس در کی فضا دل کو مرے بھائی ہے
محو کر دیتی ہے انسان کو تجلی اسکی — خود تماشا ہے جو روضے کا تماشائی ہے
نذر کے واسطے کچھ اور مرے پاس نہین — صرف اک درد کا مارا دلِ شیدائی ہے
چاہتا ہون دل مردہ مرا زندہ ہو جائے — آپ ہی سے مجھے امید مسیحائی ہے
نابلد کوچہ عرفان سے ہون لیکن پھر بھی — نازاں پر ہے کہ حضرت کا شناسائی ہے

کچھ کہے کوئی مگر مین تو کہون گا یہ جلیل
جس کو خواجہ کا نہ سودا ہو وہ سودائی ہے

حافظ جلیل حسن جلیل

نہ ہوتا وہ نگہ کے سامنے تو ہائے کیا کرتا — کہ گھنٹون دیکھتا ہون اسکو لیکن جی نہین بھرتا
خدا نے خیر کی ہنستا رہا مین بزم دشمن مین — بڑے طوفان اٹھتے ایک آنسو بھی اگر گرتا
مزاج تند اسکا غیر بد خو چڑچڑا اچھا ہے — مبارکباد دیتا مین وہ تنہا گر کہین ملتا
بہائے دل نگہ ٹھہرے تو سمجھے مفت ہاتھ آیا — خوشامد پر نہ ملتا آج یون جو مل گیا سستا

مٹا دون شیخ کا بھی شکوۂ دیرینہ ہو آؤن — صنم خانہ مین ٹھہرون گا حرم سے لوٹتا پھرتا

تری تصویر نے بہلا ے رکھا اے وفا دشمن
ہجوم یاس مین کس کس طرح بسمل کا دم گھٹتا

امین الحسن بسمل رضوی

بے سوز جگر جوش فغان ہو نہین سکتا — جب تک نہ جلے آگ دھوان ہو نہین سکتا

کچھ درد بھرے دل سے بیان ہو نہین سکتا — ایسا کوئی بے تاب و توان ہو نہین سکتا

چٹکی کبھی لے لی کوئی گالی کبھی دے دی — اس خو کو وہ چھوڑین یہ گمان ہو نہین سکتا

رکتا نہین روکے سے کبھی عہد جوانی — ٹھہری رہے یہ عمر روان ہو نہین سکتا

بتخانہ مین مسجد مین کلیسا مین حرم مین — ملنا ترا اے یار کہان ہو نہین سکتا

ڈالا ہے تحیر مین مجھے عشق نے ایسا — وہ درد کو پوچھین تو بیان ہو نہین سکتا

معشوق کی رسوائیون کا پاس رہے گا — آنسو کبھی آنکھون سے روان ہو نہین سکتا

کچھ دل ہی مرا جانتا ہے اُس کی ادائین — وہ شوخیان ہین جن کا بیان ہو نہین سکتا

اخگر دل بیتاب مین اک آگ لگی ہے
کم ہو یہ مرا سوز نہان ہو نہین سکتا

شمشیر بہادر اخگر

بتون سے بھول کے بھی پارسا نہین ملتا — اور اسپہ اُلٹی شکایت خدا نہین ملتا

ہر ایک کو یہ گلا ہے خدا نہین ملتا — ے تو کیا ملے اپنا پتا نہین ملتا

کہا جو مین نے دل مبتلا نہین ملتا — تو بولے ناز سے پھر مجھکو کیا نہین ملتا

سوال وصل ہو یا آرزوئے قتل مگر — وہان جواب نہین کے سوا نہین ملتا

حسین ہونے کو دنیا مین یون ہزارون ہین — پر آپ سا کوئی بے مصطفا نہین ملتا

عزیز ڈال گئے قبر کے اندھیرے مین — وہ شب ہے جسکی سحر کا پتا نہین ملتا

ہزارون دیدۂ دل فرش راہ رہتے ہین — بجا ہے یار کا گر نقش پا نہین ملتا

جنھین نصیب تھی پھولون کی سیج نکو — جو بخت سوئے تو اب بوریا نہین ملتا

ہمین تو غصہ ہی اچھا تھا ہس تغافل سے — کہ کوسنون کا بھی اب تو مزا نہین ملتا

سٹی نہ وصل بھی ہوتے پہ شکل تنہائی — جو وہ ملے تو اب اپنا پتا نہین ملتا

مین آرزو تری اسکو سپرد کر دیتا — مگر ستم تو یہ ہے دل ترا نہین ملتا

یہ جلد جلد بدلتی ہے اُنکی شوخ نگاہ — کہ مرنے جینے کا پل بھر مزا نہین ملتا

غضب کی چال ہے ثروت کہ ایک صورت سے
کسی سے وہ بت کافر ادا نہین ملتا

ثروت اٹھوی

مر مٹا ہون لذت آزار پر — کیسے لو رکھ دون گلا تلوار پر

گھونگھٹ کھلا جو گلشن مین انھین — خوب بگڑے نرگس بیمار پر

دل گیا پہلو سے سینے سے جگر — آبنی ہے اب تو جان زار پر

کیسے تو کس کو ملایا خاک مین — خون کس عاشق کا ہے تلوار پر

قتل کرتی ہے کسی کی کم سنی — چُلبلا پن بار ہے تلوار پر

کاش ہو جاتی اُنھین اسکی خبر — جو گذرتی ہے دل بیمار پر

مجھ سے لکھواتے ہین خط غیرون کے نام — چاہ ٹھہری ہے اسی بیگار پر

ہے دہان زخم سے برپا صدا — وار لگتا جائے قاتل وار پر

ہو گیا صادق کا افسون کارگر
راضی ہین وہ بوسۂ رخسار پر

عبدالغنی صادق

نظر سے خوش گزرے

اوائل جنوری مین شفیقی مولوی عبدالحق بی اے سکرٹری انجمن ترقی اُردو کی معیت مین بھوپال جانے کی نوبت آئی اور وہان پہونچکر علیا حضرت جناب نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ دام اقبالہا کے آستانۂ کرم پر نذر عقیدت و نیاز پیش کرنے کی عزت حاصل ہوئی۔ علیا حضرت کی ذات بابرکات اگرچہ مختلف حیثیتون سے ملک و قوم کے لیے موجب صد فخر و ناز ہے لیکن طبقۂ نسوان کی تاجدار ہیں مین جس قدر خوبیان مجتمع ہوگئی ہین اُنمین سب سے زیادہ جس چیز نے ہمارے دلون پر اثر کیا وہ حضور والا کی انتہا درجہ کی سادگی ہے اور جسکی جھلک کشور آرائے بھوپال کی زندگی کے تمام کامون مین نہایت واضح طور پر نظر آتی ہے۔ مثلاً جب ہم قصر معلیٰ کے اُس کمرے مین داخل ہوے جسمین بیٹھکر ہمین حضور عالیہ کے سمع مبارک تک اپنی عرضداشتین پہونچانا تھین تو ہم نے دیکھا کہ یہ کمرہ صرف مشرقی تصنعات آرایش ہی سے معرا نہین بلکہ مغربی طرز کی زیبایش بھی وہان اُسی حد تک ہے جو ایسی معزز و محترم خاتون کے آستانہ بوسون کے لیے لازمی و ضروری ہے۔ لیکن جس چیز نے سب سے زیادہ ہمین اپنی طرف متوجہ کیا وہ چٹائی کا فرش تھا جو اس کمرہ مین اور غالباً محل مبارک کے دوسرے قطعات مین بچھا ہوا ہے اور جس کا ہر ہر تنکا ہر ہائنس کی اسلامی سادگی کے راگ سُنا تا رہتا ہے۔

ہماری غایت حاضری صرف اسقدر تھی کہ انجمن ترقی اُردو کے اغراض و مقاصد کو حضور عالیہ کے سامنے پیش کر کے درخواست کرین کہ علیا حضرت کا فیض کرم اس بے برگ و بار شجر کی شادابی و سرسبزی کا کفیل ہوجائے اور ہمین یہ معلوم کر کے بیحد مسرت ہوئی کہ حضور والا کی روشنضمیری نے ترقی اُردو کے کام کی اہمیت کا اس حد تک اندازہ کر لیا ہے کہ خود ریاست بھوپال مین اس غرض کے حصول کے لیے سرکار عالیہ ایک محکمۂ تصنیف و تالیف قائم کرنے کا خیال رکھتی ہین۔ بلاشبہ بعض دوسری ریاستون کی طرح ریاست بھوپال ہمیشہ سے اپنی علم دوستی اور اہل کمال کی قدر دانی کے لیے بجا طور پر شہرت رکھتی ہے لیکن اس قسم کا علمی شعبہ قائم کرنا علیا حضرت کے اعلیٰ مذاق اور وسعت نظر کی بہترین دلیل ہوگی۔

مسلم یونیورسٹی کے منتظمین کے لیے یہ امر جس قدر ہمت افزائی کا باعث ہوا تھا کہ ہندوستان بھر مین سب سے پہلے جس برگزیدہ ہستی نے ہز ہائنس آغا خان کے صلاے عام کو لبیک کہا وہ اسی قابل فخر خاتون کی ذات تھی اُسی طرح انجمن ترقی اُردو کے کارکنون کے لیے یہ نہایت خوش قسمتی کی بات ہے کہ اُنکے مربیون اور سرپرستون کی فہرست کا طراز عنوان علیا حضرت ہی کا نام نامی ہوگا۔

یہ واقعہ بجاے خود انجمن ترقی اُردو کے حق مین ایک شاندار مستقبل کی پیشین گوئی کرتا ہے لیکن ابھی بعض واقعات اور قابل بیان ہین جو انجمن کے دور جدید مین یقیناً اُسکے کارپردازون کی مزید تقویت کا باعث ہونگے۔ جملہ بہی خواہان اُردو کے لیے یہ خبر نہایت مسرت بخش ہوگی کہ نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی نے جن کی اعلیٰ درجہ کی اور مختلف النوع علمی و ادبی قابلیتون کا سکہ سارے اہل ملک کے دلون پر بیٹھا ہوا ہے انجمن ترقی اُردو کا پریسیڈنٹ ہونا قبول فرمایا ہے۔ اور انکے زیر صدارت پہلا جلسہ جو حیدرآباد مین منعقد ہوا اُسین دکن کے ایک مقتدر رئیس نواب شمشیر جنگ بہادر نے مبلغ پانچسو روپیہ

عطا فرمانے کا وعدہ کیا اور بعض دیگر ہمدردان اُردو نے بھی چندے دیے۔

خاص حیدرآباد مین انجمن کی ایک شاخ بھی قائم ہو گئی ہے جسکے سکرٹری ہمارے مکرم دوست اور ہم وطن پروفیسر مولانا سید علی حیدر طباطبائی نظم لکھنوی مقرر ہوے ہین جنکی انشا پردازی اور شاعری کسی تعریف کی محتاج نہین ہے۔ انجمن کے علمی کام کے متعلق ہم اس وقت کچھ کہنا نہین چاہتے صرف ناظرین کو اُس اعلان کی طرف توجہ دلائین گے جو سکرٹری صاحب کی طرف سے اسی رسالہ کے صفحہ ۱۷ پر درج ہے۔

فرمانروائے بھوپال کے جہان ملک و قوم پر اور بہت سے احسانات ہین وہان اُنکی یہ تجویز بھی نہایت قابل تحسین و ستایش ہے کہ دہلی مین طبقۂ نسوان کی تعلیم کے لیے ایک مرکزی کالج قائم کیا جائے۔ اسکے متعلق مئی ۱۹۱۳ء کے الناظر مین خود علیا حضرت کی تحریر پر تنویر شایع ہو چکی ہے اور سرکار عالیہ نے اپنی مفصل اسکیم ہمین اس غرض سے مرحمت فرمائی ہے کہ ہم اس بارے مین اپنے ناچیز خیالات کا اظہار کرین چنانچہ غالباً آیندہ نمبر مین ہم اُسپر تفصیل روشنی ڈال سکین گے۔ لیکن یہان اُن بزرگان قوم سے جو ہماری قومی کشتی کی ناخدائی کے اہم فرائض بجا لاتے ہین، اسقدر عرض کرنا نامناسب نہوگا کہ طبقۂ نسوان کی بہبودی اور اُنکی تعلیمی ترقی کے بارے مین ہر ہائینس نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ کی مخلصانہ جانفشانیون اور دردمندانہ کوششون کی طرف سے جو لاپروائی اور بے توجہی اُنکے طرز عمل سے ظاہر ہو رہی ہے وہ کسی طرح اُنکے شایان شان نہین ہے اور اُنھین جلد سے جلد اس تغافل و ناسپاسی کی تلافی کرنا چاہیے۔

علیا حضرت کی تجویز کا مرحلہ ابتدائی یہ ہے کہ زنانہ کالج کے قیام و بقا کے لیے سولہ لاکھ روپیہ کا سرمایہ جمع کیا جائے اور چونکہ ہر ہائینس کی حصول چندہ کی کوششین طبقۂ اعلے سے متعلق ہین اس وجہ سے تکمیل رقم جلد فراہم ہو جانا چاہیے۔ ابھی تک اعلان شدہ چندون کی مجموعی تعداد صرف ایک لاکھ ہے جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ طبقۂ اعلے مین فرقۂ اُناث کی ضروریات تعلیمی کا احساس کس درجہ کم ہے۔ یون تو ہم تمام معزز ہند کے والیان ریاست اور روساے عظام سے امید کرتے ہین کہ وہ اس مہتم بالشان تجویز کو عملی صورت مین لانے کے لیے اس سرمایہ کی فراہمی مین بقدر مشترک حصہ لین گے لیکن ہمارا روے سخن خاص طور پر اپنے صوبہ کے دونون خودمختار رئیسون یعنے حضور نواب صاحب بہادر رامپور و مہاراجہ صاحب بہادر بنارس و دیگر امراے عالی مقام کی طرف ہے خصوصاً محسن قوم جناب راجہ صاحب محمودآباد و راجہ صاحب جہانگیرآباد کے لیے تو نہایت ہی ضروری ہے کہ طبقۂ نسوان کی تعلیمی ترقی کے لیے وہ اپنی مشہور عام فیاضی سے کام لیکر اس تحریک مین پوری پوری شرکت کرین اور اودھ کے سب سے بڑے تعلقدار جناب مہاراجہ صاحب بلرام پور کو جنکا تعلقہ ایک بڑی خودمختار ریاست کے ہر طرح ہم پلہ ہے ملک معظم اور شہنشاہ بیگم کے ورود مسعود کی اس مبارک ترین یادگار کو قائم کرنے مین ضرور حصہ لینا چاہیے۔ کیونکہ اودھ مین انھین مقتدر اور زمانہ شناس رئیسون کی ذات بابرکات سے اس قسم کی مفید تحریکات کو پوری امداد ملنے کی امید کیجا سکتی ہے۔

ہمارے عزیز مکرم مرحوم منشی نادر علی خان نادر کے متعلق ہمارے پاس کئی قطعات تاریخ جمع ہو گئے ہیں جو نہایت شکریہ کے ساتھ درج ذیل کیے جاتے ہیں۔

ماتم نادر

نادر کاکوروی خلد آشیان — چل دیا تو چھوڑ کر ہمکو کہان
کون ایسا روگ تجھکو لگ گیا — کیا فلک ٹوٹا یہ تجھپر ناگہان
لٹ گئی باغ جوانی کی بہار — وقت سے پہلے ہی آ پہونچی خزان
نقش تھا دل پر ابھی رنج سرور — داغ تو بھی دے گیا اے نوجوان
پیس ڈالا چرخ کج رفتار نے — کھا گئے تجھکو زمین آسمان
تیرے غم نے حشر برپا کر دیا — محشرستان ہو گیا ہندوستان
مرثیہ پڑھتے ہیں سب اہل سخن — نوحہ خوان ہیں شاعران خوش بیان
شاعری میں جان تیرے دم سے تھی — نظم کے قالب کا تھا روح روان
رو رہی ہے تجھکو دنیائے ادب — آہ اے راز ادب کے نکتہ دان
تیرا ہر اک شعر تھا سحر حلال — خلق کہتی تھی تجھے جادو بیان
آہ وہ تیرے خیالات لطیف — آہ وہ جذبات وہ لطف بیان
ملک تھا حسن تخیل پر نثار — تیرے نظمون کی تھی پبلک قدردان
چاشنی اردو کی تھی ہر نظم میں — لوگ کہتے تھے تجھے شیرین زبان
تیری ہر اک نظم تھی مقبول عام — کچھ عجب دلچسپ تھا طرز بیان
لکھ دو اختر مصرعہ سال وفات — شاعر بے مثل و دمساز جہان

موسیٰ حسین اختر (جلال آبادی)

قطعہ تاریخ وفات حسرت آیات منشی نادر علی خان صاحب نادر کاکوروی

محفل شعر و سخن میں آج ہے ماتم بپا — کر گئے دنیا سے رحلت نادر کاکوروی
داغ پہلے ہی سے تھا دل پر امیر و داغ کا — دے گئے اب داغ فرقت نادر کاکوروی
روگ کچھ اس طرح کا افسوس تم کو لگ گیا — پھر ہوئی آخر نہ صحت نادر کاکوروی
تم تھے مشہور زمانہ تم تھے یکتائے جہان — تھی تمھاری عام شہرت نادر کاکوروی
بول بالا تھا تمھارا حلقۂ شعرا میں آج — تم کو تھی سب پر فضیلت نادر کاکوروی
آپ تھے معجز بیان اور آپ تھے شیرین مقال — آپ تھے جان فصاحت نادر کاکوروی
کیا نہ آؤ گے ہماری بزم میں اب پھر کبھی — پھر دکھاؤ گے نہ صورت نادر کاکوروی
تم گئے فردوس کو ہم آپ سے جاتے رہے — ہو چکے ہیں ہوش رخصت نادر کاکوروی
ہم تو روتے ہیں تمھاری قبر پر بیٹھے ہوئے — تم پڑے ہو زیر تربت نادر کاکوروی
چل بسے احباب کو غم میں تڑپتا چھوڑ کر — وائے حسرت وائے حسرت نادر کاکوروی
مصرعہ تاریخ رحلت اے اثر کہہ دو رقم — اب سدھارے سوئے جنت نادر کاکوروی

انجم

تصحیح الناظر ماہ جنوری نظم داستان غم شعر ۲ یہ غلط وہ صحیح۔ شعر ۲ کو غلط کے صحیح شعر ۱۵ کر غلط کے صحیح۔ نظم بے وفائی اور وفاداری۔ شعر ۴ پھول کے غلط پھول کی صحیح۔ شعر ۹ کہ ساز غلط ایک ساز صحیح۔ شعر ۱۳ اک غلط ایک صحیح۔ شعر ۱۴ تھے ستائے غلط ستائے ہوئی صحیح

تاریخ موت نادر

۱۹۱۲ء

عبرت سے کل یہ مین نے پوچھا کہ بات کیا ہے — بیٹھے ہین سر جھکائے ہر سو تمام شاعر
غمگین ہو کے بولی اے رعدؔ کیا بتاؤن — رو رو کے لکھ رہے ہین تاریخ موت نادر ۱۹۱۲ء

محمد صدیق خان رعدؔ (جونپوری)

قران السعدین یعنے کتاب تذکیر و تانیث کے مولف جناب راجہ راجیشور راؤ صاحب اصغر حیدرآبادی ہین۔ تذکیر و تانیث کی شناخت و قرائن اور اختلاف استعمال کو مولف نے نہایت خوبی سے بیان کیا ہے اپنے طرز مین یہ کتاب عمدہ درجہ مفید و دلکش ہے مذکر و مونث غیر حقیقی۔ افعال ناقصہ کی تذکیر و تانیث کے فرق مابہ الامتیاز اور اسکی برجستہ مثالین اساتذہ کے اشعار سے دی ہین۔ عربی تذکیر و تانیث کے اوزان بھی لکھدیے ہین تاکہ اُردو دان اصحاب انکی حقیقت اور معانی کو سمجھ سکین اسمائے افعال۔ اسمائے مفعول۔ اسمائے ظرف۔ اسمائے زیادفیہ۔ اسمائے مبالغہ اور جمع وغیرہ کی ضروری اور مختلف مثالین قلمبند کردی ہین۔ آخر مین ایک مجموعہ الفاظ مشترک (اُردو فارسی عربی) کا اندرج ہے۔ الغرض یہ مفید رسالہ دلچسپ معلومات کا آئینہ ہے لیکن ابھی مؤلف نے اس سلسلہ کو ختم نہین کیا ہے۔ باقی حصہ جس مین انگریزی سنسکرت بھاکا وغیرہ زبانون کی تذکیر و تانیث کا فلسفہ اور قواعد درج ہونگے آئندہ اڈیشن کے لیے رکھا ہے بشرط قدردانی پبلک اسکو مکمل کیا جائے گا۔ علم دوست اصحاب کو فاضل مولف کی محنت اور دماغ سوزی کی قدردانی کرکے حوصلہ افزائی کرنا چاہیے۔

قیمت صرف ۸؍ ہے۔

ہم نے دسمبر کی اشاعت مین ذکر کیا تھا کہ ہندوستان سے جو طبی مشن بسر کردگی جناب ڈاکٹر مختار احمد انصاری قسطنطنیہ جارہا ہے اوسمین ہمارے عزیز بھائی شیخ منظور علی مخدومی بھی شریک ہین۔ عدن سے برادر موصوف نے بخیر و خوبی پہونچنے کی اطلاع بھیجی تھی اور ہفتہ گزشتہ مین اُنکا طویل خط مورخہ ۹؍ دسمبر ۱۹۱۲ء ہمین ملا چونکہ ہماری خواہش کے مطابق یہ خط ڈائری کی صورت مین تھا اس وجہ سے ہم نے اپنے معزز دوست مولوی وحید الدین صاحب سلیم کے حوالہ کردیا ہے کہ وہ اپنے اخبار مسلم گزٹ مین اُسکو شائع کردین۔ اس حیثیت سے کہ یہ ڈائری نہایت دلچسپ ہوگی ناظرین الناظر کی اُس سے ضیافت نکرنا ایک ناقابل معافی گناہ ہوتا لیکن چونکہ یہ ڈائری آئندہ چل کر سیاسی تذکرون سے پر ہوگی اور اُس وقت اُسکی اشاعت جاری رکھنے سے زیادہ بددلی اور تلخی پیدا ہوگی اس لیے ہم نے شروع ہی سے مناسب سمجھا ہے کہ ڈائری کا یہ سلسلہ ہمارے معزز مقامی ہمعصر کے کالمون کے ذریعہ ملک مین پھیلے۔

تصانیف مولانا عبد الحلیم شرر لکھنوی

جنید بغدادی حضرت جنید کے حالات ۱۰؍

ابوبکر شبلی حضرت شیخ شبلی کے حالات ۸؍

تاریخ سندھ۔ سندھ کی مکمل تاریخ ہر دو جلد قیمت جلد اول عہ جلد دوم ۸؍

حروب صلیبیہ۔ مصنفہ سٹر کاکس کا ترجمہ ونوٹس . . . . عما؍

تاریخ بغداد۔ مرکز خلافت عباسیہ ۲؍

ملکہ زنوبیہ۔ ایک عربی نژاد ملکہ ۳؍

الحکم الرفاعیہ۔ مصنفہ شیخ احمد رفاعی کا ترجمہ . . . . ۳؍

آغائی صاحب۔ رئیس لکھنو مرحوم کے حالات . . . . عہ؍

سکینہ بنت حسین جناب سکینہ کے حالات ۸؍

زوال بغداد۔ سب سے زیادہ دلچسپ اور تاریخی ناول ۸؍

غیب دان دولہن۔ پاکدامن اور عفیفہ اور قابل بی بی کی برکتیں اور اسکی حیرت انگیز غیب دانی ۔ عہ؍

ماہ ملک مولانا کا نیا اور اچھوتا ناول ۔ عما؍

یوسف و نجمہ کامل۔ جگ بیتی نہیں آپ بیتی۔ قیمت . . . . ۸؍

شوقین ملکہ۔ پہلی اور دوسری صلیبی لڑائیاں قیمت . . . . ۸؍

فتح اندلس۔ اسپین پر عربوں کا حملہ عما؍

مقدس نازنین۔ ایک لڑکی کا پوپ بنجانا ۸؍

ملک العزیز ورجنا۔ تیسری صلیبی لڑائی ۸؍

ایام عرب۔ جاہلیت عرب کے حالات ہر دو حصہ عما؍

فردوس بریں۔ جیتے جی جنت کی سیر . . . عہ؍

حسن انجلینا۔ روم و روس کی لڑائی ۔ ۸؍

منصور موہنا۔ ایک عربی خاندان سندھ میں ۸؍

شہید وفا۔ اسپین میں مسلمانوں کی پامالی ۔ عہ؍

دُرگیش نندنی۔ ایک بنگالی ناول اردو میں عہ؍

دلچسپ۔ مصنف کا پہلا ناول دو حصہ ہر دو حصہ . . . . ۱۴؍

دلکش طالبعلمی اور عشق دو حصہ ہر حصہ ۱۴؍

میوۂ تلخ رضامندی اور نارضامندی کی شادیاں ۸؍

بدر النسا کی مصیبت سفر میں جورو کا بدل جانا . . . . ۶؍

معاشرت۔ ایک اعلیٰ درجہ کی اخلاقی کتاب انگریزی کی گلستان سر جان لبک کی یوز آف لائف کا ترجمہ عما؍

آتالیق بی بی۔ میاں کے افعال پر بی بی کی مزہ دار نکتہ چینیاں . . . . . ۱۲؍

رفع النقاب۔ مردہ پردے کے خلاف ایک مدلل رسالہ . . . . . . ۴؍

افسانۂ قیس۔ مجنون عامری کی لائف جو از سر نو مکمل کی گئی ہے قیمت فی جلد . . . ۳؍

قیس و لبنیٰ۔ مشہور عاشق عرب قیس بن ذریح عذری اور اسکی معشوقہ لبنیٰ کے حالات کو ایک نہایت اور دلچسپ ناول کا لباس پہنایا گیا ہے ۔ ۸؍

حسن بن صباح بانی فرقۂ باطنیہ کے حالات زندگی اسکی تعلیمیں اسکا علم و فضل اور اسکے سر بکف فدائی قیمت . . . . . . ۶؍

عصر قدیم۔ ایک نہایت مکمل اور سلجھی ہوئی تاریخ جسمیں حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے پیشتر کی تمام قوموں اسرائیلیوں مصریوں۔ اسیریا و بابل والوں ایرانیوں۔ یونانیوں۔ مقدونیہ والوں رومیوں ساسانیوں بطلیموسیوں وغیرہ کے اجمالی حالات میں۔ قیمت . . . . . ۸؍

آغا صادق کی شادی۔ لکھنؤ کے اگلے دور شاہی کی ایک بامذاق تصویر۔ کس کی دولہن کس کے ساتھ . . . ۔ عما؍

فلورا فلورنڈا۔ اندلس کا اسلامی دور مسلمانوں کی برداشت اور مسیحیوں کا احمقانہ تعصب نہایت دلچسپ اور پر اثر تاریخی ناول . . . . ۸؍

خواجہ معین الدین چشتی حضرت قطب الہند خواجہ اجمیری کے مسلسل تاریخی حالات اور آپ کے کمالات . . . . ۶؍

فلپانا مولانا شرر کا بہت ہی پُر اثر تاریخی ناول ارض طرابلس الغرب پر صحابۂ کرام کا حملہ حضرت عثمان غنی کا دور صحابہ کی پاکبازی و بے نفسی شہزادی فلپانا اور عبد اللہ بن زبیر . . . عہ؍

منیجر الناظر بک ایجنسی۔ امین آباد لکھنؤ

لیکن یہ سُن کر انکی امیدون پر ایک بجلی گر پڑی کہ شاہ فرانس نے یورپ واپس جانے کا تہیہ کر لیا ہے۔ تاہم فلپ نے

(بسلسلہ نوٹ صفحہ ۸۸) اور اُنپر سے چڑھ چڑھ کر عیسائیون سے لڑنا شروع کیا اور روغن نفط کی ہانڈیان برسانے پر بھی ان مین آگ نہ لگی تو عکہ والے بہت گھبرائے اور مسلمانان عکہ کا سردار قراقوس مایوس ہو چلا تھا کہ ایک دمشقی شخص نے آکر کہا کہ آپ منجنیق والون کو حکم دیجیے کہ جو کچھ مین دون وہ ان برجون پر برسائین۔ یہ شخص ایک اعلیٰ درجہ کا (Chemist) دوا ساز تھا۔ قراقوس با کراہ راضی ہوا منجنیق والون کو اسکی ہدایت کے موافق عمل کرنے کا حکم دیا۔ اس شخص نے پہلے ایک روغن دیا کہ ہانڈیون مین بھر بھر کر برسایا جائے۔ اس سے بظاہر کوئی اثر نمایان نہین ہوتا تھا۔ فرنگی یہ دیکھکر مسخرہ پن کر رہے تھے۔ غرض کہ وہ اسی غفلت مین رہے اور سارا برج اس روغن سے تر ہو گیا۔ اسکے بعد اس شخص نے شور انگن روغن نفط کی ہانڈیان برسانا شروع کین اور یکایک سارا برج مشتعل ہو گیا اور جتنے اندر تھے مع برج کے جل کر خاکستر ہو گئے۔ اسکے بعد یہی عمل دوسرے برجون پر کیا گیا لیکن ہانڈیون کے برسنے کا سلسلہ جاری ہوتے ہی سب لوگ نکل کر علٰحدہ ہو گئے اور جالون کے نقصان سے بچ گئے۔

۲۰ رجمادی الاول کو صلاح الدین کے لشکر سے پھر ایک سخت لڑائی ہوئی۔ اس مین فرنگیون نے مصری فوج پر حملہ کیا تھا۔ ابتدائً مصری بھاگے لیکن فرنگی انکے خیمے لوٹنے مین مصروف ہوئے مصری و موصلی لشکر آناً فاناً آپڑے اور گھیر کر مار ڈالا۔ اس لڑائی مین بھی تقریباً دس ہزار فرنگی مارے گئے جس نے عیسائیون کو پریشان کر دیا لیکن تیسرے ہی دن بادشاہان یورپ آپہونچے جس سے اُنکا حوصلہ بڑھ گیا اور ساتھ ہی لڑائی کا رنگ بھی بدلنے لگا۔

۲۷ رجمادی الثانی کو صلاح الدین نے اپنا خیمہ ہٹوا کر پھر خروبہ مین قائم کرایا تاکہ میدان وسیع ہو جائے۔ یورپ والون نے چاہا کہ عکہ کے گرداگرد بڑی بڑی منجنیقین قائم کر دی جائین لیکن محصورین اپنی مستعدی سے کسی طرح کام نہین کرنے دیتے تھے۔ مجبور ہو کے عیسائیون نے ایک نئی تدبیر نکالی وہ یہ کہ شہر پناہ سے کچھ فاصلہ پر مٹی کا ایک طویل تودہ قائم کیا اور مٹی ڈال ڈال کر اُسے دیوار کی طرف بڑھانا شروع کیا اور دیوار کے قریب لا کر اُسکی آڑ مین منجنیقین قائم کین۔ ادہر یہ دبا ڈ پڑا اودہر عکہ والون کے پاس کھانے کو کچھ نہین رہا رسد پہونچانا دشوار تھا۔ صلاح الدین نے اسکندریہ اور بیروت کے والیون کو حکم بھیجا کہ دریائی راستہ سے رسد پہونچائین۔ اسکندریہ والے تو کچھ نہ کر سکے مگر والی بیروت نے تدبیر کی کہ جہازون پر غلہ لاد کر عیسائیون کی صورت بنا کر صلیبین بلند کیے ہوئے اور مستولون پر صلیبی جھنڈے اُڑاتے ہوئے عکہ کو روانہ ہوے۔ فرنگیون نے اپنے جہاز سمجھکر کوئی مزاحمت نہ کی اور انھون نے عکہ مین داخل ہو کر پورا سامان اُتارا اس اثنا مین عیسائیون کے پاس پاپاے روم کا ایک خط آیا کہ مین نے سارے مسیحیون کو جہاد کا حکم دیا ہے۔ لگاتار فوجین پہونچتی رہین گی۔ تم گھبرا نہ جانا۔

۱۱ و ۱۳ رشوال کو سخت لڑائیان ہوئین جن مین مسیحیون کا بہت نقصان ہوا۔ انکے کیمپ مین اس زمانہ مین قحط پڑا لیکن مسلمانون ہی سے انھین مدد ملتی تھی جو غلہ لا لا کر انکے ہاتھ بیچتے اور دولت کماتے تھے۔ اگر یہ صورت نہوتی تو ان کا ٹھہرنا دشوار ہو جاتا۔

یہ کیا کہ اپنی تمام فوجین نواب برگنڈی (ڈیوک) کی تحت مین چھوڑتا گیا اور بہت کچھ خزانہ بھی دیتا گیا کہ مہم کا

(بسلسلہ نوٹ صفحہ ماسبق) اب موسم سرما شروع ہوا اور عیسائیون نے اپنے جہازات دیگر مقامات مین بھیجدیے اسلیے کہ عکہ کے بندرگاہ مین رکھنا دشوار تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دریا کی طرف سے عکہ کا رستہ کھُل گیا۔ صلاح الدین نے موقع پاتے ہی عکہ کے سردار اور وہان کی فوج باہر بلالی اور نئے سردارون کو نئی فوج کے ساتھ اسمین بھیجدیا لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ جسقدر لوگ آئے تھے اسقدر خوف کے مارے اندر نہین گئے۔ اسکی کمی نے عکہ کو اور کمزور کردیا اور پہلے کے مقابل مین صرف ایک ثلث قوت باقی رہگئی۔ پہلے وہان (۶۰) امیر تھے اور اب انکی جگہ صرف (۲۰) رہ گئے۔ صلاح الدین کے خزانے پر جو عیسائی مقرر تھے انھون نے بھی بعض لشکرون کو وہان جانے سے روکا۔ غرض عکہ مین کافی فوج نہین پہونچنے پائی تھی کہ فرنگیون کے جہاز پھر آپہونچے اور رستہ بالکل بند ہوگیا

سنہ ۵۸۷ھ کے شروع ہوتے ہی یورپ سے اسقدر کمک آنے لگی کہ گویا یورپ فوجین اُگل رہا تھا۔ جہازون پر جہاز سپاہیون سے لدے چلے آتے تھے۔ ۱۲ ربیع الاول کو فلپ شاہ فرانس بھی آپہونچا مگر صلاح الدین کی وہی حالت تھی کہ صبح ہوتے ہی لڑنے کو تیار ہوجاتا اور عیسائیون کو پوری قوت سے عکہ پر حملہ کرنے کا موقع نہ دیتا تھا۔ اُسامہ حاکم بیروت نے صلاح الدین کے حکم کے بموجب کچھ جہاز سپاہیون اور سامان رسد سے بھر کر روانہ کیئے تھے ان سے اور شاہ انگلستان کے جہازون سے جزیرۂ قبرس مین مقابلہ ہوگیا۔ مسلمان غالب آئے اور عیسائی معہ سامان گرفتار کرلیے گئے باوجود اسکے عکہ کا بچانا روز بروز غیر ممکن ہوتا جاتا تھا اور اسقدر بے انتہا اور لاتعداد فوج جمع ہوگئی تھی کہ اسکی روک تھام بہت دشوار تھی۔ عیسائی عکہ پر بھی حملہ کرتے تھے اور صلاح الدین سے بھی لڑتے تھے۔ عکہ کے گرد سات منجنیقین اُن ٹیلون کی آڑ مین عیسائیون نے قائم کین جن کا اوپر ذکر ہوا ہے اور شہرپناہ کو منہدم کرنے لگی ہن۔ جمادی الاول کو صلاح الدین اور آگے بڑھ گیا اور عیسائیون سے بالکل قریب خیمہ زن ہوا۔ جب عیسائی عکہ کا رخ کرتے یہ اُنپر حملہ کرتا اسی اثنا مین ۱۳ جمادی الاول کو شاہ انگلستان بھی آپہونچا۔ اسکے ساتھ (۲۵) بڑے بڑے جہاز عیسائیون سے بھرے تھے۔ اس بادشاہ کے آتے ہی عیسائیون کے حوصلے بڑھ گئے اسلیے کہ وہ بڑا بہادر، شجاع اور حیلہ جو افسر تھا اس زمانے مین بیروت سے مسلمانون کے کچھ جہاز رسد معہ سات سو بہادرون کے عکہ آرہے تھے۔ شاہ انگلستان نے موقع دیکھکر اُنپر حملہ کیا مسلمان مقابل ہوے لیکن جب انھین شکست کی صورت نظر آنے لگی تو یعقوب حلبی امیرالبحر نے اپنے جہاز ڈبودیے اور اُنکے ساتھ خود دریا مین ڈوب گیا تاکہ سامان رسد عیسائیون کے ہاتھ نہ پڑجائے اور اسکے رفقا زندہ گرفتار نہون۔

اب عکہ کی مصیبت کا وقت آگیا تھا۔ پہلی خرابی یہ ہوئی کہ امیر سیف الدین علی بن احمد ہنکاری جو عکہ کی فوج مین سب سے زبردست و اعلیٰ افسر تھا اس نے شاہ فرانس سے مل کر ان شرطون کے ساتھ شہر سپرد کردینے کی درخواست کی کہ جتنے مسلمان اندر ہون چھوڑدیے جائین اور انکو سلطان کے لشکر مین چلے جانے کی آزادی دیجائے۔ اسکو شاہ فرانس نے نامنظور کیا۔ اب اہل شہر کو اور ناامیدی ہوئی اور رات کو دو امیرون نے یہ غضب کیا کہ چند رفقا کے ساتھ چھپ کے نکل گئے اور صلاح الدین کے لشکر سے جا ملے۔ اس خبر کے مشہور ہوتے ہی اہل عکہ اور بدحواس ہوئے اور شہر کے سپرد کردینے کے بارے مین صلاح الدین اور فرانسیسیون

قصد بحالہ برقرار رہے۔ فلپ کے جانے کے بعد اب رچرڈ تمام افواج صلیب کا تنہا سردار رہگیا اور اسکی ذاتی شجاعت نے

(بسلسلہ نوٹ صفحہ ماسبق) مین مراسلت شروع ہوئی۔ شرطین یہ ہوئین کہ عکہ مین جتنے مسلمان ہین اُسیقدر عیسائی قیدی جو مسلمانون کے قبضے مین ہین چھوڑ دیے جائین اور صلیب اعظم عیسائیون کے حوالہ کردی جائے وہ لوگ اس معاوضہ پر راضی نہوئے۔ تب صلاح الدین نے اہل شہر کو حکم دیا کہ تمام مال و اسباب چھوڑ کر لڑتے بھڑتے نکل جاؤ۔ اور جس طرف نکلنے کا قصد کرو اسی طرف مین بھی باہر سے دباؤ ڈالون لیکن لوگ تہیہ سفر اور مال و اسباب کے اُٹھانے مین ایسے مصروف رہے کہ رات گزر گئی اور دن نکل آیا جسکے ساتھ ہی فرنگیون کی اینر یورش شروع ہوئی اور انھین نظر آیا کہ آج شام تک عیسائیون کا ضرور شہر پر قبضہ ہو جائیگا۔ یہ خیال کرکے انھون نے شہر پناہ پر چڑھکر جھنڈیان ہلائین جسکے معنے یہ تھے کہ ہم پہ آفت آگئی۔ ان جھنڈیون کو صلاح الدین کے ساتھیون نے دیکھتے ہی رونا شروع کیا اور یون ہی روتے ہوئے سبھون نے مل کر عیسائیون پر حملہ کیا۔ اب قریب تھا کہ مسلمان خندق کے اندر گھس پڑین مگر عیسائی فوراً شہر کو چھوڑ کر اس طرف متوجہ ہو گئے کہ کہین یہ لوگ شہر کے اندر نہ گھس جائین سیف الدین علی بن احمد ہنکاری نے جب یہ دیکھا کہ صلاح الدین مدد نہین پہونچا سکتا تو بطور خود ہی عیسائیون سے یہ طے کرلیا۔ کہ اسمین جتنے لوگ ہین اپنی جان مال لیکر امن و امان سے چلے جائین اور اسکے معاوضہ مین فرنگیون کو دو لاکھ دینار دیے جائین اور مشہور لوگون مین سے پانچ سو اسیر دیے جائین اور علاوہ صلیب واپس کرنے کے چار ہزار دینار حاکم صور کو دیے جائین۔ اسے عیسائیون نے منظور کرلیا باہم حلف اُٹھایا اور روپیہ کی ادائی کی مدت دو شنبہ قرار دی گئی۔ اسکے بعد شہر کے پھاٹک کھول دیے گئے مگر شہر کے اندر گھستے ہی عیسائیون نے بدعہدی کی اور مسلمانون اور اُنکے مال و اسباب کو روکا اور سب قید کرکے یہ بہانہ کیا کہ ہم نے یہ کارروائی اسلیے کی ہے کہ تمام شرائط کی تعمیل ہو جائے اور صلاح الدین کے پاس کہلا بھیجا کہ نقد روپیہ۔ قیدی اور صلیب بھیجدو پھر ہم ان لوگون کو چھوڑ دینگے۔ صلاح الدین نے روپیہ جمع کرنا شروع کیا اور ایک لاکھ دینار فراہم کرلینے کے بعد امرا سے مشورہ کیا سب نے کہا کہ جبتک اُن لوگون سے دوبارہ قسم نہ لی جائے کہ وہ شہر والون کو جو گرفتار تھے چھوڑ دینگے اور ضیاف الغربا (ہسپٹلرز) جن کی راستبازی کا مسلمانون کو بھی یقین تھا ضمانت نہ کرین روپیہ نہ بھیجا جائے۔ صلاح الدین نے یہی امور انھین لکھ بھیجے ضیاف الغربا نے ضمانت سے انکار کیا اور صاف کہدیا کہ ہمین اپنے ہمراہیون کا اعتبار نہین اور بادشاہون نے یہ جواب دیا کہ جب روپیہ۔ صلیب اور ہمارے قیدیون کو تم بھیجدوگے تو ہمارا جو جی چاہے گا قیدیون کے ساتھ کرینگے۔ یہ جواب سنتے ہی سلطان سمجھ گیا کہ یہ لوگ بدعہدی پر آمادہ ہین۔ مگر پھر کہلا بھیجا کہ جو کچھ روپیہ جمع ہوا ہے اُسے ہم مع صلیب اور قیدیون کے بھیجنے کو تیار ہین اور باقی رقم کی کفالت دینے کو بھی موجود ہین۔ تم اسکے معاوضہ مین ہمارے ساتھیون کو چھوڑ دو۔ ضیاف الغربا (ہاسپٹلرز) کی ضمانت دو اور وہ عہد پورا کرنے پر حلف کرین۔ جواب ملا ہم حلف نہین کرسکتے تم لاکھ دینار۔ قیدی اور صلیب بھیجدو۔ ہم تمھارے ساتھیون مین سے جنھین چاہینگے چھوڑ دینگے اور جنھین چاہینگے باقی ماندہ رقم کے وصول پانے تک قید رکھینگے اس حرکت سے سب سمجھ گئے کہ عیسائی بدعہدی و غداری پر آمادہ ہین۔ لہٰذا سلطان نے روپیہ وغیرہ بھیجنا نامناسب و فضول خیال کیا

کارنمایان بھی ایسے کیے کہ دیکھنے والے حیران و ششدر رہتے۔ اس اثنا مین مقام انطرطوس ([illegible]) مین

(بسلسلہ نوٹ صفحہ ماسبق) ۲۷ رجب کو عیسائیون کے سوار و پیادے شہر سے باہر نکلے اور مسلمان بھی مقابلے کو بڑھے اور حملہ کرکے پیچھے ہٹا دیا۔ اُسی وقت معلوم ہوا کہ فرنگیون نے عکہ کے مسلمان اسیرون مین سے صرف امیرون! افسرون اور مالدار لوگون کو روپیہ کی طمع مین رہنے دیا ہے اور باقی سب کو قتل کر ڈالا ہے۔ یہ دیکھکر سلطان نے بھی وہ جمع کیا ہوا روپیہ اپنے لشکر پر خرچ کرنا شروع کیا اور انکے قیدیون اور اصلی صلیب کو دمشق بھیجدیا۔ (ماخوذ از ابن اثیر و حاشیۂ حروب صلیبیہ مترجمہ منشی محمد امیر مرزا صاحب لکھنوی)۔

(نوٹ متعلق صفحہ ۸۸) انگریزی مورخ مثلاً مسٹر کاکس وغیرہ قبضہ عکہ کے بعد عیسائیون کی اخلاقی حالت اور عیسائی افواج کی نقل و حرکت کو یون بیان کرتے ہین:۔ "عکہ پر پھر قبضہ ہو جانا ان رحمدل سچے حامیان صلیب کے واسطے گویا عیاشی داد باشی مین پڑ جانے اور رنگ رلیان منانے کا اجازت نامہ تھا اور ان بدافعالیون سے انھین باز رکھنا اور روکنا کوئی آسان کام نہین تھا۔ آخرکار رچرڈ کی فوج سمندر کے کنارے ہی کنارے جنوب کی جانب بڑھی اور بحری فوج کے جہاز بھی ساحل کے قریب ہی قریب روانہ ہوے۔ انکے بائین ہاتھ کی طرف صلاح الدین کی فوج تھی جسکی حکمت عملی یہ تھی کہ دشمنون کو بغیر کوئی باضابطہ مقابلہ کیے اس ملک کے اندر ہی تباہ کر دے جیسکے قلعون اور گڑھیون کو دشمنون نے تباہ کیا تھا۔ اس طریقہ سے مجاہدین صلیب اور انکے دشمن دونون شہر ارسوف کی نواح مین پہونچے۔

جنگ ارسوف یہان پہونچتے ہی رچرڈ نے دل مین ٹھان لی کہ صلاح الدین سے ایک زبردست مقابلہ کرے۔ اسکے میمنہ کا افسر کندکیبر (جیکب آف آونیز) تھا اور میسرہ پر نواب برگنڈی (ڈیوک) حاکم تھا اور قلب کی سپہ سالاری خود رچرڈ کر رہا تھا۔ اس لڑائی کو عیسائی مورخون نے بہت کچھ آب و تاب دیدی ہے۔ خاص کر روزنامچہ رچرڈ شیر دل کے مصنف نے بہت کچھ تفصیل سے کام لیا ہے اور ایک ایک معمولی کارنامہ کو ہفتخوان رستم و اسفندار بنا کر ظاہر کیا ہے۔ مسٹر کاکس صرف اسی قدر فرماتے ہین کہ اس لڑائی مین رچرڈ نے بہت کچھ سپہ سالارانہ قابلیت دکھائی اور نہایت عقلمندی سے اپنے سوارون کو آخری نازک وقت تک تازہ دم محفوظ رکھا اور جب انکا حملہ شروع ہوا تو دشمنون کی صفین درہم برہم ہونے لگین لیکن جیکب آف آونیز کام آیا جسکے مارے جانے سے بجاے خوشی کے رچرڈ کو بہت صدمہ پہونچا۔ مسلمان مورخین اس موقعہ پر ہر طرح اعتدال کے پہلو کو لیے ہوے ہین۔ خود بہاءالدین عیسائیون کی شجاعت کی تعریف کرتا ہے۔ ابن اثیر و ابن شداد اس واقعہ کو یون بیان کرتے ہین کہ جب رچرڈ عکہ سے جنوب کی طرف بڑھا تو عساکر اسلام انکے ساتھ ساتھ برابر لڑتے چلے جاتے تھے اور مسلسل اس کثرت سے تیر برساتے رہتے تھے کہ آفتاب چھپ چھپ جاتا تھا۔ ایکمرتبہ عیسائیون کے آخری حصہ پر مسلمانون نے ایسا زبردست حملہ کیا کہ بہت سے عیسائی بہادر کام آئے اور بہت سے اسیر ہو گئے۔ مقام حیفہ مین ٹھہر کر فرنگیون نے جدید فوج عکہ سے طلب کر کے ساتھ لی اور آگے بڑھے۔ عکہ کے شہدائے اسلام کے واقعہ نے صلاح الدین کو اسقدر برہم کر دیا تھا کہ اُس نے قسم کھائی کہ اب

سلطان صلاح الدین نے نواب برگنڈی (ڈیوک) پر ایک ایسا زبردست حملہ کیا کہ آخرالذکر کو راہ ہزیمت اختیار کرنی پڑی مگر رچرڈ جنگ کا شور وغل سنتے ہی اپنے سپاہیوں سمیت پہونچ گیا۔ اسکی صورت۔ اسکی حرکات سکنات اسکے بار بار سینٹ جارج کا نام لینے نے فوج کے جوش کو دو بالا کر دیا اور ترکوں کو تین ہزار آدمیوں کے نقصان سے ساتھ پسپا ہونا پڑا۔ عیسائیوں پر اور بہت سے حملے کیے گئے۔ ایک مقام پر ہاسپٹلیین کی ایک جماعت دشمنوں میں گھر گئی اس ہنگامہ میں نواب لیسسٹر Leicester (ارل) معہ انگریزوں کی ایک جماعت کے جو کمک کے طور پر آگئی تھی سب ایک ایک کر کے قتل ہو جاتے اگر رچرڈ اپنے شیر کے مانند دل کے ساتھ وقت پر نہ پہونچ جاتا۔ یہ قریب قریب نہتا دشمنوں میں گھس گیا اور آناً فاناً دشمنوں کو منتشر کر کے اپنے دوستوں کو خطرے کی حالت سے نکال لایا۔[۱]

یروشلیم کا راستہ اب صلیبیوں کے لیے کھل گیا لیکن بجاے اسکے کہ وہ اس موقع سے کچھ فائدہ اٹھائیں انھوں نے اپنی اوقات بیکار مشغلوں۔ شرمناک تنازعوں اور مسلمانوں کے ساتھ کبھی کبھی ایک غیر فیصلہ کن لڑائی لڑ لینے یا کبھی اس سے بھی ادنی درجہ کی لڑائی میں ضائع کرنا شروع کی۔ آخرکار رچرڈ نے قصد کیا کہ بلد مقدس کے محاصرہ کے لیے قدم بڑھانا چاہیے۔ صلیبی قدس کی پاک دیواروں کے پاس تک پہونچ بھی گئے اور ہر طرف

(بسلسلہ نوٹ صفحہ ماسبق) جو کوئی عیسائی اسیر ہوگا فوراً قتل کیا جائیگا ہزار در ہزار فرنگی پکڑ کر آتے اور قتل کیے جاتے۔ قیساریہ میں پہونچ کے ایک اور زبردست مٹھ بھیر ہوئی جسمیں مسلمان غالب رہے۔ عیسائیوں نے یہیں رات کاٹی اور صبح کو جب یہاں سے نکلکر چلے تو مسلمانوں نے حملہ کر کے مقدمۃ الجیش کو کاٹ ڈالا اور بہت سے اسیر کیے گئے جنھیں شہداے اسلام کے خون کے عوض میں قتل کیا گیا۔ اسکے بعد عیسائی ارسوف پہونچے جہاں مسلمان بھی موجود تھے۔ فرنگیوں کے آتے ہی انھوں نے اس زور سے حملہ کیا کہ سمندر تک مارتے لیگئے لیکن اس آخری حصہ کے فرنگی سواروں کا حملہ بلا کا تھا مسلمان شکست کھا گئے اور بھاگے مگر اتفاق یہ ہوا کہ فرنگیوں کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ لوگ شکست کھا کر بھاگے ہیں اور اگر وہ سمجھ جاتے اور تعاقب کرتے تو مسلمانوں کو بہت بڑی شکست ہوتی اور صلاح الدین کے کچھ بنائے نہ بنتی۔ تاہم بہت سے مسلمان شہید ہوے اور شہر کے قریب ایک جنگل میں گھس گئے۔ عیسائی سمجھے کہ یہ بھی کوئی ان لوگوں کا فریب ہے۔ اور پیچھا کرنے سے باز رہے۔ اس لڑائی میں عیسائیوں کی طرف کنڈ کیبر (جیکب آف آونیز) مارا گیا اور مسلمانوں کی طرف سے صلاح الدین کا غلام ایاز طویل (اسکا نام لین پول نے موثق لکھا ہے) کام آیا جس کی شجاعت کی دور دور دھوم تھی اور جس کی شہادت کا صلاح الدین کو بڑا صدمہ ہوا ۱۲۔

(نوٹ متعلق صفحہ ۹۱) ہسٹوریا برنارڈی تھیسا ورارائی باب ۱۷۶ وانیالسے راجیری ڈی ہاویڈن صفحہ ۶۹۷۔

[۱] ہسٹوریا جیکو بائی ڈی وٹریاکو باب ۹۹ وانیالے راجیری ڈی ہاویڈن صفحہ ۶۹۸۔

کامیابی کی امید بھی نظر آنے لگی لیکن اس زمانہ مین جبکہ شاہ انگلستان ارض فلسطین مین یہ لڑائیان لڑ رہا تھا یورپ مین اُسکے جسقدر کام تھے سب بے توجہی کی حالت مین پڑے ہوئے تھے۔ اسکا بھائی جان یہ کوشش کر رہا تھا کہ بھائی کی غیبت مین خود مالک تخت و تاج بن بیٹھے اور فلپ آگسٹس (Philip Augustus) کی یہ سعی تھی کہ جسقدر انگریزون کے مقبوضات فرانس مین ہین اُن سب سے انھین بے دخل کر دے۔ قاصد پر قاصد یورپ سے چلا آتا تھا اور سوائے اسکے کوئی خبر نہین لاتا تھا کہ ملک خطرہ مین گھرا ہوا ہے اور واپسی کا فوراً قصد کرنا چاہیے[51] ممکن ہے کہ رچرڈ کو یہ بھی خیال ہوا ہو کہ اُسکی فوج مین بلد مقدس کو فتح کرنے کی قابلیت نہین ہے۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو اب ایک ایسے نازک وقت مین جبکہ اُسکی شجاعت کے کارنامون نے دشمنون کو بد حواس کر رکھا تھا اور اُسکے نام کی شہرت دور دور تک پہونچ گئی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ بس اب اخیر ہی حملہ کی ضرورت ہے اور عنقریب رچرڈ کو فاتح بیت المقدس کا قابل فخر لقب حاصل ہو جائے گا اس متلون مزاج بادشاہ نے اپنا ارادہ بدل دیا اور مہم سے بالکل ہاتھ اُٹھا کر یورپ واپس جانے کا تہیہ کر لیا[52]۔ ایک دوسری قوم کے مورخ نے کیا خوب رچرڈ شیر دل کے متعلق کہا ہے کہ اپنی متلون طبیعت کے اثر سے مغلوب ہو کر وہ ہمیشہ اپنی تجویزین۔ اپنی الفت و محبت اور اپنے مقولے بدلتا رہتا تھا۔ اگر کسی شئے مین اُسے استقلال تھا تو وہ جنگ کی محبت تھی لیکن یہان بھی جوش طبع بہت کم کسی ایک مقصد کی طرف اسے مشغول رہنے دیتا تھا۔ اُسکی نادانیون۔ اُسکے دعوون اور اُسکی متلون مزاجی نے ہمیشہ اُسے اپنی مہمات کا ثمرہ اُٹھانے سے محروم رکھا۔ اسپر افسوس ظاہر کیے بغیر نہین رہا جا سکتا کہ رچرڈ نے ایک ایسی مہم کو جس کے مقابلہ مین ایک زمانے مین تمام دوسرے کام ہیچ سمجھے جاتے تھے اس طرح یکایک ترک کر دیا[53]

[51] گاڈفریڈس وینی زاف کی کتاب ہسٹوریا اینگلیکا اسکرپٹورز جلد پنجم باب (۴۲)؛ [52] ہسٹوریا جیکوبائی دی وٹریاکو باب (۱۰۰)؛ [53] عیسائی رچرڈ کو متلون المزاج بتاتے ہین۔ وہ جیسا کچھ ہو لیکن صلیبی لڑائی کے معاملہ مین ضرور اُس نے حتی المقدور استقلال سے کام لیا اسکی حالت بہت نازک تھی۔ گھر پر جان جسے ملک کے انتظام کے لیے چھوڑ آیا تھا اس کوشش مین تھا کہ خود ملک کو دبا بیٹھے۔ شاہ فرانس الگ کوشش کر رہا تھا کہ انگریزی مقبوضات فرانس کسی طرح چھین لے۔ یہان میدان جنگ مین حالت یہ تھی کہ صلیبیون مین عیش پرستی سستی اور طرح طرح کی اخلاقی خرابیان پیدا ہو گئی تھین۔ خود سردارون مین آپس مین نفاق تھا چنانچہ باتون باتون مین نواب آسٹریا سے عداوت ہو گئی تھی۔ مسٹر کاکس لکھتے ہین کہ محاصرہ عکہ کے زمانہ سے ڈیوک آف آسٹریا شاہ انگلستان کو اپنا دشمن سمجھنے لگا تھا۔ اسکی وجہ یہ بیان کی جاتی تھی کہ رچرڈ نے آسٹریا کے جھنڈے کی توہین کی تھی یعنے آسٹریا والون کے علم کو عکہ کی شہر پناہ پر نصب دیکھتے ہی برہمی کے ساتھ اُکھاڑ کر کھائی مین پھینک دیا تھا۔ وہ نفرت جو اس طریقہ سے پیدا ہوئی تھی اس وقت اور زیادہ بڑھ گئی جب رچرڈ نے حکم دیا کہ فوج کے تمام لوگ مل کے عسقلان کی شہر پناہ کو از سر نو تعمیر کرین۔ ڈیوک آف آسٹریا نے اس حکم کے جواب مین یہ کہا کہ نہ مین معمار ہون نہ بڑھئی۔ یہ جواب سنتے ہی رچرڈ نے اُسکو ایک

کہا جاتا ہے کہ لوگ اُسے ایک پہاڑی[۵۱] پر لے گئے جہاں سے بیت المقدس نظر آتا تھا لیکن یہ منظر اور ان چیزوں کی یاد ایسی نہ تھی جو وہ ضبط کر سکتا۔ اور اس جنگجو بادشاہ نے آنکھوں کے سامنے ڈھال آڑ کر لی اور قلبی حزن کے ساتھ اپنا مُنھ پھیر لیا اور قدم واپس اُٹھایا۔

صلیبی لشکر کو خلاف امید اس طرح پیچھے ہٹتے دیکھکر صلاح الدین کو جو خطرات لاحق تھے دفع ہو گئے۔ اس نے فوراً اس موقع سے فائدہ اُٹھانے کا ارادہ کیا چنانچہ رچرڈ سواحل فلسطین کو ابھی چھوڑنے بھی نہ پایا تھا کہ سلطان نے فوجیں جمع کر کے یافہ پر حملہ شروع کر دیا۔ یہ خبر سُنتے ہی رچرڈ بیتاب ہو گیا اور قصد کیا کہ جس طرح ممکن ہو یافہ کو بچانا چاہیے۔ ڈیوک آف برگنڈی نے ساتھ چلنے سے انکار بھی کیا لیکن رچرڈ نے اسکی کچھ پروا نہ کی اور اپنی فوج کے کثیر حصہ کو خشکی کی راہ روانہ کر کے خود سمندر کے راستے چند ہمراہیوں کے ساتھ روانہ ہوا حسن اتفاق سے ہوا بھی موافق تھی یافہ پہونچکر اسے معلوم ہوا کہ قلعہ ترکوں کے قبضہ میں آ گیا ہے اور عیسائی لڑ لڑ کر بہت بہادری کے ساتھ جان فروشی کر رہے ہیں۔ رچرڈ شیر دل یہ دیکھتے ہی کہ قلعہ غنیم کے قبضہ میں ہے جہاز سے خشکی پر کود پڑا اور بہر گلے میں حمائل کیے

(بسلسلۂ نوٹ صفحہ ماسبق) ایسی ٹھوکر ماری کہ وہ زمین پر گر پڑا۔ اس بے لطفی کے علاوہ اہل جنیوا نے زور دیا کہ کانراڈ (Conrad) کا دعوائے سلطنت بیت المقدس تسلیم کیا جائے۔ گائی (Guy) کی حمایت پر اہل پائسا کھڑے ہو گئے۔ فرانس والے اس لیے فوج سے نکل گئے کہ رچرڈ اب اُنھیں تنخواہیں نہیں دے سکتا تھا۔ کانراڈ نے اپنا دلی بخار یون نکالا کہ سلطان صلاح الدین سے جا ملا۔ سچ ہے پروردگار عالم کا ارشاد کہ اغرینا بینہم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامہ۔ جب یہ حالت تھی تو رچرڈ شیر دل کو اس جنگ میں متلون مزاجی کا الزام دینا نامردی اور اس بہادر کے نام کی توہین کرنا ہے۔

۵۱ مسٹر کاکس اس واقعہ کو یون بیان کرتے ہیں کہ عملی طور پر ناتفاقی اور بُری طرح کی افسری اس صلیبی لڑائی کی قسمت کا فیصلہ اسکے خلاف کر چکی تھی لیکن رچرڈ کی نظر میں ابھی تک بیت المقدس کا قبضہ میں آجانا بہ نسبت اس کے کہ اسکے بھائی جان (John) کو اسکے کردار کی سزا ملے زیادہ دلکش تھا لہذا جون کے مہینے میں پھر اسکا لشکر بیت المقدس کی طرف بڑھنے لگا لیکن جب بیت نوبہ تک پہونچے تو انکی آنکھیں کھلیں اور معلوم ہوا کہ انکے پاس اتنی فوج نہیں ہے جو اس زبردست شہر کے محاصرے کے لیے کافی ہو سکے اور نہ انکے یہان کوئی کمسریٹ کا انتظام ہے۔ ہر وقت اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں ان کی رسد نہ روک دی جائے۔ علاوہ ازین ترکون نے ذرائع آبنوشی غارت کر ڈالے۔ ان حالات کی طرف سے بے پروا ہو جانا غیر ممکن تھا۔ آخر کار رچرڈ نے اس بات کی کوشش کی کہ اپنی فوج کو مصر پر چڑھائی کرنے اور قاہرہ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کرے۔ اتفاقاً اس وقت وہ ایک ایسی پہاڑی پر تھا جہان سے لوگون نے کہا کہ بیت المقدس نظر آتا ہے۔ رچرڈ نے اسکی طرف دیکھنے سے انکار کیا اور کہا مین شہر مقدس کے دیکھنے کے قابل نہیں ہون کیونکہ مین اسے بے دینونکے ہاتھ سے چھڑا نہ سکا۔

۵۲۔ مسلمان مورخ اس واقعہ کو یون بیان کرتے ہین کہ عیسائی بیت المقدس کی فتح سے مایوس ہو کر بعد حرمان عکہ واپس آئے تو

اپنا ڈنمارک والا تبر ہاتھ مین لیے حملہ آور ہوا اور قلعہ کو پھر واپس لے لیا۔ تمام مسلمان جو قلعہ مین تھے قتل کر ڈالے گئے اور جو باہر تھے پسپا کر دیے گئے۔ خود رچرڈ تعاقب کرتا ہوا مسلمانون کے کیمپ تک جا پہونچا جہان ایک چھوٹے سے ٹیلے پر اپنے ہمراہیون کے ساتھ کھڑے ہو کر غنیم کو دیکھنے لگا۔ جب صلاح الدین نے اپنی فوج سے پوچھا کہ تم کیون بھاگ کھڑے ہوئے تو انھون نے جواب دیا کہ انگلستان کے بادشاہ نے یافہ پہونچکر بہت سے لوگون کو قتل کر ڈالا اور شہر پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ صلاح الدین نے پوچھا وہ کہان ہے۔ انھون نے کہا "وہ حضور دیکھیے اپنے آدمیون کے ساتھ ٹیلے پر کھڑا ہوا ہے" صلاح الدین نے کہا "کیا! کیا بادشاہ نوکرون کے ساتھ مل کر پیدل استادہ ہے۔ یہ کسی طرح مناسب نہین" یہ کہتے ہی اُس نے فوراً ایک گھوڑا رچرڈ کے پاس بھیجا اور پیامبر سے کہدیا کہ وہان جا کر کہنا کہ ایسے شخص کو ایسے عظیم خطرے کے موقعہ پر یون پیدل نہ رہنا چاہیے۔[ا]

محنت و مشقت کی کوفت سے آخر بادشاہ انگلستان کو بخار آنے لگا جس نے یورپ واپس جانے کی خواہش کو دوبالا کر دیا۔ اسکے زور بازو اور فتح و نصرت سے جو ہیبت مخالفین کے دلون مین بیٹھ گئی تھی اُس نے صلح کی درخواست کی کامیابی مین آسانی پیدا کر دی۔ خود صلاح الدین اس بے سود جنگ و جدال سے عاجز آگیا تھا اور اسکے علاوہ روز بروز ضعیف ہوتا جاتا تھا حتیٰ کہ صلح کے چند ماہ بعد ہی انتقال کر گیا۔ ان حالات و واقعات کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانون کے امیر نے صور (طائر)۔ عکہ اور یافہ اور بحری مقامات مابین صور و یافہ پر عیسائیون کا قبضہ تسلیم کر لیا

(بسلسلۂ نوٹ صفحہ ماسبق) صلاح الدین نے رجب ۵۸۸ھ مین شہر یافہ کو موقع پا کر فتح کر لیا۔ شہر والے شکست پا کر قلعہ بند ہو گئے اور مسلمانون کے ہاتھ بہت کچھ مال غنیمت آیا۔ صلاح الدین کے غلامون کو بھی دست برد کا موقعہ ملا۔ پھاٹکون پر کھڑے ہو گئے اور جو مسلمان سپاہی لوٹ مار کے لاتا زبردستی چھین لیتے جس نے تمام فوج کو ناراض کر دیا۔ شہر کی طرف سے مطمئن ہو کر مسلمانون نے قلعہ پر حملہ کیا قلعہ کی حالت نازک تھی۔ سردار قلعہ مع چند عیسائی افسرون کے باہر نکل آیا اور امان طلب کر کے ہتھیار رکھنے اور صلح کے شرائط پر گفتگو ہونے لگی اتنے مین رات ہو گئی اور معاملہ صبح پر اُٹھا رکھا گیا۔ صبح ہوتے ہی قلعہ والون کی مدد عکہ سے آگئی اور عیسائیون نے قلعہ خالی کرنے سے انکار کیا۔ خود رچرڈ شیر دل بھی آ پہونچا۔ مسلمانون نے شہر سے نکل کر مقابلہ کا ارادہ کیا۔ شاہ انگلستان خود تن تنہا میدان مین آیا اور دونون لشکرون کے درمیان ٹھہر کر کچھ کھانے کو مانگا۔ جیسے گھوڑے سے اُتر کر اُس نے کھایا۔ اب صلاح الدین نے مسلمانون کو حملہ کا حکم دیا تو جناح نامی ایک مسلمان سردار نے سامنے آ کر عرض کیا کہ حضور اپنے غلامون کو پہلے حکم فرمائین جنھون نے کل مال غنیمت لیا ہے اور سپاہیون کو زد و کوب کی ہے۔ یہ نہین ہو سکتا کہ جنگ کی مصیبتین ہم برداشت کرین اپنی جانین قربان کرین اور صلہ کے وقت مال غنیمت وہ لین اور ہم پر جور کرین۔ صلاح الدین کو جواب ناگوار گزرا لیکن خاموش ہو رہا اور لڑائی کا قصد فسخ کر کے مصری فوج کے آنے کے بعد یافہ سے دست بردار ہو کر رملہ کی جانب چلا گیا۔ (ابن اثیر)

[ا] ہسٹوریا برنارڈی تھیسا ورارئی باب (۱۷۷) وگاڈ فریڈس ونی زاف جلد (۶) باب (۱۵)

گزارش

الناظر کی زندگی کا چوتھا سال ختم ہونے مین صرف ایک ماہ باقی رہ گئی ہے اور کارپردازان رسالہ کا منشاء ہے کہ اس سال کے آخری (یعنے جون) نمبر مین گزشتہ سالون کی مفصل رپورٹ پیش کرکے آیندہ کے لیے جو نئی تجاویز پیش نظر ہون اُن کا اعلان کیا جائے۔

لیکن انسانی فطرت کا خاصہ یہ ہے کہ اپنے حالات اور کارنامون کے بیان مین وہ لیسا اوقات روشن پہلو کے دکھانے مین اسقدر مبالغہ کرتا ہے کہ گویا تصویر کے دوسرے رخ مین کسی تاریک حصہ کا وجود ہی نہین پایا جاتا۔ ایسی صورت مین اگر واقعات سے صحیح نتائج اخذ کرنے اور روشن و تاریک دونون پہلوؤن کی سچی تصویر دکھانے کی خاص کوشش بھی کی جائے تو ذاتی تعصبات و رجحانات کی وجہ سے پوری کامیابی نہین ہوتی۔ اسلیے ایسے موقعون پر خود اعتمادی سے قطع نظر کرکے اپنی رائے اور خیالات کے ماسوا دوسرون کی نگاہ نکتہ رس اور مخلصانہ مشورون سے استفادہ کرنا نہایت ضروری اور کار آمد تدبیر ہے۔ پھر ہم یہ بھی چاہتے ہین کہ الناظر کے لیے جدید پروگرام طیار کرتے وقت دوسرون کی رایون اور نقطہائے نظر کا بھی پورا پورا لحاظ رکھا جائے تاکہ جمہوریت پسندی کے اس دور مین کسی کو ہماری مطلق العنانی اور خود مختاری کی شکایت باقی نہ رہے۔

نظر بر آن

تمام ناظرین کرام سے عموماً اور معزز معاصرین مقتدر معاونین سے خصوصاً نہایت ادب کے ساتھ التجا ہے کہ وہ سب گزشتہ سالون کے تجربہ کی بنا پر الناظر کی مختلف حیثیات کے بارہ مین مبسوط رایون اور گران قدر و بیش قیمت مشورون کے اظہار سے کارپردازان رسالہ کو رہین منت بنائین ع بر کریمان کارہا دشوار نیست۔

چونکہ جون کا پرچہ ماہ مئی مین طبع ہوگا اسلیے اظہار رائے مین یہ امر ملحوظ رکھنا موجب شکر گزاری ہوگا کہ تمام حضرات اپنی اپنی رائین اسی ماہ مارچ کے اندر اندر یا زیادہ سے زیادہ ۱۵ اپریل تک ظاہر فرما دین تاکہ ہمین اطمینانی مطالعہ اور کامل غور کے لیے کافی وقت مل سکے۔

مقتدر معاصرین اپنی اپنی رایون کا اظہار اپنے بیش بہا صحائف کے ذریعہ سے اور دیگر حضرات پرائیوٹ خطوط مین کرسکتے ہین

خاکسار ظفر الملک علوی ایڈیٹر الناظر

جشمہ

گولیان! گولیان!! گولیان!!!

لیجیے! آپکو بقائے صحت و زندگی کے لیے اکسیر کی تلاش نہ رہی

ہماری ایجاد کردہ آتنگ نگرہ گولیون کا نام شاید آپنے نہ سُنا ہوگا یہ گولیان عجیب و غریب صفات سے بھری ہین۔ بڑے بڑے نامی گرامی ڈاکٹرون۔ ویدون اور حکیمون نے اس کا تجربہ کرکے اسکی تعریف مین ہم کو خطوط لکھے ہین۔ ہزارون سندین اور سارٹیفکٹ اسکے موجود ہین۔ سیکڑون فرمایشین ان گولیون کی نہ صرف ہندوستان بلکہ غیر ملکون سے متواتر ہمارے شفاخانہ مین پہونچتی رہتی ہین۔ عصبی کمزوری کو جڑ سے کھودینا۔ مایوسون کو سراپا امید بنانا۔ مادۂ تولید کے تمام نقصانات کو دور کرنا۔ ذہن مین جودت اور تیزی پیدا کرنا حافظہ کو قوت دینا۔ جسم کو تندرست و توانا بنانا مردون مین تازی روح پھونکنا اسکا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ مرد ہون یا عورتین انکے ہر قسم کے ضعف دور کرکے عالم جوانی کا لطف دکھاتے ہین۔ یہ گولیان اکسیر کا کام کرتی ہین۔ اگر انھین تندرست بھی کھاے تو بیشمار فائدے اپنے جسم مین پاے۔ جن لوگون نے انھین استعمال کیا ہے اُن سے دریافت کرکے اپنا اطمینان کرلیجیے خود ایکبار تجربہ کرلیجیے۔ **قیمت** فی بکس جسمین ۳۲ گولیان ہوتی ہین عہ، علاوہ محصول ڈاک ہے۔ اگر مزید اطمینان کی ضرورت ہو تو ہماری کتاب **کام شاستر مفت منگوالیجیے**۔ جو اُردو، انگریزی ناگری، گجراتی، مرہٹی، بنگالی، تامل وغیرہ زبانون مین ۱۵۰ صفحے پر چھپی ہوئی موجود ہین۔ اور ہم محصول ڈاک اپنے پاس سے لگا کر آپکو بھیجدینگے۔ ابتک چھ لاکھ سے زیادہ کاپیان ہم مفت تقسیم کرچکے ہین۔ اس کتاب کے دیکھنے سے آپکو بہت سی مزید معلومات حاصل ہوجاینگی۔ **ملنے کا پتہ**

ویدشاستری منی شنکر گووندجی۔ آتنگ نگرہ فارمیسی

شہر جام نگر۔ ملک کاٹھیاوار

قیمت سالانہ قسم اول صہ — قیمت سالانہ قسم دوم عہ

الناظر

نمبر ۴۵ جلد ۸ — یکم مارچ سنہ ۱۹۱۳ء

مقدمہ حیاۃ النذیر	مولوی عبدالحق بی اے	۱
افسانۂ جوانی (نظم)	مرزا کاظم حسین محشر لکھنوی	۱۰
خونابۂ جگر (نظم)	مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی	۱۱
حیات اور موت کے راز کا نظارہ بیسویں صدی کی روشنی میں	شاہ محمد نذیر ہاشمی سب ایڈیٹر "مشرق"	۱۵
گرد باد (نظم)	سید ضامن حسین ضامن کنتوری	۲۳
گرانی اجناس	سید ہاشمی (علیگڈھ)	۲۵
خمسہ بر غزل حکیم سنائی	جناب منشی افتخار علی جگر	۳۲
میر تقی میر	ا۔ ز۔ لکھنوی	۳۳
تصویر افکار (نظم)	"ایکو"	۴۳
دو سائنس	خواجہ حسن نظامی صاحب	۴۵
دریاے جہلم (نظم)	ملک محی الدین احمد قمر امرتسری	۴۷
تصویر وفا	نذر سجاد حیدر صاحبہ	۴۹
ستی (نظم)	حضرت وفا شاگرد جناب جلیل	۵۸
نقاد کی نقادی	سید علی احسن احسن مارہروی	۵۹
نامۂ شوق	جناب صدق جائسی	۶۹
امید	مسٹر اے ایم مبین عباسی کیفی	۷۰
غزلیات	جناب جلیل۔ صفا و نظم لکھنوی	۷۲
نظر سے خوش گزرے		۷۴
محاربات صلیب	مولوی معشوق حسین خان بی اے (علیگ)	۷۷-۱۰۴

آیندہ کیا کیا انقلاب آنیوالے ہین

اگر آپ کو یہ معلوم کرنے کا شوق ہو کہ آیندہ کیا کیا انقلاب آنے والے ہین تو حکیم جاماسپ کی نایاب کتاب جاماسپ نامہ کا ترجمہ منگا کر دیکھیے جو ملا محمد الواحدی ایڈیٹر نظام المشائخ نے نہایت فصیح اور سلیس اردو مین کیا ہے اپنے وقت سے لے کر آج تک کی بابت حکیم جاماسپ نے جتنی جتنی پیشین گوئیان کی تھین۔ وہ سب ہو بہو پوری اترین۔ مثلاً حضرت سلیمانؑ۔ سکندر رومی۔ حضرت عیسےٰؑ۔ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم۔ مولی علیؑ۔ امام حسنؑ۔ امام حسینؑ۔ معرکہ کربلا۔ امیر تیمور۔ ہندوستان مین مغلون کا عروج و زوال وغیرہ وغیرہ کہ جاماسپ نامے مین ان تمام کا ذکر ہے۔ حکیم جاماسپ زردشت بانی مذہب آتش پرستی کا خلیفۂ اعظم اور شاہ گشتاسپ کا وزیر تھا۔ جس کے زمانے کو اب اندازاً پانچ ہزار برس گزر گئے جاماسپ نامے کا ترجمہ ۳؎ (تین آنے) کے ٹکٹ بھیج کر یا بذریعہ وی پی منگایا جاسکتا ہے۔

اطمینان دل

مطلوب ہو تو صوفیون کا مشہور و معروف رسالہ نظام المشائخ منگا کر دیکھیے۔ اسی صفحے کی ایک ضخیم کتاب ہے جس مین ہر مہینے ایسے علمی روحانی اور دلچسپ مضامین شایع ہوتے ہین۔ کہ انسان ان کو پڑھکر دنیا کے سب غم بھول جاتا ہے۔ اور دل کو ایک تسلی حاصل ہوتی ہے۔ نمونہ چار آنے سے کم مین آج تک کسی کو نہین دیا گیا۔ مگر بزرگون کا فیض عالمگیر کرنے کی غرض سے یہ تجویز کی گئی ہے کہ دو مہینے کے لیے نمونے کی قیمت مع محصول ڈاک صرف ۲؎ کر دی جائے۔ دو ٹکٹ لفافے مین رکھکر بھیج دیجیے اور دیکھیے کہ کیسی خوبصورت کتاب آپ کے پاس آگئی جس کا کاغذ بھی نفیس۔ لکھائی چھپائی بھی اعلے درجے کی اور مضامین جو ملک کے نامور مشائخ اور شہرۂ آفاق انشا پردازون، انگریزی کے اعلی تعلیم یافتون کے قلم سے نکلے ہوے۔ آپ ہی انصاف کیجیے۔ کہ اس سے زیادہ سستی چیز دنیا مین اور کیا ملے گی۔ (قسم اول) کا سالانہ چندہ ۳؎ (قسم دوم) کا ۱؎ ہے اور اسکی آج تک سات جلدین مکمل ہو چکی ہین۔

منیجر نظام المشائخ دہلی سے منگائیے

الناظر

نمبر ۴۵ جلد ۸ یکم مارچ سنہ ۱۹۱۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمۂ حیاۃ النذیر

یہ بھی اُردو علم ادب کی ترقی کی علامت ہے کہ مشاہیر ملک وملت کے حالات پر بہت سی اچھی اچھی کتابین لکھی گئی ہین اور لکھی جارہی ہین۔ اب تک زیادہ تر اُن قدما کے حالات لکھے گئے ہین جو بلحاظ تقدیس و دیگر کارہاے نمایان پہلے ہی سے ہیرو سمجھے جاتے ہین اور جنکے سوانح قدیم عربی کتب مین جابجا پائے جاتے ہین یا اُنکے متعلق مستقل کتابین موجود ہین اور اُنکی عزت و وقعت صدہا سال سے ہمارے دلون مین گھر کرچکی ہے۔ ان مولفین کو یہ آسانی ہوتی ہے کہ مواد تیار ملتا ہے' البتہ مختلف کتابون سے حالات جمع کرنے اور ترتیب مین ادل بدل کرکے اُردو زبان مین پیش کرنے کی زحمت ضرور گوارا کرنی پڑتی ہے۔ اگر ان کتابون کی ترتیب عمدہ اور زبان فصیح ہوتی ہے تو ان کا مقبول ہونا کچھ مشکل نہین ہوتا کیونکہ وہ لوگ پہلے ہی سے مقبول خاص و عام ہین۔ مگر ہمعصر مشاہیر کے حالات کا لکھنا اسکے مقابلہ مین بہت کٹھن ہے۔ اول تو تمام حالات کا جمع کرنا اور مختلف واقعات اور بیانات کی چھان بین کے بعد کیرکیٹر کی صحیح تصویر کھینچنا ہی ایک ایسی دشواری ہے جسے اُسی کا جی جانتا ہے جسکو کبھی اس قسم کے کام کرنے کا تجربہ ہوا ہے۔ دوسرے صدہا شخص ایسے زندہ موجود ہوتے ہین جو اُس نامور شخص کے خیالات سے آگاہ ہین اور انھون نے اسکو مختلف حالات مین دیکھا ہے اور اُسکے متعلق خاص رائے رکھتے ہین۔ سوانح نگار جانتا ہے کہ اُسکی کتاب موافق و مخالف ہر دو گروہ کے ہاتھ مین جانے والی ہے اور اس لیے طعن و تشنیع کی زد سے بچنے کے لیے بڑی احتیاط کرنی پڑتی ہے۔ مؤلف حیاۃ النذیر نے ہماری قوم کے ایک علامہ کا قول نقل کرکے آجکل کے طریقۂ تحریر سوانح عمری کو "پُرفریب" بتایا ہے اور اُس پر پُر زور بحث کی ہے

ہین مین پوچھتا ہون کہ وہ کون ایسا زمانہ تھا جب کہ یہ پُرفریب طریقہ رائج نہ تھا۔ علامۂ موصوف کو کبھی کسی ہمعصر نامور شخص کی (بشرطیکہ وہ کسی ہمعصر کو اس قابل سمجھین) سوانح عمری لکھنے کا اتفاق نہین ہوا ورنہ انھین اس سے زیادہ دشواری پیش آتی جو ہماری زبان مین "بہتر سے بہتر سوانح عمری" لکھنے والے کو پیش آئی ہے۔ انھون نے اب تک انھین قدماے کرام کے حالات پر قلم اٹھایا ہے جنھین لوگ ایک زمانہ سے پوجتے آتے ہین اور جنکی تنقید اور نکتہ چینی کتب کے حوالہ تک محدود ہے۔ تاہم (بے ادبی معاف) کیا علامۂ موصوف کی تالیفات اس "پُرفریب طریقہ" سے پاک صاف ہین ؟

بات یہ ہے کہ بڑے آدمی کی بڑائی صرف اُسکی ذات تک محدود نہین ہوتی' بلکہ اسکے تعلقات گردوپیش کے حالات اور قومی و ملکی معاملات سے تانے بانے کی طرح جکڑے ہوے ہوتے ہین کہ اُسکی ذات کو اُن سے جدا کرنا قریب قریب ناممکن کے ہوتا ہے۔ ورنہ بڑا آدمی کچھ بڑا نہین رہتا۔ اس لیے سوانح نگار کے فرائض مین داخل ہے کہ وہ اس شخص کے کیریکٹر کو ان تمام گردوپیش کے واقعات و حالات کی روشنی مین دکھائے۔ اس سے کسی کو انکار نہین ہوسکتا کہ اختلاف رائے ہر زمانہ مین اور ہر ملک مین ہوتا ہے اور علاوہ اسکے ہمعصر مشاہیر کے متعلق بعض غلط فہمیان عام طور پر پھیل جاتی ہین۔ سوانح نگار کا فرض ہے کہ وہ ان غلط فہمیون اور غلط بیانون کو صحیح اور سچے واقعات اور اُسکے وسیع تعلقات اور اصلی خیالات کے اظہار سے' جن پر عام لوگون کو آگاہی نہین ہوتی' رفع کرے۔ اور اپنی رائے اور صحیح قیاس کے اظہار سے دریغ نہ کرے۔ اور محض مخالفون کے ڈر سے یا اُنکی خوشی کے لیے یا عامیانہ مقبولیت حاصل کرنے کی خاطر پہلو نہ بچاے۔ انصاف پسند لوگ سوانح نگار کی اس محنت کی داد دین گے اور اُسکے ممنون ہونگے۔ اگرچہ بد بین لوگون کو اس سے تکلیف ضرور ہوگی۔ بڑے خالی خولی ذاتی حالات کا بیان کر دینا کافی نہین ہے اور کوئی سوانح نگار اس طور پر اپنے فرض سے سبکدوش نہین ہوسکتا جس قدر جو شخص بڑا ہوگا اسی قدر سوانح نگار کو اپنی رائے اور قیاس سے زیادہ کام لینا پڑے گا۔ وسعت تعلقات سے اصل حقیقت کے سمجھنے مین نہ صرف اُلجھن پیدا ہوتی ہے بلکہ غلطی واقع ہوجاتی ہے اور اسلیے یہ ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ گردوپیش کے حالات کا اثر اُسپر اور اُس کا اثر اُن حالات پر کیا پڑا۔ قطع نظر غلطی و صحت کے اسکی نیت کا اندازہ کرنا پڑے گا۔ اسکے اصلی اور اندرونی خیالات کو دیکھنا پڑے گا۔ اسکے برتاؤ' اسکے طرز کلام و طرز تحریر' اسکی عام روش اور رجحان کی تلاش کرنا پڑے گی۔ غرض سوانح نگار اس تمام چھان بین' کرید' جستجو و تلاش کے بعد صحیح قیاس اور رائے قائم کرسکے گا اور اس سے اسکی اپنی نیز اور لوگون کی بہت سی غلط فہمیان رفع ہوجائین گی۔ اگر سوانح نگار ایسا شخص ہو جو اس بڑے شخص کی خوبیون کا قدردان نہین تو کیا وہ اس اہم فرض کو ادا کرسکتا ہے ؟ مثلاً اگر وہی کتاب جسے علامۂ موصوف نے "ہماری زبان مین بہتر سے بہتر سوانح عمری" فرمایا ہے خود انکو لکھنے کے لیے دی جاتی' تو ناظرین سمجھ سکتے ہین کہ

وہ کیا ہوتی۔

یہ بحث ممکن ہے کہ بعض حضرات کو گران گزرے لیکن اس موقع پر مجھے اسکی ضرورت اسلیے پڑی کہ مولوی افتخار عالم صاحب نے ہمارے زمانہ کے ایک ایسے نامور شخص کی سوانح عمری لکھی ہے جنکے مخالف بھی بہت سے لوگ موجود ہین اور جنکے متعلق بہت سی غلط فہمیان بھی خاص و عام مین پھیلی ہوئی ہین۔ مین نہایت مسرت کے ساتھ اس امر کا اعتراف کرتا ہون کہ مولف حیاۃ النذیر نے اس اہم فرض کو بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیا ہے، اور ممکن ہے کہ بعض کٹ حجت لوگ اُنکے تصفیہ کو تسلیم نہ کرین، لیکن جب وہ بھی ٹھنڈے دل سے غور کرینگے تو کم سے کم اپنی راے مین جھوجھرے ضرور ہو جائینگے۔

شمس العلما ڈاکٹر مولانا نذیر احمد مرحوم ہماری قوم مین ایک ایسے فرد بے نظیر گزرے ہین کہ وہ ہمیشہ یاد رہینگے، اور کم سے کم جب تک اُردو زبان زندہ ہے انکا نام بلاشبہ زندہ رہے گا۔ وہ محض اپنی محنت، استقلال اور قابلیت سے دنیا مین بڑھے، اور ایک معمولی غریب شخص سے امیر اور ایک ادنیٰ طالب علم سے اعلےٰ درجہ کے فاضل ہو گئے۔ اُنکی زندگی سیلف ہلپ (اپنی مدد سے آپ بڑھنے) کی ایک نمایان اور روشن مثال ہے۔ انھون نے معلمی سے زندگی شروع کی اور آخر عمر تک معلم رہے۔ اونکی تعلیم اونکی تصانیف کی صفحات مین موجود ہے۔ انکا بڑا کام اصلاح معاشرت (سوشل ریفارم) ہے۔ یعنی یہ کہ دنیا مین خوش، کامیاب اور بے لوث زندگی کیونکر بسر کرنی چاہیے۔ ایک بڑا کمال انکی تصانیف مین یہ ہے کہ انھون نے اسلامی سوسائٹی اور خاصکر اسلامی خاندان کی اندرونی معاشرت کی تصویر ایسی سچی اور بے لاگ کھینچی ہے کہ آنکھون کے سامنے نقشہ پھر جاتا ہے اور ایک مسلمان پڑھنے والے کو رہ رہ کے شبہ ہوتا ہے کہ کہین اُسی کے خاندان کے پترے تو نہین کھل رہے ہین۔ خدا کے فضل سے اُردو مین اس زمانہ مین ایسے ایسے باکمال انشا پرداز ہوے اور اب بھی زندہ موجود ہین جو اُردو زبان اور اپنی قوم کے لیے باعث فخر ہین۔ مثلاً کسی نے تاریخی واقعات کی چھان بین کرکے عجیب حالات کا انکشاف کیا ہے؛ کسی نے دربار شاہی کی شان و شوکت یا جنگ کے خونریز منظر کا مرقع کھینچا ہے؛ کسی نے قوم کے گزشتہ جاہ و جلال پر فصاحت کے دریا بہا دیے ہین، کسی نے قومی ادبار و ذلت پر پر درد نوحہ پڑھا ہے؛ لیکن روزمرہ کے معمولی واقعات، جو صبح شام ہماری آنکھون کے سامنے ہمارے گھرون مین اندر باہر واقع ہوتے رہتے ہین، اُنکا بیان کرنا مولانا ے مرحوم پر ختم ہے۔ اور بیان بھی کیسا! ایسا پُرلطف، ایسا سچا اور سلجھا ہوا کہ دل مین کھب جائے اور پڑھنے کے ساتھ ہی آنکھون کے سامنے جیتی جاگتی چلتی پھرتی تصویرین آجائین۔ ایک وسیع اور عظیم الشان منظر کی تصویر کھینچنا جسمین پہاڑ بھی ہون صحرا بھی ہو، دریا بھی ہو، آسان ہے لیکن انسانی خصائل یا کسی اداے خاص کی تصویر کھینچنا بہت مشکل ہے۔ یہان صرف اوپری نظر جو بیرونی اشیا تک محدود ہو کافی نہین بلکہ اُسے عکس ریز (ایکس ریز) کی طرح جسم کے اندر گھس کر دلون کو بھی ٹٹولنا پڑتا ہے۔ اور مولانا مین یہ قوت بدرجۂ کمال موجود تھی

مولانا کا احسان تعلیم نسوان پر بھی کچھ کم نہین، بلکہ میرے خیال مین حامیان تعلیم نسوان کی تقریرون لکچرون، تحریرون اور قیام مدارس سے کہین بڑھکر ہے۔ ان لوگون نے پڑھنے کی ترغیب دی اور اسکے وسائل بہم پہونچائے مگر مولانا نے لڑکیون کو پڑھنا سکھایا اور یہی نہین بلکہ پڑھنے مین جو ایک مزہ ہے وہ دلون مین پیدا کیا۔ مرحوم اگر سوائے مراۃ العروس کے کوئی دوسری کتاب نہ لکھتے تو بھی وہ اُردو کے باکمال انشا پردازمانے جاتے اور اُنکی حیات جاودانی کے لیے صرف یہی ایک کتاب کافی ہوتی۔ ایک بڑی خوبی اسمین (اور اُنکی دوسری کتابون مین بھی) یہ ہے کہ عورتون کی زبان اور اُنکے خیالات کو ہوبہو اس خوبی سے ادا کیا ہے کہ خود عورتین قائل ہو جاتی ہین۔ یہ بات سوائے مرحوم کے اُردو کے کسی دوسرے مصنف کو حاصل نہین۔

مولانا اپنی طرز تحریر کے آپ موجد تھے اور یہ انھین کی ذات سے مخصوص ہے۔ اسمین بڑی بے تکلفی اور بیساختہ پن پایا جاتا ہے۔ انشا پرداز کو بڑی دقت یہ ہوتی ہے کہ جو خیال اُسکے دل مین آیا ہے اُسے اُسی قوت اور شان کے ساتھ الفاظ مین ادا کرے، اور اسی لیے اُسے اکثر اوقات تشبیہ و استعارات سے کام لینا پڑتا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو کبھی ایسی دقت محسوس نہین ہوئی، وہ کبھی تشبیہ و استعارات سے کام نہین لیتے اور ایسے ٹھیٹ جاندار چیپان الفاظ استعمال کرتے ہین کہ ان سے بہتر اس خیال کے اظہار کے لیے سمجھ مین نہین آتے۔ زبان پر انھین اسقدر قدرت حاصل تھی کہ شاید آج تک کسی اُردو انشا پرداز کو نصیب نہین ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ اُنکا خیال کبھی تشنہ نہین رہتا۔ آمد کی یہ کیفیت ہے کہ ایک دریا ہے کہ اُمڈا چلا آتا ہے۔ اُنکی طبیعت قدرتی طور پر پر زور واقع ہوئی تھی اور یہی زور اُن کے تمام خیالات اور الفاظ مین ہے۔ جو قوت اور زور مین نے اُنکی عبارت مین دیکھا ہے وہ کہین دوسری جگہ نظر نہین آتا۔ انھین اس بات کی ضرورت ہی نہین پڑتی کہ ہیر پھیر یا تشبیہات و استعارات سے اپنا مافی الضمیر ادا کرین، وہ اسی زبان مین سے جسے ہم روزمرہ بولتے اور لکھتے پڑھتے ہین ایسے الفاظ نکال لاتے تھے کہ گویا وہ اسی خیال کے ادا کرنے کے لیے بنے ہین۔ اور پھر اسپر ظرافت سونے مین سہاگے کا کام دیتی ہے۔ اُن پر یہ اعتراض کیا گیا ہے اور وہ ایک حد تک بجا اور صحیح بھی ہے کہ وہ بعض اوقات رکیک اور مبتذل الفاظ استعمال کر جاتے ہین۔ اسکی وجہ ایک تو وہی ہے جو مین ابھی بیان کر چکا ہون یعنے وہ ہیر پھیر اور تشبیہات و استعارات سے کام لینا نہین جانتے تھے۔ دوسرے طبیعت قدرتاً واقع ہوئی تھی پُر زور، وہ اپنے خیال کو اُسی زور اور شان کے ساتھ ادا کرنے کے لیے الفاظ کی پرواہ نہین کرتے تھے جن الفاظ مین اُنکا اصلی خیال صحیح طور سے ادا ہو سکتا اُنکے استعمال مین کبھی نہ چوکتے تھے۔ اور یہ فعل اُنکا کوئی ارادی نہ تھا، بلکہ طبیعت کی افتاد ہی ایسی تھی۔ اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکی طبیعت مین آورد نہ تھی بلکہ سراسر آمد تھی۔ علاوہ

اسکے آدمی تھے صاف گو اور آزاد رو، جو دل مین تھا وہ زبان پر اور اُسپر شوخی و ظرافت اور غضب تھی۔ یہی وجوہ ہین کہ اُنکی ایک کتاب پر اس قدر شور و غل مچا۔

مرحوم جیسے اعلےٰ درجہ کے محرر تھے ویسے ہی مقرر بھی تھے۔ لوگ اُنکے لکچرون مین اس طرح ٹوٹے پڑتے تھے جیسے قحط کے مارے کھانے پر گرتے ہین۔ ہم نے انجمن حمایت اسلام کے جلسون مین خود دیکھا ہے کہ گرمی کے دن ہین، دوپہر کا وقت ہے، ہزارون بندگان خدا دھوپ مین بیٹھے ہین، مگر کیا مجال کہ پہلو تک بدلین۔ کلام مین تاثیر بھی وہ تھی کہ جب چاہا ہنسا دیا اور جب چاہا رولا دیا۔ آواز بھی ایسی ملی تھی کہ سب جگہ یکسان پہونچتی تھی اور اسمین ایک خداداد اثر تھا۔ شوخی و ظرافت خاص کر اُنکے لکچرون مین دیکھنے اور سُننے کے قابل تھی۔ ایسا اعلےٰ درجہ کا مقرر ہمارے ملک مین پیدا نہین ہوا۔ وہ ساری مجلس پر چھا جاتے تھے اور حاضرین مجلس کی یہ حالت تھی جیسے کسی نے سحر کردیا ہو۔ مسٹر مارلسن کی جو رائے مولف نے لکھی ہے وہ بالکل صحیح اور بے مبالغہ ہے۔ انجمن حمایت اسلام، آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس، مدرسہ طبیہ دہلی ہمیشہ اُنکے لکچرون کے شرمندۂ احسان رہین گے۔ اُنکے لکچرون کے متعلق یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ کہین کے کہین چلے جاتے تھے۔ یہ اعتراض شاید کسی حد تک صحیح ہے، لیکن اسکی وجہ یہ ہے کہ جیسی اُنکی طبیعت، اُنکی تحریر، اُنکی عبارت، اُنکے الفاظ اور اُنکی تقریر پرزور تھی ویسے ہی اُنکا خیال بھی پُرزور تھا۔ اور تخیل کے پرواز مین دور تک پہونچ جاتے تھے، لیکن اتنی دور نہین کہ نظر سے غائب ہو جائین۔ جولانیٔ طبع انھین ادھر سے اُدھر ضرور لے جاتی تھی لیکن تاہم مبحث کے آس پاس ہی رہتے تھے۔

ہمارے اس زمانہ کے اہل قلم، سوا ایک دو کے زیادہ تر ترجمان ہین، انگریزی کے یا عربی کے۔ مگر مرحوم مین جدت پائی جاتی ہے اور وہ اپنے خیالات اور تحریرات کے لیے کسی دوسرے کے محتاج نہین ہین؛ اور یہ اُنکی اعلےٰ دماغی کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اُنکی اصل تصانیف اُنکی جدت طرازی اُنکے پرزور تخیل اور مشاہدہ کے نتائج ہین۔ وہ نقل نہین ہین بلکہ اصل ہین، اور یہی وجہ ہے کہ وہ انوکھی اور دلاویز ہین اور یہی وجہ ہے کہ وہ مقبول خاص و عام ہین۔ اور ہمیشہ زندہ رہین گی۔ جو لوگ اُردو سیکھنا اور اپنے خیالات انگریزی نما اُردو مین نہین بلکہ ٹھیٹ اُردو مین ادا کرنا چاہتے ہین، اُنکے لیے مولانا کی تصانیف کا مطالعہ ازبس ضروری اور مفید ہے، کیونکہ اپنے خیال یا مافی الضمیر کی صحیح تصویر الفاظ مین کھینچنا انپر ختم ہے۔ مین یہ نہین کہتا کہ اُنکا پورا پورا تتبع کرین کیونکہ یہ نہ صرف مشکل ہے بلکہ شاید مفید بھی نہو، لیکن اسمین کچھ شبہ نہین کہ ہم اُنکی تصانیف کے مطالعہ سے بہت کچھ فائدہ اُٹھا سکتے ہین۔ اس جدید زمانہ مین مسلمانون مین جتنے سربرآوردہ لوگ ہوئے ہین، خواہ وہ کسی خیال اور کسی رنگ کے ہون،

سر سید رحمہ سے لے کر شمس العلما مولانا شبلی تک (باستثناء شمس العلما مولوی محمد ذکاء اللہ مرحوم) سب مین زیادہ تر دینی لگاؤ تھا اُنکی تان دین ہی پر ٹوٹتی ہے اور یہی اُنکے خیالات اور اعمال کا مرکز ہے۔ مولانا نذیر احمد مرحوم کا بھی یہی حال تھا۔ یون تو اُنکی اکثر تصانیف مین یہ لگاؤ نظر آتا ہے، لیکن انھون نے خاص خاص کتابین مثلاً رویاے صادقہ، اجتہاد، الحقوق للفرائض، امہات الامہ لکھکر اور خاص کر ترجمۂ قرآن مجید سے ایسی عظیم الشان دینی خدمت ادا کی کہ مسلمان اُنکے اس احسان کو کبھی نہین بھول سکتے۔ مین اُنکی دینی خدمت کے متعلق یہان زیادہ بحث کرنا نہین چاہتا، مولف حیاۃ النذیر اسپر خوب دل کھول کے لکھ چکے ہین، لیکن ترجمۂ قرآن مجید کے متعلق چند الفاظ لکھے بغیر نہین رہ سکتا۔ اس ترجمہ کی تمام خوبیون کا گنوانا تو میری طاقت سے باہر ہے لیکن اس سے بڑھکر اور کیا خوبی ہوگی کہ ہزار ہا مسلمان جواب تک قرآن پاک کے سمجھنے سے قاصر تھے اب بلا تکلف قرآن کے مطالب سمجھنے لگے اور خدا کے احکام خود اسی کے کلام کے ذریعہ سے جاننے لگے۔ اُردو ترجمے اس سے پہلے بھی موجود تھے، لیکن ترجمے کیا تھے الفاظ کے گورکھ دہندے تھے، خاک سمجھ مین نہین آتے تھے، اور سمجھ مین آئین تو کیونکر؟ مکھی پر مکھی ماردی تھی، اور جو طبیعت پر زور دے کر کچھ سمجھے بھی تو وہ لطف فصاحت کہان جسکے لیے قرآن سارے عالم مین مشہور ہے۔ قرآن پاک کا یہ پہلا اُردو ترجمہ ہے جسمین اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ علاوہ زبان کی سلاست اور فصاحت کے جہان تک ممکن ہو اصل عربی کا زور اور اسکی شان قائم رہے۔ مولانا چونکہ عربی اور اُردو کے بےمثل ادیب تھے اور زبان کا خاص ذوق تھا، اس لیے ترجمے مین وہ ساری خوبیان موجود ہین جو ہونی چاہئین۔ مسلسل پڑھتے جایئے سارے مطالب سمجھ مین آتے جاتے ہین اور فصاحت اور ادبیت کا لطف ایسا کہ چھوڑنے کو جی نہ چاہے۔ اس سے بڑھکر اور دینی خدمت کیا ہوگی۔ اور یہ صرف دینی ہی خدمت نہین بلکہ اُردو ادب کی بھی ایک بہت بڑی خدمت ہے۔ اب تک بعض لوگ اس بات پر اڑے ہوے ہین کہ مولانا شاہ عبدالقادر رحمہ کا ترجمہ سب ترجمون سے افضل ہے اور مرحوم کا ترجمہ اس سے لگا نہین کھاتا۔ اسمین اب بحث کی ضرورت نہین ہے، عام مقبولیت نے ثابت کردیا ہے کہ مرحوم کا ترجمہ ایسا مطلب خیز فصیح اور شگفتہ ہے کہ موجودہ ترجمون مین کوئی اس کا مقابلہ نہین کرسکتا۔ ایک بات مین البتہ شاہ صاحب رحمہ کے ترجمہ کو فضیلت ہے اور یہ فضیلت غالباً اُسے ہمیشہ رہے گی وہ یہ ہے کہ بعض بعض مقامات پر عربی الفاظ کا ترجمہ اُنھون نے ایسے ٹھیٹ ہندی الفاظ مین کیا ہے کہ اس سے بہتر ہو نہین سکتا خصوصاً جہان کہین ایسے الفاظ آگئے ہین کہ اُنمین اشتراک معانی کی بحث آپڑی ہے تو اُنھون نے ہندی کے بھی ایسے ہی لفظ چُن کر رکھے ہین کہ اُنمین بھی اشتراک کا وہی لطف باقی رہتا ہے اور یہ اُنکی کمال ادبیت کی دلیل ہے۔ مگر اس کا لطف صرف ادیب ہی حاصل کرسکتے ہین۔ مطالب قرآن سے اسے کچھ تعلق نہین۔ مولوی نذیر احمد مرحوم کا ترجمہ

بامحاورہ فصیح اور شگفتہ ہونے مین اپنا جواب نہین رکھتا۔ یہان مجھے اس ترجمہ کے ضمن مین ایک مزے کی بات اور کہنی ہے جس سے ہماری قوم کے علما کی حالت کا پتہ لگتا ہے۔ مولانا کے ترجمہ کا شایع ہونا تھا کہ اُن پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہونی شروع ہوئی اور ساتھ ہی ساتھ اُن حضرات کے ترجمے بھی شایع ہونا شروع ہوے اور اکثر یہ اعتراضات اس نیت سے کیے گئے تھے کہ مولانا کے ترجمہ کی طرف سے لوگ بدگمان ہوجائین اور ہمارا ترجمہ بکنے لگے۔ افسوس اس سے قبل کسی کو ترجمہ کی ضرورت کا خیال نہوا اور اب جو مولانا کا ترجمہ شایع ہوا اور اوسکی شہرت ہوئی تو یہ بھی لگے مُنہ چڑانے لیکن مولانا کے ترجمہ کے سامنے کسی کو فروغ نہوا۔ ان اعتراضات یا اسی قسم کی تحریرات مین جہان کہین مرحوم کا نام آتا تو یہ مولوی مارے جلن کے انکے نام کے ساتھ کبھی مولوی کا لفظ نہ لکھتے بلکہ ہر جگہ ڈپٹی نذیر احمد تحریر فرماتے تھے۔ یہ کم ظرفی کی بات نہین تو کیا ہے تعجب کی بات ہے کہ ایک شخص باوجود عالم، حافظ اور مترجم قرآن ہونے کے بھی ان مولویون کے نزدیک مولوی کہلانے کا مستحق نہین جنکے علم و فضل کی ساری پونجی مسلمانون کے ارتداد و کفر کے فتوے لکھنے مین صرف ہوتی ہے۔

بڑے اور نامور لوگون پر اکثر اپنے ہمعصرون کے ہاتھون بڑے بڑے ظلم ہوے ہین۔ مولانا بھی آخر عمر مین اس سے نہ بچے امہات الامہ کا شایع ہونا تھا کہ دلی مین ایک ہنگامہ بپا ہوگیا۔ مولوی تو پہلے ہی سے اُن سے جلے بیٹھے تھے اُنکی بن آئی، خوب جلے پھپولے پھوڑے، مخالفت مین رسالے چھپوائے، طرح طرح کے بہتان باندھے، کفر کے فتوے لکھے اور بدنام کرنے مین کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی طرح طرح سے عوام کو بھڑکایا یہان تک کہ بعض تو جان کے لاگو ہوگئے، اور مرنے مارنے پر مستعد ہو بیٹھے۔ یہ غدر دلی سے اُٹھا اور دوسرے مقامات تک پہونچا لیکن سب سے حیرت انگیز اور عبرت ناک واقعہ یہ ہے کہ اوس کتاب کے چھپنے کے بعد ندوۃ العلما کا جو اجلاس دلی مین ہوا، اسمین علماے کرام تو موجود تھے ہی، انھون نے باہم "مسکوٹ" کرکے امہات الامہ کی تمام جلدون کو جو ابتدائی طوفان کے بعد شہر کے بعض معززین نے مولانا کی منت سماجت کرکے ایک صاحب کے پاس رکھوادی تھین اور بکری موقوف کرادی تھی، منگوائین اور اپنے سامنے اُن کتابون کا ڈھیر لگوایا اور اُنہین سے ایک مولوی نے زیادہ تر ثواب کمانے کے لیے آگے بڑھکر مٹی کا تیل چھڑکا اور بسم اللہ کہکر آگ لگادی اُس کے شعلون کی روشنی مولویون کے مقدس چہرون پر پڑ رہی تھی اور اُنکی آنکھون کی چمک اور چہرون کی بشاشت سے اس خوفناک دلی مسرت اور باطنی اطمینان کا اظہار ہو رہا تھا جو ایک خونخوار درندے یا سنگدل انسان کی صورت سے انتقام لیتے وقت ظاہر ہوتا ہے۔ اگر حکومت کا ڈر نہوتا تو مولاناے مرحوم بھی اسی آگ مین جھونک دیے جاتے۔ یہ منظر قابل دید تھا۔ مولویون کا یہ حلقہ زمانۂ وسطےٰ کے اُن پادریون کی یاد دلاتا تھا، جنھون نے کتابین تو کتابین ہزارون بے گناہ زندہ دکھتی آگ مین جھونک دیے، کڑکڑاتے تیل کے کڑاھون مین ڈال دیے، گلون مین پتھر باندھکر بہتے دریاؤن مین ڈبو دیے، کتون سے

پھڑوا دیے اور طرح طرح کے عذاب دے دے کر اور عجیب و غریب شکنجون مین کس کس کر سسکا سسکا کر مار ڈالے۔ اور اُنکے سامنے راکھ کا ڈھیر ایک تودۂ عبرت تھا، جو بیسوین صدی عیسوی کے روشن زمانے کی ایک عجیب یادگار تھا۔ یہ راکھ اس قابل تھی کہ اسکی ایک ایک چٹکی بطور یادگار کے شیشون مین بند کر کے رکھ لی جاتی تاکہ آئندہ نسلین اسے سامنے رکھکر ان علماے کرام و مصلحان ملک و ملت کی ارواح پاک پر فاتحہ دلاتین اور اُنکے حق مین دعاے خیر کرتین۔

اس رات گویا مولویون نے شب برات منائی اور اس آگ سے اپنے نفوس مطمئنہ کو ٹھنڈا کیا، اور اپنے اعمال نامون مین ایک ایسی بڑی نیکی کا اضافہ کیا جو غالباً انکی نجات اخروی کا باعث ہوگی۔ یہ اُن بزرگوارون کا کام ہے جنھون نے چشم بد دور مسلمانونکی دینی و دنیوی اصلاح و فلاح کا بیڑا اُٹھایا ہے۔

طالب علمی کے زمانے مین جب مین انگریزی تاریخون اور دوسری کتابون مین یورپین مورخون کا یہ الزام پڑھتا تھا کہ مسلمانون نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اسکندریہ کے بے نظیر کتب خانے کو جلا کر خاک کر دیا، تو بے حد رنج اور صدمہ ہوتا تھا لیکن جب شمس العلما مولانا شبلی نے ایک محققانہ رسالہ لکھکر محکم دلائل اور پرزور شہادتون سے اسکی تردید کی تو اس بے نظیر رسالے کو پڑھکر پوری تسکین ہوگئی اور یہ یقین ہوگیا کہ یہ محض فسانہ اور یورپین مورخون کا مسلمانون پر افترا اور بہتان ہے۔ مگر جب مجھے اس واقعہ کی خبر لگی اور خصوصاً جب مین نے یہ سنا کہ علامہ موصوف بھی (بالواسطہ یا بلا واسطہ) اس کار خیر مین شریک تھے تو میرا خیال بدل گیا اور اب تک میرا خیال ہے کہ کچھ تعجب نہین کہ مسلمانون نے کتب خانہ اسکندریہ جلا دیا ہو۔

اس واقعہ کا ایک بہت بڑا اثر یہ ہوا کہ جب مرحوم کے فرزند رشید نے مدرسۃ العلوم مسلمانان (علیگڈھ) سے اپنے پدر بزرگوار کی یادگار قائم کرنے کی درخواست کی اور خود بھی اسمین معقول امداد دینے کا وعدہ کیا تو کالج کے سنڈیکیٹ نے بڑی ڈھٹائی سے مولویون کے ڈر کے مارے صاف انکار کر دیا، اور انکار کی وجہ مرحوم کے معتقدات قرار دی، جو انکے زعم شریف مین خلاف اسلام تھے۔ کوئی ممبران سنڈیکیٹ سے پوچھے کہ تم کسی کے مذہب پر راے دینے والے کون؟ اور اس معاملے کو مذہب سے تعلق؟ سر ولیم میور اور میکڈانلڈ جیسے لوگون کی تو یادگار قائم کی جائے اور ایک حافظ، عالم، مترجم قرآن محسن کالج کی یادگار قائم کرنے مین یہ انکار! اور انکار بھی کیسا ناروا اور شرمناک! خصوصاً جبکہ ارکان سنڈیکیٹ مین شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے کتاب امہات الامہ کو بالاستیعاب پڑھا ہو۔ صرف مولویون کے خوف سے گھبرا کر یہ فیصلہ کر دیا۔ نہایت افسوس اور رنج کی بات ہے کہ کارکنان کالج مین مداہنت اور بزدلی پیدا ہوتی جاتی ہے اگر خدانخواستہ یہی حال رہا تو جس غرض سے بانی کالج نے یہ کالج قایم کیا تھا وہ فوت ہو جائے گی اور اسکا وجود بیسود ثابت ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بعد مین اپنے کیے سے پچتاے اور اسکی تلافی اس طرح کی کہ آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس مین مرحوم کی

یادگار قائم کرنے کے متعلق رزولیوشن پاس کیا۔ غنیمت ہے۔ دیکھیں ہمارے علما کیا کرتے ہیں! تلافی تو خیر وہ کیا کرینگے، مجھے ڈر ہی کہ کہیں وہ ایجوکیشنل کانفرنس کے خلاف فتویٰ نہ لکھ ماریں۔

مرحوم کے حق میں یہ صریح بے انصافی اور سخت ظلم ہوا ہے اور مجھے امید ہے کہ انصاف پسند اصحاب اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھیں گے اور اس محسن ملک و قوم کی یادگار قائم کرنے میں سعی بلیغ فرمائینگے، ورنہ ہماری قوم پر یہ بڑا دھبا رہ جائیگا۔

قابل مؤلف نے مرحوم کے کیرکٹر کے متعلق مفصل اور کافی بحث کی ہے، اسکے بعد اسپر کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے۔ مرحوم میں بڑی بڑی خوبیاں تھیں اور سب سے بڑی صفت اُنکی معاشرت میں اعتدال اور کفایت شعاری کی تھی جس کی آجکل ہمیں بڑی ضرورت ہے۔ اور ہماری تمدنی اصلاح کا بڑا دارومدار اسی پر ہے۔ لیکن اس سے حاصل؟ کیا عمر بھر کی کفایت شعاری کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے کہ اس کا سارا مال اولاد باہم تقسیم کرے؟ کیا اسمیں قوم کا کوئی حصہ نہیں؟ خصوصاً جبکہ اولاد کھاتی پیتی اور مرفہ الحال ہو۔ اشیا کی تلقین کرنا اور بات ہے اور اسپر عمل کرنا اور۔ کسی شئے کا علم عمل کے لیے کافی نہیں اعمال پر تربیت اور خاص کر ابتدائی تربیت کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ابھی ہماری قوم میں ایسے لوگ پیدا نہیں ہوے الا ماشاء اللہ۔ البتہ اس زمانے میں مولوی کرامت حسین صاحب کی ایک مثال ہمارے سامنے ہے جو ہر طرح قابل تحسین اور لائق تقلید ہے۔ انھوں نے بھی اپنی عمر کفایت شعاری میں بسر کی، لیکن اسکے ساتھ ہی اپنا سارا اندوختہ قوم کی نذر کر دیا۔

گزشتہ اجلاس آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ایام میں ترقی اُردو کا بھی ایک جلسہ ہوا تھا، اسمیں علاوہ دیگر تجاویز کے ایک یہ تجویز بھی پیش ہوئی تھی کہ محسنین اُردو کی سوانح عمریاں لکھوائی جائیں اسمیں مولوی نذیر احمد مرحوم کا نام پیش کیا گیا تھا۔ لیکن اسکے بعد ہی جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ مولوی افتخار عالم صاحب اس کام کو کر رہے ہیں بلکہ کر چکے ہیں تو مجھے بے انتہا خوشی ہوئی اور حسن اتفاق سے چند ہی روز بعد اُن سے ملاقات بھی ہوگئی تو میں نے اُنکی خدمت میں دلی مبارکباد عرض کی اور اپنی بے حد مسرت کا اظہار کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے بڑا کام کیا اور بڑا احسان کیا ہے اور جس محنت، جانفشانی اور لگاتار کوشش سے اس فرض کو انجام دیا ہے وہ اُنھیں کا حصہ ہے اور حق یہ ہے کہ انھوں نے سوانح عمری کا حق ادا کر دیا ہے۔ مرحوم کی یہ بھی خوش نصیبی ہے کہ انھیں ایسا سوانح نگار ملا جس نے اس کام کو نہایت ہمدردی، دلسوزی اور صداقت کے ساتھ پورا کیا ہے۔ طرز تحریر بھی فصیح اور شگفتہ ہے۔ بعض جگہ تو مجھے شبہ ہو جاتا تھا کہ کہیں مرحوم کی عبارت تو نہیں۔ امید ہے کہ پبلک اور خاص کر مرحوم کی تصانیف کے دلدادہ ضرور اسکی قدر کرینگے۔

قابل مؤلف نے اس کتاب کو علیا حضرت ہر ہائی نس بیگم صاحبہ بھوپال کے چھوٹے صاحبزادہ حمید اللہ خان بہادر کے

نام معنون کیا ہے۔ صاحبزادہ صاحب مدرسۃ العلوم مسلمانان علیگڈھ مین تعلیم پاتے ہین اور ایک ہونہار اور لائق نوجوان ہین۔ ہمدردی، قدر دانی اور فیاضی مین اپنی والدۂ ماجدہ کے قدم بقدم چلتے ہین۔ انکی ذات سے بڑی بڑی توقعات ہین۔ اگلے زمانہ مین مولفین و مصنفین کو امرا و روسا کے دربار سے ایسے ایسے صلے ملتے تھے کہ وہ عمر بھر کو نہال ہو جاتے تھے۔ ہمین یقین ہے کہ لائق مولف کی جانکاہی اور محنت کی قدر انکی لیاقت کے موافق کی جائے گی۔

عبدالحق

افسانۂ جوانی

وہ دل ہے آج شمع غم خانۂ جوانی ‏ ‏ جو تھا سلامتی سے پروانۂ جوانی

آثار شیب کیا ہین نقش وداع ہستی ‏ ‏ برباد ہو رہا ہے کاشانۂ جوانی

خواب و خیال اب ہین وہ روز و شب وہ گھڑیان ‏ ‏ جب ہم بنے ہوے تھے مستانۂ جوانی

ہوتے تھے اور بیخود نا فہمون سے یہ سُن کر ‏ ‏ وہ آرہا ہے کوئی دیوانۂ جوانی

آنکھون کی تپلیون نے پھیری نگاہ آخر ‏ ‏ بگڑے ہین ساکنان مے خانۂ جوانی

اے توبہ توبہ منھ سے کہیے تو خاک کہیے ‏ ‏ کیونکر کٹا وہ عہد رندانۂ جوانی

جب دل نے چوٹ کھائی طوفان گریہ اُمڈا ‏ ‏ کیا کیا نہ بھر کے چھلکا پیمانۂ جوانی

وہ دہن تھی ہوش جس سے سر کا نہ پاؤن کا تھا ‏ ‏ اللہ رے زور و شورِ مستانۂ جوانی

آواز کانپتی ہے اظہار حال دل مین ‏ ‏ اُف اُف جواب شورِ رندانۂ جوانی

اس زور بل پہ کیا کیا تنتے رہے ہین برسون ‏ ‏ یون ہی بنا رہے گا کاشانۂ جوانی

ہر چند جانتے تھے پھر بھی نہ ہوش آیا ‏ ‏ دشمن ہے سخت دشمن یارانۂ جوانی

دنیاے زندگی مین ہین کوئی چیز ہم بھی ‏ ‏ اب وہ خیال ٹھہرا بیگانۂ جوانی

عقل و متاع ہستی جان عزیز دایان ‏ ‏ کیا کیا نہین ہوا ہے نذرانۂ جوانی

اب ہم سے پوچھتا ہے طنزاً یہ آکے ناصح ‏ ‏ کیا ہو گئی صداے شیرانۂ جوانی

بند آنکھین کیون ہین محشر کیون پاؤن شل ہوئے ہین ‏ ‏ بھولے ہو کیون طریق کورانۂ جوانی

طاقت زبان کی بھی جاتی ہے کوئی دم مین ‏ ‏ ہان تم کہو مین لکھ لون "افسانۂ جوانی"

(تمنا)

خونابۂ جگر

ایک مدت ہو گئی ہے وقفِ ناکامی ہیں ہم ٭ شہرتیں اپنی مٹا کر محوِ گمنامی ہیں ہم
کیوں نہ تڑپیں کشتۂ تیغِ بدانجامی ہیں ہم ٭ نوحہ خوانِ گلشنِ تاراجِ اسلامی ہیں ہم

بلبلِ بے آشیاں ہیں جان کھونا ہے ہمیں
طاقتِ پرواز برسوں تجھ پہ رونا ہے ہمیں

ناز و نعمت قوم میں جو تھیں وہ سب کیا ہو گئیں ٭ چھٹ گئے ہم سے اب ہماری ہی تمنا ہو گئیں
رشک تھا جنکو انہیں کے دل میں پیدا ہو گئیں ٭ دور اتنی ہو گئیں ہم سے کہ عنقا ہو گئیں

اُڑ کے جاتے تھے جہاں تک آسمان کا دور تھا
بھولتے ہیں اب ہمیں تھے وہ کہ کوئی اور تھا

پوچھ لو دنیا سے کتنی قوتِ پرواز تھی ٭ زور اتنا تھا کہ خود تقدیر بھی دمساز تھی
سرعتِ رفتار نغموں کی مگر اعجاز تھی ٭ ساری دنیا میں فقط آواز ہی آواز تھی

آگے آگے ہم تھے اور پیچھے ہمارا نام تھا
اپنی آواز سے بڑھ جانا ہمارا کام تھا

انتہا میں وہ نہیں جو بات تھی آغاز میں ٭ چرخ جھکتا تھا جب اُڑتے تھے ہوائے ناز میں
پتا پتا ہلکے رہ جاتا تھا اک آواز میں ٭ خانۂ قدرت کی جنبش تھی پرِ پرواز میں

جس طرف چاہا اُدھر دم بھر میں پھیرا کر لیا
پہاڑ ادھر توڑے اُدھر گلشن پہ قبضا کر لیا

قدرتِ معبود کے وہ کارخانے اور تھے ٭ جنکو تکتا تھا فلک وہ آشیانے اور تھے
پہچہے کیا زمزمے کیا وہ ترانے اور تھے ٭ جب ہمیں مُنہ کھولتے تھے وہ زمانے اور تھے

اُڑنے والوں سے کبھی پر کھولنا سیکھا نہ تھا
بات اپنی بھی کسی سے بولنا سیکھا نہ تھا

پھول گلزارِ تمنا میں جنھیں کھلتے تھے خود ٭ جیسے ہم چاہتے تھے جنبے ویسے ہی کرتے تھے خود
حرفِ غم کا ذکر کیا ہو کر غلط چھلتے تھے خود ٭ یوں گوشیں ڈھونڈتا تھا خون کر پاتی تھی خود

ہم سے عاجز تھا فلک کی حادثوں کا زہر بھی
جب اشارہ کر دیا بدلی ہوائے دہر بھی

نیند کے جھونکے کبھی اس سمت آتے ہی نہ تھے ٭ بسترِ راحت پہ دم بھر میں بازی ہی نہ تھے
غنچۂ وحدت سے شبنم دل ہٹاتے ہی نہ تھے ٭ اپنی آنکھوں میں گلِ رعنا سماتے ہی نہ تھے

ہم تلوّن سے بری تھے عالمِ ایجاد میں
مٹ گئے تھے رنگِ دنیا کے خدا کی یاد میں

تھا نشیمن جس جگہ وہ باغ تھا قدرت نما ٭ سرزمیں جسکی تھی اک آئینۂ صورت نما
سلسلے تھے نونہالوں کے غضب الفت نما ٭ ایک اک پتی تھی اُس گلزار کی صورت نما

وادیِ ایمن کی صورت روشنی تا دور تھی
جو کلی جس شاخ پر چمکی وہ شمعِ طور تھی

ابرِ رحمت کب ہوا پر جھومتی آتی نہ تھی ٭ کب حسینانِ چمن کا حُسن چمکاتے نہ تھے
پھول جو کھلتے تھے گلشن میں وہ مُرجھاتے نہ تھے ٭ آ نکلتے تھے فلک والے تو پھر جاتے نہ تھے

سربلندی سے شجر کی چرخ کو وسواس تھا
بلبلِ سدرہ ہمارے آشیاں کے پاس تھا

سبزۂ خوابیدہ کا ہر دم لہکنا کیا کہوں ٭ برگِ گُل کی طرح تیوں کا مہکنا کیا کہوں
جوش میں وہ ہمصفیروں کا چہکنا کیا کہوں ٭ خود بخود اُن چھوٹے پودوں کا پھبکنا کیا کہوں

کس لیے سایہ نہ پڑتا اُنکا ہفت اقلیم پر
جھومتی تھیں ڈالیاں تعمیرِ ابراہیم پر

اُنہا تھی لطف باری کی حد احسان کی + کیا کہوں جسم تمن پر تھی قبا کس شان کی
ہو رہا تھا خلد عالم نسل سے عدنان کی + آسمان سے ملتی تھیں چوٹیاں فاران کی

سایۂ برگ شجر پڑتا تھا مہر و ماہ پر
تھا مقام قاب قوسین ایک شب کی راہ پر

اُسکی سرسبزی سے کم تھا رنگ میں چرخ بریں + گل کچھ ایسے تھے کہ جنکا مثل اب ممکن نہیں
ذرے ذرے میں سمائی تھی شمیم عنبریں + ہو رہی تھی پھولنے پھلنے کی تیاری میں زمین

روح پھونکی تھی خدا نے اسمیں کہ خود جاندار تھی
آسمان تک اُڑ کے جانے کے لیے تیار تھی

صحن گلشن میں کھنچ آئی تھی زمانہ کی بہار + باغبان تھی اُس چمن کی قدرت پروردگار
کیا لکھے توصیف اُسکی خامۂ معجز نگار + لوٹتے پڑتے تھے جہاں فردوس کے سیب و انار

جان نثاری تھی ضروری بلبلوں کے واسطے
خلد کو چھوڑا پھلوں نے ان گلوں کے واسطے

تھی زمیں باغ زیر چرخ اپنے نام کی + گھاس بھی کوئی اُگی تو کل جہان کے کام کی
پنکھڑی بھی توڑتی تھی گردنیں اصنام کی + اُن درختوں میں تھا ہر پتا زبان اسلام کی

کفر کی ہر بات اُن غنچوں سے کٹ کر رہ گئی
جو کلی چٹکی وہی اللہ اکبر کہہ گئی

خوشنما تھی خاک رنگ آسمان دیتی ہوئی + جو روش تھی وہ ضیاے کہکشان دیتی ہوئی
اہل دیں کہتے تھے جاتی ہے زبان دیتی ہوئی + جب نکلتی تھی کوئی بلبل اذان دیتی ہوئی

یہ صداے جانفزا ہر روح کی دمساز تھی
کوچۂ رگہاے گل میں بھی یہی آواز تھی

دورۂ وحدت میں چمن تھا ایک ہی انداز پر + گردشیں چرخ کہن کی تھیں نئے انداز پر
آفریں اُن ہمصفیران ترنم ساز پر + زمزموں پر زمزمے آواز تھی آواز پر

کیا تعجب ہے جو پہونچیں قیصر و فغفور تک
گنبد گردوں میں گونجی تھیں صدائیں دور تک

پہلے یثرب اسطرح سرسبز و بار آور نہ تھا + شہر تھا لیکن جواب گنبد خضرا نہ تھا
آنکھ پڑتی قدسیوں کی جسپے وہ منظر نہ تھا + عندلیب ایسے بھی آئے تھے کہ جنکا گھر نہ تھا

دم نکلتا تھا بہار جانفزاے باغ پر
دور سے کھنچ کھنچ کر آئی تھی ہوائی باغ پر

باغ کے دامن وہ تھی جو گھر نہ رکھتی تھی کبھی + اُنکا اک دربار تھا جو در نہ رکھتی تھی کبھی
لوٹ سے دنیا کی دامن تر نہ رکھتی تھی کبھی + گل وہاں کے مٹھیوں میں زر نہ رکھتے تھے کبھی

پھول تھے لیکن گرانقدری سے اپنی بار تھے
تھا عرق جسکا گلاب اُسکے گلے کے ہار تھے

جلوۂ گل سے جھلکتا تھا خیابان چمن + سیکڑوں شمعیں نہاں تھیں زیر دامان چمن
جوش میں جنبش جو کرتی تھی کبھی جان چمن + خوشۂ پرویں پہ جا گرتے تھے مرغان چمن

اُنکی پروازوں سے تھا گردوں کا جی چھوٹا ہوا
ہر ستارے کی کرن کا جال تھا ٹوٹا ہوا

زمزمے تاثیر کرتے نہیں تھے آپ اپنی نظیر + ایک بولا اور پیدا ہو گئے سو ہمصفیر
رفتہ رفتہ ہو گیا دل کا دھواں ابر مطیر + کھینچ لائی تھی بہار باغ کو اُن کی بہیر

حسن کثرت سے نمک وحدت کا پیدا ہو گیا
ملکے پر کھولے تو اک عالم پہ سایہ ہو گیا

تھے مرصع نخل کلیان بر محل آئی تھیں سب + لیکے شمع وادی ایمن نکل آئی تھیں سب
بوٹیاں کپڑے نہا دھو کر بدل آئی تھیں سب + قوتیں جتنی زمیں میں تھیں ابل آئی تھیں سب

نونہال حسن ہر طفل زمرد پوش تھا
مادر گیتی عجب گلکش ترا آغوش تھا

گل وہاں ڈھونڈے نہیں ملتی تھی مرجھائے ہوے + شوق میں سبزہ تھا دامن اپنا پھیلائے ہوے
دوش گل پر گیسوے سنبل تھے بل کھائے ہوے + آشیانے تھے کہ ٹکڑے ابر کے چھائے ہوے

سوز دل نے برق کی سانچے میں ڈھالا داغ کو
رو کے شب بھر عندلیب نے سینچ ڈالا باغ کو

پاک گوہر تھی کہ فکر آبرو کرنے لگے + جسکے عاشق تھی اُسی کی گفتگو کرنے لگے
جو حجاب آیا ہٹا جب جستجو کرنے لگے + رات کے آتے ہی اشکون سے وضو کرنے لگے

بھیگتی تھی شب نہانے تھی جو آبِ نور سے
پانی اُنکے واسطے لاتی تھی شبنم دور سے

لاب آتی تھی عبادت سے دل بیتاب مین + فصل گل کا سامنا تھا عشق کی برزاب مین
اضطراب اُنکا نہ پیدا ہو سکا سیماب مین + دم اُلجھتا تھا جنکا پردہ ہا خواب مین

ذائقہ عیش و طرب مین موت کا پاتا تھا دل
چٹکیاں جب دل لیتا تھا سنبھل جاتا تھا دل

پر لگا لیتی تھی رحمت اُن تک آنیکے لیے + جب باو ہتی تھی رسول سنانیکے لیے
کھینچ آتی تھی لبون پر جان جانے کے لیے + جاگتی تھی رات اُنکا غم مٹانے کے لیے

جو ترقی سوزِ دل مین تھی وہی تھی ساز مین
شب کا سناٹا چھپا تسبیح کی آواز مین

بخت و دل بیدار ہوچلے وہ کبو سونے لگے + ملگیا جنکو خدا وہ وقت کیون کھونے لگے
شکل پروانہ نثار شمع غم ہونے لگے + نیند آنکھون مین اِدھر آئی اُدھر رونے لگے

غیر جنکو چھپ کے سن سکتا ہو وہ باتین نہ تھین
اُنسے غفلت سے کبھی کی بھی ملاقاتین نہ تھین

چھپ کے رونے تھے - ہان نالہ شبگیر تھے + کوئی سن لیتا تو خنجر تھے سنان تھے تیر تھے
آج تک ہوئی نہین دنیا پہ پرتا تیر تھے + اُنکی آوازین تھین وہ جو درد کی تصویر تھے

دل کی امیدین نہ ہرگز روشناس یاس تھین
کنجیاں رحمت کے دروازون کی اُنکے پاس تھین

شغل وہ جو غیر کو دل کو رسائی نہ دے + وہ مکان جو رستہ ہنگامِ تنہائی نہ دے
بات وہ جو قلبِ عاشق کو شکیبائی نہ دے + شمع وہ جو اور پروانون کو دکھلائی نہ دے

ذکرِ حق کے ماسوا ہر چیز سے دل سیر تھا
ایک جانب روشنی تھی ہر طرف اندھیر تھا

رات اُنکے واسطے صبح قیامت ہوگئی + ساعتِ آرام یون بدلی کہ آفت ہوگئی
رہنما پھولونکی خوشبو سوئے وحدت ہوگئی + ہر گیاہ سبز انگشتِ شہادت ہوگئی

تھا نزول رحمت باری جو گلشن کی طرف
اُنگلیاں لاکھون اُٹھی تھین ہر نشیمن کی طرف

کھینچ سکتی تھی نہ اپنی سمت اُنکو بوے گل + اُنکی راہین روکتے تھین گو تھے میانکو گل
کیا نظر آتا اگر پڑتین نگاہین سوے گل + جلوۂ وحدت تھا اُن آنکھون مین کیسا روے گل

سر جھکائے دیکھتی تھی آئینے ادراک کے
نکہت گل کو سمجھتے تھے برابر خاک کے

نور کہتا تھا کہ موسیٰ کو غش آیا تھا وہین + مثلِ گل داغِ تمنا رنگ لایا تھا وہین
سبزۂ بیگانہ پر پھولونکا سایہ تھا وہین + خضر نے اپنا مصلےٰ بھی بچھایا تھا وہین

ملکے رونا شبنم و بلبل کو فرضِ عین تھا
کیا کہون وہ باغ تھا یا مجمع البحرین تھا

دل کے وہ غنچہ نمازِ شب مین قبلہ رو رہے + جسکے زیر پا ہتون کے کاکل و گیسو رہے
سر بسجدہ اُنکی راہِ عشق مین ابرو رہے + وہ اگر ہنس دیے تو برسون باغ میں غنچہ رہے

آنسوؤن کا سلسلہ جاری ہر اک حال مین
آیتین کس نور کی تھین مصحفِ اعمال مین

پیر ہو جاتے تھے ذکر نوجوانی چھیڑ کر + دل حزین تھے قصۂ دنیاے فانی چھیڑ کر
چیخ اُٹھتے تھے حدیث لن ترانی چھیڑ کر + صبح کر دیتے تھے وہ اپنی کہانی چھیڑ کر

پیس کے دل پہلو سے کھینچ آتا تھا اُن نالونکے ساتھ
خون کی دھارین نکلتی تھین مناجاتونکے ساتھ

شب مین وہ تھی یا کلیم اللہ رو دنیل مین + کٹ گئین راتین اسی تسبیح مین تہلیل مین
ہوگیا مشغول گردون صنع کی تبدیل مین + آئی ٹھنڈک چاندکی جلتی ہوئی قندیل مین

بے اُٹھائے خود نہ وہ اپنے مصلے سے اُٹھے
ہاتھ جوڑے جب فرشتون نے تو سجدے سے اُٹھے

آگیا بام فلک پر شرق سے زرین طبق + آب نے رپہیلا سنہرا ہوگیا کالا ورق
یاد پھر کرنے لگی بلبل وہی پہلا سبق + دامن گلشن مین گل تھے یون کہ پھولی تھی شفق

باغ کو چمکا دیا یہ صبح کے آثار نے
اپنے ہی تیور نہین دیکھے اپنے منہ اشجار نے

سلسلہ جنبان وحدت کا کلین سنبل کی تھین + کو بلین شبنم بھری صورت مین جام مل کی تھین
کسقدر رنگین وہ سادی ادائین گل کی تھین + پھر رہی پہلی سی باتین قمری و بلبل کی تھین

بار خواہش کا قناعت سے جو ہمت پر نہ تھا
دانے پانی کا تردد انکی صورت پر نہ تھا

بھوک مین بھی لو لگی تھی قاضی الحاجات سے + دل کو بہلاتے تھی غم مین خوبی اوقات سے
تھا عیان ورتوکل انکی ہر ہر بات سے + ہو کے دنیا مین جدا تھی اور موجودات سے

بادشاہی تھی اگر سد رمق بھی پا لیا
سامنے جو رزق آیا سر جھکا کر کھا لیا

طائرون مین یہ توکل یہ شکیبائی کہان + لاکھ دلکش ہو مگر گل مین یہ رعنائی کہان
اک دہن غنچہ مین ہے لیکن مسیحائی کہان + بول اٹھے تصویر بھی جس سے وہ گویائی کہان

انپہ جو کھب جائین وہ القاب بھی کیا خوب ہین
ان حجابون مین نئے انداز کے محبوب ہین

پردۂ باغ و گل و بلبل برائے نام ہے + عندلیب یان والی ہین چمن اسلام ہے
گل کو یون سمجھو کہ ان ہاتھون کا دلکش کام ہے + انسے ان چیزون کو نسبت یہ خیال خام ہے

بلبلین ہین عشق گل مین گل پریشانی مین ہین
سچ ہے عنقا یہ مثالین عالم فانی مین ہین

کیون وہ او جھل ہوگئے آنکھون سے مین اس غم مین ہون + ہے سینہ بختی تو ہر دم جامۂ ماتم مین ہون
طائر بے بال و پر ہون گو بنی آدم مین ہون + سامنے انکا زمانہ ہے عجب عالم مین ہون

سیمان لاکھون ہین کس کس کی مدارات کرون
ظلم فریادون پہ ہوتا ہے اگر باتین کرون

یون نہین ترپا مین گئی زندگانی کے لیے + پیر یون روے نہین فصل جوانی کے لیے
وہ گئے دنیا سے ملک جاودانی کے لیے + رہ گئے ہم آج انکی نوحہ خوانی کے لیے

ہو کا عالم ہے جہان بیٹھا ہون اس سینے مین
انکی آوازین مگر کچھ کہہ رہی ہین کان مین

یون تو شمع بزم بھی ہے ذکر پروانہ بھی ہے + ساقیون کی محفلین بھی ور پیمانہ بھی ہے
ہین جہان آباد یا عبرت کو ویرانہ بھی ہے + سیکڑون قصے سنے اک او فسانہ بھی ہے

وسعت دامن ہے لازم خونفشانی کے لیے
ڈھونڈھتا پھرتا ہون رتین اس کہانی کے لیے

ثاقب

واقف ہے نامہ بر جو محبت کی راہ سے
بچ بچ کے جا رہا ہے فلک کی نگاہ سے

توبہ کے چار حرف بڑے کام آ گئے
ساری خطائین سٹ گئین فرد گناہ سے

زورون پہ لاغری جو رہی یون ہی چند روز
چھپنا پڑے گا خود مجھے اپنی نگاہ سے

مہندی لگاؤ غازہ ملو دیکھو آئینہ
کیا واسطہ تمھین مرے حال تباہ سے

محفل سے انکی اٹھ کے کوئی جائے کیا مجال
باندھے ہوئے ہین سب کو وہ تار نگاہ سے

ابر بہار کو ہے مری چشم تر سے انس
بجلی ملی ہوئی ہے تمھاری نگاہ سے

اے رعد کیون نہ اوج پہ ہو میری شاعری
ہے واسطہ جلیل سخن دستگاہ سے

محمد صدیق خان رعد

حیات اور موت

کے

راز کا نظارہ بیسوین صدی کی روشنی مین

بروا ے زاہد خود بین کہ ز چشم من و تو   راز این پردہ نہانست و نہان خواہد بود

جس طرح یورپ کے جانباز ایران۔ طرابلس اور مراکو کے زیر و زبر کرنے مین اپنی مستعدی اور فراست کا ثبوت دے رہے ہین۔ کرپ کی توپون کا تماشا کر رہے ہین۔ ہوائی جہاز اڑا رہے ہین۔ بے تار کی برق سے کام لے رہے ہین اور ممالک کو روندے ڈالتے ہین۔ اُسی طرح قیاسات اور خیالات کی دنیا پر بھی انکی چڑھائی ہے اور نئی نئی موشگافیان حیرت انگیز ہو رہی ہین۔ جذبات اور روایات کے بحر ناپیداکنار مین کیا کیا خیالی ڈریڈ ناٹ اژدہا پیکر نوفون کر رہے ہین۔ کیسے کیسے تارپیڈو کے جال ڈالے جا رہے ہین۔ اور کہان کہان کی سنگین دلیلون اور تجربون کی بارود سے اُڑائی جا رہی ہین۔ یہ سب تماشے مغرب کے آئے دن کے حالات مین معلوم ہوتے ہین حال مین چوتھی ستمبر کو برٹش ایسوسی ایشن کے سالانہ جلسہ مین پروفیسر شافر صاحب کی صدارتی تقریر سے علمی دنیا مین ایک ہلچل سی پڑ گئی ہے۔ اس سے حیات اور موت کے راز پردہ روشنی پڑتی ہے جو بیسوین صدی مین ہم کو دکھائی دیرہی ہے۔ یہ روشنی کہان تک رہنمائی کرتی ہے اسکا حال آیندہ معلوم ہوگا۔ اسوقت پہلے ہم پروفیسر شافر صاحب کے نوٹ انگریزی اخبارات سے نمبروار لکھے دیتے ہین اسکے بعد سپر کچھ سرسری اقتباسات اور راے زنی بھی ہے۔ ہان پروفیسر شافر صاحب یہ فرماتے ہین۔

(۱) "زندگی" یا "حیات" کی جامع و مانع تعریف اب تک نہین ہوئی ہے۔ ہربرٹ اسپنسر سے فلسفی کو اپنی کتاب "اصول علم حیات" مین "حیات" کی تعریف مرتب کرنے مین بہت دقت پیش آئی یعنے ایسے جامع و مانع الفاظ نہین ملے جن سے تمام اشیاء نمو و حیات کا احاطہ کیا جا سکتا اور ساتھ ہی جتنی چیزین بیجان مانی گئی ہین وہ دائرہ ذی حیات سے نمایان طریقہ سے خارج ہوتین اور بالکل علٰحدہ سمجھی جاتین۔

(۲) زمانہ سلف مین جاندار اور بیجان چیزون مین جس قدر فرق ہین تسلیم کیا جاتا تھا اب اتنا فرق زمانہ حال کی تحقیقات اور موجودہ انکشافات سے پایۂ ثبوت کو نہین پہنچا۔

(۳) "حیات" کیا چیز ہے یہ در اصل مادۂ قدیم کے حل ہونے پر معلوم ہو سکتا ہے کہ جدید تحقیقاتون سے

بیجان اور جاندار چیزین ایک ہی رشتۂ قانون مین منسلک پائی گئی ہین اسلیے "مادہ" اور "حیات" دو چیزین نہین ہین

(۴) عام خیال یہ ہے کہ سرچشمۂ حیات کی محرک کوئی مافوق العادت قوت ہے جسکی تائید کسی اصول یا مشاہدہ اور تجربہ سے نہین ہوتی ہے۔ "حیات" کا مخرج وہی بیجان مادہ ہے جس نے رفتہ رفتہ دور ارتقائی کے منازل طے کرکے جاندار اشیاء کی صورت اختیار کرلی ہے۔

(۵) جاندار چیزون مین "نقل و حرکت"۔ "نشو و نما"۔ "ہاضمہ و جاذبہ" اور "تخلیق" کی قابلیتین پائی جاتی ہین - یہی باتین اکثر بیجان چیزون مین بھی دکھی جاتی ہین۔ وہ دن قریب ہے کہ جب کیمیائی ترکیبون سے ہم اپنے ہاتھون "حیات" تیار کرلین گے اور مسئلہ تعریف "حیات" ایک معما لاینحل نہ رہ جائے گا۔ تھوڑا سا "تیل" اگر کاغذ پر گرادیا جاتا ہے تو وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل و حرکت کرکے پہونچ جاتا ہے۔ بلور کا ٹکڑا نشو و نما کے بدیہی آثار ظاہر کرتا ہے۔ وہ بڑھتا ہے اگر اسکی غذا کیمیائی کافی طور سے پہونچتی ہے تو دوسرا ٹکڑا بھی اُسی سے پیدا ہوتا ہے۔ مرغی کے انڈے مین بھی کیمیائی حرارت پہونچا کر جان پیدا کرلی جاتی ہے اسلیے ظاہر ہوا کہ مراحل ہست و نیست مین خاص خاص کیمیائی ترکیبین جاری و ساری ہین اور جاندار و غیر جاندار مین بمشکل کوئی حد فاصل قائم کی جاسکتی ہے۔

(۶) کچھ زمانہ ہوا کہ علمی تجربہ کے واسطے ایک مینڈک پکڑا گیا تھا اور جب اسکو مار ڈالا گیا تو پھر ایک سال بعد دیکھا گیا تو مینڈک کے خون کے سفید ذرے یا مینڈک کے خون کی پھٹکیان "حیات" کے ذرات کے ساتھ باقی رہین۔ اسی طرح اور تجربون سے معلوم کیا گیا ہے کہ ایک "حیات" یعنے مادۂ بیجان کی ایک لطیف اور اعلیٰ درجہ کی ترقی یافتہ صورت" دراصل مجموعہ ہوتی ہے بہت ساری ذی حیات پھٹکیون کا جن مین سوراخ ہوتا ہے۔ بلکہ دیکھا گیا ہے کہ آدمی کے مرجانے کے بعد اسکے جسم کے اندر یہ جاندار پھٹکیان مدتون بیجان نہین ہوتین - اسی طرح ہم کہہ سکتے ہین کہ آدمی کا جسم گویا انھین کروڑون پھٹکیون کا ایک چھتا ہوتا ہے اور یہی "حیات" بخش ذرایع ہستی انسان کے ہین۔ حیات کے چھتے یا خانہ مین کاربن (کوئلہ کا جزو) - ہائیڈروجن (وہ ہوائے لطیف جو پانی کے ترکیبی اجزا سے ہے)۔ آکسیجن (ایک عنصر ہوائی جو زندگی اور روشنی کا ممد ہے) نائٹروجن - اور فاسفورس کی آمیزش پائی جاتی ہے اور کولرائڈ سوڈیم (اجزاء سوڈا)۔ میگنیشیا کا نمک۔ کیلشیم کا نمک۔ پوٹاشیم اور لوہا بھی ضمیمہ کے طور پر ممد حیات خانہ ہین۔

(۷) بعض اہل الرائے جماعتین کہتی ہین کہ کسی سیارہ کی بدولت "حیات" کا وجود ہوا ہے۔ لیکن یہ پتہ نہین ہے کہ کن سیارون مین کہان اور کب ایسے تغیرات واقع ہوئے ہین اور اب ایسے انقلابات کہان اور کس طرح جاری

ہین - ہان یہ تو ہے کہ یہ سیارے بھی مادہ کی ارتقائی صورت جدید ہین -

(۸) اکثر جگہ سوال زیر بحث یہ رہا کہ کیا "حیات" کا لازمی نتیجہ موت ہے بعض محققین کا جواب ہے کہ بے جان ہونے کا فعل ایک بے ضابطگی کا نتیجہ ہے اور کم سے کم اصولاً (اگر عملاً نہین) تو ضرور کسی حد تک موت سے چھٹکارا بھی ہو سکتا ہے - درحقیقت نسلاً بعد نسلاً ارتقا اور احتیاط کے ساتھ حیات کی پھٹکیان درازی حیات کی ممد بنائی جا سکتی ہین مگر "حیات" انسانی کا زمانہ غیر محدود حد تک دراز ہونا کسی صورت سے نہین پایا جاتا - اسلیے کہ یہ حیات کے خانے رفتہ رفتہ بوسیدہ ہو جاتے اور موت کے پیامی بن جاتے ہین - ہان پیش بندیون اور استعمال ادویات سے اوسط عمر مین کچھ ترقی حاصل ہو سکتی ہے - بالآخر یہ قانون اٹل رہے گا کہ

"All that lives must die, passing
Through nature to eternity"

تمام چیزین جو زندہ ہین یا پائی جاتی ہین اُنکو مرنا ضروری ہے اور نظام قدرت سے گزر کر قدامت اور ابدیت مین انھین جانا ہے"

(۹) "حیات" گویا "ایک خانہ کیمیائی" ہے - اب جو اس سے پیدا ہون گے وہ ارتقائی دور سے انھین خانون یا پھٹکیون کے ایک مجموعہ ہونگے - انھین پھٹکیون کے ردوبدل سے کبھی مرد اور کبھی عورت بہ لحاظ تخم کیمیائی وجود پذیر ہوتے ہین -

(۱۰) ابھی کیمیا سازان جدید کو طے کرنا ہے کہ نسلاً بعد نسلاً "حیات" پر آبا و اجداد کا کیا اور کہانتک اثر ہوتا ہے -

(۱۱) ابھی وہ زمانہ بہت دور ہے کہ ترکیب کیمیائی سے ایک جیتا جاگتا آدمی بنا لیا جائے - مگر آغاز حیات اور سرچشمۂ حیات کی ابتدائی صورت کے اجزا نہایت صاف اور آسان ہین جن سے رفتہ رفتہ موجودات کی گوناگون ساخت دور ارتقائی کی بھٹی مین پڑ کر ہمین نظر آتی ہے اور یہ اجزا صرف "حیات" ہی نہین ہین بلکہ قابلیت رکھتے ہین کہ اور جاندار چیزین بھی ان سے جسم اور رنگ و بو اختیار کر سکین -

دیگر مشاہیر کی دلچسپ رائین

(۱) سر ایڈورڈ رے لینکیسٹر نے کہا کہ پروفیسر شافر کے قیاسات سے ششدر نہین ہونا چاہیے انھون نے کوئی نیا بم کا گولا نہین پھینکا ہے - اور صاحب الرائے بھی "حیات" کے راز کے دریافت حال مین منہمک ہین انکو بھی پروفیسر شافر کے قیاسات سے اتفاق ہے - ہان الہیات کے عالمون کو ممکن ہے اختلاف ہو - اگر واقعاً انسان مختلف چیزون سے بن سکتا ہے تو اسکے لیے دور ارتقائی نہایت ضروری ہے جو دس کروڑ سال کا زمانہ

چاہتا ہے۔حیات کے سرچشمہ کا دریافت ہو جانا ممکن ہے مگر یقینی نہین۔ہم کو ابتک یہ نہین معلوم ہے کہ ہم کس طرح فوراً جلدی سے یکایک "بندر" کو "انسان" کے جسم اور پیرایہ مین منتقل کرین۔اگر یہ کبھی معلوم بھی ہوا تو اس سے کسی شخص کی زندگی مین کوئی فرق نہین ہوگا۔پروفیسر شافر نے "زندگی" اور "روح" مین بھی کوئی فرق نہین بتایا حالانکہ میرا خیال ہے کہ جسے لوگ روح کہتے ہین وہ ارتقا کی ایک لطیف اور اعلےٰ حالت ہے۔یہ "زندگی" سے علٰحدہ ہے اور اسکے ہونے ہوئے اس کا حصہ بھی ضروری ہے۔

(۲) پادری معظم سنکلیر نے کہا کہ پروفیسر شافر کی تقریر اگر غور سے دیکھی جائے تو یہ اُس حکیم مطلق اور قادر مطلق کی ترکیبون اور حکمتون کی ایک تفسیر مدلل ہے جو وہ اشیاء مین روح بن کر ظاہر کرتا ہے۔جاندار اور غیر جاندار مین کسی بین حد فاصل کا نہ قائم ہونا کچھ عجیب بات نہین۔اسی طرح ارتقا کے مسئلہ مین حیوان اور انسان کی عقل وتمیز کے درمیان کوئی پختہ حد بندی نہین ہے تاہم تسلیم شدہ ہے کہ عقل اور حیات ارتقائی دور سے پیدا ہین۔مان لیا جائے کہ انسان نے حیات کا نسخہ دریافت کر لیا تو پھر اس سے کیا شدنی؟ اگر ایسا ہوا تو گویا وہ آفتاب یا اور کسی نظام کی خدمت خود انجام دے گا جو خالق احکام وقوانین کے مطابق "حیات" کو ترکیب دیتے ہین۔

(۳) سر آلیور لاج نے کہا کہ معرکۃ الآرا سوال تو یہ ہے کہ کیا ہم سائنس کی مشاہدہ گاہ مین کیمیائی ترکیبون سے "حیات" تیار کرکے دکھا سکتے ہین۔اس صدی مین ایسی کوششین ضرور ہوئین لیکن کوئی جاندار چیز پیدا کرکے دکھائی نہ جا سکی۔کلیفورنیا مین اسکے تجربے برابر کیے جارہے ہین ممکن ہے کہ آیندہ رفتہ رفتہ انہین کامیابی ہو۔

(۴) سر جیمس کیرچٹن براون نے کہا کہ پروفیسر شافر کے خیالات نہایت ادب اور لحاظ سے سننا چاہیے لیکن مین اتنا ضرور کہون گا کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہین اس سے انکے خیالات کے بالکل برعکس اثر پڑ رہا ہے یعنے گھڑی کی سوئی مادیات سے ہٹ کر کائنات کے روحانی نشان کی طرف جارہی ہے۔کیا مین کہتا ہون کہ یکایک آپ ہی آپ موجودات کی اشیاء بن گئین۔نہین کبھی نہین۔ہو سکتا ہے کہ ہمین آیندہ "حیات" کے کچھ اجزاء ترکیبی معلوم ہو جائین مین پروفیسر شافر کی باتون کا مخالف ہون۔

(۵) "پائنیر" کا نامہ نگار ۲۲ ستمبر کی اشاعت مین اس مباحثہ کا ذکر کرتے ہوے لکھتا ہے کہ پروفیسر شافر نے کوئی نئی بات نہین کہی بلکہ وہی بات کہی جو ہکسلے نے پچاس برس پہلے بیان کی تھی یعنے یہ انتہائی مبالغہ اور بڑا دعوی کرنا ہے کہ کیمیائی ترکیبون سے ہم ایک دن "حیات" یا تخم حیات تیار کرلین گے۔یہ کوئی کار آمد بات بھی نہین ہے۔دانشمندون کے نزدیک بلاشک وشبہ یہ زندگی ایک سوانگ یا نقل ٹھہرے گی۔دولتمندون کے

نزدیک یہ زندگی تماشۂ کامرانی ٹھہرے گی اور غریبون کے نزدیک ایک بلا یا اندوہ گین قصہ یا کہانی ٹھہرے گی۔

ایک سرسری نظر

میان او کہ خدا آفریدہ است از ہیچ دقیقہ ایست کہ ہیچ آفریدہ نکشادست

ایک زمانہ کے فلسفی اور محقق اس گتھی کو سلجھانا چاہتے ہین کہ "زندگی" کیا چیز ہے "روح" کیا شے ہے اور "موت" کیا جاودانی معدومیت کا نام ہے یا ایک عارضی خواب شیرین کو موت کہتے ہین جس کی صبح خندان وادیٔ فردوس مین "بقا" کے رنگ مین نمایان ہوگی۔ ہان اقوام عالم نے اس خارستان مین اپنے اپنے وقت مین بڑی بڑی کاوشین کی ہین۔ ہزارون گھاٹیان۔ لاکھون منازل اور کروڑون بحر ذخار طے کرکے رکھدیے ہین لیکن جب بغور دیکھا تو یہ مسائل سراب ریگستان کے مانند دور اور بہت دور منزل کامرانی سے پڑے ہین اور اپنی طرف پہلی سی تابانی اور دلکشی سے پھر مبتلا شیون کو اپنے قریب بُلا رہے ہین۔ افسوس کہ یہ لوگ پھر اس طائر خستہ جان کی طرح اپنا سر دُھنتے اور اپنی جان گنواتے ہین جو لاکھون کوس سمندر بے پایان کا سفر کرکے شام کو دور سے روشنی کے مینار سے گزر کر اُس جانب وادی سکون کے واسطے بیتاب رہتا ہے مگر اسکا کام یہین تمام ہوجاتا ہے۔ اسی طرح آج پھر زمانہ حال مین سائنس کے جامہ مین آکر محققون اور فلسفیون نے راز حیات اور راز موت کی اصلیت دریافت کرنے مین غیر معمولی جد وجہد کا ثبوت دیا ہے۔ وہی مسائل ہین جو لاکھون مرتبہ زیر بحث رہ چکے ہین۔ وہی دلیلین ہین جن کو سُنتے سُنتے جی گھبرا گیا ہے گو الفاظ اور مطالب کے ظاہر کرنے کا اسلوب دوسرا ہے لیکن باتین سب وہی ہین جو ہم سے پہلے کی نسلین ہم کو گومگو طریقہ سے وراثت مین دے گئی ہین۔

گرچہ قندیل سخن کو منڈھ لیا تو کیا ہوا ڈھانچ مین تو ہین وہی اگلے برس کی تیلیان

اس ورثۂ علمی کے زورو بل پر ہم بھی اس پردۂ اسرار کو چاک کرنا چاہتے ہین جو حیات اور موت کے درمیان واقع ہے۔ تازہ اُپج یہ ہے کہ اجزاء بے جان سے مادہ "حیات" پیدا کیا جائے اور قدرت کا راز سربستہ فاش کردیا جائے۔ وارفتگان حقیقتِ اشیاء کو "ڈارون" کا وہ زمانہ یاد ہے کہ جب اس نے مسئلہ ارتقا کو دنیا کے سامنے پیش کرکے کہا تھا کہ انسان کا ہیولیٰ حیوان کے ترقی یافتہ ڈھانچہ سے بنا ہے۔ اُسوقت سے اسوقت تک یہ امر کہ جاندار اور غیر جاندار مین کون سا آخری رشتہ یا سلسلہ ہے جس کے ٹوٹنے کے بعد فنا پذیر حیوان انسان کے جامہ مین نمودار ہوجاتا ہے دریافت نہو سکا اور مسئلہ ارتقا ایک قیاس قریب المحال نظر آرہا ہے۔ اسوقت "حیات" کا ایک "غیر جاندار" شے سے پیدا کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے کیونکہ ابھی تو اشیاء مین برقی اور کیمیائی آثار کا صرف وجود

ہم کو معلوم ہوا ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ "حیات" ان اجزاء کیمیائی کے اتصال سے پیدا ہوجاتی ہے یا ایک دوسری چیز ہے جو روح بن کر کام کرتی اور منبع اسرار گوناگون سے کسی حکیم مطلق کے اشارہ سے حلول کرجاتی ہے ہم مان لیتے ہین کہ جاندار اور غیر جاندار مین حد فاصل حائل نہین ہے اور دونون صورتون مین حیات کے خانے اور اجزاء ترکیبی یکسان ہین لیکن پھر بھی "حیات" کیا چیز ہے اسکا جواب نہین ملتا کیونکہ انسان کے مرجانے کے (۱۸) اور (۲۴) گھنٹے بعد تک بھی حیات کے خانے جسم کے اندر جاندار پائے گئے ہین۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات کوئی اور چیز ہے جو ان نام نہاد فرضی زندگی بخش خانے کے علاوہ جاری وساری رہتی ہے اور اسکے جاتے ہی انسان بیجان رہتا ہے چاہے اسکے جسم کے اندر یہ دریافت شدہ حیات خانے بیشمار کیون نہ پائے جائین۔

پروفیسر شافر کا یہ کہنا کہ غیر جاندار سے ہم حیات کیمیائی بنالین گے محض ایک دعوے کی صورت رکھتا ہے۔ ابھی ہمین اس دعوے کی دلیل اور اسکی کامیابی کا امتحان کرنا ہے کیونکہ جسے عام طور سے "زندگی" یا "حیات" کہتے ہین اسکی خاصیت سے ہے کہ وہ نشو ونما کی قوت بھی رکھتی ہے اور اس سے سلسلۂ مزید پایا جاتا ہے۔ ابھی ہم نہین کہہ سکتے کہ اس مصنوعی کیمیائی حیات کو یہ بات نصیب ہوگی یا نہین۔ عالمان سائنس کا تو معمول یہ ہے کہ

"Not to look for two causes where one will do"

جب ایک دلیل یا سبب اُنھین مفید مطلب مل جاتا ہے تو پھر وہ ایک ہی واقعہ کے واسطے دو دلیل یا دو سبب کبھی نہین تلاش کرتے۔ اب اسوقت نیا قیاس تخلیق حیات کا پیدا ہوگیا ہے تو اس وجہ سے جو بات ملےگی وہ اسی طرف توڑ مروڑ کے پھیری جائے گی اور کچھ زمانہ تک اس چکر مین عقل۔ فلسفہ اور مشاہدہ کو حیران کرنے پر تلے رہین گے۔ جس طرح اس سے پہلے بھی ایک زمانہ تک یہ خبط تھا کہ انسان ذرات سے مرکب ہے۔ اس زمانہ مین ہر چیز مین ذرات دکھائی پڑتے تھے۔ پھر ایک قیاس یہ روشن کیا گیا کہ ہر مرض۔ ہر حیات نما چیز کے کیڑے اور کیڑیان ہین۔ اب کچھ زمانہ تک ہر چیز مین کیڑے اور کیڑیان تلاش کی گئین۔ جب اس سے بھی تسکین نہوئی تو روس کے پروفیسر میچنکاف کے تجربہ فاگوسائٹ (انسان کے جسم مین صحت کی سفید کیڑیان بیشمار ایک چھتے کی صورت مین حرکت کرتی اور مرض کی کیڑیون کو ہضم کرتی جاتی ہین) پر دماغ سوزی ہونے لگی۔ غرض یہی اُلٹ پھیر پہلے تھا اور اب بھی وہی ہے۔ جس رنگ کی بحث ان صفحات مین پیش نظر ہے اسی قسم کی بحث کئی بار یورپ مین دیکھی اور سُنی گئی ہے۔ اسی سلسلہ مین ۱۹۰۳ء مین پروفیسر ٹنڈل نے اپنے ایک لکچر کے خاتمہ پر

یہ کہا تھا اور لارڈ کلون (Lord Kelvin) سے سائینس دان کے اس قول کا حوالہ دیا تھا جو اخبار پروگرس مدراس (Progress, Madras) کے اگست ۱۹۰۳ء کے صفحہ (۱۹) پر درج ہے -

لارڈ کلون کا قول

"لارڈ کلون نے بیان کیا کہ مین اسکو نہین مانتا کہ سائینس ایک خالق کے وجود کے بارہ مین ہان یا نہین کچھ نہین کہتی بلکہ

Science positively affirmed creative power

سائینس صریحاً تسلیم کرتی ہے کہ ایک پیدا کرنے والی قوت یا طاقت ہے۔ سائینس نے یہ کیا ہے کہ ہر شخص کو اپنے اندر ایک تماشائے اعجاز کی سیر کرائی ہے اور مجبور کیا ہے کہ ہر شخص تسلیم کرے کہ ہان ایک قوت ہے جو خالق ہے اور جو رہنمائی اور ترتیب کا کام کرتی ہے۔ اور صرف یہ اعتقاداً نہین تسلیم کرایا ہے بلکہ ایسا کلیہ پیش کیا ہے جس پر بغیر ایمان لائے دوسرا چارہ نہین ہے۔ زمانۂ حال کے عالمان علم حیات پھر ایک دفعہ اسکو محسوس کرتے جاتے ہین کہ کوئی چیز "نامعلوم" ہے جس کو وہ لوگ قوت حیات بخش کہہ سکتے ہین۔ اس قوت "نامعلوم" کے احاطہ و انداز مین یہ عالمان سائینس شاید یہ نہین جانتے کہ وہ ایک طرح سے مذہب سائینس کے دائرہ مین مذبذب اور مشکوک ٹھہرائے جائین گے۔ یہ لوگ صرف خدا کے کارخانۂ قدرت سے خدا کو جانتے ہین مگر سچ تو یہ ہے کہ مجبوراً بالآخر یہ ایک قوت منتظمہ کو تسلیم کرتے ہین جو محض مادی نہین ہے بلکہ کچھ برق وش اور پوشیدہ سی قوت ہے حقیقت یہ ہے کہ خیال مین نہین آتا کہ بہت سارے کیڑے مکوڑے بہت سی گھانس و سبزی اور بہت سے جانور محض بیشمار ذرون سے وجود مین آگئے ہون جو اپنے ہی حسب منشا ایک ساتھ اوپر سے نیچے آگرے ہین۔ لاکھون۔ کروڑون اور سنکھا سنکھ قرنون مین بھی اس طرح سے ایسا خوب صورت عالم نہین بن سکتا۔

"In science they had a knowledge that there was a spiritual influence in the world about them"

یعنے سائنس سے ان لوگون کو معلوم ہوا ہے کہ اس دنیا مین ہمارے گرد و پیش ایک قسم کا روحانی اثر اور نفوذ ہے

لارڈ کلون نے بیان کیا تھا کہ چالیس سال ہوئے ہین کہ ایک دیہات مین "لیبگ" ماہر الکیمیا کے ساتھ سیر کرتا ہوا جا رہا تھا مین نے اس سے پوچھا کہ کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ گھاس اور پھول محض اجزاء کیمیائی

اور قوت کیمیائی سے زمین سے نکل آئے ہین۔ اس نے جواب دیا بالکل نہین۔ جس طرح مین جانتا ہون کہ علم نباتات کی کتا بین آپ ہی آپ محض قوت کیمیائی سے وجود مین نہین آگئی ہین۔"

اب ہم یہان مشرق کے ایک زبردست خدا پرست فلسفی "شنکراچاریہ" کا بھی ایک قول نقل کرتے ہین۔ "ہم اپنے مخالفون سے پوچھتے ہین کہ مادہ مین عقل اور تمیز کہان سے نمایان ہے جس کو وہ لوگ کہتے ہین کہ مادہ سے پیدا ہے۔ مادہ پرست چار عناصر کے آگے اور کسی چیز کا وجود تسلیم نہین کرتے۔ اگر وہ لوگ کہتے ہین کہ عقل اور احساس تو مادہ سے پیدا ہوتا ہی تو ہم کہتے ہین کہ مادہ کی صفات مین عقل اور احساس داخل نہین ہو سکتا اسلئے کہ کوئی چیز آپ ہی آپ حرکت اور عمل نہین کر سکتی۔ آگ کی مثال سامنے ہے جو ہمیشہ گرم اور تیز رہتی ہی مگر آپ ہی روشن نہین ہو سکتی اور آپ ہی آپ کسی کو نہین جلا سکتی۔ ایک نٹ اپنے آپ سے اپنے اوپر چڑھکر کرتب نہین کر سکتا اسی طرح عقل اور احساس اگر مادہ یا عناصر کی صفات مین ہین تو بھی ان چیزون کو وجود مین کیسے لا سکتے ہین۔"

اب یہان سے ہم "موت" پر ایسٹ اینڈ وسٹ کے ایک فاضل نامہ نگار کی تحریر کا یہ فقرہ کہ

"What we mean by death depends mainly upon what we mean by life"

"موت سے ہم کیا مراد لیتے ہین اس کا فیصلہ اسپر ہے کہ ہم پہلے زندگی سے کیا مراد لیتے ہین" پیش کر کے پروفیسر شافر کے مذکورۂ بالا بیانات کی طرف رجوع ہوتے ہین۔ ان کا خیال ہے کہ حیات خانے بوسیدہ ہوتے ہین تو موت واقع ہوتی ہے حالانکہ موت کے بعد بھی حیات خانے جسم کے اندر گرم پائے گئے ہین۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حیات خانے گو اجزاء حیات کے ممد و معاون ہون لیکن صرف وہی حیات کے قائم رکھنے والے نہین ہین بلکہ کچھ اور پوشیدہ قوت یا روح ہے جو جسم کو زندہ رکھتی ہے۔ پروفیسر شافر خود مانتے ہین کہ جتنی چیزین ہین وہ ضرور فنا ہونگی۔ اگر مادۂ قدیم کا سارا ظہور کائنات مین مان لیا جائے تو سوال ہوتا ہے کہ مادہ کی عادت مین قدامت داخل ہے اور وہ فنا نہین ہوتا تو پھر اسکی ساختہ پرداختہ چیزون کو بھی فنا نہین ہونا چاہیے اور چونکہ وہ فنا ہوتی ہین یعنے صرف ہیئت ہی نہین بدلتین بلکہ اصلیت تک جو ان سے انسان مین منتقل ہو کر مبدل ہو جاتی ہے تو اسلیے ہم کہہ سکتے ہین کہ مادہ مجبور ہے اور وہ اس مٹی کی طرح ہے جو کمہار کے چاک کے پاس پڑی رہتی ہے جس سے وہ برتن اور کھلونے بنا بنا کر پھینکتا جاتا ہے۔ اگر برتنون کو علم بھی ہو جائے کہ فلان مٹی کے بنائے جا رہے ہین تو کیا انکی مجال ہے کہ چاک کے چکر سے سرتابی کر سکین۔

ٹینیسن لکھتا ہے کہ ہمارا علم مثل اُس ابابیل کے ہے جو اوپر سے جھیل کو دیکھتی ہے صرف اسکے سطحی سایہ کو دیکھتی ہے لیکن وہ پانی کے عمق مین کبھی نہین ڈوبی ہے یعنے اسرار کے عمق در عمق مین کبھی نہین چونچ ڈبوئی ہے - ایک دوسرا فلسفی لکھتا ہے کہ کیا انسان کی حیوان سی آنکھ اس قابل ہے کہ وہ خالق کی قدرت اور حکمت کو تمام و کمال دیکھ سکے کیا اس نے بہت سی چیزین ایسی نہین بنائی ہین جن کو ہم نہین دیکھ سکتے - کیا سب ہی چیزین ہم پر آشکارا کردی ہین - بے شمار قوتین ہماری دنیا مین اور ہمارے ارد گرد کام کر رہی ہین جن کا علم ہم کو مطلق نہین ہے - غرض ہر صبح سائینس کے لیے ایک محشرستان اسرار لا متناہی ہے ہر مشاہدہ اور تجربہ کا ل ایک قوت عجیبہ کے گوناگون احکام اور اوس کے طرز و انداز کا مفسر بن کر انسان کی بے بضاعتی کے نشان کا بنانے والا ہے - لاکھون سورج - کروڑون چاند اور بیدمون کرۂ ارض ہماری نظرون سے اوجھل اسکی قدرت سے ترسان و لرزان چکر مین ہین اور خود ہر انسان کی زندگی ایک ضابطۂ حکمت نامعلوم ہے جس کے راز سے کسی کو خبر نہین - مغرب اور مشرق اب بہت جلد سائینس اور علوم عینیہ سے دیکھنے والے اور یقین کرنے والے ہین کہ ایک عالم اور ہے جہان من و تو کی قید - وقت - ساعت اور زمانہ کی بندش - مربع - مستطیل اور سطح کی صورت - گرم و سرد اور باد و باران کی مجبوری اور تمام مادی قفس کے عارضی دکھاوے اور تماشے بالکل ہیچ اور لچر و پوچ ہین اور وہ عالم روحانی ہے اور وہ ہین دور ارتقائی سے بھی ہمین جانا ضروریات سے ہے -

پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم — مین بھی ہون ایک عنایت کی نظر ہونے تک
یک نظر بیش نہین فرصت ہستی غافل — گرمیِ بزم ہے اک رقص شرر ہونے تک

شاہ محمد نذیر ہاشمی

گردباد

کل طبیعت جو بہت گھبرائی — سوئے صحرا مجھے وحشت لائی
دور تک دشت خزان دیدہ تھا — نہ کہین پھول تھا نے پتا تھا
نظر آتا تھا عجب عالم ہو — خاک اُڑتی تھی ہوا سے ہر سو
دھوپ سے ذرے چمکتے تھے کہین — ریت سے شعلے لپکتے تھے کہین

بادِ صرصر کی جو موج آتی تھی — ایک بجلی سی چمک جاتی تھی
آگ کی طرح دہکتی تھی زمین — کوئی چشمہ تھا نہ سایہ تھا کہین
جی مین آیا کہ چلو لوٹ چلین — جیتے جی کس لیے دوزخ مین جلین
ناگہان جا پڑی اک سمت نظر — اک کفِ پا کا نشان آیا نظر

مین نے جھک کر جو ذرا غور کیا عجب اُس نقشہ مین نقشہ دیکھا
تھا جو وہ نقش دہن کی صورت اس سے گویا یہ سُنی کیفیت
دیکھ ہے دشتِ طلب یہ صحرا کام ہمت کا ہے اس مین چلنا
اسکے آگے ہے بلند ایک مقام بام مقصود ہے اُس ٹیلے کا نام
دیکھنے مین تو ہے چھوٹا سا وہ کوہ لیکن اُسکی ہے عجب شان و شکوہ
ڈہڈہاتی ہوئی سبزے کی لہک اطلس چرخ سے جس کو چشمک
چہچہے طائرون کے شاخون پر لحن داؤد کا رکھتے ہین اثر
صاف و شفاف ہین شیرین چشمے آبرو آب خضر کی جن سے
بیچ مین ایک مسطح ہے چٹان جو کہ ہے معدن یاقوت کی جان
ہے یہان تخت بچھا مینا کار تخت طاؤس ہے جسپر سے نثار
اس پہ سونے کی نصب اک مورت حورین صدقے ہون وہ پیاری صورت
یون تو کہنے کے لیے ہے بیجان اور جو سچ پوچھو تو ہے جان جہان
کامیابی ہے لکھا ماتھے پر لاکھ زیور کا ہے جو اک زیور
حُسن سا حسن ہے اللہ اللہ قیمت ہر دو جہان ایک نگاہ
خلق شیدا ہے زمانہ عاشق غیر عاشق ہے یگانہ عاشق
جان فدا کرنے پہ سب آمادہ ایک سے ایک سواد لدادہ
جس کو دیکھو وہ چلا آتا ہے اک کشش ہے کہ کھچا جاتا ہے
انمین کوئی ہے جوان پیر کوئی ناتوان کوئی ہے کوئی ہے قوی
پست ہمت یہ وہ ہمت والا ایک سے ایک نئی مت والا
راستہ ایک یہی ہے لیکن جو ہے دشوار گزار اور کٹھن
دشت حرمان ہے اسی کا تو نام یہین ہو جاتی ہے ہمت ناکام
تا بہ سرحد تو سبھی آتے ہین اکثر اس دشت مین پھر جاتے ہین
کم ہین ایسے جو کڑی سہ جائین طے کرین راہ کو منزل پائین
ایک ہم بھی ہین جو یان آئے تھے ساتھ ارمان بہت لائے تھے
گرچہ ہمت سے بہت کام لیا کیا کرین ساتھ نہ طاقت نے دیا
وصل قسمت مین نہ تھا کیا کرتے گھر پلٹ جاتے تو اچھا کرتے
لیکن اس ننگ کا یارا نہ ہوا پیٹھ پھیرین یہ گوارا نہ ہوا
عشق صادق کا تقاضا یہ تھا یہین رہ جاؤ پلٹنا کیسا
لے کے بس نام خدا بیٹھ گئے بن کے نقش کف پا بیٹھ گئے
خاک اب تفتہ جگر اُٹھین گے مر کے اُٹھین گے اگر اُٹھین گے
یہی باتین تھی کہ رنگ اور ہوا یک بیک آگئی چو بائی ہوا
کشمکش مین وہ بیابان آیا دشت کی ریگ نے چکر کھایا
ہر طرف سے جو دباؤ آکے پڑا حلقۂ نقش وہ گرداب بنا
چرخ کھاکے ہوئی مٹی جو بلند بن گیا چرخ کا صحرا پیوند
پہلے ہم اس کو تماشا سمجھے سرسری ایک بگولا سمجھے
مگر اک آن مین وہ دشت غبار یعنے وہ نقشِ سر راہ گزار
قلہ کوہ پہ جا کر پہونچا آرزو جس کی تھی وان پر پہونچا
عزم و ہمت نے یہ دن دکھلایا رتبہ خواہش سے زیادہ پایا
پہلے جب گھر سے نکالا تھا قدم پائبوسی کا فقط بھرتا تھا دم
شوق کامل نے یہ بخشی معراج کامیابی کے بنا سر کا تاج
کون کہتا ہے بگولا تھا وہ ایک ہمت کا کرشمہ تھا وہ
ہر کہ جان در رہ ہمت بازد نیز خاکش بہ فلک پروازد

ضامن کنتوری

گرانی اجناس

دماغی جمود نے اس لائق تو نہین کہان چھوڑا تھا کہ مسائل اقتصادی کی دقتین حل کرتے لیکن کیا کیا جائے بعض مسائل ایسے ہین جن سے پہلوتہی کرتے بھی نہین بن پڑتی ۔مثال کے طور پر گرانی اجناس ہی کو لیجیے۔امیر غریب سوداگر مزدور سبھی تو اس سے متاثر ہین ۔جھونپڑون کی رہنے والی پسنہاری جو رونا "مہنگائی" کا چکی پیسنے مین روتی ہے وہی جھینکنا محلون کی بیٹھنے والی بیگم کے یہان بھی پڑا ہے ۔نئی تانتی نے اپنی آنکھون نہین دیکھا تو کانون سے چشم دید واقعات ضرور سُنے کہ پہلے کس قدر سستے سمے تھے اور خوردنی اشیا کس قدر ارزان تھین جنھین سُنی سُنائی باتون کا اعتبار نہین اُنکے لیے ذیل کا گوشوارہ سرکاری کاغذات سے تیار کرکے ہم درج کیے دیتے ہین۔

سنہ ۱۸۷۳ء سے سنہ ۱۹۰۷ء تک

چار قسم کے خوردنی غلون مین قیمتون کا فرق

سال	چاول	گیہون	جوار	باجرہ	
سنہ ۱۸۷۳ء مین قیمت مفروضہ	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	روپیہ
اسی نسبت سے سنہ ۱۸۸۷ء مین	۱۲۵	۱۲۳	۱۲۷	۱۲۲	"
سنہ ۱۸۸۸ء	۱۳۵	۱۲۴	۱۳۱	۱۳۴	"
سنہ ۱۸۸۹ء	۱۴۷	۱۱۸	۱۲۲	۱۲۸	"
سنہ ۱۸۹۰ء	۱۴۳	۱۱۶	۱۲۳	۱۱۸	۱۰۱
سنہ ۱۸۹۱ء	۱۴۹	۱۳۵	۱۳۸	۱۳۷	"
سنہ ۱۸۹۲ء	۱۷۸	۱۵۱	۱۳۸	۱۴۲	"
سنہ ۱۸۹۳ء	۱۶۴	۱۲۵	۱۲۲	۱۲۳	"
سنہ ۱۸۹۴ء	۱۵۲	۱۰۴	۱۱۲	۱۱۸	"
سنہ ۱۸۹۵ء	۱۴۱	۱۱۷	۱۲۱	۱۱۹	"
سنہ ۱۸۹۶ء	۲۱۶	۱۵۲	۱۵۴	۱۶۶	"
سنہ ۱۸۹۷ء	۲۱۰	۲۰۶	۲۰۳	۲۱۱	روپیہ
سنہ ۱۸۹۸ء	۱۵۷	۱۴۵	۱۳۱	۱۳۰	"
سنہ ۱۸۹۹ء	۱۴۴	۱۵۸	۱۳۷	۱۴۰	"
سنہ ۱۹۰۰ء	۱۷۶	۱۸۰	۲۱۴	۲۰۰	"
سنہ ۱۹۰۱ء	۱۸۳	۱۶۳	۱۴۵	۱۳۹	"
سنہ ۱۹۰۲ء	۱۹۹	۱۴۳	۱۳۴	۱۳۳	"
سنہ ۱۹۰۳ء	۱۶۲	۱۲۹	۱۱۶	۱۱۵	"
سنہ ۱۹۰۴ء	۱۴۶	۱۳۲	۱۱۰	۱۰۹	"
سنہ ۱۹۰۵ء	۱۶۹	۱۳۹	۱۳۷	۱۴۶	"
سنہ ۱۹۰۶ء	۲۱۳	۱۵۹	۱۸۳	۱۷۴	"
سنہ ۱۹۰۷ء	۲۳۸	۱۹۵	۱۶۲	۱۵۱	"

نقشہ بالا سے معلوم ہوگا کہ اگرچہ قیمتوں میں بیشی کے ساتھ کمی بھی ہوتی رہی تاہم گرانی نے چند سال سے قدم مستقل طور پر جما لیے اور ویسرلے کی کونسل میں خود وزیر صیغۂ مال کو قبول کرنا پڑا کہ سنہ ۱۹۰۴ء سے سنہ ۱۹۰۷ء تک قیمتیں ۲۵ فیصدی بڑھیں"۔ لیکن کیوں؟ - اسکا جواب مشکل ہے۔ ہندوستان کی اصلی رعایا جس سے ۲۰ کروڑ کسانوں کا عظیم الشان ریوڑ عبارت ہے، جو گرانی کی سب سے زیادہ تکلیف اُٹھا رہی ہے، زیادہ سے زیادہ اللہ میاں کو اور کم سے کم سرکار کی نیت کو مہنگائی کا اصلی ذمہ دار قرار دیتی ہے - ان بچارے کم سمجھ لوگوں کے علاوہ ایک گروہ اس قسم کا بھی ہے جنھیں اینگلو انڈین اخبارات کے سوا دوسرے جرائد ہندی مطالعہ کرنے کا موقع نہیں ملا - انھوں نے جو رائے قائم کی وہ محض سطحی اور دھوکہ ہے، یہ لوگ ممالک یورپ کی مثال لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "اجناس کی قیمت کا زیادہ ہونا تو ملک کی خوشحالی کا ثبوت ہے۔ جتنا تمول کہیں بڑھے گا اُتنی ہی مزدوری گران پڑے گی اور اسی نسبت سے اجناس خوردنی کے دام بھی بڑھ جائیں گے"۔

مگر امر واقعی یہ ہے کہ یہ دلیل محض فریب خیال ہے - ہمیں سیاسی دنیا سے علیحدہ ہو کر گرد و پیش نظر ڈالنی چاہیے :- ہماری کس صنعت نے ترقی کی؟ ہماری کونسی تجارت پہلے سے بڑھ گئی؟ ہمارے زمینداروں کے تمول میں کیا اضافہ ہوا؟ لوگوں کی آمدنی اور مصرف میں جو نسبت پہلے تھی وہی قائم ہے یا اب اخراجات آمدنی سے زائد بڑھ گئے ہیں؟ ان سوالات کا جواب یقیناً حوصلہ شکن ملے گا۔ اور ہمیں افسردگی کے ساتھ یقین ہو جائے گا کہ چند سال میں قیمتوں کا یکایک آسمان پر چڑھ جانا ہماری دولت مندی کے ہم قدم نہیں۔ ہمارے مزدوروں کو سوائے خاص خاص تجارتی مرکزوں کے مزدوری اسقدر کم ملتی ہے کہ راقم مضمون کے سامنے ایک انگریز آدھ گھنٹے تک اسکے سچ ہونے میں شبہ ظاہر کرتا رہا۔ اُسکی کسی طرح سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا کہ تین چار انسانوں کا کنبہ محض پانچ روپیہ ماہوار پر گزارہ کر سکتا ہے! - کیا دولت مندی کے لچھن یہی ہیں؟ کسانوں کی حالت اس سے بھی زیادہ خراب ہے - ہر شخص دیکھتا ہے اور تحقیق کرنا چاہے تو بآسانی تحقیق کر سکتا ہے کہ اُن بیچاروں پر دنیا کیسی تنگ ہوتی جاتی ہے۔ کونٹ ٹالسٹائی نے بھی ہندوستان کے صابر کاشتکار کا مطالعہ کیا تھا اور وہ سخت متعجب تھا کہ یہ لوگ (Passive Revolution) بغاوت کیوں نہیں کر دیتے؟ خیر اس صلاح پر تو عمل ہوا نہ ہو تاہم اسمیں شبہ نہیں کہ اس بے زبان فرقے کی طرفداری میں جو کچھ کیا جائے کم ہے -

مادر وطن کے نیک نہاد فرزندوں نے حکومت ہندوستان کے سر ہو کر کمیشن تو بٹھا دی ہے کہ اجناس کی

گرانی پر غور کرکے اسکے اسباب و وجوہ سے اطلاع دے لیکن بقدر توفیق ہم بھی اس مسئلہ پر کچھ لکھتے ہین۔ یہ فرض نہ ہو کہ جب مسٹر گوکھلے اور دادا بھائی جیسے مبصر گرانی اجناس کے مسئلے مین ذرا سوچ سمجھکر راے دیتے ہین تو ایک معمولی آدمی کا اسمین زبان چلانا زیادہ وقعت نہین رکھتا پھر بھی اتنا ممکن ہے کہ اُن اسباب گرانی کو جن پر اکثر اہل الراے متفق ہین پیش کردیا جائے:-

اسباب

(۱) خشک سالی اور قحط جس مین آدمی کا قابو نہین پہلا سبب گرانی اجناس کا ہین۔ قحط پچھلے زمانے مین بھی پڑتے تھے لیکن اس وقت بنیون کے پاس کافی ذخیرے موجود رہتے تھے اور وہ اکثر اُس کمی کو معلوم ہونے نہ دیتے تھے۔ برخلاف اسکے آجکل عمدہ فصل کی حالت مین بھی غلہ جو زیادہ ہوتا ہے باہر یورپ کو چلا جاتا ہے اور یہان بچت تو بچت پوری بھی مشکل سے پڑتی ہے۔ اس عمل کی تفصیل تجارت برآمد کے کاغذات مین دیکھیے لیکن اپنی بات پوری کرنے کے لیے ہم چند مثالین سرسری طور پر یہان لکھتے ہین۔

سنہ ۱۸۹۶ء مین قحط پڑا فصل کی حالت ایسی بُری نہ تھی لیکن گرانی کی یہ نوبت پہنچی کہ حکومت کو امدادی کوششین عمل مین لانی پڑین پھر بھی بہت سے آدمی بھوکون مرگئے۔ جب قحط کے اسباب پر غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ سنہ ۱۸۸۶ء سے سنہ ۱۸۹۶ء تک قیمتون مین تھوڑی بہت گرانی موجود تھی کہ دفعتہً یورپ سے گیہون کی بڑی بھاری مانگ آئی۔ وہان بھی خشک سالی کی وجہ سے فصلین بالکل خراب ہوگئی تھین۔ اس بیرونی مانگ کو پورا کیا جانا ہی مشکل تھا کہ ادہر خود اپنے گھر مین فصل بگڑ گئی اور یورپ کی چند مصنوعات کے عوض ہماری خوردنی اجناس لندن وہمبرگ کی منڈیون مین جا پہنچین اسکے بعد جب پیداواری ہوئی تو پھر قیمتین کم ہوگئین لیکن اپنی اصلی حالت پر ابھی نہ پہنچی تھین کہ یورپ کی بے حد وحساب خریداری نے پھر کال ڈلوادیا۔ اور گو یہ سختی زیادہ مدت قائم نہین رہی پھر بھی غلے کے وہ ذخائر جو ملک مین عام تھے قریب قریب بالکل ناپدید ہوگئے اور اس طرح ایک مستقل اثر پچھلے قحطون کا قائم رہ گیا۔ پس وہی لانچہ جو اُسوقت پڑا تھا اسوقت تک پورا نہین ہوسکا اور آیندہ کے لیے بھی کوئی امید ارزانی کی نہین رہی غنیمت سمجھنا چاہیے جو موجودہ قیمتین ہی قائم رہ جائین کیونکہ یہ بھی مشکل نظر آتا ہے۔

(۲) دوسرا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ غلے کی پیداوار کم ہوتی جاتی ہے اور دوسری اجناس جن مین کاشتکار کو مالی فائدہ زیادہ نظر آتا ہے بڑھ رہی ہین۔ بمبئی اور بنگالے مین خصوصاً سَن اور روئی کی کاشت نے

غلے کو پرے بٹھا دیا ہے اور اگرچہ ہر سال ہزاروں ایکڑ نو تر بڑ زمین کاشت میں لائی جاتی ہے پھر بھی خوردنی اجناس اُس نسبت سے نہیں بوئی جاتیں جس نسبت سے دوسری جنسیں۔ مثلاً ۱۸۹۱ء میں کچھ اوپر ۱۸ کروڑ ایکڑ زمین میں اجناس خوردنی کاشت ہوئی تھی یہ تعداد ۱۹۱۰ء میں ½ ۱۹ کروڑ تک پہنچی اور اس طرح اسمیں لے ۷ فیصدی کا اضافہ ہو گیا لیکن اس اضافہ کا مقابلہ سن اور روئی کے اضافے سے کیجیے تو معلوم ہو گا کہ یہ دونوں جنسیں اُتنے ہی عرصے میں ۷۰ اور ۵۰ فیصدی کے قریب بڑھ گئیں!

چاول جو ۱۸۹۱ء میں ۵۰ کروڑ من کے قریب اُٹھا تھا اضافے کے بجائے کم ہوتا جاتا ہے اور پچھلے دس سال میں یہ کمی بالکل نمایاں ہے۔ یہ لکھنا فضول ہے کہ ہندوستان میں کوئی غلہ چاول کے برابر استعمال میں نہیں آتا۔

برخلاف اسکے گیہوں کی کاشت ۲۵ فیصدی کے قریب بڑھ گئی جس کی وجہ زیادہ تر وہ نہری نو آبادیاں ہیں جو پنجاب میں بسائی جا رہی ہیں؛ مگر اس افزائش پر بھی افسوس ہے کہ خوش ہونے کا موقع نہیں کیونکہ گیہوں کی کاشت اب زیادہ تر یورپ کے لیے کی جاتی ہے پس اگر کاشت کے ساتھ تجارت درآمد بھی بڑھ گئی تو سمجھنا چاہیے کہ ہندوستان وہی موچی کا موچی رہا۔

(۳) ریلوے کی بدولت ایک جگہ کی چیز دوسری جگہ بآسانی پہنچ جاتی ہے جس سے لوگ چٹورے ہو گئے ہیں یعنے قسم قسم کے کھانوں کا مزا انھیں پڑ گیا ہے۔ اسی وجہ سے اگر گیہوں دکن میں نظر آتا ہے تو چاول راجپوتانے میں! ریلیں تو خاصی طرح اپنا کرایہ وصول کر لیتی ہیں لیکن اجناس کا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا اُن کو گران بنا دیتا ہے۔

پروفیسر کالے نے اجناس کی اُس مقدار کثیر کا ذکر کیا ہے جو بمبئی مدراس اور رنگون میں آتی جاتی رہتی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ۱۹۰۴ء میں ڈیڑھ کروڑ روپے کی اشیاے خوردنی جن کا وزن دو لاکھ ٹن سے کم تھا برما سے مدراس و بمبئی آئیں دوسرے سال یہ رقم تگنی ہو گئی اور ۱۹۰۸ء میں اُنکا وزن دس لاکھ ٹن کے لگ بھگ جا پہنچا اور قیمت ½ ۹ کروڑ روپیہ آنکی گئی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ افزایش پذیر گرانی کے باوجود اشیاء کی درآمد بڑھ رہی ہے!

(۴) وایسرائے کی کونسل میں وزیر مال سرگای فلیٹ وڈ ولسن نے تھوڑے دن ہوے فرمایا تھا کہ ملک میں غلہ اس کثرت سے پیدا ہوتا ہے کہ اگر تھوڑا بہت یورپ چلا جائے تو اس کا اثر معلوم بھی نہو۔

یہ گویا جواب تھا اُن لوگون کو جنھین ضد ہے کہ تجارت برآمد پر محصول بڑھا دیا جائے کیونکہ اُسکی وجہ سے غلہ باہر کھنچ جاتا ہے اور ہمارے ہان گرانی بڑھتی جاتی ہے۔

مگر ہماری سمجھ مین نہین آتا کہ سرگائی جیسے باخبر آدمی نے ایسی بات کیسے موہنہ سے نکالی "یورپ مین اجناس خوردنی کی مانگ ہے" "ایک بات" "یورپ ہم سے زیادہ قیمت ادا کر سکتا ہے" دو۔ اور بھی دلیلین کافی ہین کہ سرگائی کے اس سرسری فیصلے کا ابطال کردین جو انھون نے ایک ذمہ دار مجلس کے سامنے فرمادی لیکن ہم ایک اور نقشہ پیش کرتے ہین جس کے اعداد خود سررشتۂ مال کی روئیدادون سے مرتب ہوئے ہین۔ اس سے معلوم ہوگا کہ جنس کی مقدار چاہے کم جائے یا نہ زیادہ۔ اُسکی قیمت برابر بڑھتی جاتی ہے اور گو یورپ کو تمول کے باعث گرانی کی پروا نہین لیکن بچارہ ہندوستان تو اس دوڑ مین اسکا ساتھ نہین دے سکتا۔

(۱) چاول - تجارت برآمد - مقدار اور قیمت

سال	مقدار	قیمت	قیمت فی ٹن
سنہ ۱۹۰۴ء	۲۲۵۰۰۰۰ لاکھ ٹن	۱۹۰۸۲۸۰۰۰ کرور روپیہ	۸۵ روپیہ
سنہ ۱۹۰۵ء	۲۴۷۴۰۰۰ "	۱۹۶۱۹۰۰۰۰ "	۷۹ "
سنہ ۱۹۰۶ء	۲۱۵۲۰۰۰	۱۸۶۳۶۹۰۰۰ "	۸۶½ "
سنہ ۱۹۰۷ء	۱۹۳۵۰۰۰	۱۸۵۲۵۲۰۰۰ "	۹۵ "
سنہ ۱۹۰۸ء	۱۹۱۳۰۰۰	۲۰۳۳۶۳۰۰۰	۱۰۵½

(۲) گیہون - تجارت برآمد - مقدار و قیمت

سال	مقدار	قیمت	قیمت فی ٹن
سنہ ۱۹۰۴ء	۱۲۹۵۵۶۵ لاکھ ٹن	۱۱۰۸۸۹۵۰۰ کرور روپیہ	۸۵ روپیہ
سنہ ۱۹۰۵ء	۲۱۵۰۰۰۰	۱۷۹۰۶۰۷۰۰ "	۸۳½ "
سنہ ۱۹۰۶ء	۹۷۳۵۰۰	۸۵۳۴۴۰۰۰ "	۸۷½ "
سنہ ۱۹۰۷ء	۸۱۰۵۰۰	۷۲۵۴۴۶۰۰ "	۹۱ "
سنہ ۱۹۰۸ء	۸۸۰۴۰۰	۸۵۸۵۰۳۰۰ "	۹۸ "

کھوپرے کی دساور سے ایک اور شہادت فراہم ہو جاتی ہے:

کھوپرا - تجارت برآمد - مقدار و قیمت			
سال	مقدار	قیمت	قیمت فی من
۱۹۰۲ء	۱۲۰۰۰۰ لاکھ من	۱۲۰۰۰۰ لاکھ اشرفی	ایک اشرفی یا ۱۵ روپے
۱۹۰۶ء	۱۱۰۰۰۰ "	۱۲۶۰۰۰ "	۱ ۱/۷ اشرفی یا ۱۷ روپے (تقریباً)
۱۹۰۸ء	۷۵۰۰ ہزار من	۱۴۴۰۰۰ "	۱ ۹/۱۰ اشرفی یا ۲۸ روپے (تقریباً)

ان مثالون سے کھل گیا ہوگا کہ باہر والے کس قدر گران خریدنے کی حیثیت رکھتے ہین جنس کی قیمت جو کاشتکار کی جیب مین جاتی ہے معمولی ہوتی ہے لیکن جو سوداگر اُس سے خرید کر باہر لے جاتے ہین وہ ریلوے محصول وغیرہ کے علاوہ خوب منافع بٹورتے ہین - اور ملک مین نہ تو قیمت زیادہ آتی ہے نہ جنس باقی رہتی ہے جس کا لازمی نتیجہ گرانی ہوتا ہے -

(۵) گرانی اجناس کا آخری سبب جس پر فخر وطن مسٹر گوکھلے بارہا حکومت ہندوستان کو توجہ دلا چکے ہین سکۂ رائج الوقت کا اصول ترویج ہے - ہم اس دلچسپ اور پیچیدہ مسئلہ پر مفصل مضمون پھر کبھی فرصت سے لکھین گے لیکن چند اصولی باتین جو بدرجۂ غایت اہم ہین ناظرین کے ذہن نشین کر دینی ضروری ہین -

اقتصادیات کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ سکہ کا اصول ترویج اجناس کی قیمت پر بہت بڑا اثر رکھتا ہے جس ملک مین سکے کی مانگ زیادہ ہوگی وہان سکے کی گران قدری یقینی طور پر بڑھی ہوئی ہوگی - اور اس کی قوت خرید بھی زیادہ ہوگی - پس اجناس لازمی طور پر ارزان ہونگی - لیکن جہان سکے کی کثرت ہوگی وہان اجناس کی قیمتین آپ سے آپ بلند ہو جائین گی - مثال کے طور پر فرض کر لیجیے کہ ایک ملک مین ایک لاکھ روپیہ ہاتھون ہاتھ چکر لگاتا پھرتا ہے لیکن اس ملک مین تجارتی یا زرعی ضروریات اتنی وسیع ہین کہ اس لاکھ سے پورا کام نہین چلتا اور تمول بڑھ جانے کی وجہ سے زیادہ سکون کی مانگ ہے - تو ایسی حالت مین ظاہر ہے کہ روپیہ نہایت گران قدر ہوگا اور لوگ اُسے حاصل کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ اجناس دینے پر آمادہ ہو جائین گے لیکن اسکے برعکس اگر اسی ملک مین ضرورت صرف ایک لاکھ سکون کی ہے مگر حکومت نے وہان ایک کی بجاے پانچ لاکھ سکے ڈھال کر بھیج دیے ہین تو یقیناً اس وقت سکہ بے قدری سے مارا مارا پھرے گا - ہر شخص کی جیب مین

بہت سے سکے ہونگے اور وہ بآسانی ایک چیز کو زیادہ روپون مین خریدنے پر آمادہ ہوجائے گا۔ اور یہی آمادگی اجناس کی قیمت کو بڑھادے گی۔

ہندوستان مین اس نظریے نے بارہا عملی تماشے دکھائے ہین۔ مثلاً ۱۸۹۳ء سے قبل ہندوستانی ٹکسالون سے ہر سال روپے کی کثیر مقدار ڈھل کر نکلتی تھی چنانچہ ۱۸۷۰ء مین پندرہ کروڑ سے زیادہ روپیہ ڈھالا گیا۔ اس بہتات نے حسب قاعدہ روپے کی قیمت گھٹانی شروع کی اور گورنمنٹ کی جو لاگت روپیہ ڈھالنے پر آتی تھی قیمت اُس سے بھی کم ہوگئی جس سے خزانے مین سخت ٹوٹا آنے کا اندیشہ ہوچلا اور آخر ۱۸۹۳ء مین یہ غلط اصول جس کے بانی لارڈ ڈلہوزی تھے چھوڑ دیا گیا۔ مگر ۱۸۹۹ء مین روپے کی قیمت قانونی طور پر ۱۶ پنس (۱۶ آنے) مقرر کی گئی اور دوسرے ہی سال ۱۳ کروڑ سے زائد روپے گورنمنٹ نے ڈھال کر رائج کردیے۔ پرانے روپیون کو واپس لینے کی منادی کردی گئی جس سے درحقیقت حکومت نے اصلی چاندی زیادہ مقدار مین حاصل کر کے کم قیمت سکہ چلادیا۔ اور قانون کے زور سے اسکی قیمت زیادہ مقرر کردی۔ اسمین اتنا نفع ہوا کہ پھر ہر سال کثیر مقدار مین جدید سکہ ڈھلنا شروع ہوگیا اور اندازہ کیا گیا ہے کہ اس وقت کم سے کم سوا دو ارب (دو سو پچیس کروڑ) روپیہ مروج ہے!۔

اس کثرت کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ملک مین ایک اقتصادی ہل چل پیدا ہوگئی اور روپیہ کی گران قدری گھٹا کر اجناس کی قیمتین بڑھ گئین۔

مسٹر گوکھلے نے اپنی بجٹ اسپیچ مین کئی سال ہوے کہا تھا اور بالکل ٹھیک کہا تھا کہ اسوقت روپے کی کثرت ترویج نے جو تلاطم ڈال رکھا ہے اس کا انسداد صرف اس طرح ہوسکتا ہے کہ اب اس کا ڈھالنا قطعاً مسدود کردیا جائے اور اسکے بجاے سونے کا سکہ مسکوک ہو تاکہ ہمارا اصول ترویج سکۂ اضلاع متحدہ امریکہ یا فرانس کے ہم سنگ اور مشابہ ہوجائے ورنہ اس طرح روپے ڈھالے چلے جانے سے ملک کو سخت اقتصادی نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہے۔

ہاشمی

رازِ ہستی

ہم ہین آوارہ اُس ہوا کی جو ہے چلتی ہر کہین
ڈھونڈتی ہے جو سکون۔ پر اُسکو پا سکتی نہین

آہ۔ فانی یونہی مانند ہوا ہے زندگی
ایک نالہ۔ ایک آہ نارسا ہے زندگی

(از سنسکرت)

فضل الٰہی قریشی

خمسہ بر غزل حکیم سنائی

کھلتے کھلتے کھلتے ہین شاخون مین گلہائے چمن
جمتے جمتے آخرش جمتا ہے رنگ انجمن
ابتدا سے درسگاہ دہر کا ہے یہ چلن
قرنہا باید کہ تا یک کودکے از علم و فن
عالمے دانا شود یا شاعر شیرین سخن

ملتے ملتے دہر مین ملتے ہین احباب اور خویش
ہوتے ہوتے ہوتے ہین اسباب عالم پیش پیش
ہو نہین سکتا کبھی قانون قدرت کم و بیش
روزہا باید کہ تا یک مشت پشم از پشت میش
زاہدے را خرقہ گردد یا حمارے را رسن

آنکھ کا کرتی ہے کام آنکھ اور دل کا کام دل
کشت عالم پر نظر کر دیکھ غافل متصل
اُسکی قدرت ہے کہ جو کرتی ہے شکلین منتقل
ہفتہا باید کہ تا یک پنبہ دانہ ز آب و گل
شاہدے را حلہ گردد یا شہیدے را کفن

آتے ہین نادان بزم دہر مین سب پور دہ خست
فیض صحبت اُنکو کر دیتا ہے آخر چاق و چست
بڑھتے بڑھتے بڑھکے ہوتا ہے جوان تندرست
ماہہا باید کہ تا یک نطفۂ از رحم و پشت
صفدرے خیزد بمیدان یا عروس انجمن

قطرۂ نیسان صدف مین جاکے ہو دُرّ خوش آب
ناف آہوے ختن کا خون ہو جا کر مشک ناب
قابلیت ہو تو ہو جائے جہان مین فیضیاب
سالہا باید کہ تا یک سنگ قابل ز آفتاب
لعل گردد در بدخشان یا عقیق اندر یمن

دل پہ لکھ لینے کے قابل ہے یہ قول باسند
کھو کے کچھ انسان کو ہوتی ہے تمیز نیک و بد
رحمت حق المدد اے رحمت حق المدد
دورہا باید کہ تا یک مرد صاحبدل شود
بایزید اندر خراسان یا اویس اندر قرن

جو ہے نالان ہے ہماری طرح جور چرخ سے
داغ ہین ہر ایک دل پہ رنگ کے یا درد کے
رات دن دنیا مین لطف عیش حاصل ہو کسے
عمرہا باید کہ تا گردون گردان یک شدے
عاشقے را وصل بخشد یا غریبے را وطن

ہو چکے لاکھون ستم اب کیون خفا تُو کئی ہے دہن
خار حسرت جو چبھے ہین دل مین وہ بیدر دین
کیا جگر کہتا ہے تجھ سے پہلے اُسکی بات سُن
یا برو ہمچو زنان نیرنگ بازی پیشہ کن
یا بیا ہمچو [illegible]

میر تقی میر

(بسلسلہ نمبر ۱۳ بابتہ ماہ نومبر ۱۹۱۲ء)

سوزش اندرونی

کیا جانیے کہ چھاتی جلے ہے کہ داغ دل — اک آگ سی لگی ہے کہین کچھ دھوان سا ہے

قریباً یہی مضمون امیر مینائی نے بھی خوب کہا ہے

جگر مین آگ لگی ہے کہ دل مین اے ہمدم — کدھر یہ آگ لگی ہے ذرا خبر لینا

خط لکھ کے کوئی سادہ نہ اسکو ملول ہو — ہم تو ہون بدگمان جو قاصد رسول ہو

عاشقانہ بدگمانی کی حد کردی ہے۔ آتش نے بھی قریباً یہی مضمون لکھا ہے۔

پیام بر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا — زبان غیر سے کیا شرح آرزو کرتے

اے چرخ مت حریف اندوہ بیکسان ہو — کیا جانے مُنھ سے نکلے نالے کے کیا سمان ہو

از خویش رفتہ ہر دم رہتے ہین ہم جو اُس بن — کہتے ہین لوگ اکثر اس وقت تم کہان ہو

سجدہ کا کیا مضائقہ محراب تیغ مین — پر یہ تو ہو کہ نعش پہ میری نماز ہو

ذرا ذیل کے شعر کے عاشقانہ رنگ اور شان تغزل کو ملاحظہ کیجیے یہی وہ معنی آفرینی اور تلاش فکر لطیف ہے جس نے میر کو طبقۂ شعرا مین واجب التعظیم بنا دیا ہے۔ ہاے کیا اثر مین ڈوبے ہوے الفاظ ہین معشوق کی مستانہ ادا کی کیا تصویر اُتاری ہے۔ فرماتے ہین

بکھری ہین مُنھ پر زلفین آنکھ نہین کھل سکتی ہے — کیونکہ چھپے مخواری شب جب ایسے ارکے آتے ہو

کام ہے یار سے جو جذب رسا رکھتا ہو — یا کوئی آئینہ سا دست دعا رکھتا ہو

کس لطیف مضمون کو نظم کیا ہے۔ خصوصاً مصرعہ ثانی تو بالکل نیا ہے۔ مصرعہ اولی مین کوئی نیا خیال نہین ہے لیکن مصرعہ ثانی مین کیا بات پیدا کی ہے مطلب یہ ہوا کہ یار سے وہ عاشق مقصد حاصل کرسکتا ہے جسکے جذبات رسا ہون۔ یا اس کا دست دعا مثل آئینہ کے ہو کہ ادھر ہاتھ اُٹھایا اور اُدھر صورت اجابت یا شکل اثر نظر آئی دست دعا کو آئینہ سے نئی تشبیہ ہے۔

اے اس زخمی شمشیر محبت کا جگر — درد کو اپنے جو ناچار چھپا رکھتا ہو

کس کس پہ اسکو ہووے نظر یان ہر ایک شب   جی دے ہین اسکی چشم کے بیمار ایک دو
ٹک چشم مین بھی سرمہ کا دنبالہ کھینچیے   اس مست کے بھی ہاتھ مین تلوار ایک دو
ہم عجز سے پہونچے ہین مقصود کی منزل کو   کہ خاک مین مل جائے جو اُس سے ملا چاہے
ہو سکتی ہین سدّرہ پلکین کہین رونے کی   تنکون سے رُکے ہے کب دریا جو بہا چاہے
دل جانے ہے جو روکے شبنم نے کہا گل سے   اب ہم تو چلے یان سے رہ تو جو رہا چاہے
رنگ گل و بوئے گل ہوتے ہین ہوا دونون   کیا قافلہ جاتا ہے جو تو بھی چلا چاہے
ہم میرؔ ترا مرنا کیا چاہتے تھے لیکن   رہتا ہے ہوے بن کب جو کچھ کہ ہوا چاہے
گرچہ زردی رنگ کی بھی ہجر ہی سی ہر دلے   مُنھ پر اد بکھیو ہو کیا یہ کوفت جی پر دیکھیے

اس شعر مین مصرعہ ثانی کے (دیکھیو ہو کیا) کے مزے کو دیکھیے۔ اور مُنھ اور دل کی مصیبت کا فرق کس طرح بیان کیا ہے۔

ہم طور عشق سے تو واقف نہین ہین لیکن   سینہ مین جیسے کوئی دل کو ملا کرے ہے

ہاے رے تجاہل کہ معشوق دل کو مل رہا ہے اور پھر بھی میر اپنے کو ناواقف عشق کہہ رہے ہین مطلب یہ ہے کہ ابھی تو صرف دل ملا جا رہا ہے آئندہ معلوم نہین کیا ہو

خرابی دل کی کیا انبوہ درد و غم سے پوچھو ہو   وہی حالت ہے جیسے شہر لشکر لوٹ جاتا ہے

میر کے اس شعر کو کلیم کے اس شعر سے کم نہین کہہ سکتے

کلیم از دست بیداد کہ نالم   بکشت ما گزار لشکر افتاد

شوخی

سائل بوسہ سب گئے محروم   ایک حاضر جواب ہے وہ بھی

غلط فہمی

وہم جس کو محیط سمجھا ہے   دیکھیے تو سراب ہے وہ بھی
نہ کہہ چشم خونبار کو چشم تر   خدا جانے کب کا یہ ناسور ہے
گیا شاید اُس شمع رو کا خیال   کہ اب میر کے مُنھ پہ کچھ نور ہے
برچھیون پر کہین نہ بٹ جائے   دل صفوف مژہ مین تنہا ہے
شور بازار مین ہے یوسف کا   وہ بھی آ نکلے تو تماشا ہے

ٹک گریبان مین سر کو ڈال کے دیکھ دل بھی دامن وسیع صحرا ہے

چھوڑے جاتے ہین دل کو تیرے پاس یہ ہمارا نشان ہے پیارے

قریباً یہی مضمون ایک فارسی شاعر نے لکھا ہے موازنہ کیجیے

تا یا شدم بہانۂ از بہر کوے دوست دل را بجا گزاشتہ رفتم بکوے دوست

شب ہجر

غالب کہ یہ دل خستہ شب ہجر مین مرجائے یہ رات نہین وہ جو کہانی مین گزر جائے

اس سے زیادہ دردناک شعر کہنا امکان بشری سے باہر ہے مصرعہ ثانی مین (نہین وہ) کے ٹکڑے کو ملاحظہ کیجیے۔

تڑپنا بھی دیکھا نہ بسمل کا اپنے مین کشتہ ہون انداز قاتل کا اپنے

اس مطلع مین ذرا غور سے عجیب بات نکلتی ہے۔ مصرعہ اولی مین ہے کہ قاتل نے اپنے بسمل کو تڑپتے نہ دیکھا اس سے عاشق کا تیغ وغیرہ سے قتل ہونا ثابت ہے لیکن میر انداز قاتل سے کشتہ ہوگئے انداز سے قتل ہونا زیادہ لطیف خیال ہے۔

خبر نہین تھی تجھے کیا ہماری طاقت کی نگاہ چشم ادھر تو نے کی قیامت کی

خوب مطلع ہے مصرعہ اولی مین شکایت کم طاقتی کس خوبی سے کی ہے۔ لیکن مصرعہ ثانی مین ممکن ہے کہ کتابت کی غلطی سے لطف کی جگہ چشم ہوگیا ہو اس لیے کہ نگاہ کو چشم کی طرف مضاف کی ضرورت نہین ہے۔

فرصت زندگی سے مت پوچھو سانس بھی ہم نہ لینے پائے تھے

پاس ناموس عشق تھا ورنہ کتنے آنسو پلک تک آئے تھے

پہلے شعر مین موت کی دست برد کی حالت دکھائی ہے اور گویا آیۂ کریمہ اذا جاء اجلہم الخ (در اصل موت ایک ساعت ادھر اُدھر نہین ہوتی) کا مفہوم نظم کیا ہے۔

دوسرے شعر مین عشق کی رازداری اور انتہاے صبر کو دکھایا ہے آنسو جب پلک تک آئے تو انکو کون روک سکتا ہے۔ مگر میر صاحب کرامت عشق دکھا رہے ہین کہ صرف آنکھون مین ڈبڈبائے ہوے آنسو نہین بلکہ نوک مژہ پر آئے ہوے آنسو کو جذب دل سے واپس کر لیتے ہین کیسا لطیف اور نازک مبالغہ ہے۔

بے ثباتی عیش و راحت

وقت خوش دیکھا نہ اک دم سے زیادہ دہر مین خندۂ صبح چمن پر مثل شبنم روئیے

ذیل کی غزل میر صاحب نے دعوے سے کہی ہے اور اسمین نظیری کا رنگ دکھانے کا ادعا کیا ہے درحقیقت بہت ہی

پاکیزہ اشعار نکالے ہین رنگ تغزل او جذبات کے لحاظ سے نظیری کے اشعار کا جواب کہا جائے تو بیجا نہین ہے معانی کے لحاظ سے بھی شعر بہت بلند ہین۔

جب نام ترا لیجیے تب چشم بھر آئے ۔۔۔ اس زندگی کرنے کو کہان سے جگر آئے
میخانہ وہ منظر ہے کہ ہر صبح جہان شیخ ۔۔۔ دیوار پہ خورشید کا مستی سے سر آئے
ہر سو سر تسلیم رکھے صید حرم مین ۔۔۔ وہ صید فگن تیغ بکف تا کدھر آئے
کہتے ہین ترے کوچہ سے میر آنے کہے ہے ۔۔۔ جب جانیے وہ خانہ خراب اپنے گھر آئے

مطلع مین انتہا کی دردمندی ثابت کی ہے معشوق کا نام سنتے ہی آنکھ کا بھر آنا کس گہرے تعلق کو ظاہر کر رہا ہے مصرعہ ثانی کا یہ مطلب ہے کہ جب زندگی بھر ایسا رونا ہے تو ایسا دل و جگر کہان سے آئے کہ وہ اس مصیبت کو برداشت کرے۔ مگر نہین برداشت کرتے ہین۔

میخانہ الخ والا شعر بہت ہی نیا ہے منظر میخانہ دیکھنے کے لیے خورشید کا در میخانہ پرستی (صبح کو آفتاب مین واقعی مستانہ روی ہوتی ہے اور وہ جھوم کر نکلتا ہے) سے سر رکھنا کس قیامت کی معنی آفرینی ہے۔ اور پھر مستی سے دیوار پر سر رکھ دینا کتنی بدیہی بات ہے اردو مین ایسا فصیح و بلیغ مضمون۔ تیسرے شعر مین شوق شہادت کس کس رنگ مین بیان کر گئے ہین۔ چوتھے شعر مین جنون اور وارستہ مزاجی کیسے پاکیزہ الفاظ مین ظاہر کی ہے سودا نے بھی اسی طرح مین غزل لکھی ہے۔ بطور خود موازنہ فرمائیے۔

سودا

صورت اگر اس مہر کی پہچان اگر آئے ۔۔۔ ہر ذرہ مین کچھ اور ہی جھمکا نظر آئے
مجھ چشم سے اب اشک نہین آنے کا ناصح ۔۔۔ آئے بھی غم دل سے تو لخت جگر آئے
کیا ہو جو قفس تک مرے اب صحن چمن سے ۔۔۔ دو برگ لیے گل کے نسیم سحر آئے
جب پھونکیے ناقوس صنم خانہ دل شیخ ۔۔۔ کعبہ کا ترے وجد مین دیوار و در آئے

سودا نے مجھ چشم والا شعر بہت بلیغ کہا ہے۔ اسمین رونے کی انتہائی حد کو ثابت کیا ہے کہ اے ناصح اب میری آنکھ سے آنسو نہ آئین گے کہ اب سرمایہ اشکباری (بخارات غم سے مراد لے سکتے ہین) باقی نہین رہا اور اب آنکھ سے اگر کچھ آئے بھی تو لخت جگر آئے ناقوس والا شعر بھی خوب ہے۔

میر

کچھ موج ہوا پیچان اے میر نظر آئی | شاید کہ بہار آئی زنجیر نظر آئی

کتنا پر معنی مطلع کہا ہے۔ موج ہوا کو پیچان کر کے نئی زنجیر بنائی ہے اور زنجیر بننے کی وجہ بہار ہے اور یہ خیالی نازک زنجیر پہنے گا کون میر سا دیوانہ زلف یار۔

اسی زمین مین یہ شعر کس شان کا کہا ہے ایک شعر مین دلی کے تمام اوصاف کا خاتمہ کر دیا ہے قادر الکلامی اسی کا نام ہے۔

دلی کے نہ تھے کوچے اوراق مصور تھے | جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی

سودا نے بھی اسی زمین مین بہت اچھی غزل کہی ہے اور زور طبیعت دکھا کر اپنے کو میر کا ہمعصر ثابت کر دیا۔

بولا وہ جسے تیری تصویر نظر آئی | یہ خواب زلیخا کی تعبیر نظر آئی
حلقے جو پڑے باہم ہے جائے گرفتاری | آنکھون ہی کے لڑنے مین زنجیر نظر آئی
اس باغ مین اک گل کو خندان جو کہین دیکھا | سو غنچون کی وان صورت دلگیر نظر آئی

میر

بلبل نے کل کہا کہ بہت ہم نے کھائے گل | لیکن ہزار حیف نہ ٹھہری ہوائے گل
رعنا جوان شہر کے رہتے ہین گل بسر | سر پر ہمارے داغ جنون کے ہین جائے گل

سودا

کہتے تھے اسلیے کہ نہ آشنا سے گل | اے عندلیب دیکھی نہ آخر وفائے گل
مین اور عندلیب ازل سے ہین ہم نصیب | مجھپر ستم ہوا ہے تو اسپر جفائے گل

میر

سرتابی اس سے طائر قدسی نہ کر سکے | اس ترک صید بند کا وہ تو شکار ہے
ہم آپ سے گئے سو آگے کہان گئے | مدت ہوئی کہ اپنا ہمین انتظار ہے

سودا

گر ذبح اسکو خواہ رہا کر کہ مرغ دل | پر بستہ تیرے تار نگہ سے شکار ہے
سودا چوسے ہے خون تری آنکھون مین کس کی آج | مژگان کے پنجہ سے ترے دل کو فشار ہے

سرہانے میر کے آہستہ بولو | میر | ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

سودا

سودا کے جو بالین پہ ہوا شور قیامت خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

میر نے حسرت نصیب غم زدہ عاشق زار کی حالت دکھائی ہے اور اس سے زیادہ پر اثر شعر کہنا مشکل ہے۔ سودا نے مضمون کی حیثیت سے بہت بلند شعر کہا ہے مگر امیر مینائی اُنے اس مضمون کو اور ہی انداز سے کہا ہے اور وہ ان دونون سے الگ ہے اور نعت مین اس رنگ کا شعر نہین دیکھنے مین آیا

اے حشر مدینہ مین نہ کر شور چپ چپ سرکار سو رہے ہین

مجھکو پوچھا بھی نہ یہ کون ہے غمناک ہنوز (میر) ہو چکے حشر مین پھرتا ہون جگر چاک ہنوز

کس کے ہین زیر زمین دیدۂ غمناک ہنوز (سودا) جا بجا سوت ہین پانی کے تہ خاک ہنوز

دونون مطلع جداگانہ رنگ مین ہین۔ میر نے اپنی محرومی کس پرسی اور داد کو نہ پہونچنے کا گلہ کیا ہے۔ اور سودا نے چشم گریان کے موثرات کو ثابت کیا ہے اپنے رنگ مین دونون مطلع لاجواب ہین۔

میر

اشک کی لغزش مستانہ پہ مت کیجیو نظر دامن دیدۂ گریان ہے مرا پاک ہنوز

سودا

کیونکہ سودا مین کرون وصف بناگوش اسکا کی نہین آب گہر سے یہ زبان پاک ہنوز

میر

بعد مرنے کے بھی آرام نہین میر مجھے اسکے کوچہ مین ہے پامال مری خاک ہنوز

سودا

گل زمین سے جو نکلتا ہے برنگ شعلہ کون جان سوختہ جاتا ہے تہ خاک ہنوز

میر

ایک دن بال فشان ہم بھی ہوئے تھے خوش ہوکر ہین غم دل کی اسیری مین گرفتار ہنوز

سودا

بال و پر ہونے نپائے تھے نمودار ہنوز تب سے ہم کنج قفس مین ہین گرفتار ہنوز

میر نے دنیا مین کمی عیش اور فراوانی غم کا ذکر کیا ہے اور سودا نے گرفتاری غم کی تصویر اوتاری ہے۔

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا

میر کا یہ مطلع موثرات عشق و محبت کا خلاصہ ہے اور میر اس رنگ کے لاجواب اُستاد ہین سودا کا مطلع بالکل الگ ہے اور معانی کے لحاظ سے بلند ہے۔

موت نے عہد مین تیرے ہی تقدیر سے یہ پیغام کیا ناز و تغافل دیکر اسکو مجھکو کیون بدنام کیا

سودا نے اچھی بات پیدا کی ہے معشوق سے مخاطب ہو کر کہتے ہین کہ موت تقدیر سے کہتی ہے کہ مین مارنے کے لیے عبث بدنام ہون در اصل وہ ناز و تغافل جو میرے معشوق کو ملا ہے عالم کا قاتل ہے۔

میر

عہد جوانی رو رو کاٹا پیری مین لین آنکھین موند یعنے رات بہت تھی جاگے صبح ہوئی آرام کیا

یہ شعر بھی عاشقانہ زندگی کا کارنامہ ہے اور جس اثر مین ڈوبا ہوا ہے اسکی تعریف کیا کی جائے۔

سودا

تھا بجوانی فکر و تردد بعد انہ پیری پا یا چین رات تو کاٹی دکھ سکھ مین صبح ہوئی آرام کیا

مضمون کے لحاظ سے سودا کا شعر گویا میر کے شعر سے لڑ گیا ہے لیکن لطف زبان اور نرمی الفاظ کے لحاظ سے میر کا شعر خاص درجہ رکھتا ہے۔

میر

سرزد ہم سے بے ادبی تو وحشت مین کم ہی ہوئی کوسون اُسکے اور گئے پر سجدہ ہر ہر گام کیا

سودا

ادب دیا ہو ہاتھ سے اپنے بھلا کبھی میخانے کو کیسے ہی ہم مست چلے پر سجدہ ہر ہر گام کیا

دونون نے ادب کو خوب ثابت کیا ہے۔ وحشت ہو یا نشہ دونون مین انسان فاتر العقل ہو جاتا ہے لیکن میر صاحب وحشت مین دشت عشق مین اور سودا نشہ مین میخانۂ عشق کو سجدۂ ادب کر رہے ہین۔ دونون شعر لاجواب ہین۔

میر

ایسے آہوے رم خوردہ کی وحشت کھونی مشکل تھی سحر کیا اعجاز کیا جن لوگون نے تجھکو رام کیا

سودا

بلوچ مجھے ہن دیر کہن مین کیا پوچھے ہے تیر کو مجھ وحشی کو سُنا برہمن تبون نے اپنا رام کیا

یہ دونون شعر متحد القوافی ضرور ہین لیکن رنگ بالکل الگ ہے میر کا شعر غالب ہے۔

میر

تیر کے قابل ہے دل صد پارہ اس نخچیر کا　　جس کے ہر ٹکڑے مین ہو پیوست پیکان تیر کا

سودا

ہو یہ دیوانہ مرید اُس لٹ چھٹ کس پیر کا　　سلسلہ بہتر ہے سودا کے لیے زنجیر کا

دونون مطلعے بالکل الگ ہین۔ میر نے اپنا خاص طرز سخنوری دکھایا ہے لیکن سودا نے بھی اپنا تخلص خوب کھپایا ہے

میر

لخت دل سے جو چھڑی پھولونکی گوندھی دے　　فائدہ کچھ اے جگر اس آہ بے تاثیر کا

سودا

ایک دن تجھسے سگ اُٹھتے نہ دیکھا کاروان　　اے جرس حاصل کچھ اس فریاد بے تاثیر کا

میر

ایک محروم چلے میر ہمین دنیا سے　　ورنہ عالم کو زمانہ نے دیا کیا کیا کچھ

سودا

سودا جہان مین آکے کوئی کچھ نہ لے گیا　　جاتا ہون ایک مین دل پُر آرزو لیے

ناکامی قسمت کا گلہ دونون شعرون مین کیا گیا ہے میر نے سادے طور پر اپنی محرومی کا ذکر کیا ہے اور وہ اپنے ساتھ کچھ نہین لے گئے سودا نے یہ خیال آفرینی کی ہے کہ دل پر آرزو ساتھ لے کے چلے مگر اس سے بھی حسرت نصیبی ثابت ہوئی اس مضمون کو دوسرے پیرایہ مین اور شعرا نے بھی خوب کہا ہے۔ امیر مرحوم کہتے ہین

باغ غیرون کو ہم کو داغ ملے　　تھے یہی پھول اپنی قسمت کے

میر

رات ساری تو کٹی سنتے پریشان گوئی　　میر جی کوئی گھڑی تم بھی تو آرام کرو

سودا

سودا تری فریاد سے آنکھون مین کٹی رات　　اب آئی سحر ہونے کو ٹک مرکہین تو بھی

مضمون دونون کا قریباً یکسان ہے۔ مگر میر کے مصرعۂ ثانی مین (بھی) کا لفظ اتنا دلچسپ نہین ہے۔ سودا کا

مصرعہ اولی بہت چست ہے اور دوسرے مصرعہ کے جھنجلائے ہوئے تیور بھی اچھے ہین -

میر

مت رنج کر کسی کو کہ اپنے تو اعتقاد   دل ڈھائے کر جو کعبہ بنایا تو کیا ہوا

سودا

کعبہ اگرچہ ٹوٹا تو کیا جائے غم ہے شیخ   یہ قصر دل نہین کہ بنایا نہ جائے گا

اصل یہ ہے کہ یہ دونون شعر بندش کے لحاظ سے شاعری کا اعلےٰ نمونہ نہین ہین -

میر

جیتا ہی نہین ہو جسے آزار محبت   مایوس ہون مین بھی کہ ہون بیمار محبت

سودا

دعویٰ مری صحت پہ مسیحا کو غلط ہے   بچتے نہین دیکھا کوئی بیمار محبت

میر کا مطلع اور سودا کا شعر قریباً ایک ہی خیال کو ظاہر کرتا ہے لیکن رنگ طبیعت کا فرق ظاہر ہے -

میر

ہر نقش قدم سے ترے سر بیچے ہین عاشق   ٹک سیر تو کر آج تو بازار محبت

سودا

ٹک سادہ دلی پر مری کر رحم تو اے یار   ہون تجھ سے ستمگر سے طلبگار محبت

میر

نہو ہرزہ درا اتنا خموشی اے جرس بہتر   نہین اس قافلہ مین بلدل ضبط النفس بہتر
نہونا ہی بھلا تھا سامنے اس چشم گریان کے   نظر اے ابر تر آپ ہی نہ آئے گا برس بہتر

سودا

دل ناآشنا نالہ سے ہے صد رہ جرس بہتر   نہو فرگان جو خون آغشتہ اس چشم تر بہتر
شہید رسم ملک حسن دل میرا ہے اے ہمدم   کہ سمجھے قتل فریادی جہان ہو داد رس بہتر

میر

غالب ہے تیرے عہد مین بیمار کی طرف   ہر خون گرفتہ جائے ہے جلاد کی طرف

سودا

دیکھوں ہوں میں یوں اُس ستم ایجاد کی طرف جوں صید وقت ذبح کے صیاد کی طرف

دونوں مطلع عاشقانہ ہیں گو اسلوب بیان جداگانہ ہے لیکن مفہوم قریبًا یکساں ہے میر نے بھی شوق شہادت کو ثابت کیا ہے اور سودا بھی اپنے ستم ایجاد معشوق کی طرف حسرت سے دیکھ رہے ہیں تاکہ وہ انکو ذبح یا قتل کرے۔

میر

ہم نے تو پرفشانی نہ جانی کہ ایک بار پرواز کی چمن سے سو صیاد کی طرف

سودا

پہچانیں ہم نہ گل کو نہ ہم گل کے روشناس منھ کرکے آنکھیں کھولیاں صیاد کی طرف

میر

حیران کار عشق ہے شیرین کا نقش میر کچھ یوں ہی دیکھنا نہیں فرہاد کی طرف

سودا

پتھر کی لیک تھا سخن اسکا ہزار حیف بولی زبان تیشہ نہ فرہاد کی طرف

سودا نے اس غزل کو زور دے کر لکھا ہے اور میر کے اشعار کی عمدگی کا اعتراف کرتے ہیں چنانچہ مقطع میں کہتے ہیں

سودا تو اس غزل کو غزل در غزل ہی لکھ ہونا ہے تجھکو میر سے استاد کی طرف

میر و سودا کی غزلوں کا جو کچھ تقابل کیا گیا اسمیں پورا لطف جب حاصل ہوتا کہ دونوں کی ہم طرح غزلیں کافی طور پر ملتیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ میر و سودا کو مشاعرہ میں ہم طرح غزلیں پڑھنے کا کم اتفاق ہوا ہے ان دونوں نے جداگانہ طرحوں میں بطور خود کمال سخنوری دکھایا ہے۔ گو یہ مضمون کسی قدر طویل ہوگیا ہے لیکن پھر بھی میر کے صدہا قابل انتخاب اشعار باقی رہ گئے ہیں اگر موقع ہوا تو آئندہ یہ سلسلہ چندے جاری رہے گا۔

نقادان سخن عرصہ سے اس بات کو مان چکے ہیں کہ میر اپنے رنگ کے ایک ہی اُستاد ہیں جذبات عشق و محبت کی کیسی کیسی مصوری کی ہے اکثر اشعار دل پر تیر و نشتر کا کام کرتے ہیں درد مند طبائع کے لیے میر نے ایک ایسا ذخیرہ نادر خیالات کا چھوڑا ہے جس سے وہ حد درجہ متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ دراصل میر کے کلیات میں شاعری کے تمام رنگ بھرے ہوے ہیں۔ میر کے صدہا اشعار اساتذہ فارسی کے چیدہ اشعار سے کسی طرح کم نہیں ہیں اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ زمانہ نے اب تک دوسرا میر نہیں پیدا کیا۔ میر کا کلیات ایک کان

معانی ہے یا دکان جوہری جسمین ہزار ہا چھوٹے بڑے جواہرات چنے ہین اوران مین اکثر ایسے جواہر ہین جو صرف میرؔ ہی کی مملوک ہین -

بعض سخن سنجون نے میرؔ کے اشعار کو نشتر سے تشبیہ دی ہے درحقیقت ایسا ہی ہے بلکہ نشتر تو چبھ کر نکل بھی آتا ہے اور میرؔ کا شعر رگ جان مین خلش پیدا کردیتا ہے میرؔ نے ایسے شعر بھی کہے جن کو سُن کر ماتم کیا جاسکتا ہے ذرا اس مطلع کو ملاحظہ کیجیے یہ شعر ہے یا مرثیہ - اور معنون کی وسعت پر تو غور کیجیے بس اسی شعر پر سردست مضمون ختم کیا جاتا ہے

جبکہ تابوت مراجاے شہادت سے اوٹھا　　　　شعلۂ آہ دل گرم محبت سے اوٹھا

کتنے نازک اور وسیع معنی ہین فرماتے ہین کہ جب شہادت گاہ عشق سے مرا تابوت اُٹھا تو محبت کے دل گرم سے آہ کا شعلہ اس لیے اوٹھا کہ اب ایسا جان نثار عاشق اور کوئی نہین باقی رہا اور جب شعلۂ آہ دل گرم محبت سے اُٹھا تو خود محبت بھی گویا سوختۂ غم ہوگئی اور اس طور پر محبت کا خاتمہ ہوگیا -

موقوف غم میرؔ کہ شب ہوچکی ہمدم　　　　کل رات کو پھر باقی یہ افسانہ کہین گے.

ا - ز لکھنوی

تصویر افکار

ہند مین پردۂ نسوان یہ ہے کیسی آفت　　　　جس طرف دیکھیے پردے کی ہے بحث و حجت
کوئی کہتا ہے کہ پردہ نہین فرض و واجب　　　　کوئی قایل ہے بتاویل کتاب و سنت
فرض کیجیے کہ نہین فرض یہ رسمی پردہ　　　　مذہباً چاہیے بس پوشش ستر عورت
بحث لفظی نہین منظور یہ مانا ہم نے　　　　نام عورت ہو زبان پر کہ ہو لفظ مرأت
ہم نے مانا کہ ہے اس پردے سے نقص تعلیم　　　　دور آنکھون سے نہین ہوتے حجاب غفلت
یہ بھی تسلیم کہ ہے اس سے ترقی مسدود　　　　یہ بھی سچ رسم پرستی سے ہے قومی ذلت
کیا کلام اسمین کہ امراض کا گھر ہے پردہ　　　　قوم کی نسلین اسی سے ہین ضعیف الخلقت
سچ ہے ارشاد کہ ہو "مال عرب پیش عرب"　　　　بی بیون سے چمن دہر ہو رشک جنت
خیر بہتر ہے نمایان ہو اگر صنف لطیف　　　　بزم قومی مین بھی آئے وہی لطف صحبت
جس طرح انجمن آرا ہین حسینان فرنگ　　　　جیسے پریون کے اکھاڑے کی سُنی ہی شہرت

روش نادہ لیلے ہو بہ آئین جدید مرکب اوج ہوا مین ہو پری کی صورت
لیکن افلاس بھی کچھ قوم کا ہے پیش نظر اس زمانے مین تو ہے زر کے نہین ہی وقعت
آبرو سے جنھین رہنا ہے گھرون مین دشوار ان کو اسٹیج پہ آنے سے ملے کیا عزت
بے زری مین وہ ملین چہرے پہ پوڈر کیا خاک ان کو سیر چمنستان مین ہو کیسے فرحت
کنگھی چوٹی سے سروکار جو کم رکھتی ہین بال کے جلسون مین کس طرح کرینگی شرکت
بال بچون کی بھی فکرین جنھین رہتی ہین وبال انکو دنیا کے بکھیڑون مین ملے کیا راحت
جائے اسکولون مین کیا سیکھین گی وہ علم و ہنر گھر کے دہندون سے نہ دن رات جنھین ہو فرصت
نو مہینے جو عوارض مین گرفتار رہین اُن سے کیا کسب معیشت کی بھلا ہو محنت
جو کہ مزدوری کے قابل ہی نہین ہین بالفعل کیسے بازار جہان مین وہ کمائین دولت
نقد دل نذر کرین اہل وفا جن کے حضور مال و دولت پہ وہ مائل ہون خدا کی قدرت
ہم کو خود فکر زر و مال ہے جن کی خاطر در بدر غیرون کی کرتی پھرین وہ کیون خدمت
سامنے غیر کے پھیلائین وہ کیا دست سوال جن کا جوہر ہے فقط شرم و حیا و غیرت
شکر نعمت کے مزے ہین جنھین گھر مین حاصل انکو کیا بادۂ تہذیب مین آئے لذت
تنگدستی مین خیالات پریشان ہو نگے پھر سلامت رہے ایمان کی کیونکر دولت
چھڑ گئی بحث جدا گانہ مگر سچ یہ ہے مفلسی پر نہین موقوف ہے رسم و عادت
خود سمجھ لو کہ نہ جو علم و ہنر سیکھین گی کب تک آخر یہ زمانے مین نبھے گی حالت
دین و مذہب سے خبردار نہ دنیا سے غرض کیا وہ سمجھین گی بھلا معنئ شرع و ملت
نقص تعلیم ہے جب قید قفس مین تسلیم طائر روح مقید کی ہے ظاہر کلفت
پس پردہ ہو جبتک کہ فروغ تعلیم رخ خورشید پہ گویا ہے گہن کی ظلمت
آدمیت کے ذرا بھی نہین کھلتے جوہر گرد آلود ہے آئینۂ حسن فطرت
پیکر نور مین تصویر بنی آدم ہین ناسمجھ ایسی کہ تیھر کی ہین گویا مورت
چلتی پھرتی ہین شب ماہ مین جیسے سایا رخ تاریک ہے یہ رنگ نقاب وحشت

ایکو

دو سانس

آنکھون کو سرمہ لگایا۔ عینک لگائی۔ جنگل دکھایا۔ باغ کی سیر کرائی۔ اخبار پڑھوائے۔ الناظر بنایا۔ مروت و بے مروتی کی اشارہ بازیان کرائین۔ کانون کو گانے سنوائے۔ فاقہ زدہ ہندوستانیون اور آفت رسیدہ بلقانیون کے آہ و نالے سنوائے۔ ناک نے جرمنی عطر سونگھے۔ زبان نے کرسمس کیک کھائے۔ بے مزہ ولایتی کھانے چکھے چٹخارہ لینے کو ترسی۔ کمزورون غریبون پر گرجی برسی۔ ہاتھون نے لاٹ صاحب اور کلکٹر صاحب سے مصافحے کیے۔ لوہے کے قلم پکڑے۔ جلسون کی کرسیان کھینچین۔ پاؤن کالے بوٹ پر سوار ہوئے۔ فٹ بال کی ٹھوکرون سے جی بہلایا۔

مگر میری دو سانسون کے لیے کیا ہوا جن سے ان سب کا دم سلامت ہے۔ یہ نہ ہوتے۔ یہ نہون۔ تو آنکھ نبیتا زبان گونگی۔ کان بہرے۔ اور ناک بے حس ہو جائے۔ ہاتھ پاؤن بھی بیکار و شل ہو جائین۔ تو پھر کیون نہ مین اپنے ان پیارے پیارے ہلکے ہلکے سانسون کی قدر کرون اگر یہ کچھ دیکھنا چاہین تو خوب دکھاؤن۔ وہ جو کسی آنکھ نے نہ دیکھا ہو۔ اگر یہ سننا سونگھنا چکھنا چاہین تو کائنات کی تمام نعمتین حاضر کرون۔

مجھے انکی خاموشی مین افسردگی نظر آتی ہے۔ یہ کیون چپ چاپ گھڑی باہر آتے ہین گھڑی اندر جاتے ہین۔ انھین کس کی تلاش ہے۔ انھین ایک جگہ قرار کیون نہین۔ انکو نیند بھی نہین آتی۔ مین سوتا ہون یہ جاگتے ہین۔ مین کھاؤن۔ پیون۔ ہنسون۔ روؤن۔ لڑون جھگڑون۔ انھین کسی بات سے سروکار نہین لمحہ کی لمحہ باہر رہے اور پھر اندر غائب۔

لوگ کہتے ہین انکا گھر پھیپھڑہ مین ہے۔ وہ لال رنگ کا ہے کھوکھلا ہے۔ تو کیا یہ کھوکھلا گھر انکو بھاتا ہے نہین۔ فقط یہ نہین۔ کچھ اور بات بھی ہوگی۔ ایک شخص نے کہا تھا جو لوگون مین عارف باللہ مشہور تھا کہ دل مین خدا کا گزر ہے اس لیے قدرت نے پھیپھڑہ کو دل کا پنکھا بنایا ہے تاکہ مسکن یزدانی کی حرمت اقلیم قالب انسانی مین اسی طرح ہو جس طرح دنیا کے بادشاہون پر مورچھل جھلے جاتے ہین۔ شاید یہ دونون سانس اسلیے بار بار اندر جاتے ہون کہ تجلی ربانی کی قربت میسر آئے۔

اگر یہ ہے تو یہ دونون بڑی عزت کے قابل ہین جو اپنے پیدا کنندہ کے مقام ظہور پر ایسے فریفتہ ہین۔ دلداری کرنے کی ہر جگہ تاکید ہے۔ مگر دو سانسون سے زیادہ کون نرم نرم ہاتھ لا سکتا ہے جو دل کو اس مین سے۔

ہندو مسلمان ہندوستان کے دو سانس ہین۔

سانس کی صوفیانہ تعریف یون ختم نہو گی۔ اسکو عمل مین بھی لانا چاہیے۔ سرسید نے کہا ہندو مسلمان ہندوستان کی دو آنکھین ہین۔ فقیر بولا۔ بابا اگر آدمی سو جائے تو دونون آنکھین بیکار ہو جاتی ہین۔ ایک آنکھ بند کرلو تو دوسری آنکھ کام دے سکتی ہے۔ اس لیے ان غروب ہونے والے ستارون سے ملک کی ہونہار روشنی کو تشبیہ ندو۔ ہندو مسلمان ملک کے دو سانس ہین۔ دونون برابر۔ بلکہ دونون ایک۔ جو اندر جاتا ہے نہ وہ بڑا جو باہر آتا ہے نہ وہ چھوٹا۔ سانس سے پوچھو تو وہ کہے گا کہ عالم بطون مین سوائے ایک کے دوسرا نظر نہین آتا۔ اندر بھی وہی ایک۔ باہر بھی وہی ایک۔ یہ دوئی تو چشم پرست گوش پرست اور زبان پرستون نے قائم کر رکھی ہے آنکھین نہون تو آدمی مر نہین جاتا۔ سانس کے ساتھ تو زندگی کی آس ہے۔ ہندو مسلمان ہندوستان کے سانس ہنین قلب حقیقت سے محبت پیدا کرین۔ تاکہ دیکھنے والون کو معلوم ہو کہ ہندوستان جیتا ہے ابھی اس مین دم باقی ہے۔ اور دم ہے تو دوام ہے۔

حسن نظامی

ہر شب ہون اُنکی بزم کا سامان کیے ہوئے
داغون سے تن کو سرو چراغان کیے ہوئے

پھر دیکھتے کسی بت آفت نگاہ کو
دل محو سیر جنبش مژگان کیے ہوئے

لیتے ہین ہم مزا خلش تیغ یار کا
صدہا دہان زخم نمکدان کیے ہوئے

لکھنے چلا ہون آج غم ہجر کی کتاب
خون جگر سے جدول عنوان کیے ہوئے

ہم فیض خون فشانی مژگان سے اے فلک
رشک شفق ہین گوشۂ دامان کیے ہوئے

لیجا کے دل کو کعبۂ کوے حبیب مین
رہتے نہین بغیر مسلمان کیے ہوئے

اب کیا رہا جو غفلت قاتل کو روئیے
مدت ہوئی وداع دل وجان کیے ہوئے

چھوڑین گے ہم نہ دامن صحرا کو اے جنون
بیٹھے رہین گے چاک گریبان کیے ہوئے

کچھ پوچھیے نہ سینہ و پہلو کی سرگذشت
یہ دونون گھر ہین آپ کے ویران کیے ہوئے

دکھلا کے اپنے روے مصفا کو رات دن
کیون آپ آئینہ کو ہین حیران کیے ہوے

پھر بہر سیر قلزم الفت چلا ہے دل
کشتی کو وقف موجۂ طوفان کیے ہوے

کل لاش پر فصیح کی وہ شوخ مہ جبین
سر پیٹتا تھا بال پریشان کیے ہوے

دریاے جہلم

اے رود بار جہلم تو قاف کی پری ہے
کیا آن خود سری ہے۔ کیا شان دلبری ہے

سیمین بدن ہے اُسپر آب روان کی معجر
پھر موتیون کا زیور تصویر آذری ہے

کیا خوب ہے روانی گردون ہے پانی پانی
رنگت ہے آسمانی اور دور محوری ہے

احجار اور لآلی۔ ہین وقف پائمالی
کیا دل لبھانے والی تیری شناوری ہے

یہ سبزۂ مُطرّا۔ ساحل پہ جو ہے نکھرا
خرقہ ہے سبز تیرا۔ تو خضرِ رہبری ہے

تیری صدا مین نہان ہے بلبل غزلخوان
آئینۂ بہاران تیری سمنبری ہے

چلتے ہین یون شکارے۔ جیسے فلک پہ تارے
رخشندہ سنگ پارے تو ماہ و مشتری ہے

اُف رے تری صباحت اللہ ری ملاحت
غمزے مین حور طلعت عشوے مین تو پری ہے

تھا ایک نقشِ اول۔ اور ایک ہی تھی جدول
وہ جدول مطول۔ تیری فسونگری ہے

اے قطرہ ہاے قلزم۔ آب حیات ہو تم
لیکن ہر اک تلاطم۔ سدِ سکندری ہے

یاجوج کا ستم تھا۔ لشکر تموجون کا
پھر کوہسار تیرا سدّ سکندری ہے

تیری صدا چمن مین۔ بلبل گُل و سمن مین
تیرا خروش بن مین شورِ غضنفری ہے

سر پتھرون سے اپنا۔ سو بار تو نے پٹکا
دیوانہ پن کسی کا۔ تیری خرد وری ہے

ماتھے پہ آہ تیرے۔ چین و شکن ہین کیسی
شاید مری طرح سے۔ حالت مین ابتری ہے

گر ہے تری درازی۔ زلف رسا کسی کی
میری شب سیہ بھی شایان ہمسری ہے

موجون کی آمد و شد۔ کرتی ہے تجھکو بیخود
مجھکو نفس کی رد و کد آشفتہ منظری ہے

از عافیت درین جا گاہے نشان ندیدیم
وز ہیچ کوہسارے گنج امان ندیدیم

ہم دونون دشت گردان آوارہ خانمان ہین — نالان ہین کف زنان ہین جسوقت ہین جہان ہین
صحرا نورد دونون۔ کہسار گرد دونون — گردش مین فرد دونون۔ ہم زیر آسمان ہین
دونون رہین غم ہین۔ آزردۂ ستم ہین — ہم سر بسر الم ہین۔ سرتا بپا فغان ہین
فریادیٔ ہوس ہین۔ سرگشتہ ہر نفس ہین — ہم نالۂ جرس ہین۔ ہم گرد کاروان ہین

دردا کہ صرف غم شد دوران ہستیٔ ما
گاہے نہ شد بلندی انجام پستیٔ ما

اے رود بار تو نے دیکھا ہے کس حسین کو — چھوتا ہے کیون زمین کو گھستا ہے کیون جبین کو
جبری کہ اختیاری ہو تیری خاکساری — لیکن بہت ہے پیاری خود صورت آفرین کو
انداز اگر نہ آتے۔ کیون خال و خط مٹاتے — بے نقش و نام پاتے کیونکر ترے نگین کو
حسنِ ملیح تیرا۔ ایسا ملاحت افزا — ہم دیکھتے ہین گویا دریاے انگبین کو

ہر اک نگاہ تیری بخیہ ہو گئی ہے
گویا تری روانی شمشیر ہو گئی ہے

کبتک مناظرے مین ہم تر زبان رہین گے — دونون سے راز عرفان کبتک نہان رہین گے
شوخی پہ ناز کبتک۔ قصے دراز کبتک — یہ سوز و ساز کبتک ہم سے عیان رہین گے
رونے سے دُھلکے باہم۔ ہونگی کدورتین کم — یا پیچ و تاب مین ہم مثلِ دخان رہین گے
ویرانہ ہون کہ بستی۔ ہم اوج ہون کہ پستی — زیب نظام ہستی بن کر یہان رہین گے

راز آشنا ہمارے ہان اے قمر کہان ہین
ہم ہین ظہور قدرت اہل نظر کہان ہین

قمر (از کشمیر)

اور جو درحقیقت بازار کی مٹھائی سے زیادہ وقیع بھی نہین ہوتے اُنکے لیے اتنا پاس تہذیب اور وہ مضمون جو رسالے کی جان اور تمام مضامین کی روح رواں بتایا جائے اُس سے یہ غفلت؟ العجب ثم العجب ؎

دشنہ رقیب کو مجھے خنجر لگائیے ۔۔۔ جتنے لگائیے تو برابر لگائیے

اس اجمال کی تفصیل آگے آئے گی۔ ٹائٹل پیج کے بعد رسالے کے پہلے صفحہ پر "تقدیس آغاز" سے نظر سعادت اندوز ہوتی ہے اس عنوان "تقدیس آغاز" کے تحت مین جو مخمس لکھا گیا ہی بہت زیادہ قابل غور ہی۔ چونکہ نقاد اسم بامسمی بننا چاہتا ہے اسلیے اشد ضرورت ہی کہ اُس کا حرف حرف نقطہ نقطہ دائرۂ اصول سے باہر نہو۔ آجکل بلا ضرورت شاعرون کی بہتات اتنی ہوگئی ہی کہ اگر خدانخواستہ یہی تولید جاری رہی تو آیندہ شمار کے لیے محاصرۂ عدد بھی ناکافی ہوجائے گا۔ پھر مصیبت یہ ہی کہ عموماً ایسے شاعر واقفیت فن سے نابلد ہوتے ہین۔ چنانچہ اس مخمس کا پہلا مصرعہ کرتے ہین "حمد تیری کون و مکان والے" مکان کے اظہار نون سے نظری ہونے کے قابل ہی۔ دوسرا مصرعہ معنوی بلاغت سے گرا ہوا ہی کہ رب ہر دو عالم کے بعد صرف آسمان والے کہنا جس پستی خیال کو ظاہر کرتا ہے اظہر من الشمس ہے۔ دوسرے بند کا دوسرا مصرعہ۔ "تیری پرستشون کی پیشانیون مین بو ہی" عجب مصرعہ ہی۔ پرستش کی بو شاید آجکل کے ہاکرون مین آنے لگی ہوگی۔ اسی بند کا تیسرا مصرعہ "دست طلب کو تیرے دامان کی جستجو ہی" اگر کاتب کی غلطی سے مبرا ہی تو خدا کے لیے دست طلب لکھنا شاعری کا نیا ہتھکنڈا ہے۔

صفحہ ۲ سے جامع نقاد کا وہ مضمون شروع ہوتا ہی جس کو باصطلاح مرثیہ گویان سالہ ہذا کا چہرہ کہنا چاہیے قابل جامع نے نہایت شرح وبسط کے ساتھ تنقید کی تعریف اور اُسکی ضرورت اور نیز تاریخی خصوصیت بیان کرکے نقادی کے لیے دوسرون کو اُبھارا ہی۔ یہی مضمون محرک اصلی ہی ہمارے اس عنوان کا۔ اور اسی لیے ہم پہلے جامع نقاد پر ہاتھ صاف کرتے ہین۔ یہین سے ہماری بے تعصبی اور سچائی ثابت ہوگی کہ باوجود روابط اختصاصی جبکہ شاہ دلگیر کی حرف گیری سے ہم باز نہ آئے تو بدیگران چہ رسد۔

اس مضمون مین معنوی حیثیت سے کوئی لغزش نظر نہین آتی۔ نیز اسلوب بیان اور طرز تحریر قابل تحسین ہے۔ ان اوصاف عمومی کے ساتھ ہی یہ خصوصی تعریف بھی ضروری ہی کہ جامع نقاد نے اپنی وطن پرستی کو خوب نباہا ہی۔ حب الوطن من الایمان کے یہی معنی ہین۔ اتنے بڑے مضمون مین بلحاظ فصاحت و بلاغت صرف دو ایک لفظ کھٹکتے ہین جنکے متعلق یقینی طور سے ابھی یہ نہین کہا جاسکتا کہ یہ کاتب کی عنایتین ہین یا جامع کا تسامح۔ صفحہ ۵ کی سطر ۔ مین "جہلائیت درمع النون" کی ترکیب اجنبی ہے اگر اس جگہ نون الگ کرکے ہیولائیت کہا جاتا تو بھی مضائقہ نہ تھا۔ آخر مضمون مین

صفحہ ۷ کی سطر ۱۱ کے ایک فقرے مین کوزائد ہے "اُردو کو اپنے اصلی منشاو مولد کا نام بھی بھول جائے"۔ اسی فقرے مین مولد کے لام پر تشدید چھپ گئی ہی جو یقینی کاتب و مصلح سنگ کی شدت غفلت کا نتیجہ ہے۔

اس مضمون کے بعد صفحہ ۸ سے ۱۶ تک فلسفۂ حُسن و عشق کے عنوان سے وہ مضمون ہے جو بقول جامع نقاد پیر سخن افادی الاقتصادی کا لکھا ہوا ہی۔ اور یہی وہ مضمون ہی جس کے متعلق ضوابط کے ایک نمبر کی تنقید کرتے ہوے اشارہ کیا گیا ہے کہ اس اجمال کی تفصیل آگے آئے گی۔ مضمون نگار کا اسم مبارک جناب ایم مہدی حسن افادی الاقتصادی ہی۔ ایم کی تشریح تو بہت سے ہم بسر ناموں سے ہونا ممکن ہی مگر افادی الاقتصادی کی توضیح قابل دریافت ہی۔ نقاد کے سوا حضرت افادی الاقتصادی کے مضامین دیگر اخبار و رسائل مین بھی دیکھے گئے ہین، واقعی آپ کے مضامین مین جدت و ندرت، نزاکت و لطافت، اور اختراعی خصوصیت دلکش ہوتی ہی اور خاص ترکیبون کے ساتھ نئے لفظون کی تراش خراش پوری ذہانت کا پتا دیتی ہی۔ اس مضمون مین یہ سب خصوصیتین موجود ہین۔ سب سے بڑی خوبی آپ کے مضامین مین یہ ہوتی ہی کہ باوجود اجنبیت الفاظ دلچسپی کا لاسا کہین نہین چھوٹتا۔ حقیقت مین آپ کی طرز ادا ایک خاص امتیازی درجہ حاصل کیے ہوے ہی طبیعت کی روانی کے ساتھ قوت آخذہ بھی چولی کی طرح دامن سے لگی ہوئی ہی۔ ایسی مستعد اور قابل طبیعتین اُن زبانون مین ترجمہ کرنے کے لیے بہت موزون و مناسب ہین جن مین سرمایۂ لفظی کم ہو اور اُس کے واسطے نئی اصطلاحات کی ضرورت ہو جیسے ہماری اُردو۔ اس غائبانہ مگر سچی تعریف کے بعد افسوس ہے کہ یہ فلسفۂ حسن و عشق بلحاظ تخئیل وہ پایہ نہین رکھتا کہ افادی الاقتصادی کے دوسرے مضامین سے ہم پلہ ہو سکے حسن و عشق کے فلسفے مین عورت کو زیر مشق بنانا اگر تہذیب فلسفہ سے نہین تو کم از کم نقاد کے ضابطۂ نمبر ۶ کے خلاف ضرور ہی۔ کاش یہ مضمون کسی ایسے پرچہ مین ہوتا جو مدعی تہذیب نہوتا۔ یا کسی محدود گروہ کی نظرون سے گزرتا۔ اس مضمون کے اخلاق شکن الفاظ پڑھتے ہوے اگر یہ کہا جائے تو ذرا بھی خلاف تہذیب نہین کہ اس مضمون کا عنوان بجاے فلسفۂ حسن عشق فلسفۂ آلات توالد و تناسل رکھا جاتا۔ عورت واقعی محبت کے لیے بنائی گئی ہی اور اسی لیے جوان عورت مرد کا ساتھ آگ پھوس کا ساتھ کہا جاتا ہے مگر یہ کہان جائز ہے کہ بزم خلوت کو چھوڑ کر علے الرؤس الاشہاد عورت کو ننگا کیا جائے۔

ممکن ہے کہ ہماری یہ تنقید صاحب مضمون کو ناپسند ہو اسلیے ناظرین انصاف پسند کے سامنے چند فقرے اوس مضمون کے بطور اقتباس پیش کرکے پوچھنا چاہتے ہین کہ ان جذبات کے اظہار مین بھک سے اُڑ جانے والے مادے کی تاثیر ہی یا نہین۔ نوخیز طبیعتین متحمل ہو سکتی ہین کہ ایسے پرشہوت الفاظ پڑھین اور کلیلین نہ کرنے لگین، ملاحظہ ہو :-

"عورت بغیر چاہنے والے کے رہ نہین سکتی۔ یہ چاہتی ہے کہ کوئی اس پر بھی مرتا ہو۔ دنیا مین یہ صرف محبت کے لیے آئی۔ اور گلے کا ہار بننے بنانے کے لیئے۔ وہ خود کسی پر مرتی ہوگی یا کوئی اُس پر جان دیتا ہوگا عورت پھنستی ذرا مشکل سے ہی لیکن جہان پھنسی اُس سے چھٹکارا پسند نہین کرتی۔ اُسکی اصلی غایت زندگی دوسرے کی پھانس ہی لیکن اُسے معلوم نہین کہ جال ڈالنے سے پہلے وہ خود شکار ہو چکتی ہے عورت کتنی ہی پاکیزہ وش ہو اس خیال سے خالی نہین ہوتی کہ کوئی اُسکی کا فرادائی کا شیدائی ہو۔ وہ وار کرکے رہے گی کیونکہ یہ امر اُسکی فطرت مین داخل ہی شانے سے آنچل خود نہ گرائے لیکن اگر اتفاق سے گر جاے تو وہ دل مین خوش ہوگی۔ ڈھلے ہوے آنچل مین دراصل اُسے سینے کا اُبھار غائب کرنا منظور نہین بلکہ وہ چاہتی ہے کہ اور نظر جما کر دیکھیے۔ محرم کا جائزۂ نظری ایک طرح کی دادِ حسن ہی جو ہزار پارسائی کے ساتھ بھی وہ آپ سے کر رہے گی۔ اسی لیے جوانی کی آرائشون مین دستانے کی طرح چھپی ہوئی چیز اُسے دل سے پسند ہے جس مین یہ اُن سرکشون کو قید رکھتی ہی جنھین عورت کے ارمان مجسم کہیے۔ مے دو آتشہ وہ بھی شباب کی جب کھچ کھچا کر قدرتی کنٹرون مین بھری ہو تو کون ہے جو ان کیف بستی اور بیخودی کے مجسمون کی پرستش کا دلدادہ نہوگا۔ ذرا فطرت کی شوخی دیکھیے گا فتنۂ قیامت زا کے لیے گنجایش بھی نکالی تو کہان۔ ہر زمانے مین عورت کا مقیاس الشباب دائرۂ حسن کا مرکز عام رہا ہی۔ آج تک سُننے مین نہین آیا کہ اہل چین کی چپٹی ناک کی طرح سپاٹ سینہ بھی کہین پسند طبائع ہو۔ قیصر جرمن صنف نازک کے شائق ہین لیکن اُسکے جو خوبصورت ہاتھون کے ساتھ اُبھرا ہوا اور قائم بالذات سینہ رکھتی ہو۔ کالی۔ گوری کی تخصیص نہین کوئی ہو کہین ہو صرف جوانی کے آلۂ حرب سے اچھی طرح مسلح ہونے کی ضرورت ہی۔ عورت مرد کے مقابلے مین زیادہ باکیف ہوتی ہی اور جن نزاکتون کی طرف مرد کا ذہن بھی منتقل نہین ہوتا یہ اُنکو سمجھتی بوجھتی اور قوت سے فعل مین لانا چاہتی ہے۔ جیتے جی کسی خوبصورت عورت کی پرستش کا موقع ملے تو سمجھیے . . . . قابو مین لانے کے بعد یہ ایک سکنڈ بھی چھوڑنے کے لائق نہین۔ وہ انتہا درجے کی حساس اور نازک مزاج بھی ہوتی ہی۔ دنیا مین اُس سے کسی سے بہری تو چاہنے والے سے۔ دوپٹہ میلا ہی تو سمجھ لیجیے چاہنے والا مقصود ہی۔ عورت کہتی ہے کہ جب اُنھین کو پروا نہین تو بدلین کس کے لیے وہ خوش ہین تو بات بات مین بانکپن دیکھیے کنگھی چوٹی کا دردِ سر اُسی وقت بھلا معلوم ہوتا ہی۔ محرم کے بند اگر کھچکر بندھے ہون تو سمجھ لیجیے زد پر کوئی ہی جس کے لیے یہ سینے کو دُہرے پاے پر رکھنا چاہتی ہی حسین عورت کے لیے کم سنی لازمی نہین کہ چڑھتی دوپہر سے ڈھلتی چھاؤن زیادہ خوشگوار ہوتی ہی۔ عورت وہی باکیف ہوگی جو لذت آشنا ہو۔ اور جس مین لذت احساس کامل ہو۔ ۲۵-۲۶ برس کی حسین عورت جو صورت کے ساتھ حُسن سیرت بھی رکھتی ہو اور جس مین نسائیت کوٹ کوٹ کر بھری ہو نسائی

تخئیل کا بہترین مرقع ہی۔ اسکے لیے چھڑون کی جھنکار ضروری نہین محض تیر اپس پردہ ہونا کہین ہو کسی کے لیے ہو کافی ہے۔ گوشوارے پر آپ دیکھین گے۔ میرا پاکیزہ تخیل بڑے بڑے زاہدون کے صعوبات لاطائل سے کتنا اچھا رہا"

ان فقرات کی نقل کے بعد غالباً زیادہ تشریح کی ضرورت نہین۔ ناظرین کے ہیجان طبع نے خود فیصلہ کرلیا ہوگا ہم نے اس تنقید لکھنے سے پہلے اصل مضمون پر دوبارہ نظر ڈالی عنوان کے نیچے یہ الفاظ دیکھکر لیونا تیون کے نقطۂ خیال سے خیال ہوا تھا کہ صاحب مضمون کے ذاتی خیالات نہین معلوم ہوتے یا کم از کم الفاظ انکے ہین اور خیالات پرائے۔ مگر محرم کی کتر بیونت آنچل کے دوہراؤ تہراؤ اور جوڑیون کی پیچیدگی سے یہ بات کھُلی کہ یہ خود بدولت ہی کے خیالات ہین اور خیالات بھی بدنصیب ہندوستانی مخدرات کے متعلق لیکن واضح رہی کہ صاحب مضمون کی یہ گُل فشانیان بازاری عورتون کے بلیغ حسن سے وابستہ ہین اور آپ کے تخیل حساس کی پہونچ ممبئی کی سفید گلی کی زینتون سے آگے نہین۔ گھر مین بیٹھنے والی بی بیان ان خیالون کو زبان سے ادا کرنا کیسا دل مین بھی نہین دھرا سکتین۔ بہرحال ہم صاف الفاظ مین اس کہنے پر مجبور ہین کہ اگر نقاد مین اس فحش بیانی کے ساتھ مضامین کی آمد رہی تو یہ رسالہ عیاش طبعون کے لیے مخصوص ہوگا۔ ہرگز ہرگز کسی نوجوان شریف طالب علم اور کسی اثر پذیر سوسائٹی کے قابل نہوگا۔

ہم نے دفتر نقاد مین جو مضمون بھیجا تھا وہ اس مضمون سے کچھ زیادہ تھا اور فلسفۂ حسن و عشق کے بعد جو مضامین نقد تھے اُنکی تنقید بھی کی گئی تھی مگر اس خیال سے کہ وہ کوئی مہتم بالشان باتین نہ تھین اور نیز اُنکا تعلق زیادہ نقاد کی طرز تحریر۔ کتابت۔ اور اسکی ترتیب سے تھا اس لیے الناظرین کے لیے ہم اسکو فضول سمجھکر قلم انداز کرتے ہین۔ اور آخر مین پھر جامع نقاد کو دوستانہ صلاح دیتے ہین کہ وہ آئندہ ایسے گندے لٹریچر سے نقاد کو بچائین۔

ہر سخن کا اک جدا ہوتا ہے موقع اور محل
ہزل و تمسخر کجا بزم خردمندان کجا

احسن مارہروی

غلط ہے میری طرف سے اگر غبار نہین
وہ ربط ضبط نہین وہ نگاہِ یار نہین

سُنا ہے مین نے مری یاد سے تم وہ بے چین
اُنھین کے سر کی قسم مجھکو اعتبار نہین

نہ میرے شوق نے مانا نہ اُن کے جوبن نے
اگرچہ اُنکی طرف سے ہوئی ہزار نہین

تغافل اُنکا مین تسلیم کرون اے ہمدم
یہ کیسے کہدون کہ ہان مین بھی بیقرار نہین

خودی سے جو نہو بیخود وہ ندمست نہین
جو توبہ کرکے نہ توڑے وہ مے گسار نہین

مقابلہ کرے ہند مبا کی کیا ہستی
شباب نے یہ کھلائے ہین گُل اُبھار نہین

یہ مسلکِ صُلحِ کل بھی خوب ہے بسمل
کسی طرف سے نکل جاؤ کوئی خار نہین

نامۂ شوق

منتین کرتا ہون تیرے پاؤنپر گرتا ہون مین — نامہ بر تکلیف اتنی بہرِ پیغمبر اُٹھا
ضبط کی طاقت ہے دل مین اور نہ تابِ انتظار — جلد اُس جانب قدم کو صورتِ صرصر اُٹھا
مثل بوے گُل پہونچ اُس نوبہارِ حُسن تک — جبر جتنا ہو سکے تعجیل مین دل پر اُٹھا
گر ملے باہر مکان کے وہ مہِ خوبی تو خیر — ورنہ پلکون کی طرح گھر کا حجاب در اُٹھا
سر جھکا کر انجمن مین اُنکی ہونا باریاب — قتل کر ڈالین گے تجھکو شمع سان گر سر اُٹھا
پوچھ لینا پاسبانِ حُسن ہونگے کچھ حسین — دیکھ لینا خواب راحت سے وہ افسونگر اُٹھا
دھیان یون حفظِ مراتب کا رہے ہر گام پر — جو قدم وان پر اُٹھا تہذیب کے اندر اُٹھا
خوابگاہِ ناز تک پہونچا بھی قسمت سے اگر — اور وہ سرمست محوِ ناز بھی سو کر اُٹھا
اور اِٹھلاتا چلا آئینہ خانے کی طرف — صورِ آہِ اہل دل سے فتنۂ محشر اُٹھا
دیکھ خط موقع جو ہو کہنا ضرور اُس شوخ سے — پہلوے عاشق سے تو جب سے خفا ہو کر اُٹھا
مبتلاے زلف و عارض کو نہ تھا اک پل قرار — دردِ دل کے ساتھ ہی دردِ جگر اکثر اُٹھا
جو گزرنی تھی وہ گزری حال کچھ اسکا نپوچھ — صدمۂ فرقت ترے بیمار سے کیونکر اُٹھا
جس جگہ بیٹھا وہان احباب کے طعنے سُنے — اونگلیان اُٹھین جہان سے عاشق مضطر اُٹھا
حُسن کا صدقہ تجھے اب رحم کر بہرِ خدا — فیصلہ ہی یا تو کر دے تیغ نے خنجر اُٹھا
کشتۂ ناز و ادا ہے ہان رہے اس کا خیال — دہر سے حسرت بھرا اُسکو نہ لے دلبر اُٹھا
بوسۂ لب کا جو خواہان ہو نہ کر ہرگز دریغ — وعدۂ فردا سے کیون ہنگامۂ محشر اُٹھا
ہے یہ حسرت یا تو کر دے کامِ دل سے کامیاب — یا اُسے دنیا ہی سے اب اے جفا گستر اُٹھا

عاشقون مین تا رہے مذکور اسکا حشر تک
صدق سچا تھا ترے دروازے سے مر کر اُٹھا

صدق جائسی

امید

دنیا بامید قائم کے فلسفہ پر غائر اور نتیجہ خیز نظر ڈالنے پر جہل و نادانی کا پردہ اُٹھ جاتا ہے تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ یہ مختصر فقرہ ملک مین کی نظم و نسق، نظام عالم، انسانی نشو و نما، خالق و مخلوق کے تعلقات، عابد و معبود کی محبت، شاہ و رعایا کی شفقت و اظہار اطاعت، غلام و آقا کی شوق فرمانبری اور مراعات مختصراً تمام دنیا و مافیہا پر حاوی اور محیط ہے، اسکی حد یہین تک ختم ہو کر نہین رہ جاتی صوفیان کرام، زاہدان خلوت نشین، عابدان عبادت گزار سے پوچھ دیکھیے حورون کی خواہش، جنت کی تمنا قرب الٰہی کی آرزو۔ اتقا، اعتقاد، تقلید، ایمان اسی ایک امید کے جلوے ہین "نومید مشو کہ نا امیدی کفر است" (لاتیاسو و لاتقنطوا) کے حکم اسی اصول پر ہین، ایک یورپین فلاسفر کا مقولہ "نا امید نہو کیونکہ امیدون کے خاتمے کے ساتھ تمام دنیا کا خاتمہ ہوجاتا ہے" اسی فرمان کا ہم آہنگ ہے۔ اُس تارک الدنیا، قائم اللیل صائم النہار کے دل سے پوچھیے جسنے باوجود لا رہبانیۃ فی الاسلام کی تسلی بخش تحریری دستاویز کے چلے کی سردی، لون اور طپش کی گرمی، طوفان بپا کردینے والی بارش و فور اتقا مین شہر سے دور آبادی سے پرے زمین کے فرش آسمان کے شامیانے پر قناعت کرکے ایک شغل ہوحق مین گزاردی ہو۔ اُن سے پوچھیے جو "دامن تر" اکبرا نجھے کیا کیا نہ مجھکر" کی آواز پر دامن ضبط ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہین۔ دور کیون جائیے؟ مان کی مامتا پر نظر کیجیے دیکھیے وہ دکھیاری، غربت زدہ، بیکس رانڈ اپنی جیتی جاگتی قسمت کی تصویر کے بھولے پن پر نثار ہے، ننھے بچے کی ایک مسکراہٹ اُسکے مرجھائے ہوے دل کی کلی کے ساتھ وہ کام کررہی ہے جو پژمردہ غنچون کے ساتھ نسیم سحری کا جھونکا، نہ اُسکو گزشتہ آلام کا خیال ہے نہ موجودہ مصائب کی فکر، بچے کے ایک رونے ہنسنے پر اُسکے رنج و راحت کا انحصار ہے خدا جانے اُسکے لیے دنیا کی تمام لذتین، زندگانی کی تمام مسرتین ہونہار بچے کے ساتھ کس چیز مین وابستہ ہین جس کا وہ ساعت بساعت روز بروز انتظار کررہی ہے۔ وہی روح پرور امید ہے۔

اُس بوڑھے خمیدہ کمر کو دیکھیے جسنے اپنی عمر کا بہت بڑا حصہ برباد کردیا ہے جوانی سی دولت کھو کر قریب قریب تمام حواس (سامعہ، باصرہ، لامسہ، شامہ، ذائقہ) کو خیرباد کہہ چکا ہے نہ اُس مین اُٹھنے بیٹھنے کی طاقت ہے، نہ چلنے کی سکت دنیا نے بیوفائی کی، اُس سے منھ موڑ لیا، خوشگوار زندگی کی تمام نعمتین جو کسی وقت اُسکے لیے فراخی اور کشادگی سے میسر تھین آج اُسپر حرام سی ہورہی ہین، خویش و اقارب اُسکی عمر کی طرح اُسکو کھو چکے ہین مگر پھر بھی وہ شکر کے ساتھ رات سے دن اور دن سے رات کرلیتا ہے۔ ہان! اسکا عصائے پیری وہی امید ہے۔

مرض نے کام تمام کردیا، مریض دم توڑ رہا ہے مگر ہر دم واپسین جب پلٹتا ہے تو عزیزون کے چہرون پر کچھ رونق لے کر

دنیا کے تمام نیک اعمال آخرت کی امید کی وجہ سے ہین - غلام کی تمام خواہشین آقا کی مرضی کے تابع ہین اپنی خدمت گزاریون سے، کشادہ پیشانی سخت سے سخت حکم کی تعمیل سے اُسکے دل مین گھر کرنے کی کوشش کرتا ہے مسافر کی آبلہ پائی، گم کردگی راہ، شام کا وقت اُس پر صحرا نوردی اُسکو کشان کشان ایک طرف لیے جا رہی ہے اوامر کا خیال نواہی کا ڈر، مکروہات (جو بظاہر مکروہ نہین ہین) سے اجتناب سب اسی امید کے کرشمے ہین - دیکھیے وہ جانباز سپاہی گھر بار، خویش و اقارب کو خیرباد کہکر اپنی جان دینے کے لیے میدان جنگ کی طرف جا رہا ہے توپون کی دل ہلا دینے والی گرج سُنتا ہے، لڑنے والون کو زخمی، زخمیون کو چند ساعت کا مہمان دیکھتا ہے مگر اُسکا نہ رُکنے والا قدم نہایت تیزی سے اُٹھ رہا ہے - رند میگسار دنیاوی ظاہری تدابیر کا دروازہ بند پا کر مسجد کی محراب مین سر ٹکرا رہا ہے - خاطی گنہگار عمر بھر کے گناہون سے توبہ کر چکتا ہے تو اُسکا چہرہ فوری پیدا ہوجانے والی خوشی سے چمک اُٹھتا ہے - مجرم خطاوار باوجود اقرار جرم عدالت کے روبرو جانے کو جلد جلد قدم اُٹھا رہا ہے -

ہان - اے یاس کی کالی اور بھیانک گھٹا مین بجلی کی طرح چمک اُٹھنے والی ! اے بے پایان بحر ذخار مین ٹوٹی ہوئی کشتی کے ناخدا - ڈوبتے ہوے کو تنکے کا سہارا - عصائے پیری، قوت جوانی - بے یار و مددگار یتیمون کی والی دکھیاری رانڈون کی ڈھارس - مظلومون کی فریادرس - ظالمون کو لرزا دینے والی یہ معلوم ہے ! بخوبی معلوم ہے !! کہ تیرا وجود دنیا کے وجود کے ساتھ ہے، انسانی جسم کے لیے بلکہ تمام نامی اجسام کے لیے جن کو روح کی ضرورت ہے اُنکے ساتھ تیرا نشو و نما بھی ضروری ہے تیرا شمول دوران خون کے ساتھ ہے - تیری سلطنت تمام عالم ہے، تیرا سکہ دلون پر ہے، جس کو تو نے چھوڑا اُس کا ٹھکانا کہین نہین، تجھ سے مایوس ہونا زندگی سے ہاتھ دھونا ہے - مانا کہ بڑے بڑے باجبروت شہنشاہ تیرا دم بھرتے ہین ہم کو تسلیم ! کہ سب کو تیری پروا اور تجھے کسی کی پروا نہین - یہ بھی سچ اور بالکل سچ ہے کہ وہ لوگ مدت ہوے دنیا کو خیرباد کہہ چکے ہین، جن کا ظاہری دنیاوی نشان اتنا بھی باقی نہین کہ خاک لحد سے تعبیر کیا جائے، خاموش تیرے مرقدون پر تیری لو لگائے پڑے ہین - درست اور بالکل درست کہ تجھے کسی کی احتیاج نہین تیری سب کو احتیاج ہے - مگر ہم گلیم استغنا و خرقۂ بے پروائی کے آزاد فقیر (معاف کرنا) یہی کہین گے کہ

انسان جو چاہے کہ نہو اسکو کبھی رنج
زنہار کسی سے کوئی امید نہ رکھے

اے ایم مبین عباسی کیفی

غزلیات

ساقیا دیر نہ کر شیشۂ مے لانے مین
جان پیاسون کی پڑی ہے ترے پیمانے مین

کیسی شوریدہ سری ہے ترے دیوانے مین
ڈھونڈھتا ہے دل گم گشتہ کو ویرانے مین

ساقیا دیدۂ پرخون کی خبر تجھکو نہین
مے گلرنگ بھری ہے ترے پیمانے مین

ہوش اُڑجائین نہ کیون بادہ کشون کے ساقی
گردش چشم پری ہے ترے پیمانے مین

درد دل ہوگا مرے دیدۂ تر سے ظاہر
جو ہے شیشے مین وہی آئے گا پیمانے مین

ہر جگہ اُسکو نئے روپ مین ہم دیکھتے ہین
مے ہے شیشہ مین پری حور ہے پیمانے مین

ساقیِ توبہ شکن فصل بہار آنے دے
خون توبہ کا بھرین گے ترے پیمانے مین

مین سمجھتا ہون اسی کو دلِ مضطر کا علاج
تو نہ اے درد کمی کر مرے تڑپانے مین

یون تو جل بجھنے مین دونون ہین برابر لیکن
وہ کہان شمع مین جو آگ ہے پروانے مین

شکوۂ دل شکنی کیون نہ کرون ساقی سے
مے پلائی مجھے ٹوٹے ہوے پیمانے مین

میکدے کی یہ اداسی نہین دیکھی جاتی
نہین معلوم ہے کیا دیر بہار آنے مین

میرے کہنے کا یقین تم کو نہ آئے گا جلیل
چل کے جنت کا سما دیکھ لو میخانے مین

حافظ جلیل حسن جلیل

وہ شغل میکشی باہم وہ لطفِ وصل جانانہ
وہ کچھ بہکی ہوئی باتین وہ کچھ انداز مستانہ

جہان مین عالم شہر خموشان ہے عجب عالم
کہ آبادی کی آبادی ہے ویرانے کا ویرانہ

وہ مست ناز اک غنچہ لیے تھا وقت مے نوشی
مین یہ سمجھا کہ نازک ہاتھ مین نازک ہے پیمانہ

کہا تھا صبر شوق وصل مین اب ہو نہین سکتا
یہ شوخی دیکھنا وہ مسکرا کے کہہ گئے دیوانہ

بڑا دھوکا دیا اک زاہد صد سالہ نے ہم کو
کہ چومے پاؤن نشہ مین سمجھکر پیر میخانہ

فلک یہ کیا دکھاتا ہے یہ کن آنکھون سے دیکھون مین
جنازہ غیر کا اور اُس سراپا ناز کا شانہ

شریک دور بزم غیر کوئی جان بلب کوئی
کہین ساغر چھلکتا ہے کہین لبریز پیمانہ

جمایا عشق نے ہر بزم ہر گلشن مین رنگ اپنا
کہین میتابیِ بلبل کہین ہے سوزِ پروانہ

لگا دو راہ پر بھٹکے ہوے زاہد کو میخوارو!
جو پوچھے راہ مسجد کی بتا دو راہِ میخانہ

بہت چین بر جبیں وہ بزم میں ہیں شمع بھی چپ ہے پڑی ہے اُڑ کے دامن پر ذرا سی خاکِ پروانہ
فسونگر جو رسا معشوق دنیا میں نہیں کوئی کہ خود جنت میں بیٹھی ہے یہاں زاہد ہے دیوانہ
الٰہی خیر اُسکی مستی جوشِ جوانی نے خرام ناز میں پیدا کیا انداز مستانہ
کسی غربت زدہ کی موت کتنی حسرت آگیں ہے سرہانے بیکسی ہے کوئی اپنا ہے نہ بیگانہ
بخیر انجام ہو میرا کہیں آمین سب میکش دعائے مغفرت کو ہاتھ اُٹھائے پیر میخانہ
غم عاشق میں بھی پاس حیا معشوق کرتے ہیں زبان پر شمع کی ہے چپکے چپکے ہائے پروانہ
طبیعت میں نیا اک جوش ساقی نے کیا پیدا دیا ساغر مجھے بھر کر بصد انداز مستانہ
جلا کر جان لی اُسپر یہ دل سوزی نرالی ہے بہائے شمع نے آنسو یہ کہہ کر ہائے پروانہ

تمھاری پارسائی پر فضا ہم کو تعجب ہے
اگر پیتے نہیں تو کیوں کلام اتنا ہے رندانہ

شیخ محمد عالیجاہ فضا

آتے آتے لب تک آہِ نارسا اُلٹی پھری اور میرا ہی دبانے کو گلا اولٹی پھری
آ کے مجھ تک کشتیٔ مے ساقیا اُلٹی پھری آج کیا ندی بہی اولٹی ہوا اولٹی پھری
مڑ کے دیکھا اس نے اور وار ابرو کا چل گیا اک چھری سیدھی پھری اور اک ذرا اولٹی پھری
لا سکا نظارۂ رخسار روشن کی نہ تاب جا کے آئینہ پہ چہرے کی ضیا اولٹی پھری
پیستا ہے رہنے یاروں ہی کو ہر پھیر کر فلک وائے قسمت جب پھری یہ آسیا اولٹی پھری
جو بڑا بول ایک دن بولے تھے پیش آیا وہ آج گنبد گردوں سے ٹکرا کر صدا اولٹی پھری
رزق کھا کر غیر کی قسمت کا زنبور عسل تو نے دیکھا حلق تک جا کر غذا اولٹی پھری
تو ستایش گر ہے اُسکا جو ہے تیرا مدح خواں یہ تو اے مشفق ضمیر مرحبا اولٹی پھری
آئی تھی جس پر طبیعت حیف اُسنے کی نہ قدر جنس دل مانند جنس ناروا اولٹی پھری
یا تو کشتی ڈوبتی تھی یا چلی ساحل سے دور وائے ناکامی پھری بھی تو ہوا اولٹی پھری
گرنے والا ہے کسی دشمن پہ کیا تیر شہاب آسمان تک جا کے کیوں آہ رسا اولٹی پھری
مر گیا بے موت میں آخر اجل بھی دور سے کوئے قاتل کا بتا کر راستہ اولٹی پھری
ہجر کی شب مجھکو اُلٹی سانس لیتے دیکھ کر ایک ہی دم میں گئی واں اور صبا اولٹی پھری

نظم اپنے گرد کھینچو نام حیدر کا حصار
دیکھ لینا پھر کہ جو آئی بلا اولٹی پھری

سید علی حیدر طباطبائی نظم

نظر سے خوش گزری

ہمارے کرم فرما مرزا مہدی خان کوکب کے نام نامی سے ناظرین الناظر ناواقف نہین مئی ۲۱ء کے الناظر مین آپ کا قیمتی مضمون زیر عنوان "تعلیم مفید کیسے اور کہان حاصل ہو سکتی ہے" اگرچہ ہماری غیر حاضری کے باعث نہایت بُری طرح چھپا اور اسلیے ناظرین اُس سے پورا لطف حاصل نہ کر سکے ہونگے لیکن جناب ممدوح کی اعلےٰ قابلیت کا اُس سے اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے۔ مرزا صاحب ہماری قوم کے اُن چند باکمال لوگون مین ہین جو باوجود اپنی فضیلت علمی اور جامعیت کے بام شہرت کا کوئی زینہ نہین طے کرنا چاہتے اور حقیقت یہ ہے کہ کمال کے لیے اس قسم کا استغنا لازمی وضروری ہے۔ کیونکہ بلند آہنگی مین طبل تہی سے بازی لیجانا دشوار ہے۔

سر سالار جنگ اول نے مرزا صاحب کو اور مولوی سید علی بلگرامی مرحوم کو علم معدنیات کی تعلیم کے لیے خاص طور پر انگلستان بھیجا تھا۔ چنانچہ آپ نے انگلستان کے قیام سے پورا فائدہ حاصل کیا اور سائنس کے مختلف شعبون سے واقفیت تام پیدا کرکے ہندوستان واپس آئے۔ مگر اعصابی بیماریون مین مبتلا ہوجانے کی وجہ سے افسوس ہے کہ آپ کی اعلےٰ قابلیتون سے ملک کو متمتع ہونے کا موقع نہ ملا۔ آپ مین بڑی خوبی یہ ہے کہ علوم جدیدہ کے عالم ہونے کے علاوہ عربی اور فارسی کے بھی آپ فاضل اجل ہین۔

مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اُردو کی تحریک پر آپ نے علم جیالوجی پر ایک کتاب تیار کی ہے اور آیندہ بھی اپنی قابلیتون سے اردو علم ادب مین اس قسم کے مفید اضافے کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ حقیقت مین انجمن کی یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ نئے دور کے ابتدا ہی مین اُسکو ایسے فاضل بزرگ کی اعانت حاصل ہونے کا قابل فخر موقع ملا۔ خدا مرزا صاحب کی صحت اور عمر مین برکت اور قوم کو انکی خدمات کی پوری قدر کرنے اور اُنکے متاع علم سے اچھی طرح بہرہ ور ہونے کا موقع دے۔

ہی خواہان اُردو یہ بھی سُن کر خوش ہونگے کہ نواب عماد الملک بہادر نے انجمن ترقی اُردو کی صدر نشینی قبول کرنے کے علاوہ اپنی جیب خاص سے صمہ ماہوار مقرر فرمایا ہے جو اُنکی گہری دلچسپی اور خالص ہمدردی کی بین مثال ہے۔

ہماری زبان مین اس وقت سب سے زیادہ ضرورت اصطلاحات علمی کی ہے۔ اور یہ ایسی ضرورت ہے جس کو عام طور پر تمام علم دوست حضرات تسلیم کرتے ہین اور جسکے رفع کرنے کی طرف پہلے بھی کارکنان انجمن ترقی اُردو نے کچھ نہ کچھ توجہ کی۔ لیکن اس کوشش مین کچھ زیادہ کامیابی نہوئی جسکے دو سبب خاص تھے۔ اول تو یہ کہ اصطلاحات علمیہ کا ترجمہ کوئی آسان کام نہین۔ جس شخص کو یہ کام کرنا پڑا ہے یا پڑے گا وہی اسکی دشواریون کا اندازہ کر سکتا ہے۔ دوسری بڑی مصیبت یہ تھی کہ انجمن کے پاس کوئی سرمایہ نہ تھا کہ اس کام کی محنت کا کوئی معاوضہ دیا جا سکتا۔

مولوی عبدالحق صاحب نے اس امید مین کہ جب کچھ عملی کام ہونے لگے گا تو پبلک سے مالی امداد بھی ملے گی یہ صورت نکالی ہے کہ علیحدہ علیحدہ علوم کی اصطلاحات کا ترجمہ خاص خاص لوگون سے کرا دیا جائے چنانچہ سردست علم ہیئت اور فزیالوجی (علم الحیوانات) کی اصطلاحات کو ترتیب دینے کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ انکی تکمیل کے بعد دوسری علوم کی طرف توجہ کی جائے گی لیکن یہ کام سرسبز اُسی وقت ہو سکتے ہین جب انکی آبیاری مین پبلک کی طرف سے بیدریغ روپیہ صرف کیا جائے اور ہمین امید ہے کہ کام کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے بعد تمام ہی خواہان اُردو انجمن کی اعانت کرنے پر آمادہ ہو جائین گے۔

مرزا مهدی خان چند روز ہوئے سفر عراق سے واپس آئے ہین۔ اور واپسی کے بعد جو گرامی نامہ اُنکا ہمین ملا ہے اُسمین الناظر کے ایک مضمون کی بعض غلطیون پر بھی توجہ دلائی ہے اس بارہ مین ہم اُنکے الفاظ بجنسہ درج ذیل کرتے ہین۔

نومبر کے نمبر ۱۹ مین میر تقی میر کے اشعار کی تنقید مین صفحہ ۴۲ پر شعر ذیل کے ترجمہ کی نسبت مجھے ا۔ ز صاحب سے اتفاق نہین۔

زمین یک صفحۂ تصویر بیہوشان سے ماتا ہے یہ مجلس جب سے ہے اچھا نہین ہے رنگ صحبت کا

صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ "مگر مصرعہ اول مین زمین کے بعد "تو" کی ضرورت معلوم ہوتی ہے اور ماتا تسلیم کی جگہ پر ہے الخ" میری دانست مین "تو" کی مطلق ضرورت نہین۔ یہان لفظ ماتا فارسی بمعنی مشابہ کے ہے جس کی فارسی یہ ہوگی "زمین یک صفحہ تصویر بیہوشان می ماند" افسوس ہے کہ فارسی سے اسقدر لوگ غافل ہو رہے ہین جس کی ترکیبین قدیم شعرائے اُردو کے اشعار مین بکثرت موجود ہین۔

اسکے بعد صفحہ ۴۳ مین ذیل کے شعر کے معنی پر بھی مجھے اعتراض ہے۔ یہان بھی فارسی محاورہ کی ناعلمی سے ترجمہ غلط ہو گیا ہے۔

نقاش کیونکہ کھینچ سکا تو شبیہ یار کھینچون ہون ایک ناز بھی اُسکا مین اتبلک

نقاد صاحب کہتے ہین کہ "میرے خیال مین ...... فرماتے ہین کہ مصور نے کامل تصویر جانان کیونکر اُتاری کیونکہ مین تو ایک عمر سے صرف اُسکے ناز کی تصویر اُتار رہا ہون اور ہنوز وہ ناکمل ہے لہذا۔ الخ"

یہان ناز کھینچنا فارسی کے نازکشیدن کا ترجمہ ہے۔ کشیدن کا ترجمہ مصرعہ ثانی مین اُتارنے کے معنی مین نہین۔ بلکہ نازکشیدن فارسی مین ناز برداری۔ ناز اُٹھانے کا مرادف ہے اور کشیدن کو دو مختلف معنون مین استعمال کیا ہے۔ غالباً میر مرحوم کے شعر کا ماخذ ذیل کا فارسی شعر ہے:

گر مصور صورت آن دلستان خواہد کشید من نمیدانم کہ نازش را چہ سان خواہد کشید

پہلے مصرعہ مین کشیدن کے معنی تصویر اُتارنے کے ہین اور دوسرے مصرعہ مین ایہام کیا ہے اور کشیدن کے دوسرے معنی لئے ہین یعنی اُسکے ناز کو کیونکر اُٹھائیگا نہ یہ کہ اُتارے گا۔ یعنی اوسکی ناز برداری کیونکر کر سکے گا۔ افسوس ہے کہ فارسی کا تتبع روز بروز گھٹتا جاتا ہے۔ اگر فارسی کو خیرباد کہدیا جائیگا تو اُردو کا اچھی طرح سیکھنا ایک امر دشوار ہو جائے گا۔ فارسی تو اُردو کی جان ہے۔

ہم مرزا صاحب کی اس مخلصانہ ہمدردی و توجہ کے شکرگذار ہین اور امید کرتے ہین کہ آئندہ بھی الناظر کے حال پر اُن کی یہی عنایت رہے گی اور اُن کے مستقل مضامین اوراق الناظر کی زینت افزائی کے موجب ہون گے۔ ایڈیٹر

حدائق البیان فی معارف القرآن کم مولفہ مولانا عبدالغفور صاحب فاروقی اعظمگڈھی مصنف علام کی یہ بلیغ کوشش قابل صد آفرین ہے کہ انھون نے مسلمانان حال کے ایک اہم اور عظیم مقصد کی تکمیل کی یعنی قرآن پاک کے مختلف مسائل اور مخفی مطالب کو ایسے عنوان شائستہ سے

مشرح کیا ہے جو دیکھنے سے متعلق ہے۔ اسمین شک نہین کہ آجکل کے مسلمان مذہبی علوم خصوصاً علم قرآن سے بالکل بے بہرہ ہین اور زمانہ کے مرور نے اُن ذرائع اور وسائل کو بھی ناپید کردیا ہے جن سے اپنے اسلاف کرام کے علوم و فنون سے بہرہ اندوز ہوسکین اس لحاظ سے ہم یہ کہہ سکتے ہین کہ فاضل مصنف نے یہ کتاب نہین لکھی بلکہ ایک دریاے ذخار کو کوزے مین بھر دیا ہے مصحف پاک کے الفاظ و معانی کی تشریح ترتیب قرآن اختلاف قرأت کی تفصیل مطالب کی تطبیق مخارج و علامات وقف کی تفصیل قرا سبعہ وائمہ کے پُر نکات اختلافات الفاظ وحی و کرامت و الہام وغیرہ کی تحقیق سورتون کی تشریح وغیرہ وغیرہ نادر مسائل اور بیش بہا مطالب کو نہایت علمی تبحر اور قابلیت کے ساتھ بیان کیا ہے خدا اس خدمت خالصہ کو قبول فرمائے اور فاضل مصنف کو جزائے حسنہ سے مالامال کرے۔ ایسی لاجواب کتاب جو ایسے معرکتہ الآرا مسائل اور فاضلانہ تنقیدات سے لبریز ہو آجتک نہین لکھی گئی فی الواقع اس کتاب کے اسم بامسمےٰ ہونے مین کوئی شبہ نہین۔ جو شخص فکر و تدبیر کے ساتھ اس کتاب کو دیکھے اُسکو قرآن پاک کی پوری معرفت حاصل ہو جائے اور اُن غلطیون سے متنبہ ہو جائے جو آیات قرآنیہ کی تلاوت مین اکثر ہوا کرتی ہین۔ فی الواقع مولانا اُن باقیات صالحات مین سے ہین جو اُفق عالم پر بدور ہوکر درخشان ہوے اور جن کے افادات سے دنیا کا ہر گوشہ مستفید ہوا۔ آج دنیا ایسے محترم نفوس کو آنکھین پھاڑ پھاڑ کر ڈھونڈھتی ہے لیکن نظر نہین آتے اس لیے ایسے متبحر فضلا کے وجود کو غنیمت جان کر انکے تبحر علمی کو اپنے لیے سحاب رحمت تصور کرکے اُنکے تصانیف کی بیحد قدر کرنا چاہیے کیونکہ یہی ہمارے ہر مذہب کے پشتیبان اور یہی ہمارے مشکلات مین دلیل و برہان ہین۔ مولانا کی اس قابل قدر تصنیف نے صفحات تاریخ مین ایک ممتاز جگہ حاصل کی ہے جو تا بقائے دہر آفتاب کی طرح روشن رہے گی۔

سب اڈیٹر

پریم کہانی وارث جانی

یہ وہ نادر کتاب ہے جس کا شہرہ قبل از طبع شائقین علم موسیقی مین ہو چکا ہے۔ اس سے ہر مذہب اور ہر مذاق کا آدمی لطف اُٹھا سکتا ہے درویشون کے لیے تصوف بھری عاشقون کے واسطے حسن و عشق کا اچھا نقشہ ہے۔ خوش آوازون اور زندہ دلون کے لیے اس سے بڑھکر اور کیا ہو کہ ہندی زبان ہے ٹھمریان بھجن۔ اور بسنت وغیرہ اس سے بہتر گانے کے لیے اور کون سی چیز ہو سکتی ہے۔

اس کتاب کے مصنف حضرت سید شاہ امین صاحب قبلہ وارثی ایک باخدا درویش ہین۔ یہ کتاب ذیل کے پتہ سے (عصہ) کو مل سکتی ہے۔

حیدرآباد دکن۔ عقب مسجد چوک۔ مکان

عبداللطیف عطر فروش

نمونہ مفت ۔ شیشہ مفت

سفوف برق

معدے و جگر کے تندرست اور انکے کام صحیح رہنے پر انسان کی تندرستی توانائی اور زندگی کا دار و مدار ہے۔ ورنہ معدہ کمزور ہونے سے بھوک کم لگتی ہے کچھ کچھ غذا کھائی جائے تو دیر مین ہضم ہونے کے علاوہ درد شکم اسہال نفخ ریاح قبض سینہ کی جلن وغیرہ تکلیف دینے والی شکایتین بڑھ جاتی ہین جگر ضعیف ہوگا تو معدے سے آئی ہوئی رقیق غذا کو بخوبی جذب کرنے کی صلاحیت نہ رکھے گا بدن مین رطوبت زیادہ اور خون کم پیدا ہوگا جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بدن زرد چہرہ بے رونق ہو جائیگا ضعف بڑھ جائیگا درد سر دل دھڑکنا کسی کام مین جی نہ لگنا سر گھومنا ہاتھ پیرون کا ٹوٹنا شروع ہوگا اور ایسا کمزور آدمی سنگرھنی ورم و درد معدہ بدہضمی قولنج بواسیر بادی۔ استسقا۔ طحال۔ پتھری۔ ریگ گردہ۔ دمہ گٹھیا کی بیماریون مین بہت جلد مبتلا ہو کر لب گور پہونچ جائے گا۔ پس چاہیے کہ معدہ و جگر کی مندرجہ بالا بیماریون مین سفوف برق منگا کر استعمال کرین سفوف برق معدہ و جگر کی مندرجہ بالا بیماریون کو بہت جلد دور کر دینے مین اکسیر صفت ہے اور سفوف برق کے آزمانے والے نوابان روسا و عظام و معززین کی رائے ہے کہ ہر گھر مین اس کی ایک شیشی رہنا نہایت ضروری ہے قیمت فی شیشی کلان ۱۲ر خورد ۶ر

(ایک آنہ کا ٹکٹ بھیجکر نمونہ مفت طلب فرمائیے)

ابو الشفا حکیم محمد شمس الحسن مالک۔ کارخانہ معدن الشفا گیا

اور وعدہ کرلیا کہ امیر انطاکیہ کے ممالک پر حملہ نہ کیا جائے گا اور تین سال تک تمام عیسائی زائرین بلا ادائے محصول مقدس مقامات یروشلیم کی زیارت کرسکین گے[1]

[1] وینی زاف جلد (۶) ابواب (۲۵و۲۶) - مسلمان مورخین کے بیان کے مطابق اوائل شعبان ۵۸۸ھ مین رچرڈ شیر دل بیمار پڑگیا - اثناے علالت مین سلطان سے میوہ جات اور برف منگا منگا بھیجتا تھا اور سلطان جو کچھ وہ طلب کرتا برابر بھیجتا رہتا تھا حتے کہ خود اپنے طبیب کو علاج کے لیے بھیجدیا - اسی سلسلۂ رسل و رسائل کے اثنا مین حاجب ابو بکر کے ساتھ شاہ انگلستان کا ایک ایلچی آیا اور سلطان کا شکریہ رچرڈ کی جانب سے ادا کرنے لگا - ابو بکر نے عرض کی کہ رچرڈ نے اُسے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ میرے بھائی (یعنے ملک العادل) سے کہنا کہ سلطان سے مین طلب صلح کے واسطے ملاقات کرنا چاہتا ہون اسکی کوئی صورت نکالین اور عسقلان ہمین دلادین تاکہ مین اپنے وطن لوٹ جاؤن - سلطان کو اختیار ہے کہ یہان رہے اور اپنے مخالفین سے ملک چھین لے - میری غرض صرف یہ ہے کہ شاہان یورپ مین میرا جاہ باقی رہے اور کسی کے سامنے آنکھ نیچی کرنی پڑے - اور اگر سلطان عسقلان نہ دینا چاہے تو جو کچھ مجھے اسکی دیوار کی تعمیر مین خرچ کرنا پڑا ہے وہی ادا کردے - ملک العادل اور دیگر امراے عساکر اسلام نے صلاح الدین کو سمجھایا کہ آپ اب صلح قبول کرلیجیے - بادشاہ انگلستان صرف اسلیے صلح کرنا چاہتا ہے کہ معاہدہ کی تکمیل ہوتے ہی جہاز پر سوار ہوکر اپنے وطن چلا جائے اور اگر آپنے نامنظور کیا تو وہ یہین پڑا رہے گا اور موسم سرما شروع ہوتے ہی واپسی کا رستہ رک جائے گا اور ہم بھی پورے سال تک لڑتے رہنے پر مجبور ہون گے - سلطان نے بھی خیال کیا کہ واقعی نفقہ قریب قریب ختم ہوگیا ہے اور فوج بھی پریشان ہوگئی ہے صلح کرلینا بہتر ہوگا لیکن عسقلان کے لینے پر اُس نے اصرار کیا - رچرڈ صلح کا اسقدر خواہش مند تھا کہ اس نے عسقلان کو بھی چھوڑا - شرائط صلح طے ہوگئین اور سلطان نے یوم شنبہ ۱۰ شعبان ۵۸۸ھ کو ایک دربار منعقد کیا تاکہ صلح نامہ کی تحریر اور بلاد صلیبیین کی حدبندی ہوجائے - یافہ اور اُسکے اعمال داخل حدود رہے لیکن رملہ - لدّ - مجدل یابا کا ذکر حذف کردیا گیا - قیساریہ - ارسوف - حیفا اور عکہ اور اُنکے اعمال کو داخل کرلیا لیکن ناصرہ اور صفوریہ کو خارج کردیا - یہ تحریر کرکے کہ یہ اُس حصۂ ملک کے حدود ہین جو ہمارے قبضہ مین رہے گا - اگر ان شرائط پر صلح کرتے ہو تو بسم اللہ ورنہ مین سمجھون گا کہ یہ سب ڈھکوسلا ہے عسقلان کے متعلق یہ طے پایا کہ اسکی شہرپناہ مسمار کردی جائے اور بلاد اسمٰعیلیہ کا شمار بلاد اسلامی مین کیا جائے اور انطاکیہ اور طرابلس مین بھی صلح رہے - مسیحیین کو اجازت ہوگی کہ خوشی خوشی آکر بیت المقدس کی زیارت کرین - کسی قسم کی اُن کو ممانعت نہ کی جائے گی - یہ قرار پایا کہ ۲۲ شعبان یوم چہار شنبہ کو صلح نامہ پر دستخط ہوجائین - جمعیات رہبانیہ (یعنے جمعیت ہیکلیین اور جمعیت القدیس یوحنا المعمدان) اور تمام صلیبی امرا نے اس سے اتفاق کیا اور ہنری دی شامپانیا جو رچرڈ کا بھانجا اور بلاد سوریا کا حاکم مقرر ہوا تھا عیسائیون کی طرف کا وکیل بنا اور امراے سلطان مین سے ملک العادل اور افضل اور ظاہر وغیرہ نے مسلمانون کی طرف سے وکالت کی اور تین سال آٹھ مہینہ کے لیے ۲۲ شعبان (مطابق یکم ستمبر

رچرڈ اور صلاح الدین دونون کی نگاہ مین ایک دوسرے کی فوجی قوت کی بڑی عظمت و منزلت تھی۔ ان مین جو خط و کتابت ہوتی وہ سچے بہادر سپاہیون کی طرح ہوتی اور جب صلح کا زمانہ آتا تو دو دوستون کے مانند دونون مخالف قومین ایک دوسرے کے ساتھ گھُل مل جاتین۔ کبھی دونون امیر ایک دوسرے کو تحفے تحائف بھیجتے سلام و پیام اور مزاج پرسی کرتے۔ اور کبھی بڑے جوش و خروش کے ساتھ خونچکان گھمسان معرکون مین ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نظر آتے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ خاص طور پر یون بیان کیا جاتا ہے کہ رچرڈ بخار مین مبتلا صاحب فراش پڑا تھا۔ سلطان کو خبر ہوئی تو اُس نے اپنی فیاضانہ مہمان نوازی کا ثبوت اس طور پر دیا کہ ایک ظرف مین برف بھر کر اسکے پاس روانہ کی جو اس ملک مین ایک بہت بڑی نعمت شمار کی جاتی تھی۔[1]

(بسلسلۂ صفحہ سابق) فریقین مین باہم صلح ہو گئی۔ شرائط صلح جو منظور ہوئیں انہین ایک شرط یہ بھی تھی کہ ملک العادل ملکہ جوَن سے شادی کر کے فلسطین کا بادشاہ بنایا جائے گا۔ خود رچرڈ نے جو آخری خط ملک العادل کو لکھا اسمین مذکور تھا کہ تمام عیسائی اسے بدنام کر رہے ہین کہ وہ اپنی بہن ایک مسلمان کے نکاح مین دے رہا ہے لیکن وہ پاپائے روم کی اجازت حاصل کرے گا اور اگر نہ ملی تو بجائے بہن کے اپنی بھانجی کو ملک العادل کے نکاح مین دے دیگا۔ لیکن اس مناکحت کی نوبت نہ آئی۔ صلاح الدین نے اسکے بعد بیت المقدس کا رخ کیا۔ اسکی شہر پناہ مضبوط بنوائی۔ ایک مدرسہ قائم کیا۔ کاروان سرائے اور شفاخانے تعمیر کرائے اور ان کے اخراجات کے لیے جائدادین وقف کین۔ سلطان پورے ماہ رمضان تک یہین رہا۔ روزے رکھے۔ حج کا بھی ارادہ کیا مگر امور مملکت نے اجازت نہ دی۔ ۵ شوال کو دمشق کی طرف روانہ ہوا اور جُوردیک نامی ایک ترک کو اپنی طرف سے امیر بیت المقدس بنا کر چھوڑ تا گیا۔ راستہ مین بلاد نابلس۔ طبریہ اور بیروت وغیرہ پڑے جنکے استحکام کا حکم فرمایا۔ بیروت مین بوہمنڈ حاکم انطاکیہ نے حاضر ہو کر ملاقات کی جسے سلطان نے خلعت دے کر رخصت کیا۔ ۲۵ شوال کو دمشق پہونچا جہان اسکے استقبال کے لیے ایسی تیاریان کی گئی تھین اور لوگون کو ایسی خوشی تھی کہ سلطان کا داخلۂ شہر مدتون تک یادگار رہا (از اخبار السنیہ فی حروب الصلیبیہ تالیف سید علی حریری و کامل لابن اثیر و اسٹینلی لین پول)

[1] وینی زاف جلد ۲ باب (۲۸) و تاریخ راجری ڈی ہاویڈن صفحہ ۲۹۳۔ تاریخ انگلستان مترجمہ حسب الحکم مولوی سید علی بلگرامی مرحوم و مغفور (مطبوعہ مطبع اخبار آصفی واقع حیدرآباد صفحہ ۸۱) مین صلاح الدین کی فیاضی کے واقعہ کو یون لکھا ہے "دستور ہے کہ جو بہادر ہین وہی بہادرون کے قدردان ہوتے ہین۔ رچرڈ کی قدر جو صلاح الدین کو تھی وہ کسی کو بھی نہ تھی جب رچرڈ کی بیماری کی خبر صلاح الدین کو پہونچی اُس نے دمشق سے نہایت تر و تازہ میوے اور پہاڑون پر سے برف جو وہان کسی کو میسر نہ تھی منگا کر رچرڈ کو بھیجی" اسٹینلی لین پول حیات صلاح الدین مین لکھتے ہین کہ "لڑائی کافی ہو چکی تھی اور کوئی نہین کہہ سکتا تھا کہ پورے پانچ سال اہل اسلام نے ذوق شہادت مین خدا کی راہ پر چلنے مین کوئی کوتاہی کی۔ بادشاہ انگلستان کی بیماری نے صلاح الدین اور ملک العادل کے دلون کو نرم کر دیا جو ایسے صاف دل اور سپاہی منش مقابل کے

آخرکار ۵ ۲-اکتوبر ۱۱۹۲ء کو رچرڈ جہاز پر سوار ہو کر جانب یورپ[۱] روانہ ہوا۔ اس تیسری صلیبی لڑائی مین پہلی دو لڑائیون کے مقابلہ مین کم مذہبی جوش پایا جاتا ہے۔ رچرڈ کو جنگ پر آمادہ کرنے کا محرک اس کا شوق جنگ و مہمات حرب تھا جس پر کوئی شے غالب نہین آسکتی تھی نہ کہ زہد و اتقا۔ دوسرے بادشاہ بھی جو اسکے شریک حال تھے سب اسی اثر سے متاثر تھے۔ شاید فریڈرک باربروسا صرف ایک شخص ہوگا جو سب سے زیادہ مذہب کے اُن عقاید باطلہ سے متاثر تھا جو باعث و محرک جنگ سمجھے جاتے تھے۔ اس تیسری جنگ کے بہادرون کو دیکھ دیکھکر بجاے عظمت و رفعت کے ایک قسم کی حیرت ہوتی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ تاریخی لوگ نہین ہین بلکہ بہادری و شجاعت کے کسی قصہ کہانی کے لوگ ہین اور اس کے نتیجہ پر اگر نظر کی جائے تو جہانتک فتح بیت المقدس سے تعلق ہے وہ بہت حقیر نظر آتا ہے۔ اس مین شک نہین کہ جو غایت اس مہم کی تھی وہ حاصل نہ ہوئی تاہم یہ ضرور ہوا کہ سلطنت لاطینی تباہی سے بچ گئی۔ اور فتوحات اسلام کی بڑھتی ہوئی موجین رک گئین

(بسلسلہ صفحۂ سابق) ساتھ ہمیشہ دوستانہ برتاؤ کرنے کے لیے آمادہ رہتے تھے شدت بخار کی حالت مین رچرڈ نے تسکین بخش میوہ جات منگولے اور صلاح الدین اسے برابر سیب اور ناشپاتیان اور تازگی بخش کوہستانی برف بھیجتا رہا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ملک العادل کو بادشاہ کی نازک حالت سے بہت صدمہ تھا اور رچرڈ ڈیویزیز دکرانیکان صفحات ۹۲-۸۸) بیمار بادشاہ کے خیمہ پر اسکے جانے کا ایک دلچسپ واقعہ یون بیان کرتا ہے:۔ "اسی اثنا مین اپنے معمول کے موافق ایک شخص سیف الدین نام بادشاہ سے ملنے کو آیا۔ یہ صلاح الدین کا بھائی نہایت خلیق و دانشمند اور ایک بڑا نامی سپاہی تھا۔ جسے بادشاہ کی فراخ حوصلگی اور فیاضی نے اپنی طرف مائل کر لیا تھا۔ جب بادشاہ کے ملازم کسی قدر کم مسرت کے ساتھ اس کا خیر مقدم کرتے اور اپنے آقا سے ملاقات کرنے کی اُسے اجازت نہ دیتے تو وہ کہتا کہ "مین دیکھتا ہون کہ تم لوگ نہایت رنج و محن کی حالت مین ہو۔ مین اسکی وجہ جانتا ہون میرا دوست تمھارا بادشاہ بیمار ہے اور یہی وجہ ہے جو تم مجھے اندر نہین جانے دیتے"۔ یہ کہکر اسکی آنکھون سے آنسو نکل آتے اور رو کر کہنے لگتا "اے عیسائیون کے خدا۔ اگر تو واقعی خدا ہے تو ایسے شخص کو تکلیف مین نہین رکھے گا اور جس کی اس قدر ضرورت ہے اتنی جلد نہین مارے گا"۔ مسٹر اسٹینلی لین پول اسکے بعد لکھتے ہین کہ "یہ افسوس کی بات ہے لیکن یقینی ہے کہ بادشاہ کی بیماری کے زمانہ مین ملک العادل کبھی یافہ مین نہین آیا"۔

[۱] عکہ مین جہاز پر سوار ہونے کے بعد رچرڈ نے ساحل ارض فلسطین کو جو نظر سے غائب ہوتا جاتا تھا پھر کے آخری نگاہ حسرت سے دیکھا اور دونون ہاتھ پھیلا کر کہنے لگا "اے سب سے زیادہ پاک سرزمین تجھے مین اُس قادر مطلق کے سپرد کرتا ہون کاش خداے جل وعلےٰ مجھے اتنی عمر دیتا کہ مین پھر واپس آتا اور تجھے بے دینون کے ہاتھ سے نجات دلاتا"۔ اس کا بیڑہ جس کے جہازون پر اسکی بی بی اور بہن سوار تھین پیشتر ہی روانہ ہو کے بخیر و عافیت جزیرہ صقلیہ پہونچا مگر وہ خود جس جہاز پر جداگانہ سوار ہو کر اپنے بیڑے کے پیچھے روانہ ہوا تھا وہ ایک مہینہ تک باد مخالف کے تھپیڑے کھانے کے بعد شہر کارفو مین پہونچا

اور عیسائی مملکت پھر اسی سال کے لیے گرداب فنا مین پڑنے سے محفوظ ہوگئی۔ سب سے بڑا نتیجہ جو ظاہر اس سے

(بسلسلہ نوٹ صفحہ ماسبق) یہان اس نے چند تاجرانہ جہاز کرایہ پر لیے اور گوسا اور زارہ کی راہ لی۔ تھوڑی ہی مسافت طے کی تھی کہ پھر طوفان سے سابقہ پڑا جس نے اسکے جہاز کو آسٹریا کے ساحل پر بادا کو ٹیلیہ اور وینس کے درمیان کسی جگہ پر پھینکا یہان اسکے لیے طرح طرح کے خدشے تھے۔ کانراڈ آف ٹائر کے خاندان والے کانراڈ کا قاتل سمجھتے تھے لہذا وہ اسکے دوست نہ تھے۔ بادشاہ فرانس اسکے بھائی جان سے ملا ہوا تھا۔ باربروسا کے بیٹے ہنری ہشتم کو جو شہنشاہ مغرب تھا اس سے اسلیے دشمنی تھی کہ وہ صقلیہ کے کانراڈ کا طرفدار ہوگیا تھا۔ تاہم معلوم ہوتا ہے کہ رچرڈ نے یہ خیال کیا کہ مین زائرون کا بھیس کرکے اور داڑھی بڑھا کر روانہ ہون گا تو ان سب خطرون سے بچ کے نکل جاؤن گا۔ قلعہ گورٹز (جو مینارڈ نامے کانراڈ کے ایک بھتیجے کے قبضے مین تھا) پہونچا تھا کہ سفر کی دشواریان کم کرنے کے لیے اپنے رفیق سفر بالڈون کو جو تھیبون کا رہنے والا تھا ایک یاقوت کی انگوٹھی دے کر مینارڈ کے پاس بھیجا کہ انگوٹھی اسکی نذر کرے اور یہ ظاہر کرکے کہ ہم لوگ زائرین ہین جو بیت المقدس سے واپس ہوکے اپنے گھر جا رہے ہین اپنے اور ہیوغ نام کے ایک سوداگر کے واسطے پروانہ راہداری حاصل کرے۔ مینارڈ نے اس لعل کو غور سے دیکھا اور سوچ کے کہا کہ ایسا جواہر تو صرف کسی بادشاہ کے پاس ہوسکتا ہے اور جس بادشاہ کا یہ جواہر ہے وہ انگلستان کے بادشاہ رچرڈ کے سوا اور کوئی نہین ہوسکتا۔ اس سے جاکے کہو کہ بلاتکلف میرے پاس چلا آئے اور کسی بات کا اندیشہ نہ کرے۔ رچرڈ نے اسکے اس وعدہ کا اعتبار نہین کیا اور راتون رات بھاگ کھڑا ہوا۔ بالڈون اور سات آدمی جو اسکے ساتھ سے رہگئے تھے گرفتار کر لیے گئے اور ضامن کی حیثیت سے حراست مین رکھے گئے۔ رچرڈ فریساش تک پہونچا تھا کہ اسکے چھ اور رفیق گرفتار ہوگئے۔ اگرچہ خود رچرڈ ایک نائٹ اور ایک لڑکے کو جو اس ملک کی زبان جانتا تھا ساتھ لے کر نکل گیا۔ شہر اربرگ مین جو ویانا کے قریب تھا اس نے لڑکے کو بازار بھیجا جس نے عام لوگون کے سامنے خرید و فروخت وغیرہ مین اسقدر زیادہ روپیہ صرف کیا کہ گرفتار کر لیا گیا اور جب اسپر زیادہ سختیان کی گئین تو اس نے اپنے آقا (یعنے رچرڈ) کا نام صاف طور پر قبول دیا۔ اب کیا تھا ایک مسلح فوج نے اس مکان کو جس مین رچرڈ تھا گھیر لیا مگر پھر بھی رچرڈ نے یہ کہا کہ سوائے تمھارے سردار کے مین اپنے تئین کسی اور کے سپرد نہ کرون گا۔ یہ سنتے ہی سردار فوج اسکے گرفتار کرنے کے لیے آپہونچا یہ سردار لیوپولڈ تھا جس کے دل مین غالباً یہ بات آئی ہوگی کہ انتقام کا مزہ اٹھالے اور رچرڈ نے ارض فلسطین مین جو کچھ اسکے ساتھ کیا تھا اس کا بدلہ لے لیکن ساٹھ ہزار پاونڈ لے کر وہ اس ارادہ سے باز آگیا اور رچرڈ ہنری ہشتم کے ایک قیدی کی حیثیت سے ٹائرولیس نامے ایک قصر مین بند کر دیا گیا جس پر سخت پہرا مقرر تھا۔

اسکی اسیری کا حال سن کر اسکی عام رعایا کو تو رنج ہوا لیکن اسکے بھائی جان اور فلپ آگسٹس بادشاہ فرانس کو بڑی خوشی ہوئی۔ جان نے تو تاج و تخت کا دعویٰ کیا اور لڑنے کو تیار ہوگیا لیکن ایک ہی شکست کھا کر مہلت جنگ منظور کر لی۔ فلپ نے نارمنڈی پر فوج کشی شروع کر دی مگر روئین تک پہونچ کر اس نے بھی فاش شکست کھائی۔

پیدا ہوا وہ اسکے عظیم الشان ہیرو کی فوجی شہرت تھی جس کا نام ایک صدی تک مشرق کے لیے ہوا سمجھا جاتا تھا

(نوٹ بسلسلہ صفحہ سابق) آخرکار شہر ایلائی کے اسقف اعظم اور انگلستان کے اعلےٰ عہدہ دار دربار ولیم لانگ چیمپ کو پتہ لگ گیا کہ رچرڈ کہان قید ہے یا جیسا کہ کہانیون مین بیان کیا گیا ہے خود اُسکے گویے بلانڈل نے پتہ لگایا۔ فوراً پوپ سے التجا کی گئی کہ درمیان مین پڑکر اُسے رہائی دلائین۔ شہر بلوا کے پطرس اور شہر باتھ کے مقتدائے دین نے پوپ قیلسٹائن ثالث کو جاکے یاد دلایا کہ رچرڈ ایسے حامی دین مسیحی کے اُسپر کیسے کیسے حقوق ہین۔ پطرس کے ذریعہ سے رچرڈ کی مان ایلینر نے بھی پوپ کو ایسے مضمون کا ایک خط بھیجا جس مین اپنی مامتا کے جوش مین وہ حد اعتدال سے بہت تجاوز کر گئی تھی۔ اسکی تحریر مین وہ جوش تھا جو الیجاہ نے احاب کے مقابل بتپسمہ دینے والے یوحنا نے شاہ ہیروڈ کے مقابل اور اسکندر ثالث نے اُس شہنشاہ کے باپ کے مقابل استعمال کیے تھے جس نے اپنی شرارت سے مسیحی دنیا کو آزار پہونچایا تھا۔ اس نے لکھا کہ ”ادنیٰ ادنیٰ باتون کے لیے آپ کے درباری وحشی سے وحشی ملکون مین بھیجے جاتے ہین مگر اس امر اہم کے واسطے آپ نے کسی سب ڈیکن یا اپنے کسی اور ماتحت کو بھی نہین مقرر کیا۔ اگر آپ خود بھی رچرڈ کی رہائی کے واسطے چلے جاتے تو آپ کے لیے کوئی کسر شان کی بات نہ تھی۔ او اللہ والے خدا۔ اگر تو سچ مچ اللہ والا ہے اور خون کا بنا ہوا پتلا نہین ہے تو میرے بیٹے کو مجھ سے ملا دے۔ اگر آپ نے غفلت کی تو اسکے خون کی بابت خدا آپ سے جواب طلب کریگا۔“ اسکے بعد اُس نے جو خطوط بھیجے اُن مین لکھا۔ ”آپ کی روح کو کیونکر قرار آتا ہے جبکہ آپ اپنے گلہ کی ایک بھیڑی کے بچانے مین اسقدر غافل ہین۔“ اسکے ساتھ یہ بھی لکھتی ہے کہ ”جس شخص کے حق مین ایک کلمۂ خیر زبان سے نکالنا یا ایک نقطہ لکھنا بھی آپ گوارا نہین کرتے وہ ایسا شخص ہے کہ آپ کو اُسکے لیے اپنی جان تک دیدینے پر آمادہ ہونا چاہیے۔“ سچ یہ ہے کہ پوپ قیلسٹائن کو خود ہی رچرڈ کے معاملہ مین بہت جوش تھا مگر مصلحت وقت دیکھکر وہ اس جوش کو اُس وقت تک ظاہر نہین کرنا چاہتا تھا جبتک کہ رچرڈ کو آزادی نصیب نہو جائے۔

آخرکار تقریباً چار مہینے کے بعد رچرڈ مقام ہینجنو مین کونسل کے سامنے پیش ہوا۔ ممکن تھا کہ اسیر بادشاہ یہ عذر کرتا کہ عدالت میرے مقدمہ کا فیصلہ کرنے کی لیاقت نہین رکھتی لیکن اُس نے ایسا نہین کیا بلکہ اُسپر جو الزامات لگائے گئے تھے اُنکے ایسے معقول جواب دیے کہ ججون کو اُسکی بیگناہی کا یقین آگیا۔ اور شہنشاہ مغرب اس بات پر راضی ہوگیا کہ کچھ روپیہ وصول کرکے اُسے چھوڑ دے روپیہ رعایا پر نئے نئے ٹیکس باندھکر فراہم کیا گیا مگر پھر بھی یہ خوف لگا رہا کہین ایسا نہو کہ جان اسکے بدستور گرفتار رکھنے کی رشوت مین اس سے زیادہ رقم دینے پر آمادہ ہوجائے۔ اس صاف دل اور معزز شہزادے (جان) نے ہنری ششم (شہنشاہ مغرب) کے پاس پیام بھیجا تھا کہ اگر رچرڈ نہ چھوڑا جائے گا تو مین اسکے زمانۂ گرفتاری بھر بیس ہزار پاونڈ ماہوار کے حساب سے ایک معتدبہ رقم آپ کو دیتا رہون گا لیکن جرمنی کے قلعہ دارون مین اب صبر کی تاب نہین باقی رہی تھی اور شہنشاہ نے خیال کیا کہ اب اس سے زیادہ زمانہ تک رچرڈ کو قید رکھنا خالی از وقت نہین ہے پس رچرڈ چھوڑ دیا گیا۔

بعضے یہ کہتے ہین کہ رچرڈ کو بلانڈل شاعر چھوڑا لے گیا تھا مگر یہ بات خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے۔ جب رچرڈ انگلستان مین پہونچا فوراً لشکر کی تیاری کا حکم دیا کہ جاکر فلپ بادشاہ فرانس کی گوشمالی کرے اسلیے کہ باوجود عہد و پیمان کرنے کے اس نے

حتیٰ کہ عورتین جب بچون کو ڈرانا چاہتین تو صرف یہ کہدیتین کہ وہ دیکھو رچرڈ آرہا ہے۔[۱]

(نوٹ بسلسلۂ صفحہ ماسبق) رچرڈ کی غیبت مین اُسکے ساتھ بدی کی۔ فرانس مین جا کر رچرڈ نے قلعہ سے لڑائی ڈالی۔ لڑتے لڑتے ایکمرتبہ قلعہ پر سے کسی شخص نے نشانہ تاک کر ایک تیر ایسا مارا کہ بادشاہ کا شانہ چھد گیا اور ایسا زخم کاری کھایا کہ بمجبوری خیمہ گاہ پر پھر آنا پڑا اور یہ حالت ہوگئی کہ لوگ اسکی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ قلعہ تو مفتوح ہو ہی چکا تھا۔ فوج انگریزی اندر داخل ہوئی اور جس شخص نے بادشاہ کو تیر مارا تھا گرفتار کر لیا گیا۔ اور قتل عام شروع ہوگیا۔ قلعے کے لوگون مین سب کو پکڑ پکڑ کر پھانسی دینے لگے۔ غرض جب وہ شور و ہنگامہ موقوف ہوا اور سبھون کے ہوش وحواس بجا ہوے۔ دیکھا تو بادشاہ کا بُرا حال ہے۔ جب رچرڈ نے دیکھا کہ مین بچتا نظر نہین آتا اپنے قاتل کو طلب کیا۔ لوگون نے پابہ زنجیر کرکے اسکو حاضر کیا۔ رچرڈ نے بغور اسکی طرف دیکھا۔ اس نے بھی اسی نگاہ سے بادشاہ کی طرف دیکھا۔ بادشاہ نے کہا او مکار مین نے تیرا کیا بگاڑا تھا کہ تو میری جان کے پیچھے پڑا۔ میری جان لینے سے تجھکو کیا حاصل ہوا۔ اس شخص نے جواب دیا میرا تو تو کیا بگاڑے گا مگر میرا باپ اور میرے دو بھائی تیرے ہاتھ سے مارے گئے ہین۔ مین تو اپنی جان سے ہاتھ دھوے ہوے بیٹھا ہون۔ مجھکو تو پھانسی ضرور ہی ہوگی جس طرح تیرا جی چاہے میری جان لے لیکن مین یہ خوب جانتا ہون کہ تیری جان بھی بچنے کی نہین جتنی چاہو مجھپر زیادتی کرو کچھ غم نہین۔ خلق اللہ کو تیرے ہاتھ سے نجات تو ملی۔ بادشاہ نے پھر غور سے سرتاپا اس نوجوان کو دیکھا۔ اس نے بھی پھر پہلے کی طرح بادشاہ کی طرف دیکھا۔ بادشاہ کو اس وقت کچھ یاد صلاح الدین سلطان ترک کی آئی اور خیال کیا کہ باوجودیکہ وہ مسلمان تھا نصرانی نہ تھا لیکن ایسا فیاض۔ ذی مروت اور صاحب اخلاق تھا کہ مرتے دم تک رچرڈ اُسے نہین بھولا اور اپنے قاتل سے کہنے لگا کہ خیر مین نے تیری خطا معاف کی اور اپنے ارکان دولت سے ایک کو حکم دیا کہ اسکی بیڑیان کٹوا دو اور پچاس روپیہ اسے دے کر رخصت کرو۔ بس یہ کہا اور بیہوش ہوگیا۔ آنکھون مین اندھیرا آنے لگا۔ ایک بیہوشی سی طاری ہوئی اور دم بند ہوگیا۔ بیالیس برس کی عمر مین دس برس سلطنت کرکے ۱۱۹۹ء مین اس نے قضا کی۔

رچرڈ کے کارنامون مین سب سے زیادہ نفرت انگیز اُن مسلمانون کا قتل ہے جو عکہ مین بطور ضمانت اسکے پاس موجود تھے۔ بہاؤالدین

اور راجر آف ہاوڈین نے اس قتل کی تاریخ ۲۰ راگست یوم سہ شنبہ بیان کی ہے لیکن شاہ رچرڈ کے روزنامچہ نگار نے ۱۶ راگست بیان کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "باستثناء چند معزز قیدیون کے جنھین شاید بعد مین رہا کر دیا جاتا یا عیسائی قیدیون سے مبادلہ کر لیا جاتا باقی تمام لوگون کے جو بطور یرغمال موجود تھے قتل کرنے کا حکم دیا گیا۔ بادشاہ رچرڈ نے جو ہمیشہ ترکون کو برباد کرنے۔ دین محمدی کو تباہ کرنے۔ مذہب عیسوی کی حمایت کرنے کا خواہشمند رہتا تھا عید استقبال دیکھنے وہ عید جو حضرت مریمؑ کے جنت میں جانے کی خوشی مین عیسائی کرتے ہین) کے بعد جمعہ کے دن حکم دیا کہ دو ہزار سات سو ترک جو رول مین ہین انھین شہر کے باہر بھیجا کر قتل کیا جائے اس حکم کی تعمیل مین کوئی تامل نہین کیا گیا اور بادشاہ کے ملازمین حکم شاہی کے بجالانے کے لیے دوڑ پڑے اور خدائے ارحم الرحمین کا شکر کرتے جاتے تھے کہ اُس نے اُن عیسائیون کا بدلہ لینے کا انھین موقع دیا جنھین انھین قیدیون نے تیرون اور منجنیقون سے قتل کیا تھا" (سٹر کاکس کی حروب صلیبیہ۔ ترجمہ تاریخ انگلستان حسب الحکم سید علی بلگرامی مرحوم۔ لین پول کی کتاب حیات صلاح الدین۔ روزنامچہ رچرڈ شیر دل)

[۱] سر جارج ڈبلو کاکس ایم اے اپنی کتاب حروب صلیبیہ (کروسیڈز) مین اس تیسری جنگ کے اختتام پر یہ لکھتے ہین کہ وہ اصل غرض

باب ششم

(محاربات چہارم وما بعد ۱۱۹۲ء لغایت ۱۲۹۱ء)

جنگہاے صلیبی کی شان وشوکت اب زوال پذیر ہونی شروع ہوئی۔ تاہم کچھ نہ کچھ جوش وخروش کبھی یہان ایک قوم مین کبھی وہان کسی دوسری قوم مین ایک عظیم الشان آگ کی دبی ہوئی چنگاریون کی طرح بھڑک اٹھتا نظر آجاتا تھا لیکن یہ آگ ایسی نہ تھی جو عالمگیر ہوتی اور تمام قلوب اس سے مشتعل ہوجاتے۔ جنگہاے صلیبی مین صرف پانچ محاربات کا تذکرہ اور باقی ہے جسے ہم مختصراً اس باب مین ختم کیے دیتے ہین۔ انکے مفصل حالات پر اگر نظر ڈالی جائے تو یکسان نظر آئین گے اس لیے اس مختصر سے بیان مین ناظرین کو سادے سو دے ایک سے حالات کم نظر آئین گے اور عدم دلچسپی کی زیادہ شکایت نہ کرنی پڑے گی۔ بہرحال ہماری کوشش یہ رہے گی کہ جہانتک ہوسکے ان محاربات کے صرف ممتاز واقعات کا ذکر کیا جائے۔

محاربۂ چہارم:- رچرڈ سے صلح[لہ] کرنے کے بعد سلطان صلاح الدین بہت دن زندہ نہین رہا۔ بائیس[۲۲] برس

(بسلسلۂ نوٹ صفحۂ ماسبق) حاصل ہونا تو در کنار لاپروائی کی بدولت بہت سے اچھے اچھے موقع جو ہاتھ آگئے تھے وہ بھی ضایع کردیے گئے ہان ذلت البتہ اسقدر نصیب ہوئی کہ پرجوش سے پرجوش مسیحیون کو بھی اس بات کا یقین ہوگیا کہ اب پھر اس بارہ مین کوشش کرنا سراسر حماقت ہی حماقت ہے۔ ساحل کی بہت سی زمین جس کی دونون حدون پر دو مفید شہر آباد تھے آئندہ کے واسطے میدان جنگ قرار پاسکتی تھی اور ان انھیدون کے مٹانے کی بہت کوشش کی گئی جن کا خیال سلطان صلاح الدین کو طبریہ اور بیت المقدس کی فتح کے بعد ہی سے پیدا ہوگیا تھا۔ جو زائرین صلح کے بعد زیارت بیت المقدس کو گئے انہین لبتپ آف سالسبری بھی تھا جو سلطان کا مہمان ہوا اور خود صلاح الدین کی زبان سے اس نے رچرڈ کی بہادری کی تعریفین سُنین مگر سپہ سالاری کی حیثیت سے اسکی تعریف صلاح الدین نے نہین کی۔ اس کے جواب مین مسیحی مہمان نے یہ کہا کہ ایسے دو نبرد آزما دنیا پھر نہین پیدا کرسکتی جیسے کہ سلطان شام (صلاح الدین) اور شاہ انگلستان (رچرڈ) ہین۔ (از حروب صلیبیہ مصنفۂ کاکس)۔

لہ تیسری صلیبی لڑائی اب ختم ہوگئی تھی پانچ سال کی حرب وپیکار کے بعد کچھ سکون ملا۔ جولائی ۱۱۸۷ء کے معرکۂ فتح حطین کے پہلے، جسے اکثر مورخ معرکۂ طبریہ کے نام سے یاد کرتے ہین نہر الاردون (جارڈن) کے غربی جانب فلسطین کی زمین ایک انچ بھی مسلمانون کے قبضے مین نہ تھی لیکن صلح رملہ کے بعد جو ستمبر ۱۱۹۲ء مین قرار پائی سب کی سب مین مسلمانون کے پاس آگئی اور عیسائیون کے ہاتھ مین صور (طائر) سے لے کر یافہ تک لمبا سا ساحل کا ٹکڑا رہگیا۔ صلاح الدین کو اس صلح سے شرمندہ ہونے کی کوئی وجہ تھی جو کچھ ملک صلیبیون نے فتح کیا تھا اسکا بہت زیادہ حصہ عیسائیون کے قبضہ مین بیشک باقی رہا لیکن اسکے لیے جو قیمت ادا کرنی پڑی اسکے مقابلہ مین نتیجہ بالکل بے حقیقت تھا۔ پاپاے روم کے اُبھارنے سے تمام عیسائی اُبھرے تھے شاہنشاہ جرمنی۔ بادشاہان انگلستان

مصر پر حکومت کر کے اور انیس ۱۹ سال ملک شام پر تنہا بادشاہت کرنے کے بعد ستاون ۵۷ سال کی عمر میں اسنے وفات پائی

(سلسلۂ نوٹ صفحہ ماسبق) فرانس وسقلیہ - لیوپولڈ امیر آسٹریا - نواب (ڈیوک) برگنڈی اور نواب (کاونٹ) فلانڈرس اور سیکڑوں مشہور امیر و بہادر نائٹ جو تمام قوموں میں سے انتخاب ہو کر جمع ہوے تھے بادشاہ و رہبان فلسطین و اخوان جمعیات کلیسین ضیاف الغربا کے ہمدم و شریک حال ہوے تھے تاکہ بلد مقدس کو مسلمانوں کے ہاتھ سے نکال لیں اور گئی گزری ہوئی سلطنت یروشلیم کو پھر قائم کر دیں۔ اور اسی کوشش میں شاہنشاہ کا انتقال ہو گیا بادشاہ اپنے اپنے وطن چلے گئے اور انکے شریف ترین اور راسخ تبعین کی لاشیں ارض مقدس میں زیر زمین دفن ہو گئیں لیکن یروشلیم جیوں کا تیوں صلاح الدین ہی کے قبضہ میں رہا اور اسکے محض خطابی بادشاہ کے پاس عکہ کی صرف ایک خفیف سی سلطنت باقی رہ گئی -

تمام ممالک عیسوی کی قوتوں نے حرب سوم کے موقع پر ایک جگہ مجتمع ہو کر کوشش کی لیکن صلاح الدین کی قوت کو کچھ صدمہ نہیں پہونچا سکیں۔ ممکن ہے کہ اسکے سپاہی اس طویل الایام سخت اور خطرناک نوکری کی ہر سال شکایت کرتے ہوں لیکن جب کبھی وہ انھیں جنگ کے لیے اور اس مہم میں جانیں قربان کرنے کو طلب کرتا تو وہ کبھی انکار نہ کرتے۔ ممکن ہے کہ اسکے باجگذار رئیس دور دراز وادیہاے دجلہ میں یہ شکایت کرتے ہوں کہ سلطان کو انکی ہر وقت ضرورت رہتی ہے لیکن وہ ہمیشہ اپنے ہمراہیوں کو لے کر جنگ کے موقعہ پر موجود ہو جایا کرتے اور ارسوف کے اخیر معرکہ کی جنگ میں یہ موصل ہی کے دستہ ہاے فوج تھے جنھوں نے اپنی شجاعت و مردانگی کا سکہ جمھا دیا۔ ان تمام تھکا دینے والی جنگوں میں صلاح الدین ہمیشہ اپنی مصری اور میسوپوٹیمیا کی فوج پر اسی قدر اعتبار کرتا جس قدر کہ شمالی اور وسطی سوریا کی فوج پر اسے بھروسا تھا۔ کرد۔ ترکمان۔ عرب۔ اور مصری سب کے سب مسلمان تھے اور جب وہ طلب کرتا تو فوراً لبیک کہکر حاضر ہو جاتے۔ باوجودیکہ انکی اقوام مختلف تھیں۔ قومی رشک بھی تھا اپنے اپنے قبیلہ کی غیرت بھی تھی لیکن اسکے علم کے تلے سب کے سب متحد اور ایک فوج بنے ہوے تھے۔ اسمیں شک نہیں کہ اس کوشش میں اس کو بہت دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور دو تین مرتبہ تو واقعی حالت نازک ہو گئی تھی۔ لیکن اگر یافہ کے موقعہ جنگ سے انکے انکار کو قطع نظر کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۱۹۲ء کے موسم خزاں میں وہ سلطان کی سرکردگی میں اسی طرح کی ایک متحد فوج تھے جیسے کہ اُس وقت تھے جبکہ سنہ ۱۱۸۷ء میں خدا کی راہ میں جنگ کرنے کے لیے اس نے انھیں بلایا تھا۔ ایک صوبہ بھی اتنی مدت میں اسکے ہاتھ سے نہیں نکلا اور ایک افسر یا رئیس نے بھی بغاوت نہیں کی گو کہ جس قدر ان سے کام لیا جاتا تھا اور جن جن طریقوں سے انکی وفاداری اور تحمل کا امتحان کیا جاتا تھا وہ ایسے تھے کہ دیوزادوں کی طاقت کو بھی پانی کر دیتے۔ خود اپنے قبیلہ کی ایک شہزادی کی خفیف سی سرتابی جو میسوپوٹیمیا میں وقوع میں آئی تھی اور جسے سلطان نے مجبوراً معاف کر دیا اس بات کی تنہا دلیل ہے کہ صلاح الدین کا کس قدر قوی اثر اپنی رعایا پر تھا۔ جب کہ اس پنج سالہ جنگ کی تکالیف اور دقتیں ختم ہو گئیں اس وقت بھی وہ کردستان سے لے کر صحراے لیبیا (Libya) تک پھیلے ہوے ممالک کا تنہا حاکم تھا اور اس سرحد سے بہت دور دور بادشاہ و والیان ملک مثلاً شاہ گرجستان۔ شاہ ارمن۔ سلطان قونیہ اور شاہنشاہ قسطنطنیہ اس بات کے خواہشمند تھے کہ

قیمت سالانہ قسم اول ۵ر　　　قیمت سالانہ قسم دوم ۴ر

الناظر

نمبر ۴۶ جلد ۸　　　یکم اپریل سنہ ۱۹۱۳ء

نذر عقیدت	ایڈیٹر	
امید (نظم)	ہز اکسلنسی یمین السلطنۃ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر شاد	
تمدن عرب مصنفۂ موسیو سیدیو	مولوی عبدالغفور	۱
سعدی از دست خویشتن فریاد (نظم)	مولانا حسن مرتضیٰ شفق عمادپوری	۷
علم الاخلاق	مسٹر ظفر حسن خان	۸
سادہ خط (نظم)	سید کلب احمد باقی جائسی	۲۱
الاعلال بالیلیلت	مولانا سید علی حیدر طباطبائی	۲۳
فغان دل (نظم)	سید محمد جعفر قدسی جائسی	۲۵
تمہیدی فیضان	خان بہادر مرزا سلطان احمد	۲۶
ایک افسردۂ محبت سے خطاب (نظم)	منشی رشید احمد رشید تھانوی	۳۱
...ان کی اسلامی تاریخ پر ایک مفصل ... نمبر ۲	"نقش سنی"	۳۳
	سید موسیٰ حسین اختر جلال آبادی	۴۲
	...حیدر جوش (علیگ)	۴۵
		۵۴
...ی	میر محمد حسن	۵۵
... ذوالقوافی لاارلعبہ	سید علی احسن	۵۹
...ن پر ریویو		۶۰
...ات	...سفیر، توفیق وعرشی	۶۲
...بیات مطب	مولوی معشوق حسین خان بی اے (علیگ)	۱۰۵-۱۲۰

...قسم اول ۵ر　　　فی پرچہ قسم دوم ۴ر

اطلاع۔ ڈاکٹر ایس۔ کے برمن کی خوبصورت تصویردار کافوری جنتری سنہ ۱۹۱۳ع کی متفرق جگہہ کے دس شریف اور پڑھے لکھے آدمیون کا نام اور پورا پتہ لکھنے پر بلا قیمت و محصول بھیجی جاتی ہے۔

روغن پیپرمنٹ اصلی

پیٹ کا درد۔ بدہضمی۔ اور ریاح میں بہت مشہور دوا ہے یہ امریکہ سے منگوایا جاتا ہے ولایتی پیپرمنٹ سے کہین بہتر اور مفید ہے قیمت فی شیشی آدھ اونس دس آنہ (۱۰؍) محصول ڈاک وغیرہ ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ (۵؍)

عرق پودینہ اصلی

ہر ایک بچہ دار کو یہ گھر مین رکھنا چاہیے یہ عرق پودینہ کی ہری پتیون سے بنایا گیا ہے اسکا رنگ بھی اصل پتی کے ہے اور خوشبو بھی دیتا ہے ڈاکٹر برمن کے اصول سے ولایت کے نامی دوا فروش نے بنایا ہے پیٹ پھولنا ڈکار آنا بدہضمی پیٹ درد متلی یہ سب ہیضہ کی علامت دور کرتی ہے قیمت ۸؍ خرچ ۵؍

ارے دوڑو جلدی دوڑو
جیسے بنے ڈاکٹر برمن کا عرق کافور لے آؤ

جب کسی کو ہیضہ ہوتا ہے اسکے گھر مین ایسی ہی پکار مچ جاتی ہے اور گھبرا کر یہی کہتے ہین اگر پہلے ہی سوچو تو یہ تکلیف کیون اُٹھانا پڑے کیون نہین ایک شیشی عرق کافور کی لے کر گھر مین دھرے رکھتے ہو۔

یہ اصلی کافور ۲۹ برس سے مشہور اور تجربہ کی ہوئی ہیضہ کی انمول دوا ہے گرمی کے دست پیٹ کا درد مروڑ اور متلی کے لیے اکسیر کا اثر رکھتی ہے قیمت فی شیشی ۴؍ محصول ڈاک ایک شیشی سے ۴ تک ۵؍

جلاب کی گولیان

رات کو سوتے وقت دو گولی کھا لینے سے صبح اجابت صاف ہوگی پیٹ مین درد مروڑ کچھ نہین ہوگی حسب معمول نہانے کھانے پینے مین کوئی ممانعت نہین ہے یہ گولیان کل مین بنتی ہین۔ وزن مین سب برابر ہین۔ قیمت ۱۶ گولی کی ڈبیہ ۵؍ خرچ ایک سے چھ تک ۵؍

درد سر اور ریاحی درد کی دوا

ریاحی درد لحظہ مین پہاڑ ہو جاتا ہے اور یہ دوا لحظہ مین درد کو دور کر دیتا ہے درد ریاح جیسے ٹیس چلک ٹپک رگون مین لہر ٹیس کنکنی سی جو کہین ہو اُس سے دور ہوتی ہے اور نیم سر درد کو بھی دور کرتی ہے قیمت ۱۲ آنہ کی شیشی ۶؍ محصول ڈاک ایک سے چھ شیشی تک ۵؍

ڈاکٹر ایس۔ کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

نذرِ عقیدت

یون تو مرا نجم بخت اوج پہ مدت سے تھا — آج ہوا ہے مگر نقطۂ وسط السما

جب الناظر جاری کیا گیا ہے تو یہ کبھی وہم و گمان مین بھی نہین آسکتا تھا کہ باین بے بضاعتی و بے مایگی ہمارے مساعی اس درجہ سرسبز و بار آور ہون گے کہ چند سال کے بعد ہی ہزاکسلنسی یمین السلطنتہ مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر جی۔سی۔آئی۔ای پیشکار حضور نظام خلد اللہ ملکہ وحشمتہ کے سے علم دوست اور سخن سنج رئیس کے آستانۂ دولت پر الناظر کو فخر جبین سائی نصیب ہوگا۔لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حال ہی مین ہمین یہ قابل فخر عزت بغیر کسی قسم کی تحریک و کوشش کے حاصل ہوگئی ہے۔جسے ہم محض تائید ایزدی سے تعبیر کر سکتے ہین۔

یقیناً ہمارے تمام مخلص دوستون کے لیے یہ خبر نہایت مسرت انگیز اور محظوظ کن ہوگی کہ ہزاکسلنسی مہاراجہ پیشکار بہادر نے ہماری ناچیز خدمات کے اعتراف مین اپنی ایک نہایت ہی لطیف و پاکیزہ نظم بھی مرحمت فرمائی ہے (جو صفحات ذیل کی زینت افزائی کے لیے دلی عقیدت و تشکر کے ساتھ درج کی جاتی ہے) اور آئندہ کے لیے اس سلسلہ کو قائم رکھنے کا وعدہ فرما کر تو ہزاکسلنسی نے ہمین خاص طور پر گرویدۂ احسان بنا لیا ہے۔

عالی جناب مہاراجہ صاحب بہادر کو ادب اُردو سے جو گہری دلچسپی ہے اُس سے ملک کے تمام اصحاب نظر پوری طرح واقف ہین۔اور جو حضرات رقعات شاد۔چنچل ناز اور ہزاکسلنسی کے کلام بلاغت نظام سے وقتاً فوقتاً کام آشنا ہونے کی عزت حاصل کر چکے ہین۔وہ جناب موصوف کے ذوق انشا پردازی اور کمال قادر الکلامی کا صحیح اندازہ کر سکتے ہین۔

ہم جناب مہاراجہ صاحب بہادر کی اس ذرہ نوازی اور قدردانی پر نہایت خلوص اور جوش سے اظہار تشکر و امتنان کرتے ہین۔اور ہمین امید ہے کہ جملہ ناظرین و بہی خواہان الناظر اس "نذر عقیدت" مین ہمارے ہم آہنگ ہو کر تحسین و آفرین کے نعرے بلند کرینگے۔

ارادت کیش

اسحٰق علی (ظفر الملک) علوی ایڈیٹر الناظر

اُمید

کہتے ہین اُمید جسکو دل کی وہ محبوب ہے — سب کی یہ مطلوب ہے اور سب کو یہ مرغوب ہے
شاد دل کو کرنیوالی ہے جہان کی یہ اُمید — گدگدانے والی ہے شوقِ نہان کی یہ اُمید
بیکسی کی آشنا ہے اور خلوت کی رفیق — اور معذوری و مجبوری کی ہے مشفق شفیق
مزرعِ دل مین جہان کے اسنے بویا تخم ہے — اور سب طفل و جوان بوڑھے کی جان کا تخم ہے
چترِ شاہی کی تمنا اور فقیری کا مزا — کفر و ایمان کا خیال اور دل مین پھر خوف و رجا
ایک پل مین رونیوالون کو ہنسا دیتی ہے یہ — ہنسنے والون کو رُلا کر پھر لٹا دیتی ہے یہ
بول بالا ہے اسی کے دم سے ہر اک بات کا — نام باقی ہے اسی سے ساری موجودات کا
فتح کی تلوار ہے مردِ سپاہی کے لیے — تاج و طرّہ ہے یہی تو بادشاہی کے لیے
عاقلون کو اسکا دامن دامن مقصود ہے — ذات اسکی جاہلون کے واسطے معبود ہے
گرچہ طفلون کے لیے بازیچۂ اطفال ہے — ہان جوانون کے لیے یہ تاجِ با اقبال ہے
اور ضعیفون کے سہارے کے لیے ہے یہ عصا — عارفون کے واسطے ہے دل کا یہ ہی مدعا
قدردان ہین انبیا بھی اولیا بھی مستدام — اسکی عزت کرتے ہین لاریب سارے خاص و عام
تیرے قربان تیرے صدقے اے مری پیاری امید — دم قدم سے تیرے ہی ہے دل کی دلداری امید
یاد آئی جب تری ہر ایک کا دل خوش ہوا — ناامیدی جب ہوی تجھ سے تو پھر رویا کیا

جب خیال آیا ترا ہمت کو بھی طاقت ہوی ورنہ کیا تھا دل کی حسرت اور بھی کچھ بڑھ گئی
نام کے لینے سے تیرے کھل گئی دل کی کلی اور جو مایوسی ہوی پھر کھل کے وہ مرجھا گئی
بزم تنہائی کی تو ہی مونس و غمخوار ہے صرف استقلال تیرے واسطے درکار ہے
اے امید اتنا بتا تو کون ہے بھر خدا دل ہی تیرا ہے مکان یا اور ہے اسکے سوا
یاد آتی ہی نہین ناکامیان گزری ہوی خیر مقدم کیجیے تیرا سوجھتی ہے بس یہی
ہاے وہ حسرت بھری گزری ہوی ناکامیان محو کیونکر ہو گئین کچھ ہو نہین سکتا بیان
زندگی دھوکے مین گزری کچھ نہین اسکا خیال چند لمحون کی خوشی ہے اور ہمیشہ کا وبال
اچھے اچھون کا مگر ہان امتحان کرتی ہی تو پاس اس مین جو ہو اسکو کامران کرتی ہی تو
راہ مقصد کی مگر ہان تو ہے خضر راہبر جس نے تجھسے منھ کو پھیرا اسکو بیتیک ہے خطر
تیرا دامن جس نے پکڑا اسکو بس عزت ملی جس نے چھوڑا تیرا دامن اسکو بس ذلت ملی
جو کوئی پس پس کے تیری آنکھ کا سرمہ بنا وہ ہی منظور نظر سارے جہان کا ہو گیا
خاک ہے تیری گلی کی سرمۂ چشم وفا ہے غبار عرصۂ حشر انکو جو ہین پر جفا
حاکمون کو جاہ کر دیتی ہے تیری سرفراز گرچہ تیری ذات مستغنی ہے اور ہے بے نیاز
دافگارون کے لیے ہے ایک تو ہی چارہ گر دردمندون کے لیے ہے مرہم درد جگر
دوڑ جاتی ہے رگون مین سیر کرتی ہے تو کل وجود چار عنصر کی خبر لاتی ہے تو
عاشقون کے واسطے ہے تو ہی شمع انجمن تجھ سے ہی سرسبز ہین انکے دلونکے سب چمن
مثل یوسف ایک تو ہے اور گاہک بیشمار ہے مثل مشہور جیسے صد مریض و یک انار
گو کہ تو رہتی ہے چھپکر ہر کسی کے دل مین ہے ہان مگر لیلا ہی تو مجنون کے پیراہن مین ہے
اس طرح تو آب بن کر دانہ انگور مین ہے جس طرح سے عکس زلف دلربا ساغر مین ہے

دیکھنے کو ایک قطرہ بھی نہین ہستی تری　　　اوج پر ہے چرخ کے مانند یہ پستی تری

آسمان پر بنگئی ہے تو گھٹا چھائی ہوی　　　قعر دریا مین گہر کی آبرو پائی ہوی

دلربا ہے نغمہ تیرا جانفزا تیری صدا　　　شاد رکھے اے امید باوفا تجھکو خدا

نور ہے آنکھون کا سب کی ورد دل کا ہے سرور　　　مردم دیدہ ہے انسان کی ہے یا جنت کی حور

اُسکے دل سے کوئی پوچھے قدر تیری اے امید　　　جانتا ہے جو شب فرقت کو اپنی روز عید

ہے دلون کی منزلون مین سب جگہ رکھی ہوی　　　پڑ رہی ہے چار سو عالم مین تیری روشنی

پیاری صورت والی ہے تو موہنی مورت ہے تو　　　جو کہ ہین اہل نظر اُنکے لیے حیرت ہے تو

جسکے دل مین بس گئی تو نور اک چمکا گئی　　　یاس کی دیکھی جھلک جس نے اندھیری چھا گئی

آنکھ سے فرط خوشی مین اشک نکلا کرتے ہین　　　حسرتین چلاتی ہین دل مین کہ بس ہم مرتے ہین

ہر طرح سے گو کہ خوش آیند ہے دل کی امید　　　زندگانی کو کرون کیا تو ہی کہہ میری امید

عمر ہے تھوڑی بشر کی عمر تیری ہے دراز　　　تو ہی کچھ تدبیر بتلا مہربان و دل نواز

تو نے دل مین حشر گویا اور برپا کر دیا　　　آخرت کا اسمین کھٹکا ہائے پیدا کر دیا

گو مہیا ہر طرف سے عیش کے سامان ہین　　　ولے حسرت وہی دن کہ ہم یہان مہمان ہین

آرزوئین روز افزون ہوتی جاتی ہین مگر　　　یان کسی کو روز فردا کی نہین اصلا خبر

تو تو بیشک شکل اپنی رات دن دکھلائیگی　　　کیا خبر ہے زندگانی کل کہان لیجائے گی

بیکسی پر بیکسون کے گرچہ تو تو رو گئی　　　ناامیدی کی سیاہی دل سے بیشک دھو گئی

ہان مگر ہے دل پہ ہیبت موت کی چھائی ہوی　　　زندگی انسان کی ہے اک موج لہرائی ہوی

ناامیدی کفر ہے لاتقنطوا کو یاد کر
شاد خوش ہو دل کے ویرانے کو پھر آباد کر

الناظر

نمبر ۴۶ جلد ۸ — یکم اپریل سنہ ۱۹۱۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمدن عرب مصنفۂ موسیو سدیو

گذشتہ نومبر مین جب ہم نے شفیقی مولوی عبدالحق بی اے کا وہ گران مایہ مضمون نذر ناظرین کیا ہے جو علامۂ بلگرامی کی کتاب تمدن ہند کے ساتھ مقدمہ کی صورت مین شایع ہوگا تو جس مقام پر مولانا نے مولوی سید علی کے تراجم شمار کراتے ہوے موسیو سدیو کی کتاب کا ذکر کیا وہان ہم نے فٹ نوٹ کے ذریعہ سے ناظرین الناظر کو یہ خوشخبری سُنائی تھی کہ وہ جلد اس سے مستفید ہوسکین گے۔ آج ہم اس کتاب کا دیباچہ یا مقدمہ درج ذیل کرتے ہین۔

عربی مین جو خلاصہ اس کتاب کا شایع ہوا تھا جس کا تذکرہ مولوی عبدالحق صاحب نے کیا ہے اسکو ایک بزرگ نے اردو مین ترجمہ کردیا ہے اور اگر علامۂ بلگرامی کے ترجمہ کی اشاعت نہوسکی تو پھر اسی خلاصہ کا ترجمہ (جو ہمارے پاس موجود ہے) شایع کردیا جائے گا۔ اس عرصہ مین ناظرین الناظر کو کبھی کبھی اسکے بعض حصص سے لذت شناس ہونے کا موقع ملے گا۔

مقدمہ مصنف

بیس پچیس سال سے میرا یہ دستور رہوگیا ہے کہ مین ہمیشہ عربون کے اُن وسیع علوم اور ترقی یافتہ فنون کا ذکر کیا کرتا ہون جو انھون نے موجودہ اہل فرانس کی دولت سے پہلے اور شہر سکندریہ واقع مصر کے یونانیون کے بعد قرون متوسطہ مین حاصل کیے تھے۔ اب مین نے یہ مناسب تصور کیا ہے کہ مین اُس قوم کے حالات جو فرانسیسیون کے نزدیک مدت ہاے دراز سے حقیر و ذلیل سمجھی جاتی ہے اجمالاً بیان کردون۔ اور جو دوسرون نے اُنکے حالات لکھے ہین

ترتیب اپنے جمع کیے ہوے واقعات کو اُن سے مقابلہ کرکے دکھا دون۔ تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ مین ہی وہ شخص ہون جس نے اخبار عرب کی تاریخ سب سے اول لکھی ہے۔ ہان یہ بات تو بیشک صحیح ہے کہ یہ بڑا وسیع میدان ہے۔ اور ایک شخص واحد کی طاقت سے یہ بات کہین بڑھکر ہے۔ کہ اُنکی تاریخ پوری پوری لکھ سکے۔

قبل اس کے کہ اصل مقصد کو شروع کیا جائے وہ باتین ہمین بیان کر دینا لازم ہین جن سے ناظرین کو قوم عرب کا علو شان اور عظمت و جلال معلوم ہو جائے جس نے دوسرے ملکون کو فتح کیا تھا حالانکہ کوئی دوسرا شخص اُسکے ملک پر کبھی قابض و دخیل نہوا۔ اور جو چار ہزار برس سے اخلاق جمیلہ اور عوائد جلیلہ سے متصف چلی آتی ہے۔

جس زمانہ مین کہ دنیا مین سب سے اول حکومتین پیدا ہوئین اُس زمانہ مین یہ قوم عرب اپنے امور مملکت کی خود مختار اور منتظم تھی۔ اور اپنے پاس پڑوس کی قومون پر تاخت و تاراج کے واسطے موجود و تیار رہتی۔ چنانچہ سنہ عیسوی سے اُنیس سو برس قبل عربون نے ملک مصر اور بابل پر قبضہ حاصل کر لیا تھا۔ پھر اُنکے ہاتھون سے ان بلاد اجنبیہ کی حکومت نکل گئی۔ اور اُنکی سطوت و شوکت صرف بلاد عرب مین ہی محدود رہ گئی پھر اُسکے بعد وہ فراعنہ مصر اور ملوک عراق سے لڑتے بھڑتے رہے اور کیروش فارس کے بادشاہ اور سکندر یونانی سے اپنے آپ کو بچاے رہے اور جب رومانیون نے قدیمی دنیا پر قبضہ کیا ہے تب بھی یہ قوم خود مختار بنی رہی۔

پھر نبی صلعم کا ظہور ہوا۔ تب آپ نے تمام قبائل جزیرۃ العرب کے درمیان علاقۂ اتحاد و مودت اور رشتۂ اخوت پیدا کر دیا۔ اور اونکے خیالات و افکار مین ایک ہی خواہش اور مقصد ڈالدیا۔ اس سے اُن کا درجہ بڑھ گیا۔ اور اُنکی سلطنت دریاے تاج سے لے کر دریاے گنگ تک پھیل گئی۔ علوم و فنون۔ تمدن و تہذیب کا نور تمام مشارق و مغارب مین اپنا جلوہ دکھانے لگا حالانکہ ان قرون متوسطہ مین اہل یورپ جہالت کی ظلمت مین پھنسے ہوے تھے اور یونان و روم کی جو باتین اُنھون نے سُنی تھین اُنھین بالکل نسیاً منسیا کر بیٹھے تھے۔

اس زمانہ مین عباسیون نے بغداد مین اور امویون نے قرطبہ مین اور فاطمیہ خاندان والون نے قاہرہ مین ترقی علوم و فنون مین کوشش کی تھی۔ پھر اُنکی حکومتین جاتی رہین۔ شوکت حکمرانی بالکل مفقود ہو گئی۔ اُنکے ہاتھ مین فقط دینی اقتدار اور شرعی حکومت باقی رہ گئی۔ جسے اُنکے ملک مین چارون طرف لوگ مانتے تھے۔

پھر جب اُنھین اسپین کے نصاریٰ نے اسپین سے نکالا تو اُنکے علوم و فنون صنائع و بدائع اُنکی ایجادات کو اُن سے سیکھ لیا۔ ایسے ہی جب ترک اور مغل ممالک ایشیا پر غالب ہو گئے تو اونھون نے بھی ان عربون سے کسب معارف و علوم کیا۔ اور اُن کو اپنے پاس نوکر رکھا۔

پھر جب عرب لوٹ کر اپنے جزیرۃ العرب مین ہی محصور ہوگئے۔ اور افریقیہ کے صحراؤن مین جا پڑے۔ تو اُنھون نے پھر وہی بدوی زندگی اختیار کرلی اور وہان خود مختار اور بالاستقلال بسراوقات کرنے لگے۔

پھر دولت عثمانیہ نے اُنھین اطاعت وانقیاد پر مجبور کیا۔ اُن پر ظلم وتعدی کرنے لگے جس سے اُنھون نے اطاعت اختیار کرلی۔ مگر فرصت وموقع کے منتظر رہے۔ چنانچہ وہابیون نے اس اُنیسوین صدی عیسوی کے آغاز مین موقع پاکر غیرون کے تسلط سے امت عربیہ کی گردن آزاد کرنا چاہی۔ مگر اُنھین کامیابی نصیب نہوئی۔ لیکن پھر بھی وہ اپنے امرا کے اشارہ سے عصیان وبغاوت کے لیے مستعد رہتے ہین۔ اگر وہ چاہین تو مراکش اور ٹونس دونون ایسے مقام ہین جہان اُنھین اپنے مقصد مین کامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔ ایسا ہی الجزائر کی عملداری کا حال ہے جہان آجکل اہل فرانس کی حکومت ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے رؤسا کی اطاعت کے واسطے غایت درجہ کے مستعد ہین اور اونکے اشارہ سے سب کچھ کرسکتے ہین۔

فرانسیسی مورخون مین کتنے ہی تو پوکوک (Pococke) اور شولنس (Shullens) وغیرہ کی طرح ایسے ہین جنھون نے اُنھین حالات پر اکتفا کیا ہے جو قبل از اسلام اُنکے گزرے ہین۔ اور کتنے ہی ایسے ہین جنھون نے فقط سیرت نبوی اور مطالب قرآن شریف پر ہی قناعت کی ہے۔ اور بعض نے مس (Mills) کی طرح اقوام ترک وتاتار کی تاریخ اور کچھ مختصر حالات خلفاے مشرق ومغرب کے لکھکر چھوڑ دیے ہین اور کسی کسی نے کونڈ (Conde) کی طرح اسپین کے عربون کی تاریخ لکھی ہے۔ اور بعض نے ایسا بھی کیا ہے کہ عرب کی تمام تاریخ لکھنے کا ارادہ بھی کیا ہے مگر اُسے ناتمام چھوڑ دیا ہے۔ جیسے اکلہ (Ockle) نے ۱۸۵۰ء تک اور ماریِنی (Marigny) اور ڈیسوجرس (Desvergers) نے ۱۸۵۸ء تک تاریخ لکھکر رہنے دی ہے۔ اور ایسے ہی ویل (Wiel) نے بھی اپنی تاریخ پوری نہین کی ہے۔

غرضکہ علماے فرانس ایسے بہت گزرے ہین جنھون نے عربون کے تمام ممالک مفتوحہ ومقبوضہ کے حالات لکھدیے ہین۔ اور ہمارے واسطے ایشیا افریقہ اور یورپ کے ملکون کا تاریخی مواد چھوڑ گئے ہین جس سے ہم نے ملخص کرکے اپنی یہ تمام تاریخ مدون کی ہے۔ خصوصاً ہم کو اُس کتاب سے بہت ہی بڑا فائدہ ہوا ہے جو ہمارے شاگرد اور قدیمی دوست گستاو ہبرڈ (Gustave Hukbard) نے لکھی ہے۔ ہم کو اُس کی اول تاریخ سے جو اُس نے ۱۸۵۲ء مین چھپوائی ہے اس ملخص کے تیار کرنے مین بڑی آسانی ہوئی ہے۔ اس کتاب مین اُس نے اُن جماعتون اور سوسائٹیون کا حال لکھا ہے جو آپس مین ایک دوسرے کی معاونت کرین۔ اور جن لوگون پر

زمانہ کے مصائب نے اثر کیا ہے اُنکے تدارک کی تدابیر سوچین۔

ابھی تک تاریخ عرب کا اصلی مواد ہمارے لیے کنوز مخفی کی طرح ہم سے پوشیدہ رہا ہے کیونکہ ہم لوگ یعنے (اہل فرانس) اگرچہ تواریخ ابو الفدا و ابو الفرج والماسین نصرانی (جسے مشرق والے ابن العمید کے نام سے پکارتے ہین) کی حقیقت سے واقف ہوگئے ہین۔ تاہم ابھی تک ہمارے پاس ابن خلدون مقریزی ابن الاثیر اور اور بہت سے مورخین عرب اور فارس کی تاریخون کے ٹکرون کے ترجمہ موجود ہین۔ اس طرح پر شاید ہم نے کل تاریخ کا اپنی فرانسیسی زبان مین ترجمہ کرلیا ہے۔

گو باوجود اسکے جو مواد ہمارے پاس ہے وہ اسکے لیے کافی ہے کہ ہم جھوٹی حکایتون کو معلوم کرلین اور جو سچ اور حق ہے اُسے اُسمین سے نکال لین۔ بلکہ اُس سے ہمین یہ بھی قدرت حاصل ہے کہ ہم نبی صلعم کی حقیقت کو دریافت کرلین۔ اور اُن فریبون کے پھندے مین نہ پھنس جائین جس کی مصنفین تواریخ نے عادت ڈال لی ہے وہ نبی کریم کے خلق باطنی کو چھپا ڈالتے ہین۔ چنانچہ کوئی تو کہتا ہے کہ "وہ ایک مجذوب اور حیلہ گر اور طماع شخص تھے اور غیب کی باتین اتنی بیان کرتے تھے کہ اُنکا حصر نہین ہوسکتا ہے۔" اور کوئی بیان کرتا ہے کہ "وہ ایک عجیب طبیعت کے انسان تھے جن کا نظیر دیکھنے سُننے مین نہین آیا اور اُن نادر الوجود شخصون مین سے تھے جنھین اللہ تعالی کبھی کبھی دنیا کی اصلاح کے واسطے بھیجا کرتا ہے۔" لیکن یہ دونون قول قابل التفات نہین بلکہ فراموش کردینے کے لائق ہین۔

البتہ آنحضرت کی نسبت علامہ اولسنر (olsner) کا قول قابل اعتبار ہے جس نے رسول اللہ صلعم کی اور نیز جہان جہان ملکون مین دین اسلام پھیلا ہے وہان اُسکی حکومت اور اثر کی حقیقت دریافت کری ہے اور اپنے تذکرہ مین اُسکا حال سنہ ۱۸۰۹ء مین بیان کیا ہے۔ جس کو اپنی امید کے موافق ہونے کی وجہ سے اُس طبقہ کے علما نے قبول کیا ہے۔ جو آثار قدیمہ اور علوم ادبیہ کے کتبون اور عنوانون کا کام کیا کرتے ہین۔

اب رہی تاریخ خلفاے راشدین اور دمشق اور قرطبہ کے خاندان اموی کی اور بغداد کے عباسیون اور مصر کے فاطمیون کی اور ممالک اسلامیہ مشرقیہ کی تمزیق و تفریق کی جس پر ترکون اور مغلون نے تاخت کی تھی سو اُسے اہل فرانس نے بہت اچھی طرح سے لکھا ہے۔ اور جو کچھ اصول اُسکے اُن سے رہ گئے تھے وہ اب ہم نے اُسمین اضافہ کردیے ہین یعنی تمدن عربی کا حال اُسمین بڑھا دیا ہے جس کے اصول قدیمی دنیا مین بہت ہی مضبوطی کے ساتھ جم گئے تھے اور اب بھی جب ہم اپنی معلومات یورپی کے مبادی سے بحث کرتے ہین تو ہمیشہ اُس وقت تمدن عرب کے اُسمین آثار پاتے ہین۔

کیونکہ اہل عرب آٹھوین صدی عیسوی کے اخیر مین حمیت حربیہ اور جوش سپاہگری کو کھو بیٹھے تھے تحصیل علوم کے شوق مین لگ گئے تھے جس سے بہت جلد قرطبہ طلیلہ قاہرہ فاس مراکش رقہ اصفہان سمرقند علوم و معارف مین بغداد کے ہم پلہ ہوگئے تھے - یونانی کتابون کے عربی ترجمہ مدارس اسلامی مین پڑھائے جانے لگے تھے - اس وقت عرب اُن تمام علوم و فنون مین مصروف و مشغول ہوگئے تھے جنکو افہام بشریہ نے پیدا کرلیا تھا - اُنھون نے اکثر ملکون مین خصوصاً یورپ کے نصرانی ملکون مین وہ نئی نئی ایجادین شایع و ذائع کردی تھین جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علوم و فنون مین ہمارے پیشوا اور امام ہین -

انکے علو شان اور عظمت و جلال کی جسے اہل فرانس مدت ہاے دراز سے فراموش کرچکے ہین ہمارے پاس دو قسم کی شہادتین موجود ہین - اُن مین سے اول تو وہ قرون متوسطہ کی تواریخ اور سفرنامہ ہین اور نیز مقامات و امکنہ اور بڑے بڑے لوگون کے قوامیس اور مجموعہ ہین جن مین کثرت سے فنون فاخرہ کا ذکر ہے - دوسرے اُنکے مصنوعات فائقہ اور مبانی فاخرہ ہین اور فنون مین بڑے بڑے اکتشافات و ایجادات ہین اور اُنکی کوششون کے وہ نتائج ہین جن سے علوم طب تاریخ طبعی اور کیمیاے صحیحہ فلاحت اور علوم صحیحہ کے دائرہ کو توسیع ہوئی ہے - اور جن مین وہ خوشی خوشی نوین صدی عیسوی سے پندرھوین صدی عیسوی (یعنی ۸۰۰ء سے ۱۵۰۰ء) تک لگے رہے ہین -

شلیگل (Scholgel) نے ۱۸۳۲ء (موافق ۱۲۴۸ھ) مین لکھا تھا کہ ہندو اور چینی عربون سے زیادہ عالم ہین - اور کہا تھا کہ ان دونون قومون کے علوم کے خزانون پر اُسے بہت جلد اطلاع حاصل ہوجائیگی اس دعوی سے بیس سال بعد تک اُس نے ان قومون سے کوئی نئی تحقیقاتین نہین حاصل کین جو کچھ بڑے بڑے فوائد فلکیہ ریاضیہ جغرافیہ اُسے حاصل ہوے وہ صرف عربون کی قدیم کتابون سے حاصل ہوے -

البتہ جو اہل فرانس ہندوؤن کے معاملات سے بحث کیا کرتے ہین اُنھون نے بہت کتابین لکھی ہین لیکن جس امر کے وہ درپے ہین اُسمین اُنھون نے کچھ بھی ترقی نہین کی - اسی طرح سے اُن فرانسیسیون کا حال ہے جو سب سے اقدم الاول یعنی چینیون کی تواریخ سے فواید استنباط کرنا چاہتے ہین - اُنکا بھی اُنکی نسبت اخیر قول یہی ہے - کہ ترکون کی طرح وہ بھی تمام دنیا کے لوگون سے زیادہ اجہل ہین - چنانچہ یہی بات ابوالفرج مورخ نے بھی بیان کی ہے -

رہا بیت العلوم بغدادیہ جس نے اسکندریہ کے یونانیون اور اس اخیر زمانہ کے درمیان معلومات تمدنیہ کو فراہم کیا ہے - یہی چیز ہے کہ جس نے یورپ والون کو جہالت کی گہری نیند سے جگایا ہے - اور تمام ممالک ایشیا مین

علوم ومعارف کے نورون کو پھیلایا ہے۔

کیونکہ علامہ بیرونی نے جس سے محمود غزنوی بڑے انعام واکرام کے ساتھ پیش آتا تھا عربون کے علم (فلکیات) کو ہندوستان مین پھیلایا تھا۔ جب کہ وہ سنہ ۱۰۱۶ء (موافق سنہ ۴۰۷ھ) مین وہان گیا تھا۔ اسی طرح سے سلجوقیون مین علامہ عمر خیام نے سنہ ۱۰۷۶ء (موافق سنہ ۴۶۹ھ) مین علم کا جوش پھیلایا۔ مغلون مین نصیر الدین طوسی نے بھی ایسا ہی کیا۔ جس نے شہر مراغہ مین سنہ ۱۲۶۰ء (موافق سنہ ۶۵۹ھ) مین ایک رسدگاہ تبائی تھی۔ ایسے ہی سلاطین عثمانیہ مین بھی سنہ ۱۳۳۷ء (موافق سنہ ۷۳۸ھ) مین علم کی شعاعین چمکی تھین۔ چینیون مین علامہ کوشیو کنگ شاگرد جمال الدین نے سنہ ۱۲۸۰ء (موافق سنہ ۶۷۹ھ) مین عہد سلطان قبلا خان مین جو لوائیہ خاندان کے بادشاہون مین بہت بڑا شخص گزرا ہے علم پھیلایا۔ اور الغ بیگ نے سنہ ۱۴۳۷ء (موافق سنہ ۸۴۱ھ) بمقام سمرقند ایک رصدگاہ بنوائی تھی۔

اسکے بعد الغ بیگ پر عربون کے علوم وفنون کا خاتمہ ہوگیا۔ پھر یورپ والے مغرب مین ان علوم کے اسرار پر واقف ہوگئے۔ اور وہ ان شغل و اشغال مین ایسے لگ گئے کہ اُنھون نے بلاد فرانس مین عرب کے تمدن اُنکی زبان اور اُنکے فنون ادبیہ مین نئے سرے سے جان ڈال دی اور فرانسیسیون مین اُنکا انتشار روزبروز زیادہ ہونے لگا۔ چنانچہ ابھی تک ہم (فرانس کے) لوگون کا یہی حال ہے کہ ہمیشہ کتب عربیہ قدیمہ سے بڑی بڑی نئی نئی باتین نکالا کرتے ہین۔ حالانکہ بعض اہل فرانس نے فریب سے اُنکی ایجادون کو اپنی طرف منسوب کرلیا ہے۔

اسمین شک نہین کہ اگر ہمارے فرانس والے جزائر مغربیہ کی ایالت کو فتح کرین۔ اور افریقیہ یعنی ممالک مغرب کے مسلمانون تک اونکے علاقہ بخوبی پھیل جائین۔ تو وہ کتب عربیہ سے بیش بہا علوم وفنون کے جواہرات کو بہت کچھ نکالین گے۔ کیونکہ بخلاف پچھلے فرانسیسیون کے حال کے فرانس والے لغات عرب اور آثار مشرقیہ کے نہایت ہی شوقین ہین اور اس باب مین وہ بڑے بڑے اہتمام کرتے ہین۔

واقعی بات یہ ہے کہ اگر ہم کل تاریخ امت عربیہ کے خلاصہ کرنے مین مشغول ہوجائین تو یہ کام ہمارا بہت ہی عظیم الشان ہوگا۔ جن کے حالات دیکھ دیکھکر نہایت تعجب ہوتا ہے اور جو کوئی اُن کے اقوال کو پڑھتا اور غور کرتا ہے تو اُس کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس لیے ہم اپنے یورپ کے لوگون کو توجہ دلاتے ہین کہ وہ ہمیشہ اس قوم کے آثار جلیلہ کو ٹٹولتے اور دیکھتے بھالتے رہین۔ جنھین یہ قوم اپنے پیچھے چھوڑ گئی ہے۔

عبد الغفور

سعدی از دست خویشتن فریاد

اللہ اللہ ہادیان امم — بشری طینت و فرشتہ نہاد — انبیاء و اولیاء
ایک سے ایک برگزیدۂ خلق — باخطاب لکل قوم ھاد
تھا نبی کوئی اور کوئی ولی — فخر عہد سلف تھے کل اجداد
غوث دوران تھا کوئی قطب زمان — اب وہ ابدال ہین نہ وہ اوتاد
کرکے ویران دار فانی کو — ہوئے ملک بقا مین سب آباد
حب قومی کا تھا سبق از بر — ساری دنیا کے تھے ہمین اُستاد — حب قومی
آب زر سے ہے لکھنے کے قابل — حضرت مرتضیٰؓ کا یہ ارشاد — اتحاد بین الاقوام
بھائی آپس مین ہین بنی آدم — ایک ماں باپ کی ہین کُل اولاد
مگر افسوس بھول کر یہ سبق — آدمی رہ سکے نہ آدم زاد
بدلے اخلاص و اتحاد کے اب — سب مین ہے باہمی نفاق و عناد — اختلاف بین الاقوام
بکھرے شیرازے قوم و ملت کے — ٹوٹے وہ رشتہائے حق عباد
سب کو اس سلسلے مین جوڑ کے ہم — قید ملت سے خود ہوئے آزاد — آزادی مذہب و ملت
کیون مٹانے پہ ہین تلے اغیار — اپنے ہاتھون ہم آپ ہین برباد
حال ناگفتہ بہ پر اپنے شفق — آگیا شیخ کا مقولہ یاد

ہر کس از دست غیر نالہ کند
سعدی از دست خویشتن فریاد

شفق عمادپوری

علم الاخلاق

ہمارے لایق اور نوجوان دوست مسٹر ظفر حسن خان علم الاخلاق پر ایک بسیط مضمون لکھ رہے ہین جس کے کچھ اجزا رسالۂ ادیب کے گزشتہ نمبرون مین شایع ہوے تھے۔ اب مناسب خیال کیا گیا کہ یہ کل مضمون رسالۂ الناظر مین طبع ہو اس لیے نئے اجزا کی اشاعت کی قبل ضروری ہوا کہ ادیب مین جو حصے شایع ہوے تھے ناظرین الناظر اُن سے روشناس ہولین۔ چنانچہ ذیل مین مناسب و ضروری ترمیمات کے بعد اجزاے مطبوعہ متذکرۂ بالا درج کیے جاتے ہین جن کے مطالعہ سے ناظرین یقیناً نہایت محظوظ ہون گے۔

تمہید

تجربہ کے کسی خاص حصہ کا فلسفہ اُن علاقہاے سببیت کے انکشاف کا نام ہے جو اُسکے مخصوص علل و معلولات کے درمیان وجود گزین ہوتے ہین۔ علاقۂ سببیت کے دریافت ہوجانے سے یہ بات حاصل ہوجاتی ہے کہ جب ہم وہی اسباب مجتمع دیکھتے ہین جو ہم پہلے دیکھ چکے ہین، تو ہم صحیح صحیح قیاس کرسکتے ہین کہ نتیجہ کیا ہوگا؛ اور اسی طرح نتیجہ مشاہدہ کرنے کے بعد، ہم صحیح صحیح پیشین گوئی کرسکتے ہین کہ اُسکے اسباب کیا ہین یا کیا تھے۔

بالفاظ دیگر یون کہئے کہ ان علاقہاے سببیت کے معلوم ہوجانے کے بعد، ہم اُن اصول کو بخوبی مدون کرسکتے ہین جو تجربہ کے اُس خاص حصہ کی ہر ممکن تبدیلی پر دائر و سائر ہوتے ہین۔

یہ اصول جب ایک ایسی منتظم شکل اختیار کرلیتے ہین جس سے انسان فائدہ اُٹھاسکے تجربہ کے اُس خاص حصہ کا علم (Science) کہلاتے ہین۔ علم الطبیعات، (Physics) مثلاً نام ہے تجربہ کے ایک خاص حصہ کے اُن اصول کی تدوین کا، جو کہ مظاہر طبیعات (Phenomenon) پر مستولی ہین۔

ان مظاہر کا مطالعہ، اُنکے تواتر و توالی کا مشاہدہ، اور اُن اصول کا استقرا، جو تجربہ کے اُس خاص حصہ کی ہر ممکن تبدیلی پر حاوی ہین، اور پھر اُن اصول کی تدوین، یہ سب درجات ہین علم الطبیعات کے۔

تجربہ کے مختلف حصون سے بحث کرنے والے کل علوم کے قوانین کا مقابلہ، اور ایسے اصول کی تحقیق و تدوین جو ان علوم مختلفہ کے قوانین کو محصور کرلین، علم مابعد الطبیعات (Metaphysics) کا موضوع ہے یعنی علم مابعد الطبیعات تجربہ سے بہیئت مجموعی بحث کرتا ہے۔

علوم کی اقسام

موجودہ علوم کی، بہ لحاظ اپنے مباحث کی نوعیت کے تین قسمین ہین:-

(۱) جدید عادت کے اکتساب اور قدیم عادت کے ترک کے وقت تمھارا عزم نہایت مستقل اور مضبوط ہونا چاہیے۔

(۲) جبتک نئی عادت خوب اچھی طرح جڑ نہ پکڑ لے اُسوقت تک چاہیے کہ تمھارے طرز زندگی مین مستثنیات داخل نہون۔

(۳) کسی جدید عادت کی بنا ڈالنے کے لیے تم کو جلد سے جلد عازم ہونا چاہیے۔ جب جذبات کا رنگ موافق مطلب دیکھو تو اس قوی تحریک سے فائدہ اُٹھانے مین تعجیل کرو۔

(۴) تم کو چاہیے کہ بالمرہ کبھی نہ کوئی بات ایسی کر لیا کرو جو تمھاری خواہش کے خلاف ہو مثلاً اگر اسوقت انگور کھانے کو دل چاہتا ہے اور انگور بآسانی مل بھی سکتے ہین تو تم کو چاہیے کہ اپنی طبیعت کو روکو۔ اس سے قوت ارادی برابر مشتعل رہے گی

ظفر

سادہ خط

کرون کس منھ سے شکوہ آہ اُس غارتگر جان کا
بنایا جسکو مالک مین نے دل کا جان و ایمان کا

وہ بے حس بے مروت بیوفا بیرحم بے پروا
وہ دشمن جان عاشق کا وہ پیاسا خون ارمان کا

یہ مانا لیکن اے قاصد ذرا انصاف سے کہہ تو
خطا اُس خوبصورت کی قصور اُس حسن کی جان کا؟

وہ ہے سفاک لیکن اس نے کب کی مجھ سے فرمایش
کہ تم مالک بنا دو مجکو قلب و جان و ایمان کا!

کہے گا تو کہ اُس دلبر کو تم دلدار سمجھے تھے
دل آزاری کو شیوہ جانتے تھے تم نہ جانان کا

تمنا کو اسی باعث کیا تھا اس سے وابستہ
بنایا تھا اسی سے تم نے مرجع اُسکو ارمان کا

خلاف امید کے اُس شوخ کا طرز عمل نکلا
کہ جس سے تمکو غم سہنا پڑا اب یاس و حرمان کا

تو کیا اپنی غلط فہمی کا شکوہ مین کرون اس سے
بتا تو ہی یہ عاقل کا طریقہ ہے کہ نادان کا

بہر صورت بجو بی ہوگیا یہ مسئلہ ثابت
شکایت اُسکی گویا خون ہے انصاف و ایمان کا

سہا اب یہ کہ شکوہ موجب تسکین دل ہوگا
گھٹے گا اضطراب اس سے مرے قلب پریشان کا

یہ مین بھی اے مرے ہمدرد قاصد جانتا تو ہون
کیے کی لاج لیکن مقتضا ہے وضع انسان کا

مین اکثر بیخودی عشق مین اک شعر پڑھتا ہون
دھوان ہے جو کسی آتش بجان کے قلب سوزان کا

مرے ہی سامنے دامن اُٹھا کر ناز سے چلنا
مجھی سے پھر گلہ اُلٹا مرے چاک گریبان کا
(امیر مینائی)

سن لے قاصد شکایت بے محل تھی اسپے آخر
جواب اس طرح عاشق نے دیا تعریف جانان کا

حقیقت مین کہان خبر مسلک معشوق جائز ہے
کسی معصوم کو ملزم بنانا ایک عصیان کا

چلے وہ ناز سے دامن اُٹھا کر شان تھی اُنکی
گریبان چاک کر ڈالا یہ تھا فعل ایک نادان کا

شکایت انکے ناز جانستان کی یہ نہین کرتا
گلہ بیچارہ سے پھر کس لیے چاک گریبان کا

جواب شکوہ باطل دیا عاشق نے بھی جل کر
بہت ملحوظ رکھا گو کہ پاس و آداب جانان کا

اُسے تو پاس بھی مانع نہین میرا وہ لکھدے گا
جواب دل شکن معروضۂ حال پریشان کا

مکرّر اصرار تحریر شکایت پر یہ ولا ئے گا
اسے قاصد گلہ انکی جفا کا رنج ہجران کا

علاوہ اسکے ہین اک دفتر غم بھی اگر لکھون
بیان ہرگز نہو شمہ مرے اندوہ حرمان کا

پھر اپنی جان کا بھی تخلیہ کچھ اندیشہ لازم ہے
کہین تجھپر نہو قہر و غضب اس شاہ خوبان کا

بس اک تدبیر اُسے خط بھیجنے کی مین نے سوچی ہے
کہ مطلب بھی ادا ہو اور نہو خطرہ تری جان کا

یہ نامہ لے کہ ہے ملفوف اسمین کاغذ سادہ
نمونہ سا دکھاے دل بیتاب و حیران کا

لفافہ پر نشان کے واسطے البتہ اے قاصد
مناسب ہے کہ لکھدون نام اُس غارتگر جان کا

زبان خامہ پر کس کا یہ پیارا نام آیا ہے
تماہے نقش جو کاغذ کے ایسے قلب بیجان کا

وفا کی بو ہے خط مین نام مین ہے بوئے بے مہری
ہے مجموعہ نیاز عشق و ناز حُسن جانان کا

لفافہ پر خط سادہ کے نام یار کا ہونا
دکھائے گا اسے انداز میرے قلب حیران کا

دل ہانی یہ یعنی اے عزیز از جان سوا تیرے
جما نقشہ نہ حورون کا نہ پریون کا نہ انسان کا

سکوت خامہ اے قاصد اُسے یہ بھی بتادیگا
بیان ممکن نہین ہے مجھ سے حسرتہائے پنہان کا

خموشی مین نہان خون گشتہ لاکھون آرزوئین ہین
چراغ مردہ ہون مین بے زبان گور غریبان کا

سید کلب احمد ہانی جائسی

الاعمال بالنیات

امثال لقمان مین ایک حکایت ہے کہ آدمی اور شیر مین یہ مباحثہ ہو رہا تھا کہ دونون مین زیادہ زبردست کون ہے ۔ ایک اپنے دلائل پیش کرتا تھا دوسرا اُسے رد کردیتا تھا ۔ دونون بحث کرتے چلے جارہے تھے راہ مین ایک دیوار پر تصویر دیکھی کہ آدمی نے شیر کا گلا گھونٹ ڈالا ہے ۔ آدمی کا یہ زور دیکھکر آدمی اترانے لگا شیر نے جواب دیا کہ قلم در کف دشمن است مجھے اس جواب پر وجد ہوتا ہے کہ فطرت انسانی کا بہت ہی چھپا ہوا راز اس سے کھل گیا ۔ یورپ والون کے ہاتھ مین جب سے قلم ہے یہی کرشمے دیکھنے مین آرہے ہین ۔ اپنے ملک کی گھسیاریون کی تصویر بنائین گے تو ایسی کہ پریان شرما جائین اور ایشیا والون مین خاقانِ چین کی بھی تصویر ایسی دکھائین گے کہ چرکٹا معلوم ہو ۔ دیکھنے والون کے دلون پر اس جادو کا بہت کچھ اثر ہے ۔ مگر یورپ کا نقشہ جب پڑھاتے ہین تو اُس مین یہ لوگ ذرا دوراندیشی سے کام نہین لیتے ۔ نقشہ کے ٹانگنے کا قاعدہ یہ رکھا ہے کہ شمال اوپر ہو جنوب نیچے ۔ اور سیکھنے والے چھوٹے چھوٹے بچے ۔ وہ جب دیکھتے ہین کہ روس تمام یورپ پر چھایا ہوا ہے ۔ تو اسی سن سے اُنکے دلون پر روس کی عظمت کا نقش بیٹھ جاتا ہے اور ابھی سے دباؤ مان جاتے ہین ۔ یہی لڑکے بڑے ہو کر ملکی عہدون پر فائز ہوتے ہین اور امور ملکی کا حل و عقد انھین کی رائے پر منحصر ہوتا ہے لیکن بچپن سے جو نقش دل پر بیٹھا ہوا ہے وہ تو پتھر کی لکیر ہے ۔ جاپان والون نے مکڈن کو جب فتح کیا اور روس مثل خرروس اُنکے سامنے سے نوک دم بھاگا تو جرمن مین جو سفیر جاپان کا تھا اُس سے فتح کی تہنیت مین جرمن کے بعض مدبرین سلطنت نے یہ فقرہ بھی کہا کہ ہمین خوشی اس بات کی ہے کہ ہماری تعلیم کا یہ اثر تھا کہ جاپان کو ایسی نمایان کامیابی ہوی جاپانی نے فوراً جواب دیا ہان یہ سچ ہے کہ ہم نے فن جنگ مین تم لوگون سے تعلیم لی ہے لیکن مین دیکھتا ہون کہ جیسی دہشت یورپ والون کے دلون مین روس کی سمائی ہوی ہے جاپان مین اسکا اثر کچھ بھی نہ تھا ۔ اس شخص نے عجب سپاہیانہ جواب دیا حقیقت یہ ہے کہ جن سلاطین کے پاس ڈریڈ ناٹ روس سے زیادہ آلات حرب کے بنانے مین جنھین روس پر تفوق جن کے تمول و استغنا پر روس کو رشک و حسد اُنکا روس کے مقابلہ مین بغلین جھانکنا حیرت کی بات ہے ۔ اس جاپانی نے انکے دل کی حالت کو بھانپ لیا ۔ سمجھ گیا کہ روس کی دہشت بے طرح اس قوم مین سمائی ہوی ہے اور جس قوم کے دل مین ایسی دہشت ہو اُسکا فن جنگ مین ماہر ہونا وقت پر کام نہین آتا ۔ آدمی مین ہے کیا دل یا زبان باقی گوشت کے لوتھڑے ہین ؎

لسان الفتی نصف و نصف فواده ۔ فلم یبق الا صورۃ اللحم والدم

دل کے اندیشہ کا اعضا و جوارح پر عجیب و غریب اثر ہوتا ہے ۔ ڈارون پر اسرار علم حیوانات کا جو انکشاف ہوا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دل کے اندیشہ کا اثر قلب ماہیت ہوتا ہے ۔ مثلاً گوہ کے دل مین شکار ہو جانے کا خوف جو سما یا تو اُس نے زمین کے اندر سے باہر آنا ہی چھوڑ دیا یون ہی رفتہ رفتہ چارون پاؤن اُسکے بیکار ہو گئے دو تین ہزار برس مین اُسکی نسل پر یہ اثر پڑا کہ گوہ کے انڈے سے سانپ پیدا ہونے لگے یا گرگٹ وغیرہ جو درختون کی چوٹیون تک چڑھتے چلے جاتے ہین جب دیکھتے ہین کہ ہوا مین سیکڑون کیڑے مکوڑے اوڑ رہے ہین اور ہم انکو شکار نہین کر سکتے تو یہ ارادہ اُنکا یہ اثر ڈالتا ہے کہ کئی ہزار برس مین وہ طائر بن جاتے ہین اور اوڑتے ہوے کیڑون کو شکار کر سکتے ہین ۔ اعضاے حیوانات کی تشریح اور علم افعال اعضا سے اس قسم کے خیالات پر شاہد قوی ان فلاسفہ کے ہاتھ آئے ہین مثلاً سانپ کے پیٹ مین چارون پاؤن کے نشان موجود ہین صاف معلوم ہوتا ہے کہ پاؤن جھڑ گئے ہین یا انسان کی ڈھڈی کے مقام پر دو ہڈیان بڑھی ہوئی گواہی دے رہی ہین کہ دُم گر گئی ہے ۔ نوع کے بدلنے مین تو ہزارون ہی برس چاہیے ۔ انسان کے عمر بھر کے واقعات اور اُسکے اطوار و عادات کا سارا حال بوڑھاپے مین اُسکے اعضا کا تغیر ایک طبیب حاذق کے سامنے کھول کھول کے بیان کر دیتا ہے ۔ افعال اعضا کے ماہرین نے بقوت حدس صائب یہ مسئلہ دریافت کر لیا ہے ۔ کہ نفس کا اثر اعصاب پر پڑتا ہے اور اعصاب مین وہ انفعالات منتقش رہتے ہین اُس کا اثر اولاد تک پہونچتا ہے ۔ اسی سبب سے اسلاف کے خیالات و عادات کا آئینہ اولاد ہوا کرتی ہے ۔ نطفہ کے ہر قطرہ مین اعصاب کے تمام انفعالات منتقل ہو کر اولاد مین آتے ہین جس طرح دانہ سے ویسا ہی نخل پیدا ہوتا ہے جیسا دانہ کے اجزا کا مقتضی ہو ۔ ڈارون کی تھیوری ابھی تک مرتبۂ ثبوت کو نہین پہنچی ۔ ثابت بھی ہو جائے تو اوس سے وجود باری کا ابطال نہین ہو سکتا خلقت آدم کا قصہ جو کتب آسمانی مین ہے وہ بیشک غلط ہو جائے گا بلکہ ابھی سے اس قصہ کا مضحکہ یورپ مین اوڑ رہا ہے ۔ یہ تھیوری اُسکی صحیح ہو یا غلط اتنا تو ضرور صحیح ہے کہ جو اندیشہ ساری قوم مین ساری ہو اُسکا اثر قوم کی نشو و نما پر بہت پڑتا ہے ۔ روس کی طرف سے جو اندیشہ پیدا ہو گیا ہے ۔ اس سے یورپ کی ترقی مین رکاوٹین پیدا ہو جائین تو عجب نہین ۔ افسوس ہے کہ اس سنگ راہ کے ہٹانے مین زور لگاتا تو کجا یارون نے اور اسے قوی کر دیا ۔

علی حیدر طباطبائی

فغانِ دل

سرمستِ تغافل ہے کیون نرگسِ مستانہ — ہے عید کا دن ساقی گردش مین ہو پیمانہ
سرجوشِ محبت کا پھر دور چلے جلدی — ہون رند گلے ملتے بڑھ جائے وہ یارانہ
یون جام بکف ساقی آ بزم مین رندونکی — اک شمعِ محبت کا ہر قلب ہو پروانہ
تاثیر سے صحبت کی ظاہر ہو وہ یک رنگی — کھپ جائے نگاہون مین اک جلوہ جانانہ
اخلاق مروت کے گلدستے سج لے گلچین — آراستہ کر دل کا اُجڑا ہوا کاشانہ
اک جام کے نشہ مین یہ کیف نمایان ہو — بس جائے دماغون مین اندازِ حکیمانہ
مستی کے بھی عالم مین غالب رہے ہشیاری — دامن نہ چھٹے تیرا ہو جاؤن جو دیوانہ

ایمان کی دولت کو ہاتھون سے نہ جانے دون
پائی ہوئی نعمت کو ہاتھون سے نہ جانے دونا

بیکار سمجھتے ہین جو صنعت و حرفت کو — در اصل وہ کھوتے ہین آپ اپنی ہی عزت کو
کچھ قوم کے دلدادہ رہبر ہین بنے دیکھو — گمراہ نہ اب رہنا سُن سُن کے ہدایت کو
آمادہ دل و جان سے ہو جاؤ رفاقت پر — آئینہ کرو سب پہ آج اپنی حقیقت کو
یہ قوت یکجائی باعث ہے ترقی کی — مل جاؤ گلے باہم دکھلادو محبت کو
اے قوم کے نوخیزو! کچھ کار نمایان ہے — دنیا پہ کرو ثابت آج اپنی شرافت کو
احکام پیمبر کی تم قدر کرو کچھ تو — حرفت کو ترقی دو چمکاؤ تجارت کو
تھے خواب مین غفلت کے! کچھ لوگ اُٹھاتے ہین — دیکھو! اگر آنکھین ہون خالق کی عنایت کو

تا چند رہوگے تم رسوائے نگونساری
کہہ کر اُٹھو یا حیدر آیا دم بیداری

سید محمد جعفر قدسی جائسی

تمہیدی فیضان

کیفیتے از صومعہ حاصل نہ نمودی ۔۔۔ زاہد گزرے جانب میخانہ ضرور است

جب ہم کبھی عام طور پر کسی علم یا فن کا نام لیتے یا ذکر کرتے ہین تو بعض وقت بعض لوگ یہ سمجھتے ہین کہ جس علم یا جس فن کا بالخصوص ذکر کیا جاتا ہے وہ کوئی ایسا علم یا ایسا فن ہے جو اپنی خصوصیات یا کیفیات کی وجہ سے بہ جہت ایک خاص یا انوکھی کیفیت ہونے کے بحث کیا جا سکتا ہے ۔ مثلاً جب کبھی صرف نحو یا منطق کا ذکر ہوتا ہے تو بعض لوگ بادی السماعت مین یہ خیال کرتے ہین کہ یہ علوم یا یہ فنون ایک ایسی خاص کیفیت رکھتے ہین جو انسانی تصرفات سے کچھ دور فاصلہ پر ہے ۔ اس قسم کے خیالات بعض وقت صرف اُسی صورت مین وجود پذیر ہوتے ہین کہ جب علم مطلق ۔ علم کیفی ۔ فن مطلق اور فن کیفی کی بابت بعض لوگون کی راے یا معلومات ایک حد تک محدود ہوتی ہے ۔

یہ ایک ایسی کمی یا غلطی ہے جو علوم اور فنون کی واقعی شہرت اور اشاعت مین کسی نہ کسی حد تک ہارج ثابت ہوتی ہے ۔ اگر ہم صحیح معنون مین علم مطلق ۔ علم کیفی ۔ فن مطلق اور فن کیفی کی حد اور تعریف سے واقفیت پیدا کرین یا ایسی واقفیت پیدا کرنے کی کوشش کرین تو کم سے کم اسکا یہ نتیجہ ہوگا کہ ہم اون غلط فہمیون اور اُن مزاحمتون کا ایک خوش اسلوبی سے مقابلہ کر سکین گے جو کبھی کبھی اس راہ مین حائل ہوتی ہین یا جن کے حائل ہونے کا اندیشہ ہے ۔

بعض دفعہ ہم جو بعض علوم اور فنون کی مشکلات کا حد سے زیادہ قیاس کرنے کے عادی ہین اور اس وجہ سے ایک خیالی منزل مین تھک کر رہ جاتے ہین اکثر اُسکا موجب یہی ہوتا ہے کہ ہم کسی حد تک علوم اور فنون کی تعریف یا حقیقت اور کیفیت سے نا آشنا ہوتے ہین ۔ جب ہم کسی طالب علم کے سامنے شروع شروع مین پیچیدار الفاظ یا مغلق جملون مین کسی علم یا کسی فن کا ذکر کرتے ہین تو وہ اُن پیچیدہ اور مغلق تعریفون سے اس گھبراہٹ مین پڑ جاتا ہے کہ یہ کیسا گورکھ دہندا ہے جس کے حل کرنے مین اسقدر رکڑی اور بیشمار مشکلات سد راہ ہین ۔ جب ایک فلسفی یا ایک منطقی یہ کہتا ہے کہ یہ علم یا یہ فن اسقدر مشکل اور اسقدر محنت طلب ہے تو بعض سامعین پہلے ہی سے مشکلات مین پڑ جاتے ہین کیونکہ جس شد و مد سے اُنھین ناگفتہ بہ مشکلات کا یقین کرایا جاتا ہے واقعی اُس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ سامعین یا متعلمین ایک مذبذب مین پڑ جائین اس سے

انکار نہین کیا جا سکتا کہ علوم اور فنون کے حاصل کرنے مین مزاحمتین اور مشکلات عاید ہوتی ہین اور سوا ے دماغ سوزی اور دردسری کے اُنکا بوجہ الکمال حاصل کرنا مشکل ہے اور یہ کہ ہر شخص اُن مشکلات کا مقابلہ یا حل نہین کرسکتا لیکن یہ مزاحمتین اور یہ مشکلات جو اُنکی تحصیل مین پیش آتی ہین علوم اور فنون کی واقعی کیفیت اور حقیقت سے ایسا تعلق نہین رکھتین جیسا خیال کیا جاتا ہے۔ علوم اور فنون کی اصلی روشنی اسقدر پردۂ ظلمت مین مخفی نہین جسقدر اُن کے وسائل تحصیلیہ ہین۔

آفتاب اور ماہتاب بھی ایک وجود اور ایک کیفیت ہین اُنکا وجود ایسا درخشان اور تابان ہے کہ کوئی انکار کرہی نہین سکتا۔ لیکن آفتاب اور ماہتاب کی حقیقت دریافت کرنے کے واسطے خاص محنت اور خاص وسائل کی ضرورت ہے۔ اور اس مرحلہ مین ہر شخص بازی لے جا سکتا ہے۔ علوم اور فنون کی ابتدائی الجھنون اور مشکلات کے حل کرنے کے واسطے یہ ضروری ہے کہ ہم یہ بات ذہن نشین کرائین کہ کوئی علم یا کوئی فن اگرچہ کیسا ہی مشکل اور ادق ہو اُس انسانی طاقت سے باہر نہین جو اُسے قدرت نے عطا کر رکھی ہے جو چیزین قدرت نے بنائی ہین اُنکا علم اُسی قدر ہو سکتا ہے جتنی عقل اور فہم خود قدرت نے اُنکے سمجھنے کے واسطے انسان کو دی ہے لیکن جو چیزین خود انسان نے بنائی یا مہیا کی ہین اُنکا حاصل کرنا بھی اُسی قدرتی عقل اور فہم کے ذریعہ سے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔

ہر علم اور ہر فن کی صورتین عموماً حسب ذیل ہو سکتی ہین۔

(الف) علم۔	(الف) فن۔
(ب) علم مطلق۔	(ب) فن مطلق۔
(ج) علم کیفی۔	(ج) فن کیفی۔

آسان لفظون مین علم کے معنے جاننے اور فن کے معنے جانی ہوئی شئے کے ایک ترکیب ثانی مین لانے کے ہین۔ جو چیز ہم جانتے ہین یا جو چیز جاننے کے قابل ہے وہ ایک علم ہے جو جانی ہوئی چیز ہم ایک ترکیب جدید مین لاتے یا لا سکتے ہین وہ ایک فن ہے۔ جو بچہ یا جو شخص یہ نہین جانتا کہ سفید اور سیاہ رنگ مین یہ فرق ہوتا ہے اُسے جب ان دونون رنگون مین ایسا فرق دکھایا جائے گا تو وہ ایک آسانی سے مقابلتاً یہ جان سکے گا کہ واقعی ان دونون مین یہ فرق ہے اور اُس وقت یہ کہا جائے گا کہ اُسے سفید اور سیاہ کا علم ہے گو ایسا بچہ یا ایسا شخص یہ تو نہین جانتا کہ سفید اور سیاہ رنگت کی اصلی وجہ کیا ہے لیکن اسقدر ضرور جان

جاتا ہے کہ سفید اور سیاہ جداگانہ رنگ ہین اور وہ انمین تمیز بھی کرسکتا ہے جو بچہ یا جو شخص نہین جانتا کہ سفید اور سیاہ رنگ بھی ہوتا ہے اُسکی نسبت یہی کہا جائیگا کہ وہ ان رنگون سے واقف نہین یا وہ انکا علم نہین رکھتا۔

جس قدر اشیاء ہم جانتے ہین یا جس قدر اشیاء سے ہم واقف ہین اُن سب کا علم ہمین حاصل ہے یا یہ کہ اُن سب کو ہم جانتے ہین جو اشیا یا جو چیزین ہم نہین جانتے گو وہ موجود ہوتی یا کسی نہ کسی رنگ مین وجود اور ہستی رکھتی ہین وہ ہمارے علم سے باہر ہوتی ہین جو لوگ اُنھین جانتے ہین وہ لوگ بمقابلہ اُن لوگون کے جو اونھین نہین جانتے اُنکی نسبت ایک علم رکھتے ہین یا یہ کہ ایسی اشیاء اُنکے علم سے باہر نہین ہوتین۔

کوئی علم اور کوئی فن دنیا۔ موجودات اور کائنات سے جداگانہ نہین ہے۔ علم دنیا ہے اور دنیا علم ہے یا یہ کہ علم تمام موجودات اور تمام کائنات ہے اور تمام موجودات اور تمام کائنات علم ہے۔ علم یا فن کی بنیاد کیا ہے؟ دنیا اور کائنات۔ دنیا اور کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ علم اور فن۔

صرف نحو۔ منطق۔ فلسفہ۔ طب ڈاکٹری۔ ہیئت۔ سائینس وغیرہ کیا ہے؟ کائنات اور موجودات کی مختلف حقیقتون اور کیفیتون کا ایک خاص نام یا خاص صورت یا خاص دریافت شدہ کیفیت۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلان شخص علم حیوانات مین ماہر اور کامل ہے تو اُسکا مطلب سوائے اسکے اور کیا ہوسکتا ہے کہ جو شخص اپنے اردگرد کے حیوانات کی حقیقت سے ایک حد تک واقفیت رکھتا ہے وہ علم حیوانات سے ماہر ہے اسی طرح جب یہ کہا جاتا ہے کہ ایک شخص صرفی اور نحوی ہے تو اُسکا منشاء بھی یہی ہوتا ہے کہ مختلف لوگ ایک زبان کا جس جس طریق سے استعمال کرتے ہین وہ اُسکا جاننے والا ہے۔

ایک ڈاکٹر یا ایک طبیب کب ڈاکٹر یا طبیب ہوتا ہے؟ جب وہ ادویہ۔ امراض اور عوارض سے واقفیت رکھتا ہے اور جب اصول و وسائل تشخیص امراض اور ترکیب ادویہ مین مہارت رکھتا ہو۔

یہ دونون شقوق یا تو خود کائنات ہین اور یا کائنات کے اندر اور مجموعہ موجودات مین داخل۔ کائنات اور موجودات کا جاننا اُسکی حقیقتون اور کیفیتون سے حدامکانی تک واقف ہونا ایک علم حاصل کرنا ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ کائنات ہی علم ہے اور کائنات ہی معلوم گو بظاہر یہ مرحلہ کسی حد تک مشکل معلوم دے لیکن اگر وسعت نظر سے دیکھا جائے گا تو پتہ لگ جائے گا کہ دراصل کائنات کے علم ہی کا نام علم ہے اور وہ کائنات سے جدا نہین اور نہ اُس مین اور کائنات مین کوئی فرق ہے اگر کوئی فرق ہے تو صرف ترکیب کا۔ ہر شخص کسی نہ کسی حد تک نحوی۔ صرفی۔ منطقی اور فلاسفر ہے لیکن ہر شخص اُن ترکیبون۔ مجازات یا اصطلاحات سے

واقفیت نہین رکھتا جو کسی قانون یا ضابطہ کے ماتحت خاص کرلی گئی ہین۔ صور ہندسیہ اور اشکال سماویہ کائنات مین موجود ہین لیکن اُنکی ترکیبی صورت علم ہندسہ حساب اور ہیئت سے موسوم ہے اور عام طور پر ایسی صورتین یا ایسی کیفیتین ایک علم یا ایک فن سے تعبیر پاتی ہین۔ ہر شخص علے قدر مراتب منطقی او فلسفی ہے گو ہر شخص یہ نہین جانتا کہ وہ منطقی اور فلسفی بھی ہے لیکن اُسکی طبیعت اور اُسکے عمل مین منطق اور فلسفہ کے اجزاے کثیرہ پاے جاتے ہین ہر شخص گلی کوچہ مین منطق بولتا ہے اور ہر شخص فلسفہ یا اصول فلسفہ سے استدلال اور استشہاد کرتا ہی گو وہ یہ نہین جانتا کہ اُسکا طریق عمل یا استدلال ایک حد تک تابع قواعد منطق یا ماتحت فلسفہ کے ہے۔ منطق کی واضح تعریف ایسے قواعد کا اتباع ہے جو ایک صحیح نتیجہ پیدا کرنے کا صحیح ذریعہ ہوسکین اسی طرح فلسفہ کی موٹی تعریف عقل و فراست ہے یا عقل و فراست سے استدلال۔ یہ دونون کیفیتین یا دونون صورتین درجہ بدرجہ ہر شخص کی ذات مین کسی نہ کسی حد تک پائی جاتی ہین۔ ایک دور بین انسان بادنیٰ توجہہ ہر شخص کی طبیعت مین انکا نشان پا سکتا ہے اور خیال کرسکتا ہے کہ قدرت نے جو مواد دے رکھا ہے اُس سے ہر شخص کام لے رہا ہے جو شخص ایسے مواد سے علمی رنگ مین کام لیتا ہے وہ منطقی اور فلاسفر ہو جاتا ہے یا اُسکو منطقی اور فلاسفر کہتے ہین اور جو شخص ایک مختص قانون سے ناواقف ہوتا ہے وہ اگرچہ اس مواد سے ایک حد تک کام تو لیتا ہے لیکن ایک مختص قانون کے ماتحت اُسکو منطقی اور فلاسفر نہین کہا جاسکتا۔ دنیا مین جسقدر علوم اور سامان علوم پائے جاتے ہین وہ سب کسی نہ کسی رنگ مین موجود ہین عام اس سے کہ ہمین اُنکا علم ہے یا نہین۔

اوپر کی سطرون مین علم اور فن کی جو ضمنی صورتین بیان کی گئی ہین اُنکی تفصیل مختصراً یون ہوسکتی ہے۔

(الف) جو کچھ ہمارے سامنے ارگرد اوپر نیچے بین ویسار اندر باہر پایا جاتا ہے یہ سب علم ہے جب تک بعض خصوصیات اور بعض حدود کا اطلاق نہو تب تک یہ سب منظر ایک علم ہے جب منجملہ اس منظر کے کوئی منظر من جہت بعض خصوصیات مختص قرار دیا جائے تو وہ علم مطلق کی تعریف مین آجاتا ہے۔

(ب) جب ایک مختص علم کی کیفیت پر بحث ہو تو اُس وقت اُسے علم کیفی کہتے ہین۔

(ج) یہی صورت فن کی بھی ہے۔

فن اُس وقت تک فن ہے جبتک وہ من وجہ بعض خصوصیات منظر عامہ مین سے مختص نہو جب اختصاص پا جائے تو وہ فن مطلق ہوجائے گا اور جب اُسکی کیفیت معرض عمل مین آئے گی تو اُس صورت مین اُسکا نام فن کیفی ہوجائے گا۔

(د) مثلاً عناصر یا دیگر کائنات مین جہت عناصر و کائنات ایک علم ہے یا یہ کہ ایک ایسی ہستی جو اندر حدود علم ہے۔ اور کائنات کا تجزیہ فرداً فرداً علم مطلق ہے۔ ہر فرد اور ہر جزو کی بابت باعتبار حقیقت اور کیفیت کے جو بحث کی جاتی ہے وہ ایک کیفی علم یا کیفی فن ہے۔ ہوا اور پانی کی بابت جب باعتبار تاثیرات و تصرفات و کیفیات کے بحث کی جاتی ہے تو کہا جائے گا کہ باعتبار کیفیت کے وہ ایک علم کیفی ہے۔ اسی طرح جب فن مطلق کی بابت مین بہت کیفیات بحث کی جاتی ہے تو کہا جائے گا کہ وہ باعتبار ایک کیفیت کے ایک فن کیفی ہے۔

باعتبار علم مطلق اور علم متکیف کے ہر علم ہمارے اردگرد کے مناظر مین پایا جاتا ہے اور ہر منظر بجاے خود ایک علم ہے۔ ہر منظر مین جہت کیفیات اور تاثیرات و تصرفات ایک علم ہے اور ہر ہستی اپنے اپنے رنگ مین اُس سے کام لے رہی ہے اور اُنھین تاثیرات کیفیات اور تصرفات کو جب ایک مختص ضابطہ کے ماتحت لایا جاتا ہے تو اُسے ایک خاص نام سے موسوم یا تعبیر کیا جاتا ہے۔

(ھ) مثلاً منطق اور فلسفہ بجاے خود ایسی دو کیفیتیں یا دو تصرفات ہین جو عام طور پر ہر دماغ انسانی مین پائی جاتی ہین اور ہر ضمیر انسان کچھ نہ کچھ اُن سے کام لے رہا ہے لیکن عام طور پر اُنھین ان حالات مین منطق اور فلسفہ نہین کہا جاتا۔

(و) جب ایسی کیفیات اور تصرفات کو ایک ضابطہ کے ماتحت لایا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ منطق ہے اور یہ فلسفہ ہے۔

(ز) عالم۔ علم اور معلوم دراصل غیر نہین ہین تینون مین ایک نسبت موجود ہے عالم جو کچھ معلوم کرتا ہے وہ پہلے سے بصورت ایک حقیقت اور کیفیت کے بحیثیت ایک علم کے موجود اور ثابت ہے معلوم دراصل ایک علم ہی ہے۔ علم کیا ہے؟ جو معلوم کیا جاتا ہے معلوم کیا ہے؟ جو علم ہے منطق کیا ہے؟ جو لوگون کی بول چال مین آتی ہے۔ لوگون کی بول چال کیا ہے؟ ہم جو منطق ہے۔ فلسفہ کیا ہے؟ جو لوگون کا طبعی استدلال ہے۔ استدلال کیا ہے؟ فلسفہ ہے۔ صرف و نحو کیا ہے! وہ طریقہ جس پر لوگ بولتے اور کلام کرتے ہین۔ جس طریقہ پر لوگ بولتے اور کلام کرتے ہین وہ کیا ہے؟ علمی رنگ مین وہ طریقہ صرف و نحو سے تعبیر پاتا ہے۔ اور اس سے ثابت ہے کہ جو مواد اور جو حقایق جو کیفیات ہم ایک ضابطہ ایک قانون کے ماتحت لاتے یا منضبط کرتے ہین اُنھین کا نام علم یا فن ہو جاتا ہے۔

تمام انسانی قوتین انسانی جسم ہی کے اندر ہین جب تک اُن سے کام نہین لیا جاتا تب تک اُنکے تاثیرات اور تصرفات کا جداگانہ نام نہین رکھتے لیکن جب اُن سے کام لیا جاتا ہے اُنھین مختلف نامون سے تعبیر کرتے ہین

یہ ایک قدرتی فیضان ہے جو ہر ایک شخص کے حصہ مین علے قدر مراتب رکھا گیا ہے اس سے ثابت ہے کہ علوم اور فنون کی بنیاد ازلاً رکھی گئی ہے اور ہر انسان توجہ اور کوشش سے اُن مدارج تک پہنچ سکتا ہے جو مدارج روحانی - تمدنی ترقیات کے واسطے ایک علمی زینہ ہین -

سلطان احمد

ایک افسردۂ محبت سے خطاب

(ایک اسپرانٹو نظم کے جواب مین اُسی کے انداز پر)

دیکھتی اکثر ہو تم افسردہ نظرون سے مجھے
اس طرح ! گو یا کسی نے تم کو دیکھا ہی نہین
دیکھتا ہون - انکو حسرت پاشیان کرتے ہوے
آہ ! وہ آنکھین - جو ہین دوشیزگی سے شرمگین

کیا تمھارے دل مین ایسا راز پنہان ہے کوئی
جو لب اظہار تک آنے سے نامانوس ہے
یا جو بالکل غیر ممکن ہو - وہ ارمان ہے کوئی
جسکے بر آنے کے امکان ہی سے دل مایوس ہے

کچھ تو بتلاؤ کہ یہ خاموشیِ مطلق ہے کیون
کس لیے بشاش ہونے کی جگہ تم ہو حزین
چشم کیون پر آب ہے اور رنگ رخ کا فق ہے کیون
تم تو ہو اک ہستیِ لطف و مسرت آفرین

کیون بیان کرنے مین ہے اُسکے تامل اسقدر
کس لیے آخر نہین کرتی ہو مجھپر اعتماد
کیجیے دیکھو تو کہ مین کرتا ہون کوشش کس قدر
جس کی پھر بیساختہ دینا پڑے گی تم کو داد

تم ہو اس دنیا سے ناواقف اگر پروا نہین
مین مدد دونگا تمھین ہر جس قدر امکان مین
سچے دل سے کہہ رہا ہون مین جھوٹ اصلا نہین
اور قائم اس پہ ہون ہر جان جبتک جان مین

دیکھکر افسردہ تم کو باتاب نظارہ نہین
گر یہی حالت رہی - وحشت مجھے ہو جائیگی
فکر ہے جو تمکو اُسکا ہی اگر چارہ نہین
پھر جہان مین ہوشیاری میرے کیا کام آئیگی

کیا کرون گا لے کے مین عقل و خرد ہوش و حواس
عقدۂ مشکل تمھارا ہی نہ جب حل ہو سکے
تجربہ کاری مری کیا۔ اور کیا زور قیاس
جب نہ یہ دل کی خلش تک کو تمھاری کھو سکے

مجکو اس پژمردگی کا کچھ بتاؤ تو سبب
تا کہ اُسکے دور کرنے کی کوئی تدبیر ہو
میرے دل مین سخت پیدا ہوگیا رنج و تعب
دیکھکر تم کو کہ یون افسردہ و دلگیر ہو

پھر تعمق کی نظر سے دیکھتی ہو تم مجھے
آہ یہ گہری نگاہین ہین نہایت ہی عجیب
اس ادا سے کر رہی ہو اور بھی تم گم مجھے
دور اتنا ہی ہوا جاتا ہون جتنا ہون قریب

آہ تم پر تو وہی طاری ہے اب بھی خامشی
جو برابر کرتی جاتی ہے مجھے اندوہگین
مین تو اسکو آج تک سمجھے ہوا تھا شاعری
واقعی سچ ہے حسینون کے دہن ہوتا نہین

بس خدا کے واسطے دیکھو نہ مجھکو یاس سے
ورنہ رخصت کوئی دم مین ہونیوالا ہے شکیب
کیا چلا ہی جاؤن مین اُٹھکر تمھارے پاس سے
اور تم سمجھو کہ یہ ہمدردیان ہین سب فریب

پڑ رہی ہے آہ پر معنی نگہ پھر بھی وہی
چھپ گیا تاریکیون مین اور بھی اب راز دل
میرے دل مین بھی مگر اک بات پیدا ہوگئی
دل ہی سن سکتا ہے اس دنیا مین ان آواز دل

(۵)

او دہ گھبراؤ نہ ہر گز مشکلین ہون گو ہزار
بعد ہو کیسا ہی لیکن قرب جا سکتا نہین
جبر کتنا ہی کیا جائے اگرچہ اختیار
متحد جو ہون اُنھین کوئی چھڑا سکتا نہین

او دہ جھگڑین یہ عارضی ہین۔ دور ہو جائینگی سب
کامیابی نذر دے گی ایک دن عیش و طرب

ارشد تھانوی (از بمبئی)

ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر

ایک مفصل ریویو

نمبر ۲

تاریخ کیا ہے ؟ مراۃ الاولین و عبرۃ الآخرین ۔ سابقین کے حالات سے ہم کو سبق لینا چاہیے ۔ عبرت پکڑنا چاہیے انکو صحیح حالت مین دکھانا چاہیے نہ کہ غلط واقعات اور خلاف تدین راے کا اظہار کرکے اس سرے سے اُس سرے تک اک آگ لگادین ۔ مطالعۂ تاریخ سے بگڑتے بن اور روٹھے من جاتے این اور ہمارا تو اعتقاد ہی کہ اگر مسلمانون کے سچے حالات بعینہ ملک مین پیش کیے جائین تو غیر ممکن ہے کہ از سرنو ایک تازہ روح نوخیز نسلون مین پیدا نہو بشرطیکہ انکے دلون مین انکی تاریخی عظمت کا گہرا نقش پیدا کرنے کی اور بھی خارجی عملی کوششین ہون ۔ یہی نہین بلکہ ہماری امیدین ہمین ایک قدم اور آگے لے جاتی ہن اور ڈھارس دلاتی ہین کہ یہ نفاق کی صورت مٹ جائے گی ۔

شکر ہی کہ ایسی کوششون کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے اور جناب مولوی فقیر کرم الٰہی صاحب صوفی نے بہت بڑی شفقت سے کتاب زیر تبصرہ لکھکر ایک عمدہ مثال پیش کی ہی جو مختلف حیثیتون سی قابل قدر ہے ۔ ہم دست بدعا ہین کہ انکو بارگاہ صمدیت سے اس حُسن خدمت کا بہتر سے بہتر صلہ ملے ۔ کتاب اپنے دامن مین اسقدر خوبیان سمیٹے ہوے ہے کہ "کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست" کا نقشہ جابجا پیش نگاہ ہے ۔

مصنف کی دل توڑ کوشش، جانفشانی اور بالغ نظری کا اندازہ صرف اس امر سے ہوسکتا ہی کہ انھون نے تقریباً پچاس کتابون کے مطالعے کے بعد اس تصنیف پر قلم اُٹھایا ہی جنمین عربی فارسی انگریزی اُردو ممکن ہی ہندی کی کتابین ہین ۔ اور مصنفین کی فہرست مین مسلمان ہی نہین بلکہ ہند و انگریز حتیٰ کہ سکھ تک شامل ہین ۔ جب یہ دو جلدین مکمل ہوئی ہین ۔

تحقیقات مین یہ احتیاط برتی ہی کہ اپنا مدار بیان عہد بعہد انھون نے مصنفین کے اُس دور پر رکھا ہی جو اقرب ہے اور پھر عند الضرورت دوسرے مصنفین کے بیان کا موازنہ کیا ہے اور از طلود تفریط دکھا کر اپنی راے قائم کی ہے ۔ مثلاً فتح سندھ غزنوی اور غوری خاندانون کے عروج و زوال ۔ خاندان غلامان کی سلطنت خلجی خاندان کی حالت کو لکھین گے تو تدریجاً مسعودی فیتوحات اسلامیہ یمینی طبقات ناصری اور فیروز شاہی وغیرہ پر اپنے بیان کو قائم کرینگے اور اسکے بعد دور آخر کے تصنیفات کا موازنہ کرینگے ۔ اس مقام پر ہم مصنف سے یہ دوستانہ شکایت کیے بغیر نہین رہ سکتے کہ انھون نے خود اپنی

تصنیف کی گران وزنی اور اہمیت کا اندازہ نہین کیا بلکہ اسکی قدر کم کیتے ہین - دہلی کی تاریخ پر نظر کرتے ہوے وہ صفحہ ۲۱۳ پر رقمطراز ہین "بہرحال ہند وعہد کی بھی تاریخ لکھنے مین مشکلات ہین کہ سررشتہ تعلیم پنجاب کی ٹکسٹ بک کمیٹی کو بھی صحیح تواریخ کا ملنا مشکل ہوگیا - پھر او شماکس بہتے پر ہندوون کی صحیح تاریخ لکھنے کا وعدہ کر سکتے ہین" اگر ہمارے سررشتہ جات ہی مین تحقیق واحتیاط سے کتابین لکھی جاتین توآج رونا کس بات کا ہوتا ؟ یہی تو رونا ہے اور مولوی صاحب کے ایسے ماہرین کا اسمین دسترس ہوتا تو یہ روز سیاہ دیکھنا کیون نصیب ہوتا - مورخ کے لیے جن چیزون یعنی شدت حافظہ - انتقال ذہنی اور اصابت راے کی ضرورت ہے معلوم ہوتا ہے فطرت نے وہ خصوصیات ہمارے مصنف مین پورے طور پر ودیعت کردی ہین واقعات انکے خزینۂ دماغ مین اس طرح جمع ہین گویا کہ انھون نے انکو جذب کر لیا ہے انتقال ذہنی کا یہ عالم ہے کہ وہ بلا تکلف عہد اسلامی مین زمانۂ برطانیہ کے حالات کا توافق - تطابق اور استقرار کیفیات کرتے ہین - اصابت راے کے متعلق ہم کہہ سکتے ہین کہ استخراج نتائج مین انکی غلطیان "النادر کالمعدوم" کی مصداق ہین - جو نتیجے انھون نے نکالے ہین وہ زیادہ تر صحیح ہین - ہان یہ اور بات ہے کہ مقدمہ ہی غلط ہو - ہم مثالین پیش کرنے سے عمداً پہلوتہی کرتے ہین اس لیے کہ خلاف قیاس بہت طول ہوگیا ہے -

ایک دوسرا رخ جو اس کتاب کا بہت زیادہ روشن ہے وہ انکی مذہبی خدمت - نہ صرف مذہبی بلکہ اخلاقی خدمت ہے - جہانتک تاریخ سے ایک اخلاقی نمونہ پیش کرنے کا تعلق ہے ہم نہایت ہی اطمینان کے ساتھ اپنے ابناے ملت سے سفارش کرتے ہین کہ وہ جناب مولوی صاحب کی اس تازہ تصنیف کو ملاحظہ فرمائین - اس اخلاقی نقطۂ خیال کو جناب مولوی صاحب نے اس حد تک نصب العین رکھا ہے کہ محض اس خیال سے کہ ممکن ہے کسی پر مطالعہ کتاب سے برا اثر پڑے "بدنام کنندۂ نکونامے چند" سگ دیوانہ نا ہنجار و بد فرجام کیقباد اور ننگ خلائق خسرو خان کی بد اطواریون اور سیہ کاریون کا حال تک لکھنے سے انھون نے احتراز کیا ہے مسلمانون کو اس کتاب کے دیکھنے سے اپنے اسلاف کے کارنامون کی اصلی تصویر دکھلائی دے گی - انکو اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ وہ لٹیرے لالچی قابو پرست خونی بنی نوع کے دشمن نہ تھے بلکہ اونمین عدالت گستری - عفو و رحم - ایثار نفس اور دوسرے محاسن کے ایسے اور اس حد تک جوہر تھے کہ جنکی مثالین دنیا مین خال خال نظر آتی ہین اور جہان ہین بھی تو اس پایہ کو نہین پہونچتین - جناب مولوی صاحب کو ہر موقع پر اخلاقی سبق نکالنے کا پہلو پیش نگاہ رہا ہے اور انکی نکتہ رس نگاہ قریب قریب ہر جگہ پہونچی ہے - اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ انکا موضوع کتاب یہی ہے - بلکہ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ اگر بجاے ہندوستان کی اسلامی تاریخ کے اس کتاب کا نام مسلمانان ہند کی اخلاقی تاریخ رکھتے تو شاید زیادہ موزون ہوتا - اس صورت مین

انھین "لفظ اخلاقی" کی توجیہ وتشریح کرنا پڑتی - کہ انکا کیا مفہوم ہے -

جناب مولوی صاحب ایک زبردست صوفی ہین - نہایت ہی پرجوش اور مذہب کے سخت حامی - مگر انھون نے اپنی حرارت مذہبی اور حسن عقیدت کو اپنی مورخانہ ہستی پر غالب آنے نہین دیا جس مقام پر مذہبی امور کی بحث کی ہے وہان عقلی ثبوت پیش کرنے کی کوشش مین رہے ہین - اگر کسی زمانہ مین سلطنت کے حُسن انتظام سے اچھے نتائج پیدا ہوے ہین تو یہ لکھنے پر یا ثابت کرنے پر بس نہین کی ہے کہ فلان بزرگ کے وجود مسعود سے یہ نتائج پیدا ہوے یا فلان کی دعا کے اثر سے یہ ہوا بلکہ نہایت صاف دلی سے اُس عمدہ انتظام کو سراہا ہے مگر با این ہمہ اپنے عقائد کے اظہار سے باز نہین رہے ہین بلکہ انکے اعلاء کی سعی سے غافل نہین رہے ہین - اس امر کو بڑے ہی شد و مد کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ اسلامی عصبیت اور شریعت کے اوامر ونواہی کی پابندی ہی سے مسلمان ترقی کرسکتے ہین - نہین تو نہین - اخلاقی سبق آموز حکایتین جا بجا نہایت ہی حسن اسلوب سے بیان کی ہین - جنمین سے چند بشرط موقع وفرصت ہم آگے چلکر بیان کرینگے جنکا نہایت ہی اچھا اثر پڑتا ہے - ہم امید کرتے ہین کہ ہمارے نوجوان اس کتاب کو نہایت ہی غور سے مطالعہ کرینگے جو امید ہے کہ انکے لیے شمع ہدایت ہو -

یہ ایک ایسی تصنیف ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے اس زمانہ کے لیے نہایت ہی ضروری ہے - باین لحاظ کہ بہت زیادہ طول ہوجائے گا ہم اس کتاب سے مثالین نہین پیش کرتے اور نہ اسکے تمام محاسن کی توضیح مین شاخ در شاخ باریکیان نکالتے ہین یہ بہت ہی جلی امور لکھدیے ہین - بقیہ باتین انھین سے پیدا ہوتی ہین اور "گل چین بہار تو ز داماں گلہ دارد" کہکر روے سخن کتاب کے دوسرے رخ کی طرف کرتے ہین -

اس مقام پر یہ امر فراموش نہین کیا جا سکتا کہ مصنف کی غرض تصنیف اخلاقی خوبیون کے اظہار کے علاوہ موجودہ رائج الوقت تاریخی کتب کی غلطیون کو رفع کرنا ہے چنانچہ یہ مدنظر رکھکر کہ ہندوستان کے مسلمان جنکی اسلامی حمیت قومی عصبیت زنگ آلود ہوچکی ہے انکے لیے بہادر شاہان ہندوستان کے اسلامی جذبات کا مطالعہ نہایت مفید ہے - اور دیگر ملکی بھائی ہندوون وغیرہ کو جو نفرت اور کراہت تاریخی کورسون مروجہ مدارس کے مطالعے سے پیدا ہوکر ہندوستان کی مشکلات کا باعث ہو رہی ہے دور ہوگی انھون نے اپنی تحقیقات کا سلسلہ شروع کیا ہے اور اخلاقی پہلو کو کسی مقام پر ہاتھ سے جانے نہین دیا - ابتدا کرتے ہی مورخین پر ریویو کی ہے جسمین زیادہ تر انگریزی مورخین کی خبر لی ہے اس لیے کہ انھین کی کتابین انگریزی دان شائقین تاریخ کے لیے فی زمانا مطالعہ کتب مین امیر النحل بنی ہوی ہین اسکے اظہار مین مصنف نے کوئی کسر نہین اُٹھا رکھی رخان بہادر شمس العلما مولوی

ذکاء اللہ مرحوم کی لغزشیں بھی دکھائی ہیں اور اس امر کے بجا طور پر بہت بجا متمنی ہیں "کہ محقق ناظرین محض وجاہت دنیوی پر نگاہ کرکے میری ناچیز تحریر کو حقارت سے نہ دیکھیں بلکہ اختلاف کو تاریخی معیار سے تحقیق فرمائیں" تحقیقات کا جوہر ہمارے مصنف میں بہت اعلےٰ درجہ پر ہے - اختلافی مقامات ہندوستان کیا عرب و فارس کی تاریخوں کے بھی جہاں پائے ہیں انپر مدلل اور مفصل بحث کی ہے اس کتاب کا یہ رخ نہایت ہی روشن اور دلفروز ہے - اگر سرسری طور پر نہ پڑھیے بلکہ بہ امعان نظر اس کتاب کو دیکھیے تو اسکی وقعت معلوم ہوتی ہے -

باین خیال کہ ہم پر بیجا طرفداری کا الزام نہ لگایا جائے ہم چند فروگزاشتیں اور لغزشیں بھی مصنف کی ظاہر کیے دیتے ہیں -

انگریزی مصنفین کی تصنیفات اور غلط بیانی کی بابت جناب مولوی صاحب کا خیال ہے کہ "انکی ترتیب و تالیف میں مصالح ملکی یا قومی کو مد نظر رکھا گیا ہے" لیکن ہمارا خیال ہے کہ انکی غلط بیانی کی ایک اور بڑی اور قوی وجہ یہ ہے کہ انکے خیالات پیشتر ہی سے مسلمانوں کی جانب سے از حد خراب ہیں اور اسی بدگمانی کا نتیجہ ہے کہ "کل ہست سعدی و در چشم دشمنان خار است" کی مصداق مسلمان انکی تصنیفات میں نظر آتے ہیں - اسی امر کو قدرے وضاحت سے ہم اوپر لکھ آئے ہیں - دوسری وجہ انکی غلط بیانی کی یہ ہے کہ ان مصنفین کی نظر بجائے خود وسیع نہیں ہے - ہندوستان میں یہ علمی غرض سے نہیں آئے بلکہ بسلسلہ ملازمت آئے - اور اس دوران میں کتب بینی کے شوق نے چند کتابیں ان کے مطالعہ سے گذرانیں جسکا نتیجہ انکی نام نہاد تاریخوں کا جلوۂ مشہود ہے - طرہ اسپر یہ کہ تعصب کی پٹی باندھکر انھوں نے اسلامی واقعات اور کارناموں پر نظر کی - ظاہر ہے کہ انکی تحریریں پھر کیسی ہونگی - اگر نیک نیتی اور صاف دلی سے مطالعہ تاریخ کرتے تو غیر ممکن تھا کہ جرمن اور فرانسیسی مصنفین ڈاکٹر لیبان مصنف "تمدن عرب" وغیرہ کے ہم نوا یہ نہوتے - انکی نیک نیتی کی حالت تو ایک ایک فقرہ سے ظاہر ہے مصنف نے بہت سی غلط بیانیاں ظاہر کی ہیں چنانچہ الفنسٹن صاحب کی اس تحریر کے بابت "کہ اگر ایسا ہی ہوا ہوگا تو غالب ہے کہ سندھ کی حسین عورتوں کے لیے لٹیروں نے ارادہ کیا ہوگا کیونکہ ملک عرب میں اس ملک کی حسین عورتوں کی کمال آرزو تھی" - مولوی صاحب بہت صحیح فرماتے ہیں "اسکے بعد بحری حملے پر شک کرتے ہوے بے انصافی سے خلاف واقعہ اپنی ذاتی راے تحریر کرتا ہے" مصنف نے صرف لٹیروں اور مجاہدین کی بحث کتاب میں اچھی کی ہے اور یہ امر اگر مان بھی لیا جائے کہ ایسا واقع ہوا تو لٹیروں کے حملہ کو خلافت راشدہ سے کوئی تعلق نہو گا خوب دکھایا ہے - یہی وہ قیاسات اور منطقے ہیں جنکا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں - ایسے ہی دور از کار فقروں کے ذریعہ سے ملک میں نفاق کی تخم ریزی ان کتابوں نے کی ہے -

اب ہم بالاختصار چند اور باتین دکھاتے ہین جو اس کتاب کے چہرۂ زیبا کا داغ ہین:

(۱) (ترتیب) سب سے بڑی کمی جو اس کتاب مین نظر آتی ہے وہ یہ کہ اس کتاب مین ترتیب کا کوئی خاص نظام نہین ہے۔

(الف) واقعات عموماً تاریخون مین سنہ وار درج ہوتے ہین اسکا لحاظ اس کتاب مین بہت کم ہی سنون کی وضاحت کی مصنف نے خود زیادہ کوئی کوشش بھی نہین کی۔

(ب) تقدم و تاخر بلحاظ سنین کی عدم موجودگی سے قطع نظر کرکے ذکر واقعات مین کوئی خاص سلسلہ نہین ہے۔ مثال کے طور پر ہم سلطان محمود کے حالات لیتے ہین۔ سلطان محمود سے ہندوون کی نفرت کی وجہ دکھائی یورپین مورخ کا بیان لکھا۔ جنگ کا حال شروع کیا۔ بعد ازان اشاعت اسلام بذریعہ صوفیاے کرام لکھی پھر جنگ کا حال لکھا۔ حالات جنگ کے تذکرہ مین ضمناً مختلف مضامین لکھے گئے ہین۔ جسمین کہ اس موقع کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو سنہ کا خیال رہا ہی پھر فتح سومنات کے بعد "غزنی کو واپسی اور مشکلات" "سلطان کی اجابت دعا" "راجائون کی سرکشی" "خطاب خلیفہ بغداد" "اسلام کی مرکزی طاقت" "اور راجائون پر چڑھائی" کے مختلف عنوانون کے بعد مقناطیسی بت کا ذکر کیا ہے جسے فتح سومنات کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔

مناسب یہ تھا کہ ولادت کے حال سے لیکر سلسلہ وار حرب کا ذکر ہوتا بعد ازان سلطان کے عادات و خصائل کا اور عند الموقع ضمناً مورخین کی خلاف بیانی اعتراضات اور اخیر مین ہندوؤن کی نفرت اور ایسی فروعی باتون کا ذکر ہوتا۔ کیقباد کے حال مین کسی سلسلہ کا پتہ نہین چلتا۔ مصنف نے اخلاقی حالت دکھانے پر خاص توجہ کی ہے۔ جس طرح انھون نے مسلمانون کے ہندوؤن کی طرز معاشرت پر اثر کے ناکافی بیان کو اخیر کتاب مین لکھا ہے مناسب یہ تھا کہ اسے بھی اخیر مین لکھتے اور عہد بعہد اشاعت اسلام بذریعہ صوفیاے کرام وغیرہ کی توضیح کرتے۔ مصنف نے ترتیب کتاب پر توجہ نہ کرنے مین اس امر کو نظر انداز کر دیا ہے کہ حسن ترتیب سے کتاب کے مضامین یاد رکھنے مین بہت مدد ملتی ہے۔

(۲) کتاب کا ایک کافی حصہ ایسے زوائد اور حشویات سے پر ہے جس کا تعلق ہندوستان کی اسلامی تاریخ سے بہت کم گویا کہ نہین ہے۔ مثلاً خاندان اموی۔ عباسی۔ غزنوی اور غوری کا زائد از ضرورت اور با تفصیل حال فتح ایران اور سلجوقیون کی بغاوت کی کیفیت وقس علی ہذا۔

(۳) بعض باتین ایسی ہین جن پر ایک اجمالی نظر ڈالنا لازمی تھی مثلاً حملہ محمد بن قاسم و محمود کے وقت ہندوستان کی

ایک عام حالت اور ہندوؤن کی قوت دکھانا چاہیے تھی جس سے مسلمانون اور ہندوون کی قوت کا اندازہ ہوسکتا ورنہ یہ امر اب بھی غیر منفصل شدہ رہگیا ہی کہ زیادہ تر ہندوون کی باہم بر سر عناد اور چھوٹی ریاستون کے ہونے کے باعث مسلمان کامیاب ہوے حالانکہ یہ خلاف واقع ہے جیسا کہ خود مصنف نے اکثر مقامات پر اپنی تصنیف مین اشارہ کیا ہی۔ اگر ہندوون کی اکثر ریاستون کے حدود (اقلیم) مالی طاقت فوجی کیفیت وغیرہ مصنف نے زیادہ صراحت اور وضاحت سے لکھی ہوتی تو اس شبہ کا بھی موقع نہ تھا۔

(۴) مصنف نے مسلمانون کی قواعد دانی اور فنون حرب سے واقفیت کے بوضاحت اظہار کی کوشش نہین کی۔ جہان ہے ضمناً ذکر آگیا ہے۔ حالانکہ الحرب خدعۃ اسی کا نام ہے اور جنگ رنگھا دار دکا راز یہی ہی۔ بجائے اسکے زیادہ تر جناب مولوی صاحب نے روحانی فوقیت پر فتح کو محمول کیا ہے روحانی قوت کی برتری اور اسکے آثار و عجائبات سے انکار نہین۔ وہ اکثر جگہ کام دے جاتی ہی اور فتح و انحصار بہت کچھ اسپر ہے لیکن اسکے یہی معنی ہین کہ روحانی قوت فوج کا پاؤن اکھڑنے نہ دے گی جس سے ممکن ہے کہ ساری فوج کٹ مرے لیکن پیچھا نہ دکھائے۔ مگر پھر بھی ظفر جنگی قریب قریب قواعد جنگ کی واقفیت اور اسپر عمل پیرائی کی برتری پر منحصر ہی۔ اس عالم آب وگل مین تمام چیزین محض حق و ناحق اور صرف روحانی فوقیت کی بنا پر نہین طے پاتین۔

(۵) بعض باتین ہین کہ انکا ذکر مصنف نے ناکافی اور ادھورا کیا ہے۔ مثلاً نصرا خان اور کیقباد کا حال ردّنا ہے۔ مصنف نے صرف نصیحتین لکھنے پر اکتفا کی ہے۔ علاؤالدین کے قلعہ دیوگڈھ کے دوبارہ فتح کے حالات مین یہ نہ لکھا کہ ملک کا پھر حشر کیا ہوا۔

(۶) اکثر مقامات پر مصنف جادۂ اعتدال سے بہت دور جا رہے ہین اور یہ امر کوئی تعجب خیز نہین۔ ہر پرجوش شخص سے یہین اندیشہ رہتا ہے۔ مثلاً چند باتین مندرج ہوتی ہین۔

(الف) سلطان محمود کی راجہ گجرات کو تاج بخشی کے موقع پر لکھتے ہین صفحہ ۱۱۴ "انہلوارہ کا راجہ بھاگ گیا۔ اور مطیع ہوا۔ سلطان نے گجرات کی حکومت ایک ایسے شخص کو عطا کی جو قدیم راجاؤن کے خاندان سے تھا اور اب خلوت نشین سادھو تھا۔ جنگی یا مالی طاقت نہ رکھتا تھا۔ یہ راجہ اسی دابشلیم کی نسل سے تھا جسکا افسانہ انوار سہیلی (پنچ تنتر) وغیرہ مین درج ہی۔ ایسی تقرری کو خواہ کسی مصلحت پر تصور کیا جاے لیکن ایک سادھو گوشہ نشین کو سابق راجہ انہلوارہ کے جیتے جاگتے راج ملک دینا کمال فیاضی اور زبردست شاہانہ اقتدار کو ثابت کرتا ہے کہ ایک بے خانمان شخص کو گدائی سے درجہ شاہی تک پہونچا دیا۔ اور شاہانہ بندہ نوازی کو دوست دشمن کے

دل میں ٹھہادیا ..... سلطان کی اس تاج بخشی کا مقابلہ تاریخ میں نہیں پایا جاتا" سلطان کی زبردست قوت ملوکانہ اقتدار ہیبت اور سطوت وجلالت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اور اسی کی وجہ سے اسے اس تاج بخشی میں ایسی کامل کامیابی ہوی۔ لیکن اس ذکر کمال فیاضی شاہانہ بندہ نوازی میں مبالغہ کی بو پائی جاتی ہے اور خصوصاً اس بیان میں کہ "سلطان کی اس تاج بخشی کا مقابلہ تاریخ میں نہیں پایا جاتا" بہت کچھ مبالغہ ہے۔ "شاہانہ بندہ نوازی سلطان کے لیے شایان شان ہے" "کمال فیاضی" کو اگر اس نقطہ خیال سے لیجیے جو سلاطین کے لیے معیار ہے تو بہت کچھ اپنے درجہ سے گرتی ہوی دکھائی دیتی ہے۔ اسلیے کہ شاہانہ عطایا محض خوشنودی مزاج پر بلا کسی ذاتی خیال کے ہوتے ہیں جو حالت اس موقع پر نہیں ہے۔ سلطان کی "اس تاج بخشی" میں سیاسی مصالح کا بھی ایک پہلو ہے۔ ایک ذی اقتدار کی قوت کو زائل کر دینا اور دوسرے کو ابھار دینا تاکہ ایک راہ کا کانٹا دشمن دور ہو جائے اور ایک دوست دامن دولت سے لپٹا رہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ الحاق ملک مقصود نہو سلاطین اولوالعزم کے لیے ایک معمولی بات ہے ایسی مثالوں کی کمی تاریخ میں نہیں ہے۔ کچھ بہت ہی نہیں بلکہ تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے کہ اسی ہندوستان میں انگریزوں نے سلطان ٹیپو کی حکومت اور سلطنت خاک میں ملا دی اور اسکی جگہ پر قدیم ہندو خاندان کو پھر برسر حکومت کیا۔

(ب) خلیفہ عبدالعزیز کو فخر اسلام کہا ہے۔ سوا آنحضرت صلعم اور چند دیگر صحابہ کبار کے کسی کو فخر اسلام کہنا زیبا نہیں۔ اسلام کے تمام محاسن بلکہ قدر سے ما فوق صفات، اگر کسی جزو واحد میں جمع ہوں تو اسے فخر کہہ سکتے ہیں نہیں تو نہیں۔ ہاں بیشک اس خلیفہ کے مایۂ ناز اسلام ہونے میں کلام نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی علو شان کی بڑی وجہ نزاکت وقت کے لحاظ سے ہے۔

(ج) سلطان محمود کے انتقال کے موقع پر لکھتے ہیں۔

"وہ ۲۳ اور ۲۲ ربیع الاول ۴۲۱ھ مطابق ۹ و ۱۰ اپریل ۱۰۳۰ء کو ۶۱ یا ۶۳ سال کی عمر میں ۳۵ یا ۳۶ سالہ سلطنت کے بعد وہ شمشیر زن کشور کشا دنیا کا سب سے زبردست بادشاہ تیغ اجل سے جانبر نہو سکا اور راہی فردوس بریں ہوا اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعون فلاسفر اور عالم کا اپنا قطعہ صحیح ثابت ہوا۔

قطعہ

ہزار قلعہ کشادم بیک اشارتِ دست بسے مصاف شکستم بیک اشارتِ پاے
چون مرگ تاختن آورد ہیچ سود نداشت بقا بقاے خدا ہست ملک ملک خداے

قطع نظر اس امر کے جن لفظوں پر ہم نے خط کھینچ دیے ہیں وہ ایزاد سے محفوظ نہیں سلطان محمود کے فلاسفر اور عالم ہونے مین کلام ہے۔ علم دوستی اور علم پرستاری کے معنی عالمیت نہیں ہو سکتے۔ اگر "فلاسفر" کا اصلی یعنی یونانی مفہوم "محب علم" لیا جائے تو بیشک سلطان کو اور اسی طرح سلاطین کے ایک گروہ کثیر کو "فلاسفر" کہہ سکتے ہیں اور سلطان کے لیے کوئی امتیازی شان نہیں رہتی۔ اور غالباً لفظ فلاسفر کو مصنف نے حرفی معنون مین لیا ہے کسی شعبہ مین پیچیے محمود کے فلسفیانہ مکاشفات نہین پاے جاتے۔ کیونکہ اگر ہوتے جنکی ہمین خبر نہین تو مصنف یقیناً لکھتے۔ اگر ہین اور مصنف سے لکھنے مین فروگذاشت ہوئی تو تصنیف مین سخت نقص ہے۔ اور نہ یہ کہہ سکتے ہین کہ صرف اس قطعہ کے لحاظ سے سلطان کو فلاسفر اور عالم بنایا ہے۔ اس قطعہ مین علم اور فلسفہ کی جھلک کم پائی جاتی ہے۔ اس سے ایک ایسے شخص کی حسرت آمیز نظر واپسین معلوم ہوتی ہے جس نے اپنے کارنامون سے عالم پر ایک گہرا نقش چھوڑا ہو۔ یا اس سے ناپائداری دنیا کا ایک نقشہ سا ظاہر ہوتا ہے جسکی مثالین فارسی اور اردو کے عام شعرون مین بکثرت پائی جاتی ہین۔

(د) ایسا ہی مبالغہ اکثر مقامات پر پایا جاتا ہے۔ علاؤالدین کے متعلق لکھتے ہین "ملکی انتظام اور بہبودی رعیت کے لیے وہ ایثار نفس کا اعلےٰ نمونہ تھا جس صفت مین دنیا کا کوئی بادشاہ علاؤالدین کا مقابلہ نہین کرسکتا" کیا ناصرالدین محمود بھی؟ اسی علاؤالدین کے انتظام انسداد رشوت ستانی کی بابت لکھتے ہین "رشوت کی رکاوٹ جس طرح سلطان علاؤالدین نے کی وہ روے زمین کے کسی بادشاہ سے نہ ہوسکی" جو مبالغہ ان دونون بیانون مین ہے وہ خود ہی ظاہر ہے محتاج وضاحت نہین۔

(ھ) یہ ایک مسلم مسئلہ ہے کہ جس شخص مین ایک صفت علےٰ وجہ الکمال پائی جاتی ہے اور محامد تقدیر نصیب ہوتے ہی ہین۔ اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ سلطان محمود مین تہور نہین بلکہ شجاعت علےٰ وجہ الکمال تھی اور اسلیے رحم۔ عفو۔ کرم اور سخاوت بھی تھی لیکن اس سے یہ نہین ہو سکتا کہ سلطان کو سخی فیاض اور باذل ان سلاطین کے مقابلہ مین لاکر کہین جنھون نے اسلام کا نام روشن کیا۔ مثل اورنگ زیب کے سلطان محمود ایک جزرس منتظم تھا جس طرح اسے کنجوس مکھی چوس کہنا ظلم ہے اسی طرح فیاض اور باذل کہنا بھی بیجا جنبہ داری کی حد مین داخل ہے۔ مورخین اسلام جنھون نے سلطان پر حرف گیری کی ہے انکے پیش نظر خلفاے دمشق و بغداد و اندلس اور برامکہ و آل بویہ وغیرہ کی داد و دہش کے کارنامے تھے اور اسلیے سلطان کی سخاوت مین انکا فی لگا دینا صحیح ہے فردوسی کے قضیہ مین بھی مصنف کی طرفداری کی جھلک نظر آتی ہے ہم اسے اس مقام پر بلحاظ طوالت قلم انداز

کرتے ہین۔ بہرکیف خواہ سلطان کے اپنے قصور سے ہو یا وزیر کے لیکن فردوسی کا لگایا ہوا۔

پرستار زادہ نیاید بکار   اگرچہ بود زادۂ شہریار

اور

کف شاہ محمود عالی تبار   نہ اندر نہ است و سہ اندر چہار

کا ٹیکہ اسکے ماتھے پر لگ گیا اور ایسا لگا کہ اس کا مٹنا اب محال ہے۔ ایسی مثالین بکثرت ملتی ہین اور مورخین بہت کم ایسے ہین جو بالکل حد اعتدال مین ہون۔

الفنسٹن کا اعتراض کہ "معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ملکون کے انتظامون مین کوئی نئی بات اپنی طرف سے ایجاد نہین کی اور نہ کوئی نیا قانون اور قاعدہ جاری کیا" چندان غلط نہین معلوم ہوتا۔ ممکن ہے کہ مصنف کا اس اعتراض کی بابت یہ کہنا کہ "یہ انکی اسلامی قانون (فقہ) سے ناواقفیت کا سبب ہے" صحیح ہو لیکن اسمین بھی شک نہین کہ مقتضیات وقت و مقام کے لحاظ سے ہر حالت مین ایک مدبر قوانین مین جدت طرازی کرسکتا ہے اسلامی اصول مین فروعات پیدا کرسکتا ہے اور وہ بھی ایجاد اور اعتزال سے کوسون دور رہ کر۔ زراعت تجارت انسداد جرائم اور اسی طرح معاشرت کے مصالح ہر مقام پر ایک ہی نہین ہوتے۔ اسلام نے ایک عام اصول مقرر کردیا ہے اب اُن اصول پر عمل درامد کرتے ہوئے نئی باتین پیدا کرنا ہر بادشاہ کا کام ہے۔

ترویج فارسی کے ذکر مین جناب مولوی فقیر کرم الٰہی صاحب نے عربی اور پھر مذہب مین ضعف پیدا کرنے کا الزام محمود کے سر رکھا ہے اور محض محمود کے ایرانی النسل ہونے کو اسکا محرک بنایا ہے۔ ہم یہ بحث نہین چھیڑنا چاہتے کہ صرف ایرانی النسل ہونا اسکا محرک ہے یا کچھ اور لیکن اسقدر کہے بغیر نہین رہ سکتے کہ مصنف نے اس امر کو بالکل نظرانداز کردیا کہ زبان دربار اور زبان عدالت ملک کی اقتصادی اور معاشرتی حوائج کی بہت زیادہ تابع و محکوم ہے مملکت کی وسعت نے سلطان کو اس امر پر مجبور کیا ہوگا۔ عربی کو ہندی و پشتو وغیرہ سے وہ رشتہ یگانگت نہین ہے جو فارسی کو ہے۔ عربی اصلاً ان السنہ سے بالکل جدا ہے۔ اسکے علاوہ فارسی نے عربی مصطلحات کو جذب کرلیا تھا ان تمام باتون پر نظر کرکے غالباً سلطان نے فارسی کو زبان عدالت قرار دیا ہو۔ مذہب مین ضعف پیدا کرنے کا اعتراض بھی صحیح نہین۔ یہ یقیناً درست ہے کہ زبان شریعت مذہب کی استواری مین ایک حد تک معین ہوتی ہے لیکن شیوع مسائل کافی طور پر نہین ہوسکتا۔ عوام الناس کو تا وقتیکہ خود انکی زبان مین نہ سمجھاؤ دل مین باتین گھر نہین کرسکتین۔ زبان عربی کے عام کردینے کا خیال ایسی حالت مین کہ وسائل افہام و تفہیم و اشاعت ایسے عام نہ تھے جیسے کہ اب ہین خواب نوشین سے زیادہ ہستی نہین رکھتا۔ اس لحاظ سے

بھی فارسی کا رواج دینا مناسب نہ تھا۔ مذہبی انحطاط کا بنیادی پتھر تغیر زبان سے نہین رکھا جاتا بلکہ اس گروہ کے اخلاقی اضمحلال۔ تن پروری۔ تن آسانی اور فرائض فراموشی سے ہوتا ہے جو خلایق کی پیشوائی اور دستگیری کرتا ہے۔

فارسی زبان اور شعر العجم کو مخرب اخلاق کہنا ظلم ہے۔ دنیا کی کوئی زبان نہین جسمین ایسے متخالف اور متضاد عناصر نہ پائے جاتے ہون۔ کیا انگریزی زبان جو اس وقت ہندوستان کا سرتاج بنی ہوئی ہے ان عناصر سے خالی ہے۔؟

ملٹن اور شیکسپیر اپنی پاکیزگی خیالات کے لحاظ سے معلم اخلاق سمجھے جاتے ہین لیکن انھین کی بعض تصنیفین بد اخلاقیون کا دفتر نظر آتی ہین۔ (Rape of Lucerece) مین شیکسپیر نے کچھ ایسی گندہ باتین لکھی ہین کہ اُنکے مطالعہ سے ہر شخص کو شرم معلوم ہوتی ہے (Paradise Lost) مین ملٹن نے اپنی ماں حوا کی جو برہنہ اور شرمناک تصویر دکھائی ہے اسکا خیال بھی ایک صاحب اخلاق کو ہلا دینے والا ہے۔

لارڈ بائرن کی بعض نظمین اسقدر فحش ہین کہ ہمارے یہان اُردو کی زہر عشق کی مثنوی اور طلسم الفت اور دیوان جان صاحب انکے سامنے کچھ ہستی نہین رکھتے۔

نقش ہستی

انقلاب ایران

آہ اے ایران تو تھا اک دن جنت نشان
آہ! لیتا تھا قدم تیرے کسی دن آسمان

تھے ترانہ سنج تجھپر طوطیان خوش نوا
تھے ترنم ریز تجھپر بلبلانِ نغمہ خوان

نخل ماتم بن گئے ہین آہ! کیون تیرے شجر
آہ کس گلچین نے لوٹا آج تیرا بوستان

بن گیا شہر خموشان آہ کیون تیرا چمن
اب کہان ہین آہ تیرے شاعرانِ خوش بیان

آہ! تو تھا ایشیا کی اک پرانی سلطنت
تجھسے لے ایران رونق پایہ تھا تخت کیان

ایک ہی پرچم کے سایہ مین پھلا پھولا ہے تو
تجھپہ لہرایا ہے صدیون ایک ہی قومی نشان

آہ! تیری کیا خطا تھی کیون ہوا مقہور تو
محشرستان کیون بنا ہے آج تیرا ہر مکان

کون آفت تجھپہ ٹوٹی کیون ہوا یہ تیرا حال
کھا گئی کس کی نظر تجھکو نصیب دشمنان

آہ! تجھ سے تقویت تھی عالمِ اسلام کو   مامنِ بیچارگان تھا حامیِ اسلامیان
بنگیا ہے کس لیے تو عرصۂ کرب و بلا   آہ! تیرے مجتہد کیون پا رہے ہین پھانسیان
آہ! اے مظلوم ایران آہ اے خانہ خراب   آہ! اے معتوب ایران آہ! اے بے خانمان
کس خطا پر تو ہوا ایسے مصائب کا شکار   کس گنہ پر ہو رہی ہین تجھپر ایسی سختیان
تو مرقع بن گیا اب حیرت و افسوس کا   تجھپہ جو گزرا ہے تصویر وہ سب ہے تیری عیان
آہ اک وہ وقت تھا جلتا تھا جب تیرا چراغ   رہگیا ہے آہ! اب تو ایک دھندلا سا نشان
ایشیا کی جتنی قومین ہین سبھی کو رنج ہے   عالم اسلام ہی تیرا نہین ہے نوحہ خوان
ہو رہا ہے تیرا ماتم چین مین جاپان مین   رو رہا ہے کس مپرسی پر تری ہندوستان
کربلا سے بڑھ کے ہے ایران تیرا واقعہ   مرثیہ ہے مرثیہ تیری تباہی کا بیان
آہ تجھکو دشمنون نے کر دیا بیت الحزن   آہ تو تھا ایک دن دار الشرف دار الامان
اب سنبھلنا ہے ترا ایران اک خواب و خیال   رہگیا ہے اور تو تھوڑے دنون کا میہمان
وہ مرض تجھکو ہے جو لیکر ٹلے گا جان اب   ساتھ ٹرکی کے ہے اب تو بھی مریض نیمجان
روضۂ شاہ خراسان کیا ہوے تجھسے سلوک   آہ اے مشہد ہوئی تجھپر بھی گولہ باریان
عین عاشورہ کے دن کیا کیا ہوے تجھپر ستم   تا ابد یہ دن رہے گا یادگار کشتگان
آہ قسمت مین تری دوہری غلامی ہی لکھی   پیس ڈالین گے تجھے مل کر زمین و آسمان
چل گئی افسوس کچھ ایسی ہواے مغربی   بجھگئے واحسرتا لاکھون چراغ خاندان
مٹ گیا ایران تو یورپ کے ہاتھون مٹ گیا   لٹ گیا یورپ کے ہاتھون آہ تیرا کاروان

اب نہین جاگے تو کب جاگوگے اے ایرانیو!   اور بھی دکھلائے گا کچھ تمکو یہ خواب گران
یاد رکھو ٹھوکرین کھا کر بھی گر سنبھلے نہ تم   دیکھنا مٹ جائے گا باقی ہے جو نام و نشان
اب بھی تم ہو جاؤ اپنے کیل کانٹے سے درست   اب بھی چمکاؤ فلک پر دوستو قومی نشان
اب بھی چونکو اور اپنے کارنامون کو پڑھو   باستان نامہ مین دیکھو داستان باستان
آنکھ کھولو خواب غفلت سے اٹھو ایرانیو!   شاہ نامے مین پڑھو اپنے بزرگون کا بیان
کچھ خبر بھی ہے تمھین کس نسل سے ہو کون ہو   اور ہو کس وقت سے ایران پر تم حکمران

(ماخوذ از شاہنامہ)

تم وہ ہو جنکا کہ لوہا مانتے تھے دیوزاد — تم وہ ہو ڈرتے تھے جنکے نام سے شیر ژیان
تم وہ ہو شبدیز کو جنکے اسپ کرتے تھے ہلاک — تم وہ ہو دیتے تھے جنسے ایکدن پیل دمان
تم وہ ہو مشرق مین جنکا نام تھا جنگ آزما — تم وہ ہو مغرب مین چمکی جنکی تیغ خونفشان
تم وہ ہو جو سیر کرتے تھے ہوا کے دوش پر — تم وہ ہو جن کا کہ اکدن تخت تھا تخت روان
تم وہ ہو قبضہ مین جنکے ایکدن تھے روم و شام — تم وہ ہو جن کا لقب تھا ایکدن گیتی ستان
تم وہ ہو جن سے ہوے ایجاد سب آلات حرب — تم وہ ہو مردانگی کا جنکے قائل ہے جہان
تم وہ ہو مشہور ہے جن کا طلسمی جام جسم — تم وہ ہو جو دیکھتے تھے جام مین سیر جہان
تم وہ ہو جن کی شجاعت ہو گئی ضرب المثل — تم وہ ہو جنسے کھلا ہم پر طلسم ہفت خوان
تم وہ ہو جو عدل مین تھے آپ ہی اپنی نظیر — تم وہ ہو گزرا ہے جنمین دادرس نوشیروان
تم وہ ہو رویین تنون کو جو سمجھتے تھے حقیر — تم وہ ہو پیدا ہوا جن مین تہمتن پہلوان
تم وہ ہو جنسے ہوے مفتوح بربر اور مصر — تم وہ ہو جن کا کہ افریقہ مین سکہ تھا روان
تم وہی ہو ڈالدیتے تھے جو گھوڑے آگ مین — تم وہ ہو جو ایک کرتے تھے زمین و آسمان
تم وہ ہو جن سے ہوا ہے بادشاہی کا رواج — سب سے پہلا ہے سلاطین مین تمھارا خاندان
تم وہ ہو جو لیگئے تھے تخت طاؤسی اوڑا — تم وہ ہو جنکو ملا تھا تحفۂ صاحبقران
تم وہ ہو مشہور ہے جنکا کہ تخت طاقدیس[۱] — آسمانی حال تم پر جس سے ہوتا تھا عیان
تم وہ ہو صدقہ ہوا کرتے تھے جن پر سے ہما — تم وہ ہو قربان تھا جسپر درخت گلفشان[۲]

پھوٹ نے آپس کی تم کو کھو دیا ایرانیو — کھا گئیں تم کو تمھاری آہ خانہ جنگیان
کام نکلے گا نہ کچھ جنگ و جدل سے دوستو — توڑ دو تیغ و سنان اور پھینک دو تیر و کمان
متفق ہو جاؤ اور سرگرم جد و جہد ہو — ایکدن ہو جائے گا ایران پھر دارالامان

موسیٰ حسین اختر (جلال آبادی)

[۱] خسرو پرویز کا تخت جو اسکو در تے مین فریدون سے ملا۔ اس سے حالات نجوم دریافت ہوتے تھے۔ [۲] درخت گلفشان کیخسرو جسکے نیچے دربار کیخسرو مین رستم پہلوان کی کرسی طلائی رکھی جاتی تھی یہ درخت مقتدر عباسی خلیفہ بغداد کے پاس تھا۔ یہ تین گز بلند تھا اور اسمین اٹھارہ شاخین تھین اسکے پتے زمرد کے اور پھل یاقوت کے تھے اور ہر شاخ پر ایک مرصع ہما بیٹھا تھا جب اس درخت کو کوئی چھوتے تھے تو ایک ہما اوڑ کر مقتدر کے سر پر سے نثار ہو کر اپنے نشیمن مین جا بیٹھتا تھا۔

پھر بھی عمر قید!!

۱

اس سے اچھی، اِس سے عمدہ، اِس سے بہتر جگہ ملنی ظاہرہ تو قریب قریب ناممکن کے ہی تھی! ذرا غور تو کیجیے؛ ہندوستان کے انٹرنس، ولایت کے بیرسٹر، تہذیب یافتہ، روشن خیال۔ پھر سب سے زیادہ متمول، بس اور کیا چاہیے؟

رہی یہ بات کہ میر حسن کی نانی پر باندی ہونے کا شبہ کیا جاتا ہے تو یہ کچھ قابل لحاظ بات نہین: لدگیا وہ زمانہ جب فلان بن فلان کی بہت چھان بین کی جاتی تھی، اب تو شریف خون کی قدر بھیڑ بکری کے خون کے برابر بھی نہین! یہ مان لیا کہ میر حسن کے باپ شبیر حسن عزت کے لحاظ سے نہایت کم رتبہ شخص تھے، بالکل صحیح ہے کہ وہ اپنی طالب علمی کے زمانہ مین مفلسی کی وجہ سے محلہ کی سڑک والی لالٹین کے نیچے رات کے اکثر گھنٹے مدرسہ کا کام کرنے مین گزارا کرتے تھے۔ اور اس مین بھی شک نہین کہ بیچارے مرتے مرگئے لیکن اپنی ٹکے گز کی چال کبھی نہین چھوڑی؛ مگر مرے مردے اُکھیڑنے سے کیا فائدہ؟ شبیر حسن نے اچھا نہ کھایا، اچھا نہ پہنا، زندگی کا کوئی لطف نہ اُٹھایا لیکن کوڑی کوڑی کو دانت سے پکڑ کر رکھا تو سہی! تجارت کو خدا کی دین یا برکت کہا جائے تو بجا ہے، دیکھتے ہی دیکھتے کہان سے کہان پہونچ گئے! میر حسن کو انھون نے انٹرنس سے زیادہ نہ پڑھایا، تعلیم سے چھٹا کر فوراً ہی تجارت مین لگا دیا، اور نو عمری کے زمانہ مین ہی ایک غریب جگہہ شادی بھی کر دی! اس نئی دُلہن کو شادی کے بعد حقیقی مسرت کبھی حاصل نہوی۔ خدا جانے کیا وجہ تھی یہ بیچاری روز بروز کانٹا ہی ہوتی گئی: مگر اُس زمانہ کا اثر اب کیا رہا؟ کچھ بھی نہین! میر حسن کے ہان اولاد کے نام چوہے کا بچہ بھی نہین ہوا، باوا کے مرنے کے دو سال بعد بیوی بھی قبرستان مین جا سوئی: نہ جھگڑا رہا نہ ٹنٹا، میر حسن بالکل نچنت ہو گئے!۔

تجارت کا کھیڑا بھی ٹھکانے لگا دیا، اور پُرانے خیالات کی جھول بھی یکقلم اُتار پھینکی! اب کونسی بات ہے جس پر کوئی بھول کر بھی اُنگلی اُٹھا سکے: مان باپ کی پیدا کی ہوی چار سو ماہوار کی جائداد اور چالیس ہزار نقد سر آئین پیر جائین؛ انگلستان جانا اور پورے آٹھ سال رہ کر بیرسٹر ہو آنا کیا مشکل تھا؟ چلو یون ہی سہی کہ میر حسن صاحب آٹھ سال کے بعد کیچلی اُتار کر مسٹر مارسین بارایٹ لا بن کر ولایت سے واپس آئے تو چالیس ہزار نقد کے بجاے دو ٹرنک سوٹون سے بھرے اور کچھ بیش قیمت بوٹ اور شوز! مگر پھر بھی بیرسٹری کی سند اور چار سو روپیہ ماہوار کی مستقل آمدنی، موجودہ زمانہ مین بہت بڑی چیز تھی! کریلا، اور نیم چڑھا، سب سے

زیادہ بے فکری اور خود مختاری، خرچ اخراجات کے لیے نہ ماں باپ سے لڑنا تھا، نہ قلیل محنتانہ پر چھوٹی چھوٹی عدالتوں میں مارا مارا پھرنا؛ نہایت شان و شوکت کے ساتھ ہائیکورٹ میں کام شروع کیا اور ہمیشہ اس پر نظر رکھی کہ جلدی کام شیطان کا، رفتہ رفتہ سب ہی کچھ ہوا اور جو کچھ رہ گیا ہے وہ اب ہو جائے گا، لیکن سچ تو یہ ہے کہ مارسین نے جو کچھ کیا۔ نہایت اطمینان، نہایت خاموشی، اور نہایت ٹھاٹھ کے ساتھ کیا! اسپر لطف یہ کہ پانچ سال کی پریکٹس میں وکالت کی آمدنی ساڑھے تین سو ماہوار تک بھی نہیں پہنچی، ایک فضول سی بات ہے؛ ہاں یہ امر قابل غور ہے کہ پچھلے سال مسٹر مارسین پراونشل کاونسل کی ممبری کے لیے کھڑے ہوئے تھے! اب یہ بات کہ مسٹر مارسین کو ڈیڑھ سو میں سے کٹ کٹا کر کم و بیش دس رائیں ملی تھیں، مجھ سے پوچھیے تو رائے دہندگان کی جہالت پر دال ہے: کیونکہ ہندوستان کے رائے دہندہ اپنی ذاتی رائے تو۔ بلا مبالغہ اسّی فیصدی۔ کچھ رکھتے ہی نہیں اور بیس فیصدی ایسے ہیں جو روزانہ ہوا کے رخ کے ساتھ اپنی رائے بھی اُلٹتے پلٹتے رہتے ہیں! مسٹر مارسین اول تو کسی کے پاس جانا اپنی کسر شان سمجھتے تھے اور اگر بھولے بھٹکے کہیں چلے بھی گئے تو محض انکی شکل دیکھتے ہی۔ دروغ بر گردن راوی۔ تین چوتھائی پختہ رائیں بالکل غائب! پھر فریق مخالف نے ڈنڈا ہاتھ میں لے کر رائے دہندگان کی دہلیز کی مٹی لے ڈالی تھی ایسی حالت میں ہندوستان جیسے جاہل ملک میں کامیابی ہونی معلوم، اور فقط۔ صرف۔ ایکسو چالیس رائیں قبضے نکل جانی کچھ بھی تعجب خیز نہیں! مگر اس فضول سی بات سے مسٹر مارسین کے لایق، تعلیم یافتہ، سویلائزڈ وغیرہ وغیرہ ہونے میں کیا فرق آسکتا ہے؟

صورت کے لحاظ سے بھی مسٹر مارسین کچھ بُرے نہیں: رنگ کو یورپ کی گوری چمڑی والے کالا کہیں، لیکن سچ یہ ہے کہ مسٹر مارسین اور اُنکے احباب اسکے ماننے کے لیے تیار نہیں تھے: نقشہ موزون اور اچھا ہونے میں کسی کو بھی شبہ نہیں ہو سکتا: ہاں! عمر کا سوال کسیقدر ٹیڑھا ضرور ہے کیونکہ انٹرنس کے سرٹیفکیٹ کے حساب سے عمر کچھ زائد ثابت ہوتی تھی، مگر سچ پوچھیے تو آج کل عمر کا صحیح اندازہ بھی ایک نہایت مشکل کام ہے! ڈاڑھی اور مونچھیں تو ایک عرصہ سے فیشن کے تخت پر جلوہ افروز ہونے کے ناقابل سمجھی جانے لگی ہیں یا پالیٹکس کی زبان میں یوں سمجھیے کہ۔ وہ اسقدر ناموزون اور کمزور ہو گئی ہیں کہ اپنی ہستی خود قائم نہیں رکھ سکتیں اور بیچارہ کروٹیں ریزر جو محض اصلاح خط کے لیے عیوب اور فضولیات دور کرنے کے لیے۔ انکی بارگاہ میں حاضر ہوا تھا، اب مجبور ہے کہ اس خود بخود کمزور ہو جانے والی چیز کو بالکل اسی طرح صاف کرتا رہے جس طرح یورپ ٹرکی کو! مختصر یہ کہ ڈاڑھی مونچھیں نئی روشنی نے اڑا دیں، سر کے بالوں کا رنگ سیکڑوں قسم کے 'ہیر ڈائی' نے مشتبہ کر دیا، اور دانت مکین

ڈنمنٹ کی وجہ سے مشکوک ہو گئے: اب عمر کا اندازہ کیا جائے تو کیونکر؟ مگر پھر بھی۔ ماننا پڑیگا۔ مسٹر ماریسین بلاشبہ عمر کے لحاظ سے پچاس کے صحیح رخ پر این! ہاتھ پانون کے اچھے، آنکھ ناک سے درست، محنت سے بے پروا، روپے سے مستغنی پھر سب سے زیادہ۔ بیرسٹر: بیرسٹری نہین ٹوپ ہیٹ سے لے کر پیٹنٹ لیدر شو تک صاحب: صاحب ہی نہین: آزاد خیال: آزاد خیال ہی نہین تمام دقیانوسی باتون سے ایک دم متنفر!! اب بتائیے کہ تمیز النساء کی اکلوتی لڑکی مس فاخرہ۔ ایسی سونے کی چڑیا کو اپنی عالم آشوب اداؤن کے جال مین پھانس لے تو باعث فخر ہے یا نہین؟

مس فاخرہ کے والدین نے اوّل دن سے ہی زمانہ کی ہوا دیکھ کر مس فاخرہ کو تعلیم و تربیت دلائی تھی! اسُنے مشن گرل اسکول سے باقاعدہ طور پر انٹرنس پاس کیا تھا، ٹینس مین پچھلے ہی سال کپ لے چکی تھی، گانے مین اپنی نظیر آپ ہی تھی، اور مختصر یہ کہ۔ ڈانسنگ اور اسکیٹنگ کو چھوڑ کر پیانو۔ سنگنگ، بائیکنگ، وغیرہ وغیرہ کوئی چیز ایسی نہین تھی جس مین وہ تبدیو! شادی کا اختیار اُسے ضرورت سے زیادہ ملا ہوا تھا! مگر پھر بھی وہ ایک حد تک عقلمند لڑکی تھی اور اپنی حالت پر نظر ڈالتے ہوے شادی کے معاملہ مین روپے کے سوال کو ہمیشہ پیش نظر رکھتی تھی! یہ ہی وجہ تھی کہ اُس نے اخبار...... مین۔ شادی کے عنوان مین "ضرورت ہے ایک متموّل بیرسٹر کو شادی کے لیے ایک تعلیم یافتہ لڑکی کی......" دیکھتے ہی اسکا کھوج نکالنا شروع کیا! اول تو خود اُسکی نظر روپے پر پھر والدین کا سمجھانا، غرض خواہ مخواہ اُسے مسٹر ماریسین کی عمر کو نظر انداز کرنا پڑا! دو تین غلط انداز نظرین انرو وکشش کے لیے کافی تھین، اور دو تین معنی خیز تبسم ربط ضبط بڑھانے کے لیے کافی سے بھی زیادہ! جب ہی ملاقاتون مین مسٹر ماریسین کو پھانس لینا چندان تعجب خیز نہین؛ اور پھانستے ہی فوراً شادی کے لیے مجبور کر لینا بالکل نیچرل! مگر فاخرہ نے پھر بھی تھوڑا بہت احتیاط ہر بات مین ملحوظ رکھا۔ فلرٹیشن کے وقت بھی چوٹی کی آزادی سے ہمیشہ پہلو بچایا! نکاح کا دن بھی اپنی مختصر اور اصلاح شدہ مذہبیت اور مسٹر ماریسین کی ترقی یافتہ مغربیت کو سمو کر۔ گڈ فرائیڈے! مقرر کیا! اول تو خود طرفین کی منتخب کردہ اور رضامندی کی شادی، اُسپر ایسی متموّل اور معزز جگہ؛ پھر اگر آج مس فاخرہ کے والدین لڑکی کو بخیر و خوبی رخصت کرنے کے بعد خوشی کے مارے پھولے نہین سماتے تو تعجب ہی کیا ہے؟

(۲)

اخبار! اب بھی فرصت نہین؟ تیسرے پہر کا وقت حسب معمول کلب کے نذر ہوا: مغرب کے بعد کھانا کھایا ہی تھا کہ دوستون کی آمد شروع ہوگئی! اب خدا خدا کر کے فرصت ہوی ہے تو اخبار ہاتھ سے نہین چھوٹتا! آج رات کے نو بجے، اور اخبار بینی!! واقعی ہے بھی صحیح: شادی کی پہلی رات اور اخبار بینی؟! ۳ بجے سہ پہر سے لے کر رات کے

نو بجے تک جس شوق اور بے چینی کے ساتھ وقت گذرا، اُسکو تو فاخرہ کا دل جانتا ہوگا یا جس کسی پر بیتی ہوگی اُس کا دل جانتا ہوگا؛ لیکن اسمین شک نہین کہ نو بجے کے بعد سے شوق اُلجھن سے بدلتا جاتا تھا!

فاخرہ ایک خوبصورت صوفے پر خاموش بیٹھی تھی؛ اگرچہ ایک کتاب اُسکے ہاتھ مین بھی تھی، لیکن اُسکی نظرین دزدیدہ نظرین۔ کتاب کے صفحہ کے بجاے مارسین کے چہرے تک جانے اور خدا جانے کیا کچھ دریافت کرنے مین مشغول تھین! مارسین برابر والی کرسی پر نہایت انہماک کے ساتھ اخبار مین ہمہ تن غرق تھا! ڈرائنگ روم نہایت شاندار، خوبصورت، اور آراستہ تھا: فرنیچر سے تمول اور فارغ البالی ٹپکی پڑتی تھی؛ اور بجلی کی روشنی مین ایک ایک چیز اپنی دلکش خوبی کا اثر دیکھنے والے پر ڈالنے کے لیے تیار نظر آتی تھی! مگر فاخرہ؟ آہ! وہ ان سب چیزون کی طرف سے غافل تھی؛ اعلےٰ درجہ کا فرنیچر اُسے اپنی طرف متوجہ نہ کرسکتا تھا؛ ڈرائنگ رُوم کی شان و شوکت اُسکا دھیان نہ بٹا سکتی تھی: اُسکو اس وقت ایک خیال تھا۔ صرف ایک!

فاخرہ کا لباس اُسکے نوخیز حُسن کے لیے سونے پر سُہاگے کا کام کر رہا تھا! ہلکا اور نئی وضع کا ڈھیلا پائجامہ جو اس وقت بے خیالی کے ساتھ رانون پر اکٹھا ہوکر خوبصورت اور سڈول پنڈلی پر سے کسی قدر اونچا اُٹھ گیا تھا! چست اور اعلےٰ درجہ کی سلی ہوئی بلاؤز۔ جو سینہ اور کمر کو نہایت صاف طور پر الگ الگ کرکے دکھلا رہی تھی: مہین کریپ کا پیازی دوپٹہ۔ جو سر سے ڈھلک کر گھونگروالے بالون کو بل کھانے اور لہرانے کی پوری اجازت دیچکا تھا! پھر اُسکی اُٹھتی جوانی، اُسکا زاہد فریب حسن، اُسکی عالم آشوب ادائین! یہ سب کچھ اور پہلی رات! پہلی رات اور تنہائی! تنہائی اور؟ اور خدا جانے کیا! بس فاخرہ کو ایک ہی فکر تھی۔ صرف ایک!

اُس کو اپنے حسین ہونے کا پورا پورا علم تھا۔ اور یہ علم اور بھی زیادہ ستا رہا تھا! وہ جانتی تھی کہ سوسائٹی کے نوّے فیصدی نظرباز محض اُسکی ایک نگاہ کے لیے اپنا اپنا دل ہتھیلی پر لیے رہتے تھے۔ اور یہ جاننا اور بھی غضب ڈھا رہا تھا! وہ سمجھتی تھی کہ خواہ مخواہ کی شرم کو بالاے طاق رکھکر وہ بیک اشارۂ ابرو۔ یا بخندۂ زیرلب۔ اچھے اچھون کو متوالا بنا دیتی تھی۔ اور یہ سمجھنا اور زیادہ اُسکے چٹکیان لے رہا تھا! مگر اسوقت پہلی رات کو تخلیہ مین مارسین کے روبرو، اُسے ایک ہی پریشانی تھی۔ صرف ایک!

اُسکو یاد تھا کہ کوٹھی مین گھُستے ہی مارسین نے اُسے اپنی آغوش مین صرف ایک دفعہ لیا تھا! مگر ساتھ ہی یہ بھی اچھی طرح یاد تھا کہ سینہ سے سینہ ملنے کے وقت جب کہ اُسکا سانس نہایت تیزی کے ساتھ آرہا تھا اُسے کچھ گرمی۔ کچھ کشش بالکل محسوس نہین ہوی تھی! وہ ابھی بھولی نہین تھی کہ اُسی وقت مارسین کے ہونٹ اُسکے ملائم

اُسکے نازک لبوں سے صرف ایک دفعہ ملے تھے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی نہیں بھولی تھی کہ اس بوسۂ مشترک کے موقع پر کوئی خاص قوت مقناطیسی نیگیٹو (Negative) اور پازیٹو (Position) کے اتصال سے پیدا ہونے والی بجلی۔ اُسے نام کو بھی نہیں معلوم ہوئی تھی! وہ سب کچھ جانتی تھی لیکن پھر انجان بننا چاہتی تھی! وہ سب کچھ سمجھتی تھی لیکن پھر نا سمجھ بننا چاہتی تھی! اس تمام علم و فہم کی وجہ سے اسے ایک ہی اُلجھن تھی۔ صرف ایک!

آخر مارسین اخبار کیوں نہیں چھوڑتا؟ فاخرہ کی دلی کیفیت کا اندازہ کیوں نہیں کرتا؟ اُسکے بار بار پہلو بدلنے کو کیوں نہیں سمجھتا؟ اُسکے انگڑائیاں لینے سے کیوں نہیں تاڑتا؟ وہ چاہتی تھی کہ مارسین اُس سے کچھ کہے! وہ منتظر تھی کہ مارسین اُسکی مچلنے والی حسرتوں کا خیال کرے! وہ بے چین تھی کہ مارسین اُسکی طرف دیکھے، اُسکے پاس آئے، اُسکو چھیڑے، اُسکو گدگدائے، اور اُسکے ساتھ نہایت .... سچ تو یہ ہے کہ اس غضب کی تنہائی میں اُسے ایک ہی کشمکش تھی۔ صرف ایک!

ٹن، ٹن، ٹن ..... کارنس پر رکھی ہوئی ٹائم پیس نے دس بجانے شروع کیے! آواز کے ساتھ ہی فاخرہ کی نظریں خود بخود اُسکی طرف اُٹھ گئیں! خوشنما اور بیش قیمت ٹائم پیس پر کیوپڈ۔ خدائے عشق۔ اپنے تیروں کا ترکش پس پشت رکھے، ایک ہاتھ کندھے پر کمان ڈالے، دونوں پاؤں لٹکائے، خدا جانے کس انتظار میں بُت بنا بیٹھا تھا! اس خاموشی، اس سکوت، اس سناٹے میں وہ بھی غالباً مبہوت تھا! اپنے تیر و کمان کو اور اسکے برمحل استعمال کو قطعی بھول گیا تھا! کیا اچھا ہو کہ اسکا ایک بے چین کردینے والا تیر مارسین کے دل میں ترازو ہوکر اُسے وقت کی قدر بتادے، آج کا کام آج ہی کرنا سکھا دے، اور کچھ بھی نہیں تو صرف ہوشیار ہی کردے!! ..... ٹن، ٹن، ٹن! ٹائم پیس اپنے یکساں وقفے کے ساتھ دس بجا چکی تھی اور اب اُسکی آخری آواز کی جھنکار کمرے میں گونج کر رفتہ رفتہ غائب ہوتی جاتی تھی! مارسین نے اخبار ہاتھ سے رکھا اور فاخرہ کی نظریں اُسکے چہرے سے ہٹ کر بے تحاشا کتاب کی طرف مڑ گئیں! مارسین اپنی کرسی پر سے کھڑا ہوا اور فاخرہ کا دل تو نہایت سرعت کے ساتھ دھڑکنے لگا! مگر افسوس وہ فاخرہ کے پاس آنے کے بجائے میز کے پاس گیا اور گھنٹی بجانے لگا! کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ایک خادمہ اندر آئی اور حکم سننے کے انتظار میں کھڑی ہوگئی! مارسین نے ایک بھونڈے تبسم کے ساتھ۔ غالباً زبردستی پیدا کیے ہوئے تبسم کے ساتھ۔ خادمہ سے کہا "دیکھو! مسز مارسین کو انکے بیڈروم میں لیجاؤ اور بہ تکلیف وہ لباس اُتار کر رات کے کپڑے پہناؤ!"

آخر بیڈروم میں جانے کا وقت آگیا: رات کا لباس پہننے کا موقع آپہنچا! یہ تو آپ خود اندازہ کیجیے کہ

ان الفاظ نے فاخرہ کے کان تک پہونچ کر اُسکے دل ودماغ پر کیا اثر کیا ہوگا؟ البتہ یہ ہم ضرور کہین گے کہ وہ اُٹھتے وقت جھجک جھجک کر اُٹھی، چلتے وقت رُک رُک کر چلی، اور خادمہ کے ساتھ بڈ روم مین جاتے ہوے اُسے کچھ پسینہ سا آگیا اسکے جاتے ہی مارسین نے گھنٹی سے ملازم کو بُلایا اور "چائے" کے لیے حکم دیا! اب پھر وہ اپنی پہلی کرسی پر جا بیٹھا۔ جا بیٹھا اور اخبار بینی مین ڈوب گیا!

+ + + + + +

فاخرہ کو کپڑے اُتار کر رات کا لباس پہنے ہوے بہت دیر ہو چکی تھی، اُسکو مسہری پر لیٹے ہوے گھنٹے گذر چکے تھے! معمولی سی آہٹ پر اُسکا دل دھڑکنے لگتا تھا؛ ذرا سے کھٹکے پر وہ آنکھین بند کر کے سوتی بنجاتی تھی! کئی مرتبہ اسکے تمام بدن مین غیر معمولی کیفیت پیدا ہوئی اور جاتی رہی، کئی مرتبہ پسینہ اُسکے چہرے اور پیشانی پر ظاہر ہوا اور غائب ہوگیا، اور کئی مرتبہ وہ عین انتظار مین اپنی قوت متخیلہ کے دھوکون مین آکر پوری تکلیف اُٹھانے کے بعد آپے مین آ آگئی!!

ہمیشہ کی آنے جانے والی نیند نے بھی اس سخت روح فرسا کشمکش کے موقع پر ساتھ چھوڑ دیا تھا: اُس نے آنکھین بند کر کے سونا چاہا، اُسنے دماغ سے پریشان خیالات کو نکالنا چاہا، اُس نے کروٹین بدل بدل کر غافل ہونا چاہا، مگر خدا جانے کیا چیز تھی جو برابر چٹکیان لے رہی تھی؟ کیا خیال تھا جو نکالے نہین نکلتا تھا؟ اور کیا بے چینی تھی جو کسی طرح دور نہین ہوتی تھی؟

آہ، دنیا: اور دنیا کی نت نئی خواہشات! خواہشات اور خواہشات بھی نفسانی؟ نفسانی اور نفسانی بھی عالم شباب مین؟ عالم شباب اور عالم شباب مین شادی کی پہلی رات؟ تے مئے دو سالہ! برق! وہ برق صبر سوز!! فتنہ! اور فتنۂ قیامت!!!

بڑھ! اے انتظار کے کاٹے نہ کٹنے والے وقت۔ قسم ہے تجھکو عمر خضر کی! بڑھ! چڑھ: اے اُٹھتی جوانی کے ارمانون کے دریاے بے پایان۔ قسم ہے تجھکو طوفان نوح کی۔ چڑھ! چڑھ اور ڈبو دے: تمام مصنوعی شرم کو، تمام دقیانوسی عقائد کو، تمام لغو مفروضات کو، تمام خلاف فطرت بندش وقیود کو، ڈبو دے! غرق کر دے!! فنا کر دے!!!

اُسکا سر چکرانے لگا، آنکھین پتھرا سی گئین؛ ناقابلِ برداشت گرمی محسوس ہوئی، سانس اُلجھا، دم اُلٹا، دل گھبرایا اور وہ فوراً اُٹھ بیٹھی! اُٹھ بیٹھی، وہ کھڑی ہوگئی! مسہری کے برابر ہی کپڑون کی الماری کھڑی تھی،

جسکے سامنے کے رُخ پر قدِ آدم آئینہ لگا تھا؛ اور اس آئینہ مین بجلی کی روشنی مین ۔ فاخرہ کا عکس سر سے پیر تک بالکل صاف نظر آ رہا تھا؛ کھڑے ہوتے ہی خود بخود فاخرہ کی نظر آئینہ پر جا پڑی ۔ نہین نہین ۔ آئینہ کے دل تڑپا دینے والے عکس نے اور کسی کو نہ پاکر اسی کو زبردستی اپنی طرف متوجہ کر لیا!

وہ انتظار اور نیند کے خمار مین ڈوبی ہوئی بادامی وضع کی سیاہ آنکھین ۔ پردہ نشین اچھوتی متوالیان! وہ کالے بھونرالے خمدار پیوستہ ابرو ۔ آسمان حُسن کے ماتمی لباس والے ہلال! وہ چکنے گداز اور سرخ رخسار ۔ فرشتہ چشم ولب کے معبود! وہ گھُن دار اور بل کھانے والے گیسو ۔ شب ہجر کی سیاہی اور روزِ محشر کی درازی کے تخت جگر! وہ لمبی اور صراحی دار گردن؛ پھر اس سب پر غضب رات کا لباس: نیچے گریبان اور بِلا آستینون والا کا ئیٹی نیشن Combination! بھرے بھرے مونڈھے اور گورے گورے بازو؛ گردن کے نیچے سے گریبان کی حد تک ایک عجیب تناسب کے ساتھ اُبھرنے والا سرخ و سفید جسم؛ سینہ سے کمر تک دونون جانب سے غضب کا اُمتاز غرض قدرت کے فیاض ہاتھون سے بخشے ہوے عطیات کا مع بیچ و پل نشیب و فراز کے پورا پورا اظہار! اُف! غضب! آفت!! قیامت!!!

سوچیے ضرور سوچیے! دیکھنے والے کا کیا حال ہوا ہوگا؟ نظرین کہان کہان لوٹی ہونگی؟ آنکھین کہان کہان جم گئی ہونگی؟ دل کس کس جگہ مچل گیا ہوگا؟ سوچیے پھر سوچیے: دیکھنے والا تعلیم یافتہ ہے، روشن خیال ہے، سوسائٹی سے واقف ہے، حسین ہے؛ اُسکو دنیا مین آنکھین کھولے ہوے سترہ برس گذر رہے ہین؛ اُسکی شادی کی پہلی رات ہے؛ وہ ارمانون کی کش مکش سے گھبرا رہا ہے؛ وہ انتظار کی کُند چھُری سے اتنی دیر تک ذبح کیا گیا ہے کہ رات کے تین بج چکے ہین؛ اور اب وہ ایک آئینہ کے سامنے سر سے پیر تک اپنے حُسن عالم سوز کو بغیر کسی حجاب یا پردے کے اچھی طرح دیکھ رہا ہے! بتائیے ۔ قسم ہے آپ کو تمام مغربی تہذیب، تعلیم اور بالخصوص مورلیٹی (Morality) کی ۔ ضرور بتائیے اُس نے کیا کیا دیکھا ہوگا؟ کیونکر دیکھا ہوگا؟ اور کیا کچھ سوچا ہوگا؟!

جس طرح غریب فرہاد خدا جانے کیسی کیسی جانگداز تکلیف کے بعد جوے شیر لا یا بھی اور ناکامیاب رہا؛ اُسی طرح بیچاری فاخرہ ۔ نے الحال برائے نام مسز مارلین سخت دقت کے ساتھ شام سے صبح کر سکی اور پھر بھی وہی ایک فکر، پریشانی، اُلجھن، کش مکش اب بھی تھی ۔ پہلے سے زیادہ تھی!!

(۳)

رات نے دن کا، اور دن نے رات کا لباس پہنا: ہفتہ نے مہینے کا اور مہینے نے موسم کا سروپ بھرا! جاڑے نے

گرمی کا اور گرمی نے برسات کا بھیس بدلا! آفتاب تین سو پینسٹھ دفعہ زمین کے بلا گردان ہوا یا زمین نے چکراتے ہوئے ایک مرتبہ آفتاب کا پورا طواف کیا! گھنگور گھٹائیں اُٹھیں اور برس گئیں: زور وشور کی آندھیاں آئیں اور گزر گئیں دل تڑپا دینے والی بجلیاں چمکیں اور تھم گئیں: مُنھ بند کلیاں کھلیں اور کھلا گئیں: سب کچھ ہوا اور ہوا، لیکن آہ! فاخرہ کی تقدیر نہ پلٹنی تھی نہ پلٹی! وہ شادی کے ایک سال بعد بھی ویسی ہی تھی جیسی ایک سال پہلے!!

آرام کی جگہ آرام اور روپیہ کی جگہ روپیہ، مارسین کا پٹھہ سمجھا ہے اُس نے فاخرہ کے خوش رکھنے کے لیے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا تھا! اعلے سے اعلے کھانا! عمدہ سے عمدہ لباس! نوکر چاکر، جوڑی گاڑی: خدا کا دیا سب ہی کچھ تھا! روزانہ دونوں وقت ہوا خوری، رات کا وقت گذارنے کے لیے پیانو موجود! سال میں چھ مہینے پہاڑ پر، بڑے دن کے لیے بمبئی یا کلکتہ! پھر سب پر طُرہ خود مختاری، آنے جانے ملنے جُلنے کی پوری آزادی! کوئی بات ایسی نہ تھی جسکی شکایت فاخرہ کسی کے سامنے کر سکتی، مگر پھر بھی وہ روز بروز مضمحل ہوتی جاتی تھی، پژمردہ ہوتی جاتی تھی، اندر ہی اندر گھُلی جاتی تھی!!

صبر اور شکر؟ مگر صبر اور شکر کی وہ عادی نہ تھی! تقدیر کا لکھا؟ مگر تقدیر کو وہ محض مہمل حیلہ سمجھتی تھی! بندہ عاجز ہو؟ مگر وہ اپنے آپ کو اپنے کام میں کسی کا مجبور نہیں مانتی تھی! ماں باپ کی لاج؟ مگر اس لاج کے لیے وہ مرجانے کو کسی طرح تیار نہیں تھی! اُس نے سوچا اور سوچا، غور کیا اور کیا، لیکن جہانتک اُسکی عقل کام کر سکتی تھی اُسکو اس انتخاب میں دھوکا ہوا۔ بلکہ دیا گیا! پورے غور و خوض کے بعد اُسے اپنی غلطی صرف اسقدر نظر آتی تھی کہ اُسے انتخاب سے پہلے ہر طرح اپنا اطمینان کر لینا چاہیے تھا، پوری آزاد خیالی کے ساتھ جانچ لینا چاہیے تھا، اور فلرٹیشن کے وقت عصمت و عفت کا خیال کو اپنے دماغ سے قطعی نکال دینا چاہیے تھا! عصمت و عفت کا خیال ہی وہ چیز تھا جس نے آج اُسے زندہ درگور کر دیا تھا، اور اب اُسکا اس بیہودہ خیال کے نام پر بھوں چڑھا لینا! بالکل حق بجانب تھا! اسقدر تعلیم ترقی اور آزادی کے بعد بھی عصمت کا پوچ خیال اُسکی نظر میں موجودہ سوسائٹی کا مہلک نقص نظر آتا تھا! اب بھی اُسے طبقہ نسوان جاہل، اور لغو قیود۔ ناقابل برداشت قیود میں جکڑا نظر آتا تھا!

کہنے والے مارسین کو بُرا کہیں اور اسکو مجرم، گنہگار، خود غرض جو چاہیں بتائیں؛ لیکن سچ تو یہ ہے کہ جو کچھ مارسین نے کیا مقتضائے بشریت تھا! موجودہ فلاسفی بتاتی ہے کہ انسان خود غرض ہے اور زندگی ایک سخت مجادلہ ہے! اپنی ہستی کے قیام کے لیے ایک درخت کتنے آس پاس کے پودوں کو چوس جاتا ہے اور ایک جاندار کس قدر جاندار مخلوق کو ہضم کر جاتا ہے؟ محض قوت شامہ کو تسلی دینے کے لیے، محض اپنی ہوس بجھانے کے لیے کس قدر پھول عین بہار کے عالم میں توڑ لیے جاتے ہیں، مسل ڈالے جاتے ہیں، روند ڈالے جاتے ہیں؟ انسان ضرورت و بلا ضرورت اپنی

حتی الوسع ہر عمدہ اور خوشنما چیز کو اپنے قبضہ مین لانا چاہتا ہے؛ وہ اپنے فائدے، اپنے آرام، اور اپنی مسرت کے خیال پر کسی دوسرے کے خیال کو کبھی ہرگز ترجیح نہین دے سکتا! محبت کیا ہے؟ خود غرضی! دوستی کیا ہے؟ خود غرضی! عبادت کیا ہے؟ خود غرضی! بلکہ سچ تو یہ ہے کہ۔ زندگی کیا ہے؟ خود غرضی! خود غرضی! خود غرضی! آہ! انسان از سرتا پا خود غرض ہے! اور آخر مارسین بھی انسان ہی تھا!

مارسین نے اگر اپنا نقص چھپایا اور دھوکا دیا تو محض اپنا دل خوش کرنے کے لیے۔ بالفاظ دیگر وہی خود غرضی! فاخرہ نے اگر اُسے منظور کر لیا اور دھوکے مین آگئی تو محض روپے کے خیال سے یعنی وہی خود غرضی! مارسین کو زیادہ مورد الزام بنانے کی کوئی وجہ ہمارے سمجھ مین تو آتی نہین! خیر، سانپ نکل گیا اب لکیر پیٹنے سے کیا فائدہ؟ ہان! ماں باپ کے انتخاب مین اگر یہ نقص نکلتا تو طبقۂ نسوان کا حامی گروہ جوش آزادی مین خدا جانے ماں باپ کو کیا کیا کچھ کہہ گذرتا، لیکن یہان تو مس فاخرہ نے خود اپنے ہی ہاتھ سے اپنے پیرون مین کلھاڑی ماری تھی! اب اسکو فقط چانس کہکر ٹالدیا جاتا ہے؛ البتہ اگر ماں باپ کے انتخاب مین ایسا ہی چانس واقع ہوتا تو ظلم، جبر، اور اندھے کوئین مین دھکا دیدینے سے تعبیر کیا جاتا! ایک ہی بات اور ایک ہی چیز کا نام ضرورت کے لحاظ سے پلٹ ہی جایا کرتا ہے!!

فاخرہ نے اکثر دقیانوسی خیال والی عورتون کو بُرے شوہرون کو، بھرتے سُنا تھا، صبر کے ساتھ سخت سے سخت تکالیف برداشت کرتے دیکھا تھا: لیکن وہ یہ کہتی تھی۔ اور غالباً سچ کہتی تھی۔ کہ اُن عورتونکو اوّل سے ہی قناعت کا عادی بنایا گیا تھا تقدیر پر شاکر ہونا انکی رگ وپے مین سرایت کر گیا تھا، اور شرافت آبائی وعصمت کا خیال بچپن سے ہی ان مین پھونکا گیا تھا! ایسی حالت مین جو کچھ پڑے اُسے مستقل مزاجی کے ساتھ جھیلنا کچھ زیادہ مشکل نہ تھا! البتہ نئی تعلیم دی جائے، آزاد خیال بنایا جائے، مذہب کی وقعت بالکل نکالدی جائے، خود سری، خود رائی، خود پسندی اور مساوات کی روح پھونکی جائے اور امید رکھی جائے کہ ایسی نئی ترقی یافتہ بھی مصیبت کو اسی طرح برداشت کرے گی جس طرح ایک دقیانوسی تعلیم والی، قطعی عقل کے خلاف ہے! واقعی فاخرہ کا یہ مقولہ آب زر سے لکھنے کے لائق ہے کہ "اس ادھوری آزادی سے پُرانے خیالات کی پابندی بہتر ہے" کیونکہ پابندی کی حالت مین ہوش سنبھالنے سے آزادی کا خیال تو دماغ مین آکر زندگی دشوار نہین کریگا! ایسی آزادی پر تین حرف کہ خواہ مخواہ ایک مفروضہ عصمت کے خیال سے نوجوان لڑکیون کو گندم نما وجو فروش مردون کا شکار بنایا جائے اور زندہ درگور ہوجانے کا احتمال باقی رکھا جائے! وہ سوچتی تھی اور سوچتی تھی۔

کہتی تھی اور یہی کہتی تھی کہ "آہ! کیا اچھا ہو کہ مظلوم طبقۂ نسوان کو پوری آزادی نصیب ہو جائے، سوسائیٹی مین دغا اور فریب کی گنجایش نہ رہے، اور پرانے جہالت آمیز خیالات انسان کے دماغ سے بالکل دور ہو جائین!!
یہ بتانے کی چندان ضرورت نہین کہ فاخرہ کا انجام کیا ہوا؟ اُسکی زندگی کہان گئی، کیونکر کٹی، اور کیسی کیسی بدنامی اور مصیبت سے اُسکو سامنا کرنا پڑا؟ ہان یہ ہم بغیر کہے نہین رہ سکتے کہ نئی روشنی، نئی ترقی، نئی آزادی سب ہی کچھ موجود تھی، لیکن "پھر بھی عمر قید"!!

سلطان حیدر (جوش)

انبساط زندگی

(ماخوذ از نظم سروجنی نائڈو صاحبہ)

سبزۂ خوابیدہ پر ہے کیا بہار آئی ہوی | کس نزاکت سے صبا پھرتی ہے اترائی ہوی
سُن تو اے دل یہ ہولے ست اٹھلائی ہوی | گو نج کر کانون مین کیا کہتی ہے شرمائی ہوی

بیخودی مین کوکتی پھرتی ہے کوئل کو بکو | آتی ہے ہر نخل سے آواز پیہم تو ہی تو
بھینی بھینی آرہی ہے باغ سے پھولون کی بو | فیض سے ساقی کے شبنم کا ہے ہر قطرہ سبو

قہر ہے گر تو نہ دیکھے چشمۂ آبِ روان | جان لے اسکو غنیمت دیکھ دریا کا سمان
سبزۂ ساحل کی موجین کرتی ہین اٹھکھیلیان | غم غلط ہوتا ہے جنکے دیکھنے سے بیگمان

خیر تو خوشیان منائین اور ہم غم مین اسیر | بلبلین تو لطف اُٹھائین روئین ہم اے ہمصفیر
نغمہ زن کبکِ دری اور خندہ زن گنا و دیر | اشک کیون اپنے بہین پھر صورتِ ابرِ مطیر

کبک کی وہ خوشخرامی ابر کی مستانہ چال | نغمۂ طوطی و قمری عشق کی پھر قیل و قال
رازدار سوزِ الفت کیا ہے کوئی خوش جمال | سچ بتا اے دل تجھے کس بات کا ہے یہ ملال

ختم کر اب سوزِ الفت آ ادھر بہرِ خدا | دیکھ تو کیسی ترنم ریز آتی ہے ہوا
وجد مین عالم تہ و بالا ہے سارا ہو چلا | اے دلِ غافل مرے اب بھی نہین تو چونکتا

عمر رونے کو پڑی ہے چھوڑ دے اب غم نہ کھا | انبساط زندگی کا لطف لے ظالم اوٹھا
یاد رکھ قول و فا دع ماکدر خذ ما صفا | تو بھی خوش ہو کھیل ان سب کی طرح خوشیان منا

[illegible]

احوال واقعی

روے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ سودا نہین جنون نہین وحشت نہین مجھے

جناب اڈیٹر صاحب بعد تسلیم کے گذارش یہ ہے۔ کہ آجکل عام طریقہ تنقید کا یہ دیکھتا ہون کہ جب کسی کلام پر تنقید کی جاتی ہے تو قبل ہی نقاد اپنے دل مین یہ مستحکم منصوبہ کرلیتا ہے۔ کہ اس سختی سے تنقید کیجیے۔ کہ شاعر کی ہمت پست ہو جاے۔ اور اس نزہت گاہ کو پُرخار وادی سمجھکر وہ پھر اس طرف رخ نہ کرے۔ اور یہ طریقہ کچھ عوام ہی کا نہین ہے۔ بلکہ خواص کی بھی یہی ہمت رہتی ہے محض تمثیلاً مولانا شبلی صاحب کو پیش کرتا ہون جنکی قابلیت کا زمانہ معترف ہے۔ اور اپنے وقت کے امام غزالی ہین۔ ایک بار آپ پھلواری تشریف لاے۔ مین نے موازنہ دبیر و انیس کا ذکر چھیڑا۔ آپ فوراً دالان سے کتاب اُٹھا لاے۔ اور فرمایا کہ آپ ان دونون مین کس کا کلام پسند کرتے ہین مین نے عرض کی کہ مجھکو میر انیس کا کلام پسند ہے۔ یہ سُن کر متفرق جگھون سے قریب پانچ چار ورق کے سُنایا۔ اس مین شک نہین کہ موازنہ بہت خوب کیا ہے۔ اگرچہ نکتہ چینون نے بہت کچھ نکتہ چینی کی۔ اور آج تک نکتہ چینی کا سلسلہ قائم ہے۔ مگر کسی نے مولانا کے دعوے کو دلیل سے رد نہین کیا۔ سواے اسکے کہ آپ نے مرزا صاحب کا مرتبہ دیکھا کہان ہے۔ مرزا صاحب ایسے تھے ویسے تھے۔ اور بعضون نے گالیون سے بھی دریغ نہین کیا کیا ان مزخرفات سے مولانا کے آہنی پنجہ سے گلو خلاصی ہو گئی ہرگز نہین۔ مین نے موازنہ اور اُسکے جواب کو اول سے آخر تک دیکھا انصاف یہ ہی کہ اس سے بہتر موازنہ ہو نہین سکتا۔ لیکن مین باوجود اُن خوبیون کے جو موازنہ سے ظاہر ہین اتنا ضرور کہون گا۔ کہ مولانا نے جس سختی سے تنقید فرمائی ہے اس سے ایک شاعر کی چلبلی طبیعت کو صدمہ پہونچنے کی بہت کچھ امید ہے۔ اور بیساختہ پن کا لطف اکرم ندارد ہو جاتا ہے۔ اگر گستاخی نہین سمجھی جاے تو مین کہہ سکتا ہون کہ اس تنقید کے مولانا موجد و مجتہد ہین۔ اور میرا یہ بھی خیال ہے۔ کہ اگر آجکل کی تنقید کے مطابق شعراے سابقہ کے کلام کو جنکو خداے سخن کہا جاتا ہے۔ جانچا جاے۔ تو غالباً اُنکو صدہا سال کے بعد یہ معزز لقب ندامت کے ساتھ واپس کر دینا پڑیگا۔ اور مجھکو زیادہ تر یہ حیرت ہی۔ کہ جب لطافت پسندون نے صرف سلاست و فصاحت کے خیال سے صنایع بدایع کے ساتھ رعایت لفظی کو بھی ناپسند کر دیا۔ تو کیا ان سختیون کے ساتھ جو اکثر تنقیدون مین دیکھی جاتی ہین۔ سلاست و فصاحت کا سلسلہ قائم رہے گا۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ بجز تکلف و آورد کے کچھ بھی نہ رہ گا کیا ہمارے ہمعصرون نے غور نہین کیا۔ کہ جو لوگ سختی سے قیود کے پابند ہین۔ اُنکے کلام سے روانی رخصت ہو جاتی ہے

اسی لیے حضرت داغ و امیر نے آپ کو ہمیشہ قیود کی سختی سے آزاد رکھا - علاوہ اسکے ایک شاعر کے لیے نشست الفاظ - وزن - ردیف و قافیہ - تعقید - متروکات کی بیڑیان کیا کم تھین کہ طوق و ہتھکڑی کا بھی حکم دیا جاتا ہے ہمارے شاعر کی جان عجیب کشمکش مین ہے - کوئی کہتا ہے کہ رسم و رواج کا کوئی پہلو فروگذاشت نہو - کوئی کہتا ہے کہ الفاظ کے عروج و نزول کا خیال رکھو - کوئی کہتا ہے کہ تم اور میر کا مقابلہ نہو - کوئی کہتا ہے کہ لفظ کی تکرار نہ ہو - کوئی کہتا ہے کہ مبالغہ اور غیر ممکنات نہون - کیا ان سختیون کے ساتھ شعر کے حقیقی معنی فوت نہونگے - جب شعر کے معنے یہ بیان کیے جاتے ہین کہ شاعر کے جذبات کا اثر سامع کے دل و دماغ پر ایسا پڑے - کہ وہ متاثر ہو کر وجد ہی نہین کرنے لگے - بلکہ شاعر کے جذبات مین برابر کا حصہ دار ہو جاے کیا تنقیدی احکام کے مطابق وہ جذبات کا حصہ دار ہو سکتا ہے - کیا اُسکو سحر بیانی حاصل ہو سکتی ہے - اس تحریر سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ شعرون کے عیوب کو بھی قبول کر لیا جاے - بلکہ مین اپنے قابل نقادون سے یہ التماس کرتا ہون کہ تنقید مین اسی سختی روا نہ رکھی جاے - کہ اک ذی حوصلہ مرعوب ہو جاے اور اسکی بڑھتی اُمنگون کو صدمہ پہونچے - خصوصاً ایسے وقت مین کہ آپ حضرات اُردو کی ترقی مین جان و مال سے کوشان ہین - بلکہ ایک حد تک کامیاب بھی ہو چکے ہین - حق تو یہ ہے - کہ یہ آپ ہی حضرات کی کوشش کا نتیجہ ہے - کہ شاعری گندے مضامین کے کوچہ سے نکل کر مہذب طریقے سے حکیمانہ شاہراہ پر چلنے لگی - اب نہ وہ بوسہ بازی ہے - نہ وہ لپٹ جھپٹ ہے - بلکہ ایک اعلیٰ بندش - پاکیزہ خیالات سادہ واقعات کا مجموعہ ہے کہ ایک نوجوان بے جھجک اپنا کلام بزرگون کو سنا سکتا ہے - خدا کرے اس شاعری کا بھی جلد خاتمہ ہو جاے - جو باتباع یورپ ایک شریف خاندان کی دوشیزہ لڑکی اور ایک جنٹلمین کے عشقیہ جذبات کا فوٹو اُتارا جاتا ہے - اور اس گندے مضمون کو جو درحقیقت مخرب اخلاق ہے نظم و نثر مین شایع کیا جاتا ہے - کیا کوئی غیرت دار اسکو قبول کرے گا کہ اُسکی لڑکی پاکدامنی کے ساتھ کسی غیر مرد کو تاک جھانک کرے - یا ادا و ناز سے کسی غیر مرد کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرے - کیا شریفون پر یہ خفیہ حملہ نہین ہے - کیا اس ناپاک شاعری کا خاندانون پر بُرا اثر نہین پڑتا ہے - بالفعل ہی لکھنؤ کی دو شریف زادیان مردانہ لباس مین پھلواری تھانہ مین گرفتار آئین - اور اُنکے باپ و شوہر مجسٹریٹ بانکی پور کے اجلاس سے لیگئے - مین نے بھی اُنکو دیکھا تھا - وہ دونون ایسی طرارہ تھین کہ خدا کی پناہ - انکے پاس سے ایک ناول جسکا نام شاید اُٹھتی جوانی تھا برآمد ہوا - یہ ہمارے ہم وطنون کی جادو نگاری کا نتیجہ ہے طرفہ تماشا یہ ہے کہ اس کورانہ تقلید مین ہندو مسلمان دونون مبتلا ہین چونکہ مجھکو اسوقت ناولون پر بحث کرنا منظور نہین ہے اس لیے اس مضمون کو ختم کرتا ہون مگر ہان مختصر طریقہ سے کچھ سوانح عمری کے

لکھون گا۔ کیونکہ نقادون کی طرح سوانح نگار بھی جادۂ اعتدال سے بہت کچھ گزر جاتے ہین۔ اپنے ناظرین کو اسوقت یادگار غالب کی طرف توجہ دلاتا ہون۔ کیونکہ یہ ایک بہت بڑے مستند ادیب کی لکھی ہوی ہی۔ مگر افسوس کہ راستی پسند کی آنکھ افراط و تفریط کو دیکھکر ایسی خیرہ ہوجاتی ہی۔ کہ اُسکو یقین ہوجاتا ہے کہ مولانا نے بھی نقادون کی طرح قبل سوانح نگاری کے مستحکم عہد کرلیا تھا۔ کہ غالب مرحوم کو افضل و لاثانی ثابت کرنے کی کوشش کرون گا۔ اُنکی تصانیف کو قرآن سے کم درجہ نہین دون گا۔ خاص کرکے شاعری مین تو کسی کو بڑھنے ہی نہین دونگا۔ صفہان کا شاعر ہو یا شیراز کا گو میری اس سینہ زوری کو کوئی مانے یا نہ مانے۔ مگر مین ایسا ہی کرونگا۔ بلکہ مین اُنکے عیبون کو بھی ہنر کے پیرایہ مین دکھاؤن گا۔ چونکہ اس مختصر تحریر مین عام خردہ گیری کی گنجایش نہین ہے اسلئے ناظرین کو مولانا کی اس مجوزہ کی طرف توجہ دلاتا ہون۔ جہان ظہوری اور غالب کی غزل کا مقابلہ کیا گیا ہی۔ اور مرزا صاحب کے شعر کو ظہوری کے شعر سے بلیغ و نیچرل فرمایا گیا۔ اگرچہ اس فیصلہ کو دیکھکر ایک منصف مزاج یہ اندازہ کرسکتا ہی۔ کہ مولانا مرزا کی شراب عشق سے کس قدر سرشار ہین۔ اور وفاداری مین کس قدر ثابت قدم ہین۔ کہ انصاف کی بھی کوئی پروا نہین کرتے چنانچہ بطور نمونہ کے دو شعر لکھتا ہون۔ ان ہی پر ناظرین بقیہ اشعار کا قیاس کرلین۔ ظہوری کہتے ہین۔

مگر کہ رخصت بے طاقتی شود مرہم ۔۔۔ کہ گوش دل شدگان ریش گشتۂ پندست

غالب۔ نگفتۂ کہ بتلخی لب از و پند پذیر ۔۔۔ برو کہ بادۂ ما تلخ تر ازین پندست

ظہوری کا تو یہ مقصود ہی۔ کہ کان نصیحت سے زخمی ہوگیا اب اسکا مرہم سوائے نالہ کے کچھ نہین ہی یعنی عشق سے جدا مجبور ہون نصیحت سے جدا پریشان ہون اب سوائے اسکے کوئی علاج نہین ہی کہ رو پیٹ کر دل کا بخار نکال لون اور واقعی آہ و زاری سے غم مین بہت کچھ سکون ہوجاتا ہی۔ اور مرزا کی غرض یہ ہی۔ کہ تم نے کہا کہ نصیحت کی تلخی کو قبول کرو۔ تو جاؤ شراب میری نصیحت سے زیادہ تلخ ہی۔ یعنی غرض تلخی سے ہی تو شراب زیادہ کڑوی ہی اسی کو پیونگا حالانکہ سوائے ظاہری مشابہت کے معنوی مماثلت کچھ نہین ہی۔ کیونکہ نصیحت عام عشاق کو ناگوار ہی۔ اور شراب کی تلخی میوشون کے لیے خوشگوار ہی۔ مگر مولانا فرماتے ہین کہ مرزا کا شعر بلیغ و نیچرل ہی۔ اب مین یہ دیکھتا ہون کہ خود غالب اس بارہ مین کیا کہتے ہین۔ لیکن اُنکے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مولانا کے فیصلہ کو موازنہ کے قبل ہی مسترد کردیا تھا جیسا کہ فرماتے ہین:۔

زلہ بردار ظہوری باش غالب بحث چیست ۔۔۔ در سخن دریوزگی باید نہ کز کان داری

اور ایک جگہ فرماتے ہین:۔

بہ نثر و نظم مولانا ظہوری زندہ ام غالب رگ جان کردہ ام شیرازہ اوراق کتابش را

اس سے بڑھکر گداگری و ریزہ چینی کا کیا مرتبہ ہوگا۔ کیا اب بھی مولانا کے مسترد فیصلہ مین کوئی حالت منتظرہ باقی ہی تماشا تو مولانا نے یہ کیا ہی کہ نظیری پر بھی غالب کو بڑھا دیا۔ مگر ہان نظیری غریب پر اتنا ضرور رحم کیا۔ کہ آخر مین کہدیا۔ کہ ایک آدھ غزل کے بڑھ جانے سے یہ مطلب نہین ہی۔ کہ مرزا کو نظیری پر ترجیح ہوگئی۔ گو مولانا نے فیصلہ بادل ناخواستہ ڈرتے ڈرتے صائب و اسیر کے دیا ہے۔ چونکہ صائب نے پہلے ہی خبردار کردیا تھا کہ۔

صائب چہ مجالست شوی ہمچو نظیری عرفی بہ نظیری نہ رسانید سخن را

اسیر نے کہدیا کہ ؎ ہم پیشمی نظیری حد نظر نباشد۔ مگر مولینا کہتے ہین کہ ایک آدھ غزل مین تو ضرور نظیری سے مرزا بڑھ گئے۔ لیکن مرزا نے مولانا کے اس فیصلہ کو بھی مسترد کردیا جیسا کہ کہتے ہین ؎

ہلہ تازہ گشت غالب روش نظیری از تو سزد این چنین غزل را بہ سفینہ ناز کردن

سبحان اللہ مرزا بیچارہ نظیری کی حلقہ بگوشی کو سرمایۂ ناز جانتا ہی۔ اور مولانا کہتے ہین کہ مرزا کی غزل بڑھ گئی۔ مولینا نے کمال تو اس جگہ کیا ہے۔ جہان مرزا اور اُنکے مخالف کے قصہ مین آپ نے ثالثی کو قبول فرمایا ہے۔ مجھکو یقین ہے کہ اگر یادگار غالب کی تنقید کی جائے تو ایک دفتر ہوجائے۔

معذرت۔ مین اپنی دیانت سے کہتا ہون۔ کہ ان چند سطرون کے لکھنے سے میرا ہرگز یہ مطلب نہین ہی کہ ان بزرگوارون پر کسی طرح کا حملہ کرون۔ یا معاندانہ تخطیہ کرون۔ مین انکی قابلیت کا معتقد ہون۔ مین اُنکو اپنا محترم جانتا ہون۔ اور نہ مجھکو غالب مرحوم سے خدانخواستہ عداوت ہی۔ کہ خواہ مخواہ اُنکی تنقیص کرون۔ مین صرف تشفی کا خواستگار رہون۔ کہ مولینا نے باوجود مستند ادیب ہونے کے سوانح نگاری کے فرائض سے کیون پہلوتہی فرمائی جب سوانح نگار پر حسن و قبح کا ظاہر کردینا فرض ہے۔ تو کیون غالب مرحوم کے عیوب مین پردہ داری۔ جنبہ داری سے کام لیا گیا۔ مین امید کرتا ہون کہ کوئی ایسا ذریعہ نکل آئے گا جس سے میری بدظنی جلد رفع ہوجائے گی۔ اور آیندہ مجھکو اُن غلطیون کی فہرست پیش کرنے کا موقع ملے گا جو میری سمجھ مین نہین آئین۔

جناب اڈیٹر صاحب کی خدمت مین محمد کشش شاگرد میر علی حسین روشن لکھنوی مرحوم شاگرد رشید خواجہ وزیر لکھنوی مرحوم۔ بصد ادب التماس کرتا ہے کہ فقیر کی عمر تریسٹھ [۶۳] برس کی ہوی اور ہاتھ مین رعشہ بھی ہی غالباً پڑھنے مین دقت ہوگی مگر امید ہے کہ از راہ اخوت اسلامی معاف فرمائین گے۔ اگر غلطی ہو تو اُسکی بھی اصلاح[۵۱] فرمائین گے۔

۵۱ اگرچہ ہمارے نزدیک اس تحریر مین کئی جگہ مہذب الفاظ کی ضرورت تھی مگر ہم نے قصداً اس سے احتراز کیا ہے۔ اڈیٹر

رباعی ذوالقوافی الاربعہ

زندان حیات مین ہوا ہے جو قید
صیاد اجل سے نہ بچے گا وہ صید
احسن ہو کہ محمود ہو حامد ہو کہ زید
پیدا جو ہوا یہان وہ ہوگا ناپید

سودا ے حیات جان اگر تیشہ ہوا
سن کر یہ خبر عبث کوئی تیز ہوا
بچتا نہین کوئی سست یا تیز ہوا (جلد باز)
جس وقت کہ دشنۂ اجل تیز ہوا (سان رکھا ہوا)

اے خاک لحد تیز ترا پانی ہے
فولاد کا زہرا بھی یہان پانی ہے
لذت دنیا کی اب کہان پانی ہے (پانا)
اس گھر کا نیا دانہ نیا پانی ہے (آب)

خاصان خدا خوب بسر کرتے ہین
طے عشق کی راہ سر بسر کرتے ہین
کچھ جان کا ڈر نہ خوف سر کرتے ہین
پامردیون سے مہم یہ سر کرتے ہین

جان سوز ہے کیا آتش تر کا ہر پھول
کانٹون مین الجھتا ہے جو بیتا ہی پھول
غافل آزاد بن کے شیخی سے نہ پھول (غرور)
دیکھے ہین کسی نے سرو مین بھی پھل پھول (گل)

کیا موت سے بچنے کی نکالین کوئی کل
باقی نہین رہنے کی یہ خاکی ہیکل
بے غم رہین احسن کہ رہین ہم بے کل
مرنا ہے بہر حال نہین آج تو کل

رکتی نہین وہ جیب گھڑی کوئی گھڑی
صناع ازل نے جس کی ہر کیل گھڑی
ہے تازہ یہ تشبیہ کہ موتی کی لڑی
سینہ ہے کہ جیب ہے یہ دل ہے کہ گھڑی

آرایش بزم جسم ہے درہم بالکل
مینا ے شراب ہے نہ شور قلقل
پڑھتے ہین مزارون پہ جو آج آکر قل
ہونے والا ہے کل تک انکا بھی قل

احسن مارہروی

تحقیق سخن پر ریویو

فن شاعری کی معلومات، مذاق سلیم کے افادہ واستفادہ کی غرض سے مولانا شفق رضوی عمادپوری نے تحقیق سخن لکھکر اُردو شعرا کی اچھی رہنمائی کی ہے۔اسکے محققانہ مضامین بیش بہا اسکا تاریخی نام بھی موزون ہر طرح اسم بامسمی ہے آجکل کثرت نظم نگاری اور نئی روشنی کی تخئیل جدید سے اُردو شاعری مین معتد بہ اضافہ ہورہا ہے لیکن قیود سخن کی آزادی۔فن کی ناواقفیت۔زبان کی ناآشنائی نے نقائص کا بازار بھی گرم کردیا ہے۔

ایسے زمانے مین ہرآشنائے اُردو کو عموماً اور شعرا کو خصوصاً ایسے رسالے کی ضرورت تھی جو مصنف ممدوح کی سعی سے قلمبند ہوا

فہرست مضامین لکھکر سلسلہ وار رائے زنی سے کام لیتا ہون

(عیوب سخن) تعقید۔حشو زوائد۔مقدرات بہمل۔ذم کا پہلو۔مبتذل۔

(قیود سخن) متروکات۔محاورات۔تذکیر وتانیث۔واحد جمع۔عطف واضافت۔قوافی۔

(اصناف سخن) قصیدہ۔غزل۔مرثیہ۔مثنوی۔رباعی۔قطعہ۔تاریخ گوئی۔

مذکورۂ بالا عنوانون کے بعض مضامین ضخامت بڑھنے کے لحاظ سے اختصار کا پہلو لیے ہوے ہین جن سے تشنہ کامان تحقیق کی پوری پیاس نہین بجھتی مگر کوزے مین دریا والی مثل صادق آتی ہے کہ ایک رسالے مین اتنی کارآمد ومفید بحثین منضبط ہین جنکے لیے خدا جانے کتنے رسالے ڈھونڈھنے پڑتے اور کتنی کتابون کی ورق گردانی کرنی پڑتی۔

تعقید کی چار قسمین کرکے صاف بتادی اور مع مثال سمجھادی گئی ہین۔حشو کے نکالنے کی صورت بھی نکالدی ہے۔

مقدرات کی دونون قسمین مع مثال لکھکر تفریق کردی ہے۔مبتذل کس طرح کے اشعار ہوتے ہین اور کب غزلون مین داخل ہوے ہین اسکی تشریح بھی خوب کی ہے۔

متروکات کی تین قسمین کرکے ہر ایک کی الگ الگ تفصیل کردی ہے واجب الترک وہ الفاظ جنکا استعمال صریح غلطی ہے اسلیے کہ زبان نے خارج دفتر کردیے۔مستحسن الترک وہ الفاظ جنکا استعمال روش فصحا کے خلاف شان فصاحت کے منافی ہو۔ مشتبہ الترک وہ الفاظ جنھین بعض فصحا نے ترک اور اکثر نے استعمال کیا اور خود مصنف کے نزدیک اُنکا ترک کرنا وسعت سخن کے دائرے کو محدود اور زبان کو بیجا پابند قیود کرنا ہے۔

محاورات کے متعلق متصرف محاورہ کا عدم جواز خاص طور سے لکھا ہے ترجمہ محاورہ کی نسبت وہ محققانہ رائے لکھی ہے

کہ قابلیت کی داد دی ہے تذکیر تانیث کے تحت مین تین چالیس مشترک و مختلف فیہ الفاظ کا فیصلہ مع اشعار مثالیہ کیا ہے واحد و جمع کی بحث مین جمع الجموع کی نسبت بھی خوب بات لکھدی ہے عطف و اضافت و قوافی کی بحث مین بہت سی تحقیق اور تشخیر کا فیصلہ ماہر فن وسیع النظر ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔

اصناف سخن پر وضاحت کے ساتھ ایسے اچھے مضامین لکھے ہین کہ کہین پہلے نظر سے نہین گزرے معلومات کی وسعت عبارت کی دلچسپی۔ انداز بیان کی خوبی۔ مثالون کی خوش اسلوبی سب دیکھنے ہی کے لائق اور قدر کے قابل ہین۔ ہر صنف سخن مین مذاق سلیم حاصل ہوجانے کے لیے ان مضامین کا پیش نظر یا ذہن نشین رہنا کافی ہے۔

آخر مین تاریخ گوئی کے متعلق وہ رموز لکھے ہین جنھین خواص کے سوا اور لوگ کم جانتے ہونگے۔ مزید تحقیق کا پتا لگتا ہے اور محاسن و عیوب تاریخ سے بھی آگاہی ہوجاتی ہے۔ الا ماشاء اللہ

مختصر یہ ہے کہ مبتدیون کا اتالیق، نومشقون کا استاد شفیق، شعرا کا رفیق اس سے بہتر اسوقت اردو مین موجود نہین ہے اس لیے جو صاحب تحقیقات شاعرانہ کو دل و دماغ کے خزانے مین جگہ دینا چاہین وہ خاص مصنف مولانا شفق رضوی عماد پوری۔ رفیع گنج ضلع گیا کے نشان سے و یلو طلب فرمائین۔ یا لکھنؤ امین آباد دفتر الناظر سے خرید لین قیمت آٹھ آنے۔ محصول علاوہ۔

واضح ہو کہ کچھ دنون سے مصنف ممدوح نے چھپی ہوی جلدون مین بھی دست خاص سے قلمی ترمیم کی ہے اسلیے کہ جو نسخہ مجھ تک پہلے پہونچا تھا وہ بلا ترمیم تھا اور اب ایک دوست کے پاس دست خاص کا ترمیم کیا ہوا دیکھا گیا اس لیے جتنی ترمیم جس سطر جس صفحہ مین ہوی ہے درج ذیل ہے کاش کسی نسخے مین یہ تصحیح نہو تو بنالی جائے۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۱۹	۱	مذکر ہے	مونث ہے	؎ کوثر اُٹھا ہے بہشت اُٹھی ہے رضوان اُٹھا (امیر مینائی)
۳۸	۱۷-۱۸	جن کا مصرع سے آخر مصرع تک	×	قلمزد
۔	۔	×	×	× × ×
۴۷	۶	قلق ہر مرتے دم بھی	دم آخر قلق ہے	
۴۹	۱۲	جو بات۔ الخ	×	پورا شعر قلمزد

راقم اوج گیاوی

غزلیات

یہ تو کیا ہے جو ہو دامان بیابان دامن
نہ بچے دستِ جنون سے کسی عنوان دامن

شرمِ تردامنیِ گرمیِ محشر کا ہے دہیان
دیکھنا خشک نہو دیدۂ گریان دامن

پھر رولاتی ہے لہو خارِ تمنا کی خلش
پھر دکھاتا ہے بہارِ چمنستان دامن

دستِ وحشت سے ہے صد پارہ قبائے ہستی
خاک پہچان پڑے اسمین گریبان دامن

اُڑ کے پڑ جاے کہین خاک نہ مظلومون کی
ہان اُٹھائے ہی رہے گنبدِ گردان دامن

مردے بھی اُٹھے ہوا دے کے ذرا دیکھو تو
ہے مگر بافتۂ تارِ رگِ جان دامن

سیکڑون دل ہین کہ ہر بل مین لپٹے جاتے ہین
یون نہ نکلا کرو گردان کے اے جان دامن

چننے آئے تھے یہان پر گلِ گلزارِ مراد
خارِ حسرت سے ہے صحرائے مغیلان دامن

اب تو کوتاہیِ دامن یہ ہے ضامن ہین ناز
تھا کسی وقت دلیلِ سرو سامان دامن

ضامن کنتوری

بلبل قفس کی یاد سے کہتی ہے باغ مین
جو لطف قید مین ہے نہین وہ فراغ مین

ناکامیون نے ذوقِ تمنا بڑھا دیا
دل کی امید بن گئی سودا دماغ مین

او حسنِ دلفریب ہم اب اور کیا کہین
تیری گلی مین آے تھے دل کے سراغ مین

پایا قفس کی قید مین کیا جانین کیا مزہ
روتی ہے چھوڑتے ہین جو بلبل کو باغ مین

یہ مے نہین چھلکتی ہے او بیخودِ نشاط
ساقی کی چشمِ مست کا ہے عکس ایاغ مین

اتنا تو سوزِ گرمیِ الفت مین چاہیے
کچھ جل اُٹھین چراغِ دلِ داغ داغ مین

دیوانگی نے قیس کی حسرت نکال دی
خلوت ہوی تصورِ لیلےٰ سے راغ مین

اب تو ترے ستم سے بھی محروم ہو گئے
کیا خاک زندگی کا مزا ہے فراغ مین

مدت ہوی کہ ناقۂ لیلےٰ گزر گیا
بیٹھا ہے کس امید پہ اب قیس راغ مین

زخمون کی تو نے محوی غافل خبر نہ لی
ناسور پڑ گئے جگر داغ داغ مین

محوی لکھنوی

رونما ہے صاف کوئی شوخ پُرفن پھول مین
جس کا جلوا ہے فروغِ چشمِ روشن پھول مین

اے گلِ تر تیرے دم سے ہے گلستان کی بہار
طائرِ رنگِ چمن کا ہے نشیمن پھول مین

اس طرح دلمین پریرویون کی الفت چاہیے　　جس طرح رہتی ہے شبنم پاکدامن پھول مین
آرسی مین دیکھتے ہین وہ رخ رنگین کی سیر　　کیا تماشا ہے نظر آتا ہے گلشن پھول مین
ہم تو ایجان کشتۂ تیغ تبسم ہو گئے　　غنچۂ لب سے ہے پیدا آب آہن سوان مین
غنچۂ دل مین ہی ہر دم زلف پیچان کا خیال　　بوسے سنبل نے بنایا اپنا مسکن پھول مین
آہ سوزان کی عجب تاثیر ہوتی ہے سفیر
آتش گل بن گیا بلبل کا شیون پھول مین

سفیر کاکوردی

محمد مصطفے دونون طرف تیری حقیقت ہے　　ترا ظاہر نبوت ہے ترا باطن ولایت ہے
کلام اللہ کی ہر ایک سورۃ تیری صورت ہے　　نظر کرنا ترے چہرے پہ قرآن کی تلاوت ہے
تو وہ نقطہ ہے جس سے ابتدا ہے سیر وحدت کی　　تو وہ مرکز ہے جس پر منتہی دور رسالت ہے
تو نور حق ہے تیرا عکس پیدا کر سکے کیونکر　　حقیقت آئینہ کی تیرے آگے بے حقیقت ہے
تری تعلیم اک عنوان ہے تیری رسالت کا　　تری برہان خاتمیت تری مہر نبوت ہے
وہی کثرت وہی تیرا ظہور عالم آرائی　　وہی وحدت وہی تیری حقیقت کی حقیقت ہے
تری ذات مقدس برزخ کبریٰ ہے دونوں کی　　ادھر تیری نبوت ہے ادھر تیری ولایت ہے
خدا کو ہم نے پہچانا تو بیشک تجھ سے پہچانا　　کہ علم معرفت تیرا ہی ادراک حقیقت ہے
عیان سب مین ہے تیرا نور سب ہین نور سے تیرے　　تری وحدت مین کثرت ہے تری کثرت مین وحدت ہے
دم بربادی بت ہاے کعبہ حل ہوا مطلب　　کہ تیری ہی نبوت حامل بار ولایت ہے
تو ان دونون مین افضل ہے تو ان دونون کا آئینہ　　ترے گھر کی نبوت ہے ترے گھر کی ولایت ہے
دل توفیق مین نہان ہین شعلے تیری الفت کے
چراغ زیر دامن تیرا ہر داغ محبت ہے

سید جلال الدین توفیق

مٹے گی خود نمائی اس بت خود بین و خود سر کی　　مقابل آئینہ ہے آج چوٹین ہین برابر کی
تنا پھر وہ تنا کس کی قد موزون دلبر کی　　قلم مین آ گئی وقت رقم رفتار محشر کی
وہی پیش آئے گا آخر جو پیشانی مین لکھا ہے　　نہین کچھ ڈر عداوت سے سپہر کینہ پرور کی
مے عشق بتان پی کر تو دیکھو حضرت واعظ　　کہ اسکے ڈرد مین بھی ایک کیفیت ہے کوثر کی
مزے سے پاؤن پھیلائے ہوئے سوتا ہون بے کھٹکے　　ملین کنج لحد مین راحتین آغوش مادر کی
خدا پر کشتی امید اپنی چھوڑ بیٹھے ہین　　ضرورت کچھ نہین اب ناخدا کی ہے نہ لنگر کی

دھرا چھاتی پہ پتھر صبر کا فرقت مین گو لیکن
ہوئی پھر بھی نہ کچھ کم بیقراری قلب مضطر کی

ہوئے صبح دم سے کیون گلستان سب مہک اُٹھا
صبا بتلا یہ رہی ہے ہمنشین زلف معنبر کی

یقین آیا تو آیا کس طرح جھوٹی شکایت کا
الٰہی کس طرح اُس نے عدو کی بات باور کی

بُرا ہو اس نقاہت کا سمجھ ہی مین نہین آتا
تن لاغر ہے اپنا یا ہے کوئی چین بستر کی

جلانے کی نئی صورت نکالی ہے ستمگر نے
دم پیمان قسم کھاتا ہے وہ اغیار کے سر کی

تصور تیرے قنتون کا رہے گا دفن ساتھ اپنے
ہماری قبر بھی ہوگی زمین میدان محشر کی

نہ وہ آئے شب غم اور نہ بالین پر اجل آئی
یہ قسمت کے کرشمے ہین یہ خوبی ہے مقدر کی

سمجھ رکھا تھا قتل بیگنہ کو بازی طفلان
چڑھا جب خون آنکھین کھُل گئین قاتل کی خنجر کی

اگر پینے پہ آئے تو لنڈھا دے خم کے خم دم مین
ترے میکش کے آگے کیا حقیقت ایک ساغر کی

قیامت سے بھی بڑھکر کوئی ہنگامہ آنے والا ہے
کسی کو ڈھونڈھتی ہین کیون نگاہین اہل محشر کی

گزرتے ہین یون ہی دن عرشی آزاد مشرب کے
نہ کچھ ہے خوف عقبیٰ کا نہ کچھ ہے فکر محشر کی

محمد عبد العزیز عرشی

پیم کہانی وارث جانی

یہ وہ نادر کتاب ہے جس کا شہرہ قبل از طبع شایقین علم موسیقی مین ہو چکا ہے۔ اس سے ہر مذہب اور ہر مذاق کا آدمی لطف اُٹھا سکتا ہے درویشون کے لیے تصوف بھرا ہے عاشقون کے واسطے حسن و عشق کا اچھا نقشہ ہے خوش آوازون اور زندہ دلونکے لیے اس سے بڑھکر اور کیا ہو کہ ہندی زبان کی ٹھمریان، بھجن، اور بسنت وغیرہ اس سے بہتر گانے کے لیے اور کون سی چیز ہو سکتی ہے۔ اس کتاب کے مصنف حضرت سید شاہ امین صاحب قبلہ وارثی با خدا درویش ہین۔ یہ کتاب ذیل کے پتہ سے (۱۲) کو مل سکتی ہے۔

حیدرآباد دکن عقب مسجد چوک۔ مکان
عبد اللطیف عطر فروش

نمونہ مفت

نمونہ مفت

سفوف برق

معدے اور جگر کے تندرست اور اُنکے کام صحیح رہنے پر انسان کی تندرستی توانائی اور زندگی کا دارومدار ہے۔ ورنہ معدہ کمزور ہونے سے بھوک کم لگتی ہے کچھ کچھ غذا کھائی جائے تو دیر مین ہضم ہونے کے علاوہ درد شکم اسہال نفخ ریاح قبض سینہ کی جلن وغیرہ تکلیف دینے والی شکایتین بڑھ جاتی ہین جگر ضعیف ہوگا تو معدے سے آئی ہوئی رقیق غذا کو بخوبی جذب کرنے کی صلاحیت نہ رکھے گا بدن مین رطوبت زیادہ اور خون کم پیدا ہوگا جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بدن چہرہ بے رونق ہوجائے گا ضعف بڑھ جائے گا درد سر دل دھڑکنا کسی کام مین جی نہ لگنا۔ سر گھومنا ہاتھ پیرون کا ٹوٹنا شروع ہوگا اور ایسا کمزور آدمی سنگرہنی ورم و درد معدہ بدہضمی بواسیر بادی استسقا۔ طحال۔ پتھری۔ ریگ گردہ۔ دمہ گٹھیا کی بیماریون مین بہت جلد مبتلا ہو کر لب گور پہنچ جائیگا پس چاہیے کہ معدہ و جگر کی مندرجۂ بالا بیماریون مین بھی سفوف برق منگا کر استعمال کرین۔ سفوف برق معدہ جگر کی مندرجۂ بالا بیماریون کو بہت جلد دور کر دیتے ہین اکسیر صفت ہے اور سفوف برق کے آزمانے والے نوابان رؤسا۔ عظام و معززین کی رائے ہے کہ ہر گھر مین اسکی ایک شیشی رہنا نہایت ضرور ہے۔ قیمت فی شیشی کلان ۲ خورد ۱ ر
(ایک آنہ کا ٹکٹ بھیجکر نمونہ مفت طلب فرمائیے)

ابو الشفا حکیم محمد شمس الحسن مالک کارخانۂ معدن الشفا گیا

وہ نہایت پکا مسلمان تھا۔ مذہب اسلام کے بھٹکے ہوئے پیرو اسکی ثنا وصفت مین بیان کرتے ہین کہ جیسا وہ

(بسلسلۂ نوٹ صفحہ ۱۰۴) اپنا دوست اور حلیف کہین۔

ایسے دوستون اور حلیفون کا احسان اسپر کچھ نہین تھا۔ ان مین سے ایک بھی مدد کے لیے کھڑا نہین ہوا۔ ہان مبارکباد دینے کے لیے سب موجود ہو گئے۔ جتنی جنگ ہوئی اس سب کا بار صرف صلاح الدین ہی پر رہا باستثنا راخیر جنگ کے جسمین اسکا بھائی بہت زیادہ پیش پیش نظر آنے لگا تھا کوئی شخص کسی ایک بھی جنرل یا مشیر کا نام نہین لے سکتا جسکے متعلق کہا جاسکے کہ سلطان کی رہبری کرنا تو کیا اسپر رائے مین غالب بھی رہا ہو۔ اسمین شک نہین کہ ایک مجلس جنگ ضرور تھی جسکے مشورہ کے بموجب وہ اپنے فوجی احکامات جاری کیا کرتا تھا۔ مجلس کبھی کبھی سلطان کی ایسے رائے کو بھی توڑ دیتی تھی جو خود اسکی رائے سے بہتر ہوتی تھی جیسے کہ صور (ٹائر) اور عکہ کے معاملہ مین ہوا لیکن اس مجلس بھر مین ایک شخص بھی ایسا نہین مل سکتا تھا جسکی تنہا آواز ایسی ہو جو اسکے ارادے پر غالب آسکے۔ بھائی۔ بیٹے۔ بھتیجے۔ قدیم ہمدم ترئے باجگذار۔ قاضی الفاضل جیسا ہوشیار شخص عماد الدین کاتب (سکرٹری) جیسا محتاط آدمی۔ کوئی پرجوش واعظ۔ سب کے سب عام حکم مین اپنا اپنا حصہ لیتے تھے۔ سب کے سب اپنی قابلیت بھر اپنے آقا کی وفاداری کرتے تھے باوجود اسکے ایک بھی شخص ایسا نہ تھا جو کبھی یہ بھول گیا ہو کہ اسکا آقا کون ہے۔ اس تمام تشویشناک۔ پُر از محنت و محن و نازک وقت مین صرف ایک دماغ تھا اور ایک ارادہ جو سب پر غالب تھا۔ یہ دماغ و ارادہ صلاح الدین کا تھا

جب آخرکار جنگ ختم ہوئی اور عیسائی ساحل تک ہٹا دیے گئے اور وہ مقامات جو مسلمانون اور عیسائیون دونون کے لیے مقدس تھے ایکمرتبہ پھر سلطان کے قبضہ مین آگئے تو کیا عجب ہے کہ صلاح الدین کو ایک وسیع تر سلطنت کا خواب نظر آتا ہو اور بڑی بڑی تجویزین اسکے پیش نظر ہون۔ کیا عجب ہے کہ مسلمانون کی ابتدائی فتوحات کی یاد دیا اور قریب زمانہ کی سلجوقیون کی کامیابیون کی مثال اُسکے دل مین دوسرے ممالک فتح کرنے کے خیالات پیدا کر دیتی ہو لیکن یہ تمام تصورات اتنے پختہ نہین ہونے پائے تھے کہ اُنکی اس جدید حاصل کی ہوئی صلح و آشتی مین خلل انداز ہوتے۔ سب سے پہلا خیال سلطان کا یہ ہوا کہ اپنی تھکی ماندی فوج کو آرام دینا چاہیے۔ صلح نامے پر دستخط ہوتے ہی اپنے سپاہیون کو اپنے اپنے گھر رخصت کر دیا اور ۱۰ اور ۱۱ ستمبر کو میسوپوٹیمیا کے لوگون کے طول طویل جلوس نے اس خوشی دخرمی کے سفر کی ابتدا کی جبکہ سپاہی دریاہاے عظیم کے کنارے یا کوہ ہاے منیع کے مرتفع دامنون مین اپنے اپنے قصبات کی طرف جارہے تھے۔ اس کے بعد اس نے اپنی توجہ عیسائی زائرین ارض مقدس کے انبوہ درانبوہ کاروانون کی جانب مبذول کی جنھون نے آخرکار یہ سمجھکر اپنی تشفی کر لی تھی کہ اُن مقامات کی زیارت کر سکین گے جہان حضرت مسیح فوت ہوے تھے۔ یروشلیم مین نہایت تندخو مسلمان سپاہی ایسے بھی تھے جو میدان عکہ مین اپنے بھائیون کے قتل کیے جانے سے انتقام لینے کے لیے بھوکے نظر آتے ہون لیکن صلاح الدین کے بدرقے سڑک پر متعین تھے اور نیک نفس رحم دل جُردیک شہر کا حاکم تھا جسکی وجہ سے زائرین تمام خطرون سے بامن و امان گزر گئے۔ ستمبر کے مہینے مین خود سلطان یروشلیم مین موجود تھا جبکہ ہیوبرٹ والٹر اسقف سالسبری کے ہمراہ زائرین کا تیسرا قافلہ مقامات مقدس مین داخل ہوا۔ شاہ رچرڈ کا روزنامچہ نگار (صفحہ ۲۴۔ جلد ۷) لکھتا ہے کہ

ایک ہیرو اور سورما تھا ویسا ہی ولی اللہ بھی تھا کہا جاتا ہے کہ اُسے ہمیشہ یہ رنج رہا کہ حمایت مذہب مین مصروفیت

(بسلسلۂ نوٹ صفحۂ ماسبق) ہیو برٹ اسقف سالسبری کے ساتھ اسکی دیانت داری وحق پژوہی اور نیز اسکی دانائی اور وسیع شہرت کی وجہ سے صلاح الدین نے بہت خاطر مدارات کی اور ایک مکان بلاکرایہ رہنے کو دیا۔ لیکن اسقف مذکور نے اس بنیاد پر انکار کردیا کہ وہ اور اسکی جماعت والے زائرین کی حیثیت سے نہین آئے ہین۔ تب صلاح الدین نے اپنے نوکرون کو حکم دیا کہ اُسکے اور اسکے آدمیون کے ساتھ ہر قسم کی خاطر داری برتی جائے۔ صلاح الدین نے خود بھی اُسے بہت سے قیمتی تحفے بھیجے اور ایک جلسہ مین یہ دیکھنے کے لیے مدعو تک کیا کہ شکل وشباہت مین وہ کس قسم کا آدمی ہے۔ اُسے صلیب المصلوب بھی دکھائی اور دونون باہم بہت دیر تک بیٹھکر دوستانہ باتین کرتے رہے۔ اس موقع پر صلاح الدین نے دریافت کیا کہ عیسائی مسلمانون کے متعلق کیا خیال رکھتے ہین۔ اسکے جواب مین بشپ (اسقف) نے کہا۔ اپنے بادشاہ کے متعلق مین صرف یہ عرض کرتا ہون کہ دنیا بھر مین کوئی سورما بہادر ایسا نہین ہے جو فوجی امور مین اس سے ٹکر کھا سکے یا شجاعت ومردانگی مین اسکی برابری بھی کرسکے وہ ہر عمدہ صفت کے ساتھ ممتاز ہے۔ اگر کوئی شخص حضور کے عمدہ خصائل شاہ رچرڈ کو دیسکے اور اسکی خوبیان آپ مین پیدا کرسکے تو دنیا ایسے دو بادشاہون کی نظیر نہین پیدا کرسکے گی۔ صلاح الدین نے نہایت خاموشی کے ساتھ سُن کر جواب دیا کہ مین تمھارے بادشاہ کی شجاعت وبہادری سے بخوبی واقف ہون لیکن اکثر وہ اپنے آپ کو بےضرورت خطرات مین ڈالدیتا ہے اور جان کی پروا نہین کرتا۔ مین اپنے متعلق یہ کہہ سکتا ہون کہ خواہ کتنا ہی بڑا بادشاہ کیون نہون لیکن مین اُسی حالت مین حصول دولت کو پسند کرونگا جبتک کہ وہ دانشمندی اور اعتدال سے حاصل ہوسکے نہ کہ تہور اور بے اعتدالی کے ساتھ۔ غرضکہ ایک ترجمان کے ذریعہ سے بہت دیر تک باتین کرنے کے بعد صلاح الدین نے بشپ (اسقف) سے کہا کہ اگر آپ کی کوئی خواہش ہو تو مین پوری کرنے کو تیار ہون۔ آپ مانگین جو مانگنا چاہتے ہون۔ اس عنایت کے جواب مین بشپ نے بہت کچھ شکرگزاری کے بعد دوسرے دن تک کی مہلت مانگی تاکہ اپنے لوگون سے مشورہ کرسکے۔ دوسرے دن جب وہ آیا تو اس نے عرض کیا کہ مین چاہتا ہون کہ دو لاطینی عبادت کرنے والے اور دو بڑے پادریون کو اجازت دی جائے کہ شامیون کے ساتھ مزار مقدس مین عبادت کرایا کرین۔ ان لوگون کی تنخواہین زائرین کی نذر ونیاز سے ادا ہوا کرین گی۔ بشپ مذکور نے مرقد مقدس کی زیارت کے وقت دیکھا تھا کہ شامی عیسائی اپنے وحشیانہ طریقہ کے بموجب ادھوری نماز پڑھا یا کرتے ہین چنانچہ اسنے اسی طرح کی درخواست بیت اللحم اور ناصرہ کے متعلق کی۔ یہ درخواستین منظور کرلی گئین اور جیسا کہ ہر شخص کا اعتقاد تھا یہ کام خدا کو بہت پسند آیا۔ سلطان کی رضامندی کے بعد بشپ (اسقف) نے اپنی درخواست کے بموجب ہر ایک مقام پر عبادت کرنیوالے اور بڑے پادری مقرر کردیے اور یہ ایک ایسا کام کیا جو خدا کی راہ مین بہت موزون وپسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ روزنامچہ نگار کے قول کے بعد اب ہم پھر مسٹر اسٹینلی لین پول سے نقل کرتے ہین۔ وہ کہتا ہے کہ ان لاطینی پادریون کے تقرر سے چار ہی ماہ قبل شاہنشاہ یونان نے ایک سفیر بھیجکر اسی قسم کی درخواست آرتھوڈاکس گرجے کی جانب سے صلاح الدین کے سامنے پیش کی تھی جسے اُس نے نامنظور کردیا تھا۔ لین پول صاحب نہایت حیرت واستعجاب سے تحریر کرتے ہین کہ یہ ایک عجیب حیرت انگیز بات ہے

کی وجہ سے اسے کبھی اتنی مہلت نہ ملی کہ مکہ جاکر فریضہ حج ادا کرتا۔ اسکے دربار کے عدل و انصاف کی حالت یہ تھی کہ دانے سے

(بسلسلہ نوٹ صفحہ ماسبق) کہ بارھوین صدی عیسوی مین مقامات مقدسہ کے متعلق اسی قسم کی نزاع پیش ہوئی تھی جو Russia روس نے ۱۸۵۴ء مین ترکون سے جنگ کرنے کے عذرات مین پیش کی تھی۔

جب صلاح الدین کو معلوم ہوا کہ بادشاہ انگلستان جہاز پر روانہ ہوگیا ہے تو اس نے اُن ممالک کا ایک دورہ کیا جو اتنی جانین گنوانے کے بعد بزور شمشیر اس نے فتح کیے تھے۔ تمام قلعہ جات اور بڑے بڑے شہر اُس نے دیکھے اور اُنکے مقامات محافظت کو بھی دیکھا۔ انھین مستحکم کرنے کا حکم دیا اور ہر ایک مین ایک سالہ سوارون کا اور ایک دستہ پیدل فوج کا مقرر کیا۔ پہلی نومبر کو بمقام بیروت رئیس انطاکیہ بوہیمانڈ ہکلا اس سے ملنے کو آیا اور سب سے پہلے صلح پیش کی۔ دونون کی ملاقات نہایت دوستانہ ہوئی اور سلطان نے رئیس کو انطاکیہ مین جاگیر محاصلی پندرہ ہزار زر سُرخ سالانہ کی عطا فرمائی۔ بمقام کوکب اسکے ابتدائی زمانہ کا قدیم ملازم قراقوش ملا جو تسخیر عکہ کے بعد سے قید خانہ مین پڑا مصیبت کاٹ رہا تھا۔ سلطان نے اس سے کوئی گلہ نہین کیا بلکہ اپنا قدیم اور وفادار ملازم سمجھکر بہت خاطرداری کی۔ چوتھی نومبر کو سلطان دمشق مین دوبارہ داخل ہوا۔ چار سال تک اُسے باہر رہنا پڑا تھا اور داخلہ کے دوسرے روز جب وہ جلوس کے ساتھ شہر مین نکلا تو اسکے پُرانے دوستون اور خوش و خرم رعایا کا اک ہجوم تھا۔ شاعرون کو اتنے نئے اور کافی الفاظ نہین مل سکتے تھے جو اس موقع کے لیے موزون تھے۔

اب سلطان پھر اپنے بچون مین آگیا۔ ہم اُسے قلعہ کے میدان مین اپنے باغ کی بارہ دری کے اندر اپنے چھوٹے چھوٹے بچون کے ساتھ بیٹھا دیکھتے ہین۔ یکایک عیسائیون کے سفرا کی اطلاع کی جاتی ہے لیکن جب وہ اسکے سامنے حاضر ہوتے ہین تو اُنکی منڈی ہوئی ڈاڑھیان اور کترے بال اور عجیب غریب لباس دیکھکر چھوٹا بچہ ابوبکر چلا اُٹھتا ہے اور ڈر کر رونے لگتا ہے۔ باپ کو صرف اپنے بچے کا خیال ہے اور وہ سفیرون کو قبل اسکے کہ کوئی پیام پہونچائین رخصت کردیتا ہے۔ اور دوسرے لڑکے بھی وہین تھے جو اب بڑے ہوگئے تھے اور اپنے باپ کے ساتھ میدان جنگ مین کارنمایان کرچکے تھے۔ سلطان اپنے بھائی ملک العادل اور ان لڑکون کو لے کر روزانہ دمشق کے وسیع میدانون مین ہرن کا شکار کرنے جایا کرتا۔ اُسے ادائے حج کا بھی خیال تھا جو کہ مسلمانون کا بہت بڑا فریضہ سمجھا جاتا ہے اور اُسے یہ بھی خواہش تھی کہ ایک دفعہ مصر اور جائے جو اسکی ترقی کی سیڑھی تھا لیکن وقت گزرتا گیا۔ حاجی عرب سے لوٹ بھی آئے اور وہ دمشق ہی مین اپنے گھر کے [illegible] سے خوشیان مناتا رہا۔

۲۰ فروری (۱۵ صفر ۵۸۹ھ) کو جمعہ کے روز بہاؤالدین کو ہمراہ لیکر وہ حاجیون کے قافلے کے استقبال کے طور پر شہر سے باہر گیا تھا۔ پچھلے کچھ دنون سے کچھ اسکی طبیعت بھی اچھی نہ تھی۔ موسم برشگال تھا۔ اور سخت بارش کے بعد سڑکین پانی سے بھری ہوئی تھین۔ غلطی سے اپنا گرم لبادہ بھی پہننا بھول گیا تھا۔ اس بے احتیاطی کی وجہ سے رات کو بخار آگیا۔ دوسرے دن دسترخوان پر اپنے دوستون کے ساتھ کھانا کھانے بھی نہ آیا۔ بعض لوگون نے جب بیٹے کو باپ کی جگہ بیٹھا دیکھا تو

ادنیٰ عرضی گزار بھی اپنی مراد کو پہونچتا تھا اور اس کی فیاضی کی یہ صورت تھی کہ محاصرہ عکہ کے وقت بارہ ہزار

(بسلسلہ نوٹ صفحہ ماسبق) آنکھون مین آنسو بھر لاے اور بدشگونی سمجھے۔ سلطان کی روز بروز حالت بدتر ہونے لگی۔ سر درد سے پھٹا جاتا تھا اور اندر ہی اندر اُسے سخت تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ بخار نے بدن کی جلد کو خشک کر دیا اور کمزوری بڑھتی چلی گئی نوین دن بحران کی حالت ہو گئی اور غفلت سی پیدا ہو گئی اور حالت ایسی نازک ہو گئی کہ دوا بھی پیٹ مین نہین جا سکتی تھی ہر شب کو بہاؤالدین اور وزیر الفاضل سلطان کو دیکھنے جاتے یا کم سے کم یہ سُننے جاتے کہ طبیبون کی کیا راے ہے اور کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ آنکھون مین آنسو بھرے گریہ کو ضبط کیے ہوے باہر آتے کیونکہ ہر وقت ڈیوڑھی پر مجمع لگا رہتا تھا کہ اندر سے آنیوالون کے چہرے دیکھکر اپنے آقا کی طبیعت کا اندازہ کر سکین۔ اتوار کے روز بیمار ہونے کے دسوین دن۔ دوا سے کسی قدر افاقہ معلوم ہوا۔ مریض نے آش جو کا ایک جرعہ پیا اور پسینہ بدن سے بہت خارج ہوا۔ بہاؤالدین لکھتا ہے کہ "یہ حالت دیکھکر ہم نے خدا کا شکر ادا کیا اور ہمکو طبیعت پلٹے با ہر آئے" لیکن افسوس یہ مریض کی اخیر کوشش تھی۔ سہ شنبہ کی رات کو وفادار کاتب (سکرٹری) بہاؤالدین ابن شداد اور وزیر (الفاضل) اندرون قلعہ طلب کیے گئے لیکن اُنھون نے سلطان کو نہین دیکھا جسکی حالت تیزی کے ساتھ گرتی جاتی تھی۔ شیخ ابوجعفر امام کلاسہ رات کے وقت نزدیک بیٹھے قرآن پاک پڑھ رہے تھے اور اس وقت محض خالی الذہن تھے جب شیخ ان کلمات پر پہونچے ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ۔ ھو الرحمٰن الرحیم سلطان نے سُن کر آہستہ سے کہا "صحیح ہے" اور جب یہ الفاظ انکی زبان پر آئے کہ لا الٰہ الا ھو علیہ توکلت تو مرنے والے نے تبسم کیا اور اسکا چہرہ چمک اُٹھا اور جان پاک جان آفرین کے سپرد کی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

یوم چہارشنبہ کو بتاریخ ۲۷ صفر ۵۸۹ھ (۴ مارچ ۱۱۹۳ء) بعد نماز صبح سلطان نے وفات پائی۔ یہ ایسا روز تھا کہ خلفاے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی وفات کے بعد سے آج تک اسلام و مسلمین پر ایسا روز نہین گزرا تھا۔ تمام عالم پر وحشت عظیم طاری ہوئی اور لوگ تمنا کرتے تھے کہ کاش ہم سلطان پر سے جو اپنی جانون سے بھی زیادہ ہمین عزیز تھا فدا ہو جاتے۔ وفات کے قریب اسکا سن ۵۷ سال کا تھا (Lane Poole لین پول نے ۵۵ سال لکھے ہین جو شمسی سال کے حساب سے صحیح ہین) اور مصر و صوریا مین اس نے ۲۶ برس حکومت کی تھی۔ انتقال کی خبر سُنکر تمام لوگ حاضر ہو گئے اور جنازے کے ساتھ ساتھ روانہ ہوے اور قلعہ دمشق کے باغ کی بارہ دری مین عصر کے وقت اُسی مقام پر دفن کر دیا جہان وہ مریض رہا تھا۔ جو تلوار جہاد مین اسکے زیب کمر رہی تھی آج اُسکے برابر رکھدی گئی اور "وہ جنت مین اپنے ساتھ لے گیا" اس نے ہر چیز خرچ کر دی تھی حتیٰ کہ دفن کفن کے واسطے قرض لینا پڑا اور لکڑیان تک جو قبر مین لگائین قرض لی گئین تمام مراسم تجہیز و تکفین اس سادگی سے ادا ہوے جیسے کہ ایک غریب آدمی کے جنازے کے ساتھ ہوتے ہین۔ قبر پر ایک دھاری دار ردا ڈالدی گئی۔ کسی شاعر کو مرثیہ کہنے یا کسی واعظ کو تقریر کی اجازت نہ ملی۔ جب لوگون نے جو ڈیوڑھی پر

گھوڑے اُس نے تقسیم کیے اور موت کے وقت صرف ستائیس درہم اور ایک دینار اسکے خزانہ مین نکلا۔ اُسکی[؎]

(بسلسلۂ نوٹ صفحۂ ما سبق) انبوہ در انبوہ کھڑے تھے جنازے کو دیکھا ایک آواز گریہ و بکا بلند ہوئی۔ لوگون پر اسقدر ہجوم الم تھا کہ اُنکی زبان سے کوئی دعا تک ادا نہین ہو سکتی تھی۔ خاموشی کے ساتھ جنازے کو لیے ہوے روتے چلے جاتے تھے۔ کوئی نہ تھا جس کی آنکھین خشک ہون اور کم ایسے تھے جو چلا کر نہ روتے ہون۔ اسکے بعد ہر شخص اپنے اپنے گھر چلا گیا اور ماتم مین مکان کے دروازے بند کرکے اندر بیٹھ گیا اور صرف خاموشی اور سنسان سڑکین بتاتی تھین کہ لوگون پر کس قدر عظیم صدمہ ہے۔ صرف کاتب بہاء الدین ابن شداد اور سلطان کے اہلبیت قبر پر قرآن خوانی کرنے گئے اور وہین رو رو کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔ دوسرے دن لوگون کا مزار پر مجمع ہوا جو روتے جاتے اور قرآن پڑھتے جاتے اور خداے جل وعلا سے دعا کرتے تھے کہ اس زیر زمین سونے والے کو اپنے جوار رحمت مین جگہ عطا فرمائے۔ اہل بیت مین ایک دُکھیا محبت کی ماری بہن بھی تھی جسے "ست الشام" کہتے تھے اس نے مرحوم بھائی کے لیے اپنی جیب خاص سے بہت کچھ صدقہ اور خیر و خیرات کی۔ ملک الافضل نے عزاداری کی۔ کاتب عماد الدین نے اسکے غم مین دو سو تیس شعر کا ایک مرثیہ لکھا ہے جسمین چند شعر یہ ہین۔

شمس الهدى والملوك عم ثناته	والدهر ساءت وقامت حسناته	اين الذى عنت ... باسه	ذلا فمنها ادركت ساراته
اين الذى مذ لم يزل مخشية	مرجوة رهباته وهباته	اغلال اعناق العدا اسيافه	اطواق اجياد الورى مناته
اين الذى كانت له طاعاتنا	مبذولة ولربه طاعاته	لم يجد تدبير الطبيب كم كم	احيت لطب الدهر تدبيراته
بالله اين الناصر الملك الذى	لله خالصة صفت نياته	من فى صدور الكفر صدر قناته	حتى توارت بالصفائح فناته
اين الذى ما زال سلطانا لنا	يرجى نداه وتتقى سطواته	فى نصرة الاسلام يسهر دائما	ليطول فى روض الجنان سباته

لا تحسبوه مات شخص واحد فممات كل العالمين مماته

دوسرا سال ابھی ختم نہین ہونے پایا تھا کہ سلطان کی لاش کو اُسکے لڑکون مین سے کسی لڑکے نے مسجد بنی امیہ کے متصل اس خانقاہ مین جو کلاسہ کی جانب شمال واقع ہے لیجا کر دفن کیا جہان وہ اب تک زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ اس مزار پر سلطان کے وفا شعار وزیر الفاضل نے جو اپنے آقا کے تھوڑی ہی مدت بعد خود بھی رہگراے عالم جاودانی ہوا یہ کتبہ تحریر کیا تھا "اے خدا۔ اس روح کو اپنی جوار رحمت مین جگہ دے اور اسکے لیے جنت کے دروازے وا فرمادے جو اسکی وہ آخری کامیابی ہوگی جس کے لیے وہ متمنی رہتا تھا"

ابن خلکان لکھتا ہے کہ مین اس خانقاہ مین کلاسہ کی طرف کے پھاٹک سے داخل ہوا اور قبر پر تھوڑا کلام مجید پڑھکر مین نے دعا کی کہ خداے بزرگ و برتر صاحب قبر پر رحمت فرمائے۔ دربان نے مجھے ایک گٹھری دکھائی جسمین صلاح الدین کے کپڑے رکھے ہوے تھے۔ مین نے اسمین ایک چھوٹا زرد رنگ کا کرتہ دیکھا جسمین زرد کف لگے ہوے تھے۔ مین نے دعا کی کہ خدا اسکی برکت سے مجھے محروم نہ فرمائے۔"

موت اسکی حیات سے زیادہ سبق آموز تھی - یہ دیکھکر کہ اب وقت اخیر ہے اس نے اپنے علمبردار کو نزدیک

(بسلسلہ نوٹ صفحہ ماسبق) طبیب دانا عبداللطیف کسی قدر رکھائی کے ساتھ لکھتا ہے کہ اسکے علم مین صرف اسی ایک بادشاہ کی ایسی نظیر تھی جسکے لیے واقعی رعایا نے ماتم کیا ہو - صلاح الدین کے اثر و مقبولیت کا گروہ محبت تھی جو اُسے اپنی رعایا کے ساتھ تھی - جو شئے دوسرے لوگ خوف - سختی اور تجمل شاہانہ سے حاصل کرتے ہین اس نے رافت و مہربانی سے حاصل کی تھی - اسکے وہ یادگار زمانہ الفاظ جو مرنے سے کچھ ہی مدت پہلے اس نے اپنے نہایت درجہ عزیز لڑکے ملک الظاہر سے اپنے ایک صوبہ کی حکومت پر جانے کے لیے رخصت کرتے وقت کہے تھے اُسکے اثر و قوت کے منشا حقیقی کو ظاہر کرتے ہین -

اُس نے یہ وصیت کی کہ "اے میرے لڑکے مین تجھے خدائے بزرگ و برتر کے سپرد کرتا ہون جو تمام خوبیون کا سرچشمہ ہے اسی کی مرضی کے موافق کام کرو کیونکہ اسی مین فلاح ہے - لوگون کی خونریزی سے اجتناب کرو - یہ کوئی بھروسہ کی چیز نہین ہے کیونکہ کشتون کا خون کبھی چین سے سونے نہین دیتا - لوگون کے قلوب اپنے ہاتھ مین لینے کی کوشش کرو اور انکی فراغ بالی پر نظر رکھو کیونکہ صرف انھین کے چین و آرام کے لیے خدا نے تمھین اور مجھے مقرر کیا ہے - اپنے امیرون وزیرون اور ارکان دولت کے قلوب اپنے قبضہ مین کرنے کی کوشش کرو - میری جو کچھ عظمت تم دیکھتے ہو اسکی وجہ یہی ہے کہ مین نے لوگون کے دلون کو نرمی اور ملاطفت سے اپنا گرویدہ کیا ہے" - کریم النفسی اسکی طبیعت کی خصوصیت اعظم تھی - ہم اسکے ہم عصر واقعہ نگارون کی تصانیف مین اس شئے کو تلاش کرتے ہین جو عام طور پر بادشاہون مین پائی جاتی ہے یعنی تجمل و شکوہ شاہانہ - مگر کہین نظر نہین آتی - اسکا ذکر نہ کرنے کی صرف وجہ یہی ہے کہ لوگون مین جو کچھ اسکی منزلت تھی وہ اُس محبت کی وجہ سے تھی جو خوف و دہشت کو دور کردیتی ہے - اسی طرح تزک و شاہانہ طمطراق کا بھی کہین پتہ نہ تھا - بجاے اسکے کہ وہ دربار مین اکڑ کے بیٹھتا اور ادنی ادنی مراسم و آداب و شاہانہ پر لحاظ رکھتا ہم دیکھتے ہین کہ کوئی بادشاہ اتنا خوش اخلاق نہین ہوسکتا جتنا کہ یہ تھا اور کسی کے پاس اسکی رعایا اس آسانی سے باریاب نہین ہوسکتی تھی جیسے کہ اسکے یہان پہونچ سکتی تھی وہ پسند کرتا تھا کہ اسکے جلسے مین دانشمندانہ بحث و مباحثہ کرنے والے رہین اور وہ خود بھی بہت دلچسپ باتین کرتا تھا - وہ عربون کی قدیم روایات اور اُنکے بہادرون کے کارنامون سے اور انکی گھوڑیون کی نسلون سے خود بھی بہت واقف تھا - اسکی عام ہمدردی اور بے لوث تعلقات نے ہر ایک کو مطمئن کردیا تھا اور بجاے اسکے کہ وہ لوگون کو آزادی کے ساتھ گفتگو کرنے سے منع کرتا وہ اسقدر آزادی کے کلام کرنے کی اجازت دیتا تھا کہ بعض وقت خود اسکی آواز انکی آوازون مین گم ہوجایا کرتی تھی - پُرانی وضع کے درباری بیشک افسوس کرتے ہونگے کہ اس زمانہ مین نورالدین کے درباریون کی سی سختی آداب نہین پائی جاتی جبکہ ہر ایک آدمی ایسا خاموش نظر آتا تھا کہ گویا اسکے سر پر چڑیا بیٹھی ہوئی ہے اور جبتک کلام کرنے کی اجازت نہین ملتی تھی زبان سے ایک حرف نہین نکال سکتا تھا - صلاح الدین کے دربار مین ہر طرف نہایت پرجوش تقریر کرتے ہوے لوگ نظر آتے تھے اور ایک

بلا کر کہا" ایام جنگ مین تم میرے علم بردار رہا کرتے تھے آج میری موت کے دن بھی تمہین میرا جھنڈا اوٹھانا - یہ میرا کفن ہو

(بسلسلۂ نوٹ صفحۂ ماسبق) ایسی ہما ہمی رہا کرتی تھی جو بادشاہون کے درباروں مین کہین نظر نہین آتی تاہم ہر شے کے لیے حدود مقرر تھین جس سے کوئی شخص سلطان کی موجودگی مین تجاوز کرنے کی ہمت نہین کرسکتا تھا - کوئی نامناسب تقریر وہ روا نہین رکھتا تھا اور نہ اس بات کی مجال تھی کہ کوئی شخص چھچھورپنے کے ساتھ کوئی امر خلاف ادب یا کسی کی شان کے خلاف کرسکے وہ خود نہ کبھی اپنی زبان سے کسی کے لیے برُے الفاظ استعمال کرتا تھا اور نہ دوسرون کے لیے روا رکھتا تھا - سخت سے سخت اشتعال کے موقع پر بھی وہ اپنی زبان پر سخت قابو رکھتا تھا - اور یہی قابو اُسے اپنے قلم پر بھی حاصل تھا - کوئی نہین کہہ سکتا کہ اُس نے کسی مسلمان کے لیے کوئی سخت کلمہ لکھا ہو -

بغداد کے مشہور و معروف طبیب عبد اللطیف نے پہلی مرتبہ جو سلطان صلاح الدین کو دیکھا اور جو اثر اسپر پیدا ہوا اُسے مختصر الفاظ مین یون بیان کرتا ہے : "مین نے اُسے ایک عظیم الشان بادشاہ پایا جسکی صورت دیکھنے سے دلون مین محبت و عظمت پیدا ہوتی تھی - جسکے پاس ہر کوئی جاسکتا تھا - جو نہایت درجہ ذکی و فرلیس تھا اور جو سراپا مکرمت و شریف خیال تھا - جتنے لوگ اسکے قریب آتے اسکی ذات کو اپنے لیے ایک قابل تقلید نمونہ سمجھتے ...... پہلی مرتبہ شب کو جب مین اُسکے پاس حاضر ہوا تھا تو مین نے دیکھا کہ علما کی ایک بہت بڑی جماعت اُسے گھیرے ہوے مختلف علوم پر بحث کررہی ہے اور وہ نہایت مسرت سے سب سُنتا جاتا ہے اور انکی تقریر مین خود بھی حصہ لیتا جاتا ہے - کبھی وہ محافظت قلعہ جات اور مورچہ جات پر گفتگو کرتا اور کبھی مسائل فقہ پر کلام کرتا تھا اور اسکی تمام تقریر جدت خیال و ذکاوت سے مملو تھی - اس زمانہ (یعنی ۲-۱۱۹۱ء) مین مورچہ جات یروشلیم کے استحکام مین نہایت مصروف تھا اور بذات خود کام کی نگرانی کرتا تھا حتیٰ کہ پتھر تک اپنے کندھون پر لیجاتا تھا - ہر شخص امیر و غریب حتیٰ کہ عماد الدین کاتب اور قاضی الفاضل تک اسکی تقلید کررہے تھے - فجر کے وقت سے وہ گھوڑے کی پیٹھ پر نظر آتا اور دوپہر تک خود نگرانی کرتا رہتا ..... اور پھر سہ پہر سے رات تک مصروف رہتا اور شعلون کی روشنی مین مکان لوٹ کر آیا کرتا تھا - اسکے بعد وہ رات کا ایک بہت بڑا حصہ دوسرے دن کے کامون کے انتظامات مین صرف کرتا"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کا میل جول لوگون کے ساتھ کیسا تھا - اسکی تمام زندگی نہایت سادی پر از مشقت و محنت اور مرتاضانہ تھی - جب اُسے ایک نہایت خوبصورت شامیانہ دکھایا گیا جو اسکے لیے دمشق مین تیار ہوا تھا تو اس نے بمشکل ادھر آنکھ اُٹھا کر دیکھا اور یہ کہا "ہم یہان ہمیشہ قیام کرنے کے لیے نہین آئے - یہ مکان اس شخص کے کام کا نہین ہے جسکے ہر وقت پیش نظر موت رہتی ہے - ہم یہان صرف خدا کی تابعداری کرنے آئے ہین" عیش و آرام و تکلفات سے اسے نفرت تھی - ایکمرتبہ جب اُس نے دیکھا کہ اسکا ایک لڑکا ایک جاریہ کے شغف مین اسقدر مبتلا ہے کہ اپنے فرائض تک سے غافل ہوگیا ہے تو اس نے اس عیش پسند شہزادے کو سخت سرزنش کی اور عورت سے جدا کردیا -

اور ایک نیزے پر لپیٹ کر دمشق کے اطراف واکناف میں پھراؤ اور یہ ندا کرتے جاؤ کہ دیکھو یہ مشرق کا بڑا بادشاہ

(بسلسلۂ نوٹ صفحہ ماسبق) بہاؤالدین کہتا ہے کہ "ہمارا سلطان نہایت شریف النفس تھا - مہربانی اسکے چہرے سے ٹپکی پڑتی تھی وہ نہایت مہذب اور حد درجہ خوش خلق تھا"۔ تمام تاریخیں اسکی نیکی کی داستانوں سے بھری پڑی ہیں - اس زمانہ میں جبکہ نوکروں کو مارنا پیٹنا ایک عام دستور تھا وہ یہ نہیں برداشت کرسکتا تھا کہ اسکا کوئی نوکر پیٹا جائے - اگر وہ اسکا روپیہ چرا لیتے تو وہ انہیں موقوف کر دیتا لیکن کوڑے سے اُسے نفرت تھی - اسکی روا داری شفقت وتحمل کی کوئی حد نہ تھی اور نہ کبھی اس نے کسی قسم کے تشدد سے کام لیا - بہاؤالدین نہایت ہیبت و شرمندگی سے یہ واقعہ بیان کرتا ہے کہ کس طرح وہ دونوں ایک بارش کے دن یروشلیم میں سوار جارہے تھے اور اسکے خچر کے پیروں سے کیچڑ کی چھینٹیں اوڑ اوڑ کر سلطان کے کپڑوں کو خراب کرتی جاتی تھیں لیکن صلاح الدین صرف ہنس دیتا تھا اور اپنے سکریٹری کو جو شرمایا جارہا تھا کسی طرح پیچھے چلنے نہیں دیتا تھا - ایکمرتبہ کا اور واقعہ ہے کہ کسی نوکر نے ایک جوتا اس طرح پھینکا کہ سلطان کے لگتے لگتے رہگیا لیکن اس نے مسکرا کر دوسری طرف منھ پھیر لیا گویا کہ اسے دیکھا ہی نہیں - ایک بڈھے ملوک نے ایسے وقت میں جبکہ یہ ماندگی سے چور چور تھا ایک عرضی لاکر پیش کی لیکن بجائے اسکے کہ کچھ برہم ہو فوراً خود قلم دوات لاکر اُسکی درخواست کو منظور کر دیا - جب وہ دربار کرتا تو عرضی گزار اسطرح اُسے آکر گھیر لیتے کہ گویا اوپر چڑھے بیٹھتے ہیں اور کبھی کبھی اسکے کپڑے بھی کچل دیتے لیکن یہ ہر ایک کی عرضی خود اپنے ہاتھ میں لیتا جاتا اور انکی فریاد رسی کرتا - مدعا کوئی خالی ہاتھ نہ جاتا - ہر روز اسکے پاس یہ تکلیف دہ کاغذات آتے اور یہ ایک وقت نکال کر سکرٹری کے ساتھ ان تمام کاغذات کو دیکھتا اور ہر ایک پر مناسب و موزوں جوابات لکھتا جاتا -

دوشنبہ اور پنجشنبوں کو وہ عدالت کی کرسی پر بیٹھتا اور اجلاس پر قاضیوں اور فقیہوں کو موجود رکھتا اور جو کوئی آتا اسکے حق میں انصاف کرتا - عدالت کے سامنے نہ تو خود کوئی خاص امتیاز اپنے لیے رکھتا اور نہ دوسروں کے ساتھ برتتا اور اگر کوئی شخص کسی شہزادے پر یا خود سلطان پر مقدمہ دائر کرتا تو اس شہزادے کو عام مدعا علیہ کی طرح قاضی کے سامنے حاضر ہوکر قانون کے حکم پر عمل کرنا پڑتا اور خود بھی ایسا ہی کرتا - لیکن اگر سلطان مقدمہ جیت جاتا تو ہارے ہوئے مدعی کو خلعت دے کر اسکے اخراجات ادا کرتا اور خوش خوش اور متحیر گھر واپس کرتا - ایسے منصف مزاج بادشاہ سے کوئی شخص سختی کا اندیشہ نہیں کرسکتا - باوجود ان سب باتوں کے مذہبی جنگ کے موقع پر نہایت سخت بلکہ سنگدلی کی حد تک نظر آتا - مقتولین اور وہ بھی خاصکر جمعیت ہسپتلیین کے مقتولین کی فہرست کو دیکھنے سے معلوم ہوتا کہ کس طرح[1] مذہب کے اثر سے نیک سے نیک آدمی بھی سخت دل ہوجاتا ہے - لیکن اسکی ہمیشہ حالت ایسی نہ تھی - مثلاً ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کس طرح ایک عیسائی قیدی سلطان کی حضوری میں تھر تھراتا ہوا پیش کیا گیا اور جب سامنے آیا تو بیساختہ چلا اُٹھا کہ جبتک میں نے اسکے چہرے کو نہیں دیکھا تھا میں خوف سے بیخود تھا لیکن اب جبکہ اُسکی صورت دیکھی تو مجھے

[1] یہ مسٹر لین پول کی رائے ہے - ہمارے خیال میں یہ مذہب کا اثر نہیں ہے بلکہ جنگ کی مجبوریاں لامحالہ ایسا کراتی ہیں -

آج مر رہا ہے اور سوائے اس ذرا سے کفن کے قبر میں اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جاتا ہے[۱]"

(بسلسلۂ نوٹ صفحہ ما سبق) یقین ہو گیا کہ یہ مجھے کوئی ضرر نہیں پہونچائے گا" چنانچہ وہ آزاد کر دیا گیا اور اپنے گھر چلا گیا۔

ان صفحات مین اسکی رحمدلی اور رقیق القلبی کی چند مثالین بیان کی گئی ہین لیکن یہ ابھی اور بہت سی بیان کی جا سکتی ہین۔ ایک عیسائی عورت کا ایک عجیب دردناک واقعہ ہے جو عکہ مین صلیبیون کے کیمپ سے اپنے چھوٹے سے بچہ کو جسے مسلمان سپاہی اُٹھا لائے تھے ڈھونڈھتی ہوئی آئی تھی۔ پہرے کے سپاہیون نے راستہ دیدیا بلکہ یہ کہکر سلطان کے پاس لیگئے کہ "وہ بہت رحمدل ہے" عورت نے سلطان سے فریاد کی۔ صلاح الدین پر اس واقعہ کا ایسا اثر پڑا کہ اسکی آنکھون مین آنسو بھر آئے اور اس نے تمام کیمپ ڈھنڈوا ڈالا یہانتک کہ لڑکی مل گئی اور مان کی گود مین دیدی گئی اور مان بیٹی دونون غنیم کی حدود تک پہونچا دی گئین۔ بچون کی محبت اسکے خصائل کا ایک نہایت لطیف جزو تھا۔ ہر یتیم بچے کو وہ سمجھتا تھا کہ اسکی خاص پرورش مین ہے۔ خود اپنے چھوٹے بچون سے بھی اُسے بیحد محبت تھی۔ مسٹر لین پول کہتے ہین کہ اسکی بی بیون کا حال ہم نے کہین نہین پڑھا۔[۱] مشرقی شرفا اپنی بی بیون کا ذکر نہین کرتے لیکن اکثر جگہ کتابون مین یہ مذکور پایا گیا ہے کہ اپنے بچون کے ساتھ وہ کس طرح جی بہلایا کرتا تھا۔ وہ یہ نہین روا رکھتا تھا کہ اُسکے بچے خونریزی کے مناظر دیکھین۔ یہ ایک ایسی احتیاط تھی جو مسٹر موصوف کہتے ہین کہ ہماری نگاہ مین کوئی نئی نہین معلوم ہوتی لیکن اُس زمانہ مین اسکی مثالین شاذونادر نظر آتی ہین۔ سلطان کہا کرتا تھا کہ "یہ لڑکے ابھی بچے ہین مین نہین چاہتا کہ یہ خونریزی کے عادی ہو جائین یا لوگون کی جان لینے مین مسرت حاصل کرنے لگین" وہ خود ہی بیٹھکر انھین پڑھایا کرتا تھا اور انکے ننھے ننھے دلون مین چند مذہبی عقائد و مسائل بٹھانے مین اُن سے بھی زیادہ شاید خود اسے مسرت ہوا کرتی تھی کیونکہ تمام امور سے بالاتر سلطان صلاح الدین اپنے مذہب مین نہایت پکا مسلمان تھا۔ اسکا مذہب ہی صرف اسکی دنیا تھی یہی اک ایسی شے ہے جس مین وہ نہایت پرجوش تھا۔ مذہب کے لحاظ سے وہ نہایت پکا سُنّی تھا جسمین سادگی استقامت اور خلوص کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ اسلام اپنے اصلی معنی مین اور ایسے ماننے والون کے لحاظ سے

[۱] مسٹر لین پول ایک نوٹ مین لکھتے ہین کہ صلاح الدین کی بی بیون مین سے صرف ایک ہی بی بی ملکہ عصمۃ الدین کا نام جانتے ہین جو دمشق کے مشہور و معروف وزیر انر کی بیٹی تھی۔ سلطان نورالدین نے ۱۱۴۷ء مین پہلے اس سے شادی کی تھی۔ اسکی وفات کے بعد ۱۱۷۶ء مین صلاح الدین کے حبالہ عقد مین آئی" تو اس کی عمر اس وقت کم سے کم ۴۵ سال کی تھی لیکن کہا جاتا ہے کہ ۱۱۸۲ء مین حمل سے تھی۔ اسکی تمام اولادین اسکے سامنے ہی مرگئین اور ۱۱۸۵ء مین خود اس کا بھی انتقال ہو گیا۔ ست الشام خواہر صلاح الدین کی طرح اس نے بھی مسجدین تعمیر کرائی تھین۔ صلاح الدین نے اپنی وفات کے وقت سترہ لڑکے اور ایک چھوٹی لڑکی چھوڑی اور چند بچے اسکے پہلے ہی انتقال کر چکے تھے (منقول از تاریخ عبدالباسط وعماد الدین فی تاریخ ابو شامہ ۱۱۲)

مگر ناظرین کو چاہیے کہ اس مسلمان بادشاہ کی خوبیون کے جھوٹے اور ابلہ فریب اثر سے دھوکے مین نہ آجائین اس مین شک نہین کہ جو شہرت اسے حاصل ہوئی اس کا وہ ضرور مستحق تھا لیکن باین ہمہ وہ ایک قسم کے تشخص و دنائت[۱۱] کا مجموعہ تھا اور گو اپنے معاصرین کے مقابلہ مین جو اس سے زیادہ مقدس بن کر شیخی مارا کرتے تھے اس کا مرتبہ اعلےٰ وارفع سمجھا جائے لیکن اگر کسی مذہب عیسوی کے سچے پیرو کی خوبیون سے مقابلہ کیا جائے تو زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا ـ مسلمان ہو کوئی یا کافر بت پرست کبھی کبھی اہین ایسی خوبیان جلوہ گر نظر آہی جاتی ہین جنھین دیکھکر خواہ مخواہ تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے لیکن یہ صرف انجیل[۱۲] مقدس کی کایا پلٹ کردینے والی طاقت سے ممکن ہے کہ غسل اصطباغ حقیقی و تجدید روح القدس کے اثر سے انسان وہ شمائل حاصل کرے جنھین خداوند جل و علےٰ نظر استحسان سے ملاحظہ فرمائے گا اور یاد رکھو کہ جس طرح بت پرست کافرون یا مسلمانون کے لیے اس

(بسلسلۂ نوٹ صفحہ ماسبق) جیسا کہ صلاح الدین تھا ایک ایسا مذہب ہے جسمین شریفانہ سادگی اور سخت اتقیا زہد پایا جاتا ہے[۱۰] یہ کہنا کہ وہ اپنے مذہبی فرایض کے ادا کرنے مین نہایت پابند تھا بہت کم ہے ـ دوران جنگ کی وجہ سے دو مرتبہ رمضان شریف کے روزے اس سے قضا ہوگئے جنکے ادا کرنے کا اس نے بعد مین قصد کیا تھا اور کیا عجب ہے کہ اسی ادائے قضا کی وجہ سے اسکی موت نے عجلت کی ہو ـ اسکے اکثر بیمار رہنے اور سخت محنت و جانفشانی کرنے کی وجہ سے روزے اسکے لیے مضر صحت ہوگئے تھے ـ اسکے طبیبون نے بھی منع کیا تھا لیکن اس نے نہین سنا اور اپنی عمر کے اخیر سال جب کہ وہ یروشلیم مین تھا اس مذہبی فریضہ کے ادا کرنے مین اصرار کرنے کی وجہ سے اسکے جسم مین کمزوری پیدا ہوگئی جس نے خطرناک بخار سے مقابلہ کرنے کے لائق نہ رکھا ـ کوئی شخص اپنی پنج وقتہ نماز اور ہفتہ وار مسجد مین جاکر نماز جمعہ ادا کرنے مین اس سے زیادہ پابند نہ تھا حتیٰ کہ اسوقت بھی جبکہ سخت بیمار تھا امام کو اپنے مقام پر بلواتا اور زبردستی کھڑے ہونے اور نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے اپنے آپ کو مجبور کرتا ـ اسے لوگون کو پاس بلاکر قرآن پاک پڑھوانا اچھا معلوم ہوتا تھا لیکن ان پڑھنے والون کے لیے ضرور تھا کہ عمدہ قاری بھی ہون ـ صلاح الدین خاموشی کے ساتھ قرآن پاک سنتا رہتا یہان تک کہ اس کا دل نرم ہوجاتا اور آنکھون سے رخسارون پر آنسو بہنے لگتے ـ اسکی طبیعت مین یہ عورتون کی سی کمزوری[۱۱] تھی لیکن باین ہمہ اسکی پرجوش و ذکی الحس طبیعت ایسی پسندیدہ تھی

[۱۱] مسٹر لین پول کے ان الفاظ کو پڑھکر عیسائیون کو چاہیے کہ ذرا جرأت کرکے اپنی نگاہ پر سے تعصب کے پردے اٹھائین اور پھر اسلام کی خوبیون پر نظر ڈالین ـ اگر ایسا کرینگے تو وہ لین پول سے زیادہ اسلام کے محامد دیکھین گے اور بیان کرینگے ـ ۱۲ سعد

[۱۲] جس شے کو مسٹر لین پول کمزوری کہتے ہین وہ عین اثر ایمان تھا ـ کلام الٰہی کو سن کر صرف انھین لوگون کے دل نہین گھلتے جن پر مہر لگادی گئی ہے ـ قرون اولیٰ مین جب عرب کے بادیہ گرد آکر قرآن سنتے تھے تو انکے چہرے آنسوؤن سے تر ہوجاتے تھے یہی وہ عرب تھے جنھین عیسائی مورخ جوش مذہبی مین دیوانہ کہتے ہین اور جن کی تلوار نے قاف سے قاف تک اسلام کا نام مشہور کردیا ـ یہ صفات ان لوگون کی ہین جنھین خدائے بزرگ و برتر نے نعمت ایمان عطا کی ہے دوسرے لوگ اسے کیا سمجھین اور کیا جانین ۱۲

امر کی ضرورت ہے اُسی قدر ان عیسائیون کے لیے بھی اس کی ضرورت ہے جو محض برائے نام عیسائی کہلاتے ہین۔

(بسلسلۂ نوٹ صفحہ سابق) کہ باوجود اسکے لوگ اس سے محبت کرتے تھے۔" وہ نہایت منکسر مزاج و سراپا رحم تھا اور بہت جلد اسکی آنکھون مین آنسو آجایا کرتے تھے۔

اُسے اس بات کا بہت صدمہ رہا کہ فریضۂ حج نہین ادا کر سکا لیکن وہ حاجیون کا ہمیشہ سرپرست رہا ہے۔ اسکی ابتدائی سلطنت کے کامون مین ایک کام یہ بھی تھا کہ اُس نے وہ سخت محصول معاف کر دیا جو صدیون سے حاجیون پہ بار پڑ رہا تھا اور اخیر مرتبہ جب وہ عام طور پہ باہر نکلا تھا تو واپس آنے والے حاجیون کے استقبال مین نکلا تھا۔ جب حاجیون نے آکر اسے سلام کیا تو معلوم ہوتا تھا کہ خوشی سے اسکا چہرہ کتنا تمتمایا ہوا ہے۔ اسکے بعد صرف ایک ہی ہفتہ اسکی زندگی اور باقی تھی۔

کسی شے مین سلطان نے اتنا مذہبی جوش مستعدی کے ساتھ نہین ظاہر کیا جتنا کہ جہاد مین جو مسلمانون کے خاص اور اعلے فرائض مذہبی مین سے ہے۔ فطرۃً صلاح الدین خونریزی کے خلاف تھا بلکہ جنگجو طبیعت بھی نہ رکھتا تھا لیکن جب کفار سے کارزار کا موقعہ ہوتا تو وہ بالکل دوسرا ہی شخص نظر آتا تھا۔ بہاؤالدین کہتا ہے کہ "مین نے کبھی اُسے دشمنون کی کثرت تعداد اور قوت سے متردد نہین دیکھا۔ وہ تمام قسم کی تدابیر جنگ کو غور سے سنتا اور بعد اعتدال یا اطمینان قلب سے متجاوز ہوے بغیر انکے نتائج پر بڑی آزادی سے بحث کرتا کبھی میدان جنگ کی صفون مین وہ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار تنہا صرف ایک غلام کے ہمراہ جایا کرتا اور کبھی گھوڑے پر سوار کھڑا ہو کر جبکہ عہدہ داران اسٹاف اُسے گھیرے رہتے تھے عین دشمنون کے مقابلہ مین بکمال اطمینان احادیث زور زور پڑھوا کر سنتا تھا۔ خدا ہی کی راہ مین جنگ کرنا اُسکی طبیعت کا جذبۂ خاص تھا۔ اسکا سارا قلب اسی خیال سے مملو تھا اور اسی کام کے لیے اس نے اپنے جسم و روح دونون کو تج دیا تھا۔ جنگ کے اخیر سالون مین وہ بمشکل کوئی دوسری بات کرتا یا دوسرا خیال بھی ذہن مین رکھتا تھا۔ اسنے اپنا تمام آرام و مسرت بی بی بچون کے ساتھ گھر مین رہنے کی خوشی سب کے سب اس خدمت پر قربان کر دیے تھے اسکے خواب و خیال مین بھی مذہبی جنگ کے وسیع ترمیدان آیا کرتے تھے جبکہ عیسائی فلسطین سے نکال دیے جا چکے ہونگے اور آگے بڑھنے کا راستہ پیدا ہو جائے گا۔ وہ اپنے سکرٹری (بہاؤالدین) سے کہتا تھا کہ وہ عیسائیون کا تعاقب کرتا ہوا سمندر پر بھی چلا جائے گا اور انھین فتح کرے گا یہانتک کہ تمام روے زمین پر ایک شخص بھی کافر باقی نہ رہے گا۔ وہ اپنے دوست سے اکثر پوچھا کرتا کہ "سب سے زیادہ شاندار موت کونسی ہے" اور وہ جواب دیتا کہ "وہ موت جو خدا کی راہ مین ہو"۔ تو صلاح الدین کہتا "بس مین اس سے زیادہ شاندار موت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہون"۔ جبکہ وہ محاصرۂ عکہ کے وقت ایک تکلیف دہ مرض مین مبتلا بستر پر پڑا ہوا تھا اور دسترخوان پر لوگون کے ساتھ کھانا کھانے تک کے لیے نہین آسکتا تھا۔ اسوقت بھی دشمن کے سامنے دن دن بھر گھوڑے کی پیٹھ پر سوار رہتا اور جب لوگ اسکے تحمل پر حیرت ظاہر کرتے تو وہ کہا کرتا کہ "جس وقت مین گھوڑے پر سوار ہوتا ہون درد مجھسے دور ہو جاتا ہے۔ اور جب اُترتا ہون اُسوقت پھر واپس آجاتا ہے" جبتک وہ خدائے جل و علیٰ کا کام کر رہا رہتا ہے کوئی

جبتک کہ کوئی شخص دوبارہ تولد نہو گا وہ کسی طرح خدائے جل و علیٰ کی بادشاہت کو نہیں دیکھ سکتا۔"

(نوٹ بسلسلۂ صفحہ ماسبق) درد نہیں محسوس ہوتا تھا اور جب بیکار رہتا اسوقت تکلیف معلوم ہونے لگتی۔

خدا کی راہ مین جہاد پر اُس نے۔ہر چیز۔قوت وصحت۔بلکہ اپنی جان تک قربان کر دی۔اسی راہ مین اس نے اپنا خزانہ خالی کر دیا۔اس کی طبیعت نظرتاً داد و دہش کی طرف مائل تھی اور جب کبھی دیتا بلا پس و پیش۔ہاتھ کھول کرکے دونون ہاتھون سے دیتا۔اسی طرح جب کہ وہ غریب ہوتا اور اسی طرح جبکہ وہ امیر ہوتا۔روپیہ پیسہ کو وہ بالکل مٹی سمجھتا تھا اور اگر کوئی مانگتا تو انکار کرنے سے نفرت رکھتا تھا۔اور ہمیشہ اُس سے زیادہ دیتا جتنی کہ لوگ توقع رکھتے اور کبھی کسی سے یہ نہ کہتا کہ "اُسے ہم پہلے دے چکے ہیں"۔حریص بھکاریون کا ہمیشہ ہجوم ہوتا اور لوگ ایسے نامناسب موقعون پر اُسے عرضیاں دیتے کہ خود بہاؤالدین ترسا جایا کرتا تھا۔اگر اُسے اپنی حالت پر چھوڑ دیا جاتا تو اسکی جنگین روپیہ پیسہ نہونے کی وجہ سے خراب ہوجاتیں کیونکہ اسکا یہ عام قاعدہ تھا کہ کسر بٹے والے جو چیز گاؤن والون سے خریدین اسکی قیمت ادا کر دیا کرین۔اسکے خزانچی ہمیشہ وقت بے وقت کے لیے خفیہ سلک خزانہ مین رکھا کرتے تھے پھر بھی سلطان کی یہ حالت تھی کہ بجائے اسکے کہ ایک غریب آدمی کو جواب دے وہ یہ بہتر سمجھتا تھا کہ اپنی اخیر جائداد بھی بیچ کر اسکے سوال کو پورا کر دے۔اسی کا نتیجہ تھا کہ جب وہ مرا تو اسکے خزانے مین صرف ایک صوری دینار اور ۴۷ نقرئی درہم پائے گئے تھے۔اس نے نہ کوئی مکان چھوڑا۔نہ اسباب۔نہ کوئی ایکڑ زمین۔نہ دیہات اور نہ کسی قسم کی ذاتی جائداد۔ایسی عظمت وشان کا سلطان جب مرا تو قلاش مرا۔مشکل سے کسی شخص کی نظیر ایسی ذہن مین آ سکتی ہے جسمین اس سے زیادہ ایثار نفس ہو۔جسکے مقاصد اس سے زیادہ اعلیٰ ہون اور جو اس سے زیادہ محبت کے لائق ہو۔مسٹر لین پول اخیر مین کہتے ہین کہ اگر وہ اس سے زیادہ سخت طبیعت کا آدمی ہوتا یا کسی قدر کفایت شعار اور جزرس ہوتا اور ایک خود غرض مدبر کے مانند روپیہ جمع کرنے کی احتیاط ملحوظ رکھتا تو ممکن ہے کہ وہ اس سے زیادہ مستحکم اور متحد سلطنت قائم کر لیتا لیکن وہ صلاح الدین نہوتا جو شجاعانہ فیاضی اور ایثار نفس کا نمونہ سمجھا جاتا ہے۔

وفادار سکرٹری (بہاؤالدین) جب اپنے آقا کی سرگذشت تمام کرتا ہے تو لکھتا ہے "مین نے اپنی سرگذشت کو اسکی موت کے دن ہی تمام کر دیا۔خدا کی رحمت اُسپر ہو میرا اس سے مقصد یہ تھا کہ خدائے جل و علیٰ کی رحمت کا مستحق بنون اور لوگون کو آمادہ کرون کہ صلاح الدین کی روح پر فاتحہ بھیجین اور اسکا نام نیکی کے ساتھ یاد کرین ۱۲۔

(منقول از "صلاح الدین" مصنفہ مسٹر لین پول۔باب ۲۲ صفحات ۳۵۸ الی ۳۶۷ و کتاب الحروب الصلیبیہ مولفہ مولانا سید علی الحریری صفحات ۳۱۴ و ۳۱۵)۔

۵۲ گبن کی تاریخ زوال سلطنت روما جلد (۱۱) صفحہ (۱۳۱) ۵۳ مسٹر ریا برنلڈ ڈائی تھیسا دیرائی باب (۱۸۱) وصلیبی محاربہ پر چوڑاول مصنفہ مسٹر ٹی اے آرچر لیکن مسٹر لین پول اس واقعہ کو پایۂ اعتبار سے گرا ہوا سمجھتے ہین (دیکھو لین پول کی کتاب

صلاح الدین کی وفات کے بعد اسکی قائم کی ہوئی سلطنت کے حصے ہو گئے۔ اسکے کئی لڑکے تھے جنمین سے

۵۴ پادری صاحبون کی اس ہرزہ گوئی کا جواب خود انکے فقرۂ اول مین موجود ہے تاہم ہم اس مقام پر اُنھین کے ہم مذہب مصنفون کے چند اقوال درج ذیل کرتے ہین :- رچرڈ ٹیرول کا روزنامچہ نگار (جلد ششم صفحہ ۳۴) ہیوبرٹ والٹر بشپ آف سالسبری کی زبانی جو سلطان صلاح الدین سے مخاطب ہو لکھتا ہے کہ "اگر حضور کے عمدہ خصائل شاہ رچرڈ کو کوئی دیسکے اور اسکی خوبیان آپ مین پیدا کرسکے تو دنیا ایسے دو بادشاہون کی نظیر نہین پیدا کرسکے گی" شاہ رچرڈ کی جو خوبیان ہین اسی ہیوبرٹ نے اونپہ بیان کردی ہین کہ "دنیا بھر مین کوئی سورما ایسا نہین جو فوجی امور مین اس سے ٹکر کھا سکے۔ یا شجاعت و مردانگی مین اسکی برابری کرسکے" اب سلطان کی جو خوبیان ہیوبرٹ چاہتا تھا کہ رچرڈ مین بھی موجود ہوتین وہ اسکی کریم النفسی۔ ایثار۔ فیاضی ہمدردی بنی نوع انسان رقیق القلبی تھی جو عین حضرت مسیح کی شان تھی اور جو اس محمدی مین پائی گئی تھی۔ ان صفات کا آدمی کبھی تشخص و دنائت کا مجموعہ نہین ہو سکتا۔ مؤلف صاحبان کی طرف سے یہ جواب ہو سکتا ہے کہ وہ اُس زمانہ کی عیسائیون کو بھی حقیقی اور سچے عیسائی نہین تصور کرتے ہین اسلیے انھین قطع نظر کر دیجیے آجکل کے عیسائیون بلکہ خود پادری صاحبون کو دیکھیے۔ یہ سب صفات اگر کسی مین پائیے گا تو اپنے ہم مذہب والون کے لیے محدود پائیے گا۔ دوسرون کے ساتھ اگر وہ عیسائی نہین ہین اُن مین سے کوئی وصف بھی اپنا جلوہ نہین دکھاتا اور تمام اوصاف مسیحی کا اوپہ خمول مین پوشیدہ نظر آتے ہین۔

خود لین پول (صلاح الدین صفحہ ۳۶۸ باب ۲۲ مین) لکھتا ہے کہ "کریم النفسی اسکی طبیعت کی خصوصیت اعظم تھی اسکے ہم عصر واقعہ نگارون کی تصانیف مین ہم اُس شے کو تلاش کرتے ہین جو عام طور پر بادشاہون مین پائی جاتی ہے یعنے تجمل و شکوہ شاہانہ مگر کہین نظر نہین آتی .... اسی طرح تزک شاہانہ و طمطراق کا بھی کہین پتہ نہ تھا۔ بجاے اسکے کہ وہ دربار مین اکڑ کے بیٹھتا اور ادنی ادنی مراسم و آداب شاہانہ پر لحاظ رکھتا ہم دیکھتے ہین کہ کوئی بادشاہ اتنا خوش اخلاق نہین ہو سکتا تھا جتنا کہ یہ تھا اور کسی کے پاس اسکی رعایا اس آسانی سے باریاب نہین ہو سکتی تھی جتنی کہ یہان پہونچ سکتی تھی"۔

جس شخص مین یہ اوصاف موجود ہون وہ سمجھ مین نہین آسکتا کہ کس منطق سے تشخص و دنائت کا مجموعہ ہو سکتا ہے ۱۲

۵۵ افسوس ہے کہ انجیل مقدس کی وہ تعلیم ہی نہین ہے جو عیسائیون نے سمجھی ہے۔ انجیل خدا کی کتاب ہے اور بیشک اسکی تعلیم کایاپلٹ دینے والی ہے بشرطیکہ یحرفون الکلم عن مواضعہ کے مصداق نہو۔

۵۶ لن یلج ملکوت السموات والارض من لم یولد مرتین یعنے ہر کہ دو بار نزاید در ملکوت آسمان و زمین در نیاید یعنی ولادت اول سے اول عالم ملک مین آتا ہے اور ولادت ثانی سے عالم ملکوت مین اور جو کچھ عالم ملکوت مین ہے وہ اسرار خزائن الٰہی ہین۔ اگر عیسائی حضرت عیسیٰ کی حقیقی پیرو ہوتے تو یہ سب نعمتین نصیب ہوتین مگر انکی حقیقی تعلیم سے افسوس جسقدر رہون بعید عام مسیحیون کو عام طور پر اور پادریون کو خاصکر ہے اسکے اظہار کی ضرورت نہین۔ اتباع حضرت مسیح جو ولادت ثانیہ کی موجب تھی آجکل حاصل نہین تو انکی خواہشات و دعاوی سب باطل ہین۔

بیٹون نے قاہرہ دمشق وحلب مین اپنی اپنی سلطنتین قائم کین لیکن اسکے بہادر وجانباز سپاہیون مین سے اکثر سپاہی صلاح الدین کے بھائی سیف الدین کے علم کے ساتھ ساتھ رہے جنکی مدد سے اس نے اپنے بھتیجون سے چھین چھان کر[1] ملک شام مین ایک بڑی سلطنت قائم کرلی - یہ نازک وقت ایسا تھا کہ بیت المقدس کو اس زمانہ مین دوبارہ فتح کرلینا آسان معلوم ہوتا تھا[2] - پس پاپاے روم سلسطائین سوم نے جو اس زمانہ مین مسند تقدیس پاپائی پر جلوہ فرما تھا ممالک عیسوی مین جنگ کے لیے لوگون کو صلاے عام دینی شروع کی لیکن سواے جرمنی کے اور کسی نے مہر سکوت کو نہ توڑا جرمنی نے اس مذہبی پیشوا کی آواز پر لبیک کہا اور تمام ملک مین شمال سے لے کر جنوب تک جنگ کا ایک جوش پھیل گیا اور مذہبی اور غیر مذہبی دونون فریق نے دھوکے سے اسے جوش یزدانی تصور کرکے صلیبی مارکہ

[1] جب صلاح الدین نے دمشق مین انتقال کیا تو اسکا بیٹا افضل اسکے ساتھ تھا - باپ کے مرتے ہی وہ دمشق - بلاد سواحل - بیت المقدس - بعلبک - صرخد - بصری - بانیاس - ہونین - تبنین اور تمام علاقہ داروم پر قابض ہوگیا - اسکا بھائی ملک العزیز چونکہ مصر مین تھا لہذا وہ وہان مصر کا بادشاہ بن گیا - تیسرا بھائی الظاہر حلب مین تھا وہ اسکا خود سر حکمران بن گیا جسکے ساتھ بلاد حارم - تل باشر - اعزاز - برزیہ - درباسے ساک اور منبج وغیرہ بھی اسکے قبضہ مین آئے - ملک العزیز نے چاہا کہ باپ کی پوری سلطنت پر مین ہی قابض رہون - لہذا اس نے ارض شام آکر دمشق پر حملہ کیا اور افضل کو محصور کرلیا - افضل نے تمام خاندانی حکمرانون کو اطلاع دی جو مختلف شہرون پر قابض تھے - سب سمجھے کہ اگر ملک العزیز نے ملک الافضل کو مغلوب کرلیا تو ہمارا بھی ٹھکانا نہ لگے گا - لہذا سب افضل کی مدد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوے - صلاح الدین کا بھائی ملک العادل سیف الدین جو علاقہ کردستان کا بادشاہ تھا اپنی قلمرو سے - ملک الظاہر حلب سے - ناصر الدین محمد حماہ سے - اسد الدین شیرکوہ حمص سے غرض سب آ پہونچے - یہ رنگ دیکھکر ملک العزیز نے انجام پر نظر ڈالی اور صلح منظور کرلی - چنانچہ سب کے اتفاق سے یہ طے پایا کہ بیت المقدس اور اسکے قرب وجوار کے مقامات بھی عزیز کو دیدیے جائین اور بلاد جبلہ اور لاذقیہ بھی افضل کے قبضہ سے نکال کر تیسرے بھائی ملک الظاہر کو دیدیے جائین اور ملک العادل کا جو علاقہ مصر مین تھا وہ ملک العادل کا رہے - سلطان صلاح الدین نے ماہ صفر ۵۸۹ھ مین انتقال کیا تھا اور ۵۹۰ھ مین اسکے بیٹون مین یہ فیصلہ ہوا - ۵۹۱ھ مین ملک العزیز نے پھر دمشق کا محاصرہ کیا تھا مگر اب کی شکست کھاکر واپس گیا لیکن اب ملک العزیز اور ملک العادل سیف الدین مین موافقت ہوگئی اور ملک العادل نے مع ملک العزیز کے ۵۹۲ھ مین ایک سازش کے ذریعہ سے دمشق پر قبضہ کرکے افضل کو نکال باہر کیا یون دمشق ملک العادل کے قبضہ مین آگیا اور اب صلیبیون سے لڑنے والے صرف ملک العادل اور ملک العزیز تھے جن مین سے اول الذکر دمشق اور شام مین تھا اور آخر الذکر مصر مین (منقول از نوٹ ترجمہ حروب صلیبیہ مصنفہ مسٹر کاکس و ترجمہ منشی محمد امیر مرزا صاحب لکھنوی) -

[2] ہسٹوریا جسکو بائی ڈی وٹریا کو جلد سوم ۱۲ -

اختیار کیا[1] اس طور پر گویا محاربہ چہارم[2] کی ابتدا ہوئی۔ اسکی عمر بہت کم اور نتائج بہت بے حقیقت تھے تاہم صلیبیون کی

[1] کرونیکا آگسٹنسس (Chronica Augustensis)

[2] سلطنت ایوبیہ سلطان صلاح الدین کے زمانہ مین منتہاے عروج کو پہونچکر اب رو بانحطاط تھی تاہم ملک العادل ابھی زندہ تھا جس نے صلاح الدین کے ساتھ رہکر صلیبیون کو بہت سبق دیے تھے اور جس کا نام رچرڈ اور صلاح الدین مین صلح کرانے کے سبب سے عیسائیون مین بہت مقبول ہو چکا تھا سینٹ جان کی نائٹون نے صلاح الدین کی اولاد مین تفرقہ دیکھکر میدان خالی سمجھا اور خیال کیا کہ اس موقع پر اگر مسلمانون کا زور توڑ دیا جائے تو پھر وہ کبھی نہ اُبھر سکین گے۔ چنانچہ پوپ سیلسٹائن ثالث کی مدد سے انھون نے پھر ممالک عیسوی کو آمادہ پیکار کرنا شروع کیا اور پوپ نے وعدہ کر لیا کہ قیامت مین بڑے بڑے اجر دلوائے گا لیکن فلپ آگسٹس ہمت ہار چکا تھا۔ رچرڈ شیردل سلطنت قسطنطنیہ کے خراب دیکھنے اور اپنی مفلس رعایا سے جزیہ حرب وصول کرنے مین مصروف تھا۔ جرمنی کے شہنشاہ ہنری ششم نے صرف آمادگی ظاہر کی لیکن اسکا مقصد محض فتح بیت المقدس نہین تھا بلکہ جزیرہ صقلیہ کو اپنی بی بی کے حق کی بنا پر اُسی فوج سے فتح کرنے کا خیال تھا جو مسلمانون کے مقابلہ مین تیار کر رہا تھا لیکن یہ خود میدان جنگ مین جانا نہین چاہتا تھا اس لیے اس نے امراے دولت کو فلسطین مین جہاد کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ لوگ ارض مقدس اُس زمانہ مین پہونچے جبکہ سلطنت لاطینی باوجود ختم مدت معاہدہ التواے جنگ کے ابھی لڑائی کے لیے آمادہ نہ تھی لیکن اہل جرمنی برسر پیکار تھے انکا اور ملک العادل کا مقابلہ ہوا مسلمانون نے یافہ پر قبضہ کر لیا اور قلعہ منہدم کر دیا گیا۔ صور اور صیدا کے درمیان ایک اور جنگ ہوئی جسمین مسلمانون کو ہزیمت ہوئی۔ عیسائیون کی ہمت اس کامیابی سے بڑھ گئی اور انھون نے شہر تبنین (طورون) کا محاصرہ کیا۔ اہل قلعہ جب تنگ ہو گئے تو اس شرط پر قلعہ حوالہ کر دینے کے لیے آمادہ ہو گئے کہ انھین بلاد اسلامی مین چلے جانے کا راستہ دیدیا جائے۔ یہ شرط منظور کی گئی لیکن شامی مسیحیون نے محصورین کو یقین دلایا کہ اہل جرمنی اپنے معاہدہ پر قائم نہین رہین گے اور تم سب قتل کر ڈالے جاؤ گے۔ یہ سُن کر مسلمانون نے قصد مصمم کر لیا کہ اخیر تک لڑین گے اور بجاے اسکے کہ بے قابو ہوکر دشمنون کی تلوارون کے شکار بنین دادِ مردانگی کے ساتھ شہادت حاصل کرنا چاہیے۔ جتنے رخنے قلعہ کی دیوار کے نیچے عیسائیون نے کیے تھے محصورین نے نہایت مستعدی سے سب بھر دیے اور نہایت سختی سے دشمنون کا مقابلہ کیا اور برابر لڑتے رہے یہان تک کہ ربیع الاول مین ملک العزیز مصر سے کمک لے کر عسقلان مین آ پہونچا اور دوسری طرف سے ملک العادل بھی آ گیا اتفاق سے اس وقت عیسائیون مین بھی پھوٹ پھیل گئی تھی اور تمام فوج ابتر ہو گئی تھی اتنے مین ہنری ششم شاہنشاہ جرمنی کی وفات (ستمبر ۱۱۹۷ء) کی خبر آئی جس نے جرمن افسرون کے خیالات بالکل بدل دیے اور تمام ذی اثر سردار جو انتخاب بادشاہ کے وقت موجود رہنا ضروری سمجھتے تھے جرمنی روانہ ہو گئے اور اس طرح چوتھی جنگ صلیبی کا خاتمہ ہو گیا۔

سپاہ کی بڑی کامیابی اس مین یہ ہوی کہ سلطنت عیسوی کی جسمین ابتک ساحل شام کا بہت بڑا حصہ شامل تھا منزلت باقی رہی اور وہ تباہی سے بچ گئی۔

محاربۂ پنجم بہت سے حالات و واقعات کی وجہ سے ممتاز ہے۔ نوئیلی کے ایک پادری مسمی فوک کی وعظ نے اسکی آگ بھڑکائی۔ یہ ایک جاہل متعصب اور پطرس سے نسبتہً کم پرجوش تھا۔ اسکی تقریر مین وہ فصاحت و بلاغت نہ تھی جو سینٹ برنارڈ مین تھی۔ عیسائی درویشون کے طبقۂ فقرا (مینڈیکینٹ آرڈر) اور عدالت مذہبی کے بانی مبانی پاپاے روم انوسنٹ ثالث نے جو اپنے زمانہ کے ذکی ترین لوگون مین سے تھا اور جس سے زیادہ لائق کوئی پوپ نہین ہوا پادری مذکور کی ہمت افزائی کی[١]۔ ان دونون کی راے کے بموجب تھیبالٹ امیر شمپین نے عمل شروع کیا۔ یہ اک نوجوان اور ذی ہمت نائٹ تھا جس نے اک بڑے جلسے مین فوک کی موجودگی مین اپنے ساتھیون سمیت نشان صلیب اختیار کیا۔ امیر بلای (Blois) نے بھی اسکی تقلید کی اور تھوڑی ہی مدت مین نہایت حیرت انگیز طریقے سے پھر صلیبی جہاد کے خیالات عود کر آئے۔ امیر فلاندرس نے بھی بہت سے لوگون کے ساتھ مقام برجیس (Burges) مین صلیب ہاتھ مین لی اور مختلف اقطاع فرانس سے آآکر بہت سے نائٹ ان لوگون کے شریک حال ہوگئے[٢]۔

یہ طے پایا کہ اب کی مرتبہ سمندر کے راستہ سے مہم روانہ کی جائے اور باشندگان وینس Venice (بندقیہ) سے جہازون کا انتظام کرلیا جائے چنانچہ اس کام کے لیے ایلچی روانہ کیے گئے۔ جس کا انتظام یون کیا گیا کہ پوپ کے حکم کے بموجب پادریون پر ایک طرح کا جزیہ قائم کیا گیا اور غیر مذہبی اشخاص سے درخواست کی گئی کہ اس مذہبی کام کے لیے چندہ دین۔ کہا جاتا ہے جسقدر چندہ آخر الذکر اشخاص نے اپنی خوشی سے دیا اسکی تعداد اس جزیہ کے برابر تھی جو اول الذکر سے بجبر وصول کیا گیا تھا[٣]۔ لیکن باوجود اس تمام روپے کے جو پاپاے روم کے خزانے مین جمع کیا گیا جبکہ محاربین صلیب مہم پر روانہ ہونے کے لیے آمادہ ہوے تو اسقدر روپیہ بھی نہین برآمد ہوا جو اس معاہدہ کی تکمیل کے لیے کافی ہوتا جو دوجی وینس (بندقیہ) کے ساتھ قرار پایا تھا[٤]۔

(١) میلٹ (Millot) جلد سوم۔ صفحات ٢٢٤ و ٢٣٥۔ ٢ میور ٹیر جلد سوم صفحہ (٥٠٧) و ولی ہارڈوئن نمبر (١٩)، نقل کردہ مل (Mills) ٣ ہسٹوریا راجیری دی ہاویڈن صفحہ ٨٢٦۔ ٤ مجاہدین نے وینس کے راستہ دریائی سفر کرنے کا قصد کیا۔ رئیسان بُدا۔ فلانڈرس اور شانپین کے سفرا صیام مسیحی (رسنٹ) کے پہلے ہفتہ مین وینس پہونچ گئے اور ہنری واندولو سے ملے جس کی عمر (٩٠) سے متجاوز تھی اور جسکی بینائی زیادہ تر اہل قسطنطنیہ کے مظالم کی نذر ہوچکی تھی۔ سفرا نے اپنے اپنے رئیسون کی طرف سے خطوط پیش کیے اور سفر کے لیے جہاز طلب کیے۔ دوجی نے شرطین دریافت کین۔ انھون نے کہا جو آپ تجویز فرمائین۔ دوجی نے کہا دو صورتین ہین۔ ایک تو یہ کہ وہ چار ہزار

الناظر

نمبر ۴۷ جلد ۸ — یکم مئی سنہ ۱۹۱۳ء

الناظر کی سہ سالہ خدمات پر مختصر تبصرہ	خان بہادر مرزا سلطان احمد	۱
الناظر بلحاظ اپنی خصوصیات کے (نظم)	منشی رشید احمد ارشد تھانوی	۷
مراسلت دربارۂ الناظر	مولوی فخرالدین احمد سفیر	۹
وہی ہم تھے وہی ہم ہیں - گور غریبان - (نظم)	مولانا شفق عمادپوری	۶
فلسفۂ عادت	مسٹر ضیاء الدین احمد برنی	۱۷
درس اخلاق (نظم)	مرزا کاظم حسین محشر لکھنوی	۲۴
فارس قدیم	مولوی جواد علی خان عالی	۳۵
خمسہ بر غزل جامی رح	جناب صدق جائسی	۳۶
شاہی کچہریان	خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی	۳۷
زبان گویا (نظم)	سید قمرالدین احمد قمر سندیلوی	۴۱
سنہ ۱۹۱۲ء مین محمود نے کیا کہا تھا	"ناظر"	۴۴
کیف سرود (نظم)	حضرت نادر مرحوم	۵۰
کفایت شعاری	حکیم سراج الحق	۵۱
رباعیات اوج	جناب اوج گیاوی	۵۵
ترکی مسلمان عورتین	مسٹر منظور محمود (مقیم ترکی)	۵۶
غزلیات	جناب آرزو - ریاض - احسن - وفا - صادق - وظہور	۶۰
نظرے خوش گزرے		۶۳
محاربات صلیب	مولوی معشوق حسین خان بی - اے (علیگ)	۱۲۱-۱۳۶

ہماری کافوری جنتری ۱۹۱۳ء کی جسمین پوری فہرست اور سارٹیفکٹ درج ہے۔ بلاقیمت و محصول بھیجی جاتی ہے

بچون کے لیے — لال شربت — بچون کے لیے — لال شربت — بچون کے لیے — لال شربت — بچون کے لیے — لال شربت — بچون کے لیے — لال شربت

ڈاکٹر ایس کے برمن کا بنایا ہوا

لال شربت = لال شربت

مان دینا میٹھا میٹھا لال شربت

بچے لڑکے اور پرسوتی کی طاقت بڑھنے کے ساتھ روزمرہ بدن مین نئے حصے بار یزے بنتے اور بڑھتے ہین اور نئے خون سے طاقت ہوتی ہے۔ اگر خون کمزور۔ اور رقیق ہوجاوے تو بچے کو کئی بیماریان ہوتی ہین۔ پرسوتی کی بھی ایسی ہی حالت ہوتی ہے گود کا بچہ مان کے دودھ سے پلتا ہے۔ اسلیے اسکے مان کے بدن مین پوری طور پر تازہ خون ہونا چاہیے۔ اگر کمی ہوئی تو بچہ اور پرسوتی دونون ہی مریض ہوجاتے ہین۔ شیرخوارہ بچے کو اکثر بدہضمی رہتی ہے دودھ پیتے ہی قے کردیتے ہین پاخانہ گاڑھا اور پتلا ہوتا ہے پیٹ اونچا ہوجاتا ہے۔ ہاتھ پاؤن لاغر ہوجاتے ہین۔ ایسی حالت مین لال شربت کے استعمال سے کوئی شکایت نہین رہتی۔ دانت جلد نکلتے ہین اور نکلتے وقت کوئی تکلیف نہین ہوتی۔ زچہ کا دودھ زیادہ کرتا ہے سستی نہین رہتی غذا ہضم ہوتی ہے۔ بخار وغیرہ کو روکتا ہے اگر بچہ کو کھانسی ہوجاوے تو لال شربت سے جاتی رہتی ہے قیمت ۱۲ محصول ۴ ۳ شیشی عہ محصول ۱۰

بچون کے لیے — لال شربت — بچون کے لیے — لال شربت — بچون کے لیے — لال شربت — بچون کے لیے — لال شربت — بچون کے لیے — لال شربت

ڈاکٹر ایس کے برمن ۶۹۵ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

الناظر

نمبر ۴۷ جلد ۸ — یکم مئی سنہ ۱۹۱۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الناظر کی سہ سالہ خدمات

پر

مختصر تبصرہ

مارچ کے الناظر مین جو گزارش ہم نے لکھی تھی اُس پر ابھی تک بہت کم حضرات نے توجہ کی ہے۔ ہمین کسی سے شکایت نہین اسلیے کہ ہم اچھی طرح جانتے ہین کہ ہماری قوم ابھی تک خواب غفلت مین سرشار ہے اور بیداری کے جو تھوڑے بہت آثار نمایان ہین وہ بھی اُن معاملات کے لیے وقف ہین جن سے قوم کے مذہبی احساس کو کوئی سخت صدمہ پہونچنے کا اندیشہ ہے۔ لیکن نہایت درجہ ناشکری ہوگی اگر اُن حضرات کے خیالات کی دل سے قدر نہ کی جائے جنھون نے ہماری درخواست پر فوراً توجہ کر کے اپنے خیالات سے مفصل طور پر مطلع فرمایا ہے۔

جو حضرات شروع ہی سے الناظر کو ملاحظہ فرماتے رہے ہین اُنکی رایون کے ہم خاص طور پر امیدوار ہین اسلیے کہ اُنھین الناظر کی ساری زندگی کو پیش نظر رکھکر رائے زنی کرنے کا بہترین موقع حاصل ہے لیکن اُن مین سے ابھی تک صرف تین صاحبون نے ہماری گزارش پر توجہ فرمائی ہے جنکے قیمتی خیالات درج ذیل کیے جاتے ہین۔ ایک عزیز کرمفرما نے الناظر کی خدمات کا اعتراف نظم مین کیا ہے۔ اُن کی اس عنایت کے ہم خاص طور پر شکر گزار ہین۔

جن حضرات نے ابتک اپنی آرا ارسال نہین فرمائی ہین اور فرصت کے منتظر ہین اُن سے ہم بادب التماس کرتے ہین کہ مزید تاخیر مین اندیشہ ہے کہ ہم اُنکے قیمتی مشورون کو نظرانداز کرنے کے مجرم قرار پائین اسلیے جہانتک جلد ممکن ہو اپنے تفصیلی خیالات سے مطلع فرمائین۔

صائب دو چیز می شکند قدر شعر را
تحسین ناشناس و سکوت سخن شناس

جو شخص سچی تعریف سے خوش نہین ہوتا یا سچی تعریف کا خواہان نہین ہے وہ ذہین نہین ہے۔ بیشک تعریف کی خواہش رکھنا بعض وقت اخلاق سے بعید سمجھا جاتا ہے۔ لیکن سچی تعریف کی پروا نہ کرنا اور اپنی نسبت لوگون کے خیالات اور رایون کا معلوم نہ کرنا اس ٹوہ مین نہ رہنا ذہانت سے دور ہے۔ ذہین وہی ہے جو اپنے اور دوسرون کے معاملات اور واقعات پر غور کرنے کا خوگر ہے۔

جو حسین اپنے حُسن کی تعریف سُن کر ناک بھون چڑھاتا ہے وہ اپنے حُسن کی قدر نہین جانتا یا یہ کہ بضاعت حُسن اُسکی محدود اور کم ہین نگاہون مین کوئی وقعت اور کوئی بضاعت نہین رکھتی حُسن اور خوبصورتی مین ایک تیز حس ہوتی ہے۔ اُس حس کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اپنی قدرتی خوبیون سے کبھی بے خبر اور بے پروا نہین رہنا چاہتی۔ بدصورت اور کریہ منظر کی بھی اگر تعریف کی جاے تو وہ خوش ہوتا ہے۔ یہ ثبوت اس امر کا ہے کہ تعریف چاہنا اور تعریف سُننا ایک طبعی خاصہ ہے۔ یہی مطلب حضرت صائب نے اپنے شعر مندرجہ عنوان مین ظاہر کیا ہے۔

تحسین حوصلہ افزا ہے اور نفرین مصلح۔ تحسین سے طبائع مین اور بھی سرگرمی اور جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ اور نفرین سے انسان آپ پیچھے پھر کر اپنا ریویو آپ کرتا ہے۔ اگر تحسین سے حوصلہ بڑھتا ہے تو نفرین سے اصلاح کی بنیاد پڑتی ہے۔ دونون صورتون مین نتیجہ ایک ہی رہتا ہے۔

انسان دوسرے مخلوقات کے مقابلہ مین ہمیشہ اشرف اور افضل شمار ہوتا ہے اور خود انسان اسکا مدعی بھی ہے لیکن با این ہمہ اُسکی ذات مین چند کمزوریان بھی پائی جاتی ہین۔ اس مین راز یہ ہے کہ باوجود چند کمزوریون کے بھی انسان کی شرافت اور عظمت معرض زوال مین نہین آتی۔ چند خوبیان یا چند نیکیان بہت سی برائیون اور عیوب کی نحوست کو کھو دیتی ہین۔ یہ کہنا کہ کسی مخلوق مین کوئی کمزوری یا کوئی بُرائی نہو دوسرے الفاظ مین یہ کہنا ہے کہ کوئی مخلوق مخلوق نہ ہو۔ مخلوق ہونا بجاے خود ایک عیب اور کمزوری ہے۔ اگر کوئی مخلوق یہ چاہتی ہے تو اُسے خالق کی (نعوذ باللہ) ڈگری لینی چاہیے۔

اُنھین نگاہون سے جن سے ہم انسان کو یا خود کو دیکھتے ہین الناظر کو بھی دیکھتے ہین اور تنقیدانہ پرکھتے اور جانچتے ہین کہ تین سال کے ایک لمبے عرصے مین ہم نے اُس کے مضامین، اُسکے طرز، اُسکے استدلال، اُسکے اوقات، اُسکے نظم و نسق، اُسکے استعمال مین کیا کچھ دیکھا اور کیا کچھ پایا۔

ریویو کرنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ ریویو کے واسطے جن امور جن متعلقات کا تہیہ لازمی ہے وہ ہمین مہیا نہین ہین۔ حافظہ اسقدر نہین کہ ۳ سال مین جو کچھ الناظر نے کرکے دکھایا ہے اُس کا پورا پورا ریویو کرسکین۔ رسالا آیا اور پڑھکر رکھدیا۔ مگر چونکہ الناظر کے مضامین اور اشاعتون سے ایک حد تک ہمین ایک وابستگی رہی ہے۔ اسس واسطے حسبتہ حسبتہ امور کے متعلق مختصر تبصرہ پیش کیا جاتا ہے۔

الناظر کا استقلال اوقات

اگرچہ بہت سے رسائل شروع شروع مین اس امر کی ذمہ داری اپنے ذمۂ ہمت پر لیتے ہین کہ عین وقت پر اُن کی اشاعت عمل مین آتی رہے گی۔ لیکن یہ افسوس ہے کہ اُنھین سال کے اکثر حصون مین اپنا اقرار واپس لے کر عذرات کرنے پڑتے ہین۔ الناظر نے میری راے مین اس تہیہ کی ضمانت کو ہمیشہ وقت پر پورا اور ادا کیا ہے۔ شاید ہی کوئی پرچہ وقت پر نہ آیا ہو۔ اس سے ہم قیاس کرسکتے ہین کہ مولوی ظفر الملک صاحب اپنے وعدہ اور اقرار کے کس حد تک پورے اور پابند ہین۔ اللھم زد فزد۔

رنگ۔ ڈھنگ۔ طرز

الناظر کا ڈھنگ شروع مین جیسا تھا ویسا ہی رہا۔ البتہ کاغذی رنگ ڈھنگ مین ہر سال وار فرق آتا رہا۔ گو انسان وراسٹی کے اصول سے اس تبدیلی کا ہمیشہ خواہان رہتا ہے لیکن اگر اسمین بھی استقلال رہتا تو شاید اور بھی اچھا ہوتا۔

نظم و نسق

ہمین یہ تو معلوم نہین کہ رسالہ کی اندرونی اور مالی حالت کیا ہے لیکن قیاس یہ ہے کہ اشاعت کی تعداد کچھ ایسی نہین جس پر الناظر من جانی ترقی کرسکے۔ جب تک کسی رسالہ کی مالی حالت اچھی نہو کوئی نہین کہہ سکتا کہ وہ کب تک زندہ رہے گا۔ لوگ پڑھتے بڑی خوشی سے ہین لیکن "چون زرطلبی سخن درین ست" آثار کہہ رہے ہین کہ الناظر کی مالی ضرورت محدود ہے۔ اس واسطے ناظرین الناظر کا یہ فرض ہے کہ اُسکی وسعت اشاعت مین کوشش کرین اور اُسکے واسطے سب ناظرین اپنی اپنی بضاعت کے مطابق ایک فنڈ کھول دین۔ چونکہ الناظر ہمیشہ وقت پر ورشن دے جاتا ہے اس واسطے ہمین یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اُس کا نظم و نسق باین ہمہ قابل تعریف رہا ہے یہ تعریف اُسکے منیجر اور اُسکے اڈیٹر کی خدمات کا اعتراف کراتی ہے۔

الناظر کا استدلال

الناظر کے سہ سالہ فائلون کے دیکھنے سے ہر شخص اس نتیجہ پر پہونچ سکتا ہے کہ اُسکے اڈیٹر صاحب کی قوت

استدلالیہ ایک خاص وسعت رکھتی ہے جن جن معاملات اور جن جن مضامین کا تعلق ایڈیٹر صاحب سے ہے۔ جیسے علم الافلاک وغیرہ اُنکی کاوش اور اُنکی روش وطرز ایک خصوصیت لیے ہوئے ہے۔ شاید بعض کی نگاہون مین اُنکے استدلال مین کوئی کمزوری ہو جو انسانیت کا خاصہ ہے۔ لیکن خدالگتی یہ ہے کہ اُس کا بہت حصہ اپنی تہ مین لاثانی خوبیان رکھتا ہے۔ اور یہ بات ایک ایڈیٹر کے واسطے فخر کی بات ہے۔

مضامین

اس شق مین حضرت ایڈیٹر کا صرف اسقدر حصہ بخرہ ہے کہ اپنی کوشش اور ہردلعزیزی کے زور سے ایسے مشاہیر اور ایسے اصحاب کا مجمع اپنے اردگرد جمع کرے جو ادبی دنیا کے واسطے قیمتی اجزا شامل ہو سکین۔ اور اُس مجمع کو منتشر ہونے نہ دے۔ الناظر کے سہ سالہ نمبرون کے دیکھنے سے یہ پتہ لگ سکتا ہے کہ ایڈیٹر "ظفر الملک" کو اسمین ایک خاص کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ بعض دفعہ ان مضامین پر ایڈیٹر صاحب کے قلم سے جو نوٹ لکھے گئے ہین وہ خاص وقعت رکھتے ہین۔ اور ان نوٹون سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ایڈیٹر کی نگاہین بھی کس حد تک جامع ہین۔ اور بوقت پہ اُنکی روشن دماغی کیا کچھ کام دے جاتی ہے۔

معاشرت انسانی اور عورتون کی منزلت	فلسفہ شاعری	فلسفہ خیال
مرأت الاذہان	محاربات صلیب	اثبات واجب الوجود
تنقید الکلام	اخلاق یورپ کی تاریخ	غزلیات وابیات (یعنے نیچرل نظمین)
عورت کی عزت	فلسفہ اور اُسکی ماہیت	

وغیرہ وغیرہ مضامین نظم ونثر جن کے لکھنے اور کہنے والے

مولوی ضیاء الحسن	امیر احمد علوی بی۔اے	لسان العصر اکبر الہ آبادی
پروفیسر مرزا محمد ہادی	سید علی اصغر بلگرامی	حضرت ریاض
طالب علم	مولوی معشوق حسین	حضرت جلیل
احمد علی شوق قدوائی	مولوی مفتی انوار الحق	حضرت ارشد تھانوی
عزیز مرزا مرحوم	مسٹر عبد الماجد	حضرت طباطبائی
	حضرت شاکر میرٹھی	

ایسے ہین جو اپنی خوبیون کے لحاظ سے ناظرین الناظر کے لیے ایک اچھا اور برگزیدہ سامان ضیافت طبع تھا بعض

مضامین واقعی چوٹی کے مضامین ہین۔جن سے صرف الناظر کی وقعت ہی دوبالا نہین ہوتی۔بلکہ الناظر کے چاہنے والون کی قیمت بھی بہت کچھ چڑھ جاتی ہے دو ایک مضمون مین مذہب کی نسبت چند ایسے الفاظ نکل گئے ہین جو میری راے مین الناظر کی ذمہ داریون سے باہر ہین۔اگرچہ اور کسی کا کیسا ہی خیال ہو۔میرے خیال مین مذہب ہی ایک ایسا سلسلہ ہے جو انسان کی باگ اپنے قابو مین رکھتا ہے۔بالخصوص مسلمانون کی قسمت تو سب سے زیادہ مذہب ہی سے وابستہ ہے۔مذہب ہی کی کمزوریون نے اُنکی یہ گت بنا رکھی ہے۔

مضامین نظم

یہ خوشی کی بات ہے کہ الناظر مین جس قدر نظمین درج ہوتی رہی ہین۔اُن کا اکثر حصہ نتیجہ خیز ہے۔اور ہمین امید ہے کہ آیندہ اور بھی نتیجہ خیز نظمین قومی۔اخلاقی۔ادبی۔علمی رنگ مین شایع ہوا کرین گی۔

مضامین نسائیہ

عورتون کے متعلق جسقدر مضامین شایع ہوے ہین اُن مین بعض ایسے بھی ہین جن سے کلیتہً بعض ناظرین الناظر کو اتفاق نہین ہو سکتا۔لیکن وہ سب کے سب اچھے ڈھنگ پر لکھے گئے ہین۔البتہ بعض مین وہ پہلو مخالف یا موافق اختیار کیا گیا ہے۔جو یا تو عورتون کو اپنے دائرے ہی سے باہر نکال دیتا ہے۔گویا وہ اپنی حیثیت عورت ہونے کی چھوڑ کر مردانہ حیثیت مین آجاتی ہین۔یا بالکل حیثیت عورت سے نیچے جارہی ہین۔جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنکی حیثیت ہی کوئی نہین یا یہ کہ اُنکی ہستی لاشے ہے۔یورپ کی تہذیب کے بھروسہ پر ہندوستانی خصوص اسلامی عورتون کے مراتب مین فرق پیدا کرنا ایک بڑی ذمہ داری عائد کرتا ہے۔اور اُن مزید مصائب کی جو یورپ مین آجکل پیش آنے کو ہین یاد دلاتا ہے۔

مضامین فلسفہ

میری راے مین صرف الناظر ہی کے واسطے یہ تعریف ہے یا یہ کہ الناظر ہی دوسرے یا تیسرے نمبر پر ہے کہ جس مین فلسفیانہ مضامین خصوصیت سے شایع ہوتے رہتے ہین۔ایک علمی رسالے کے واسطے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر قسم کے مضامین سے لوگون کی مختلف طبائع مین گھر کرے تاکہ ہر طبیعت اُس سے مستفید ہو سکے۔

مضامین عامہ

مضامین عامہ بھی ایسے نہین ہین جن سے الناظر کے ناظرین اُکتاے ہون۔یا طبیعت پڑھتے پڑھتے بوجھل ہو گئی ہو یہ نتیجہ اس بات کا ہے کہ ایڈیٹر کی قوت انتخابیہ خصوصیت سے ناظرین الناظر کی ضیافت طبع کا خیال رکھتی ہے۔اور یہ

ایک ضروری وصف ایڈیٹر کا ہے۔

نظرے خوش گزرے

ایڈیٹر الناظر نے بہت کم پرچے ایسے چھوڑے ہین جن مین اس عنوان کے نیچے مختلف رسائل کتابون اور اخبارات کو نظر انداز کیا ہو۔گو اس عنوان سے یہ تو پتہ لگتا ہے یا لگ سکتا ہے کہ یہ جملہ ریویو کا صحیح معنون مین قائم مقام نہین ہے۔مگر پھر بھی بہت کچھ اس فقرے کے تحت مین لکھا جاتا رہا ہے۔مین نہین کہہ سکتا کہ ایڈیٹر کو ریویو کے پیرایہ مین کہان تک اس مین کامیابی ہوی ہے۔راہ جاتی نظرین جو کچھ یا جس قدر دیکھ سکتی ہین اُس سے الناظر کی نظر کم نہین رہی ہے۔لیکن بعض وقت بوجہ رہگذری کے بعض ادبی مقاصد پر پوری روشنی نہین پڑسکی۔اور نہ پورا تسلط ہوسکا ہے۔مجھے یاد پڑتا ہے کہ تنقید الکلام پر جو نوٹ اس سلسلہ مین دیا گیا ہے اُسکے بعض فقرے ایک حد تک اپنے پیمانہ سے دور ہٹے ہوے ہین۔یہ نقاد کی کمزوری یا تیزی طبیعت پر دال نہین ہے بلکہ مذاق کے اختلاف کی وجہ سے اور چونکہ رہگذر نظرین جادۂ استقامت سے کبھی کبھی ہٹ کر یا ٹھک کر پھر جاتی ہین اس لیے نشانہ ٹھیک نہین بیٹھتا۔

جو لوگ صرف تعریف کے خواہان اور تماشائی ہین وہ اس سلسلۂ نظرے خوش گزرے سے چندان خوش نہین ہو سکتے لیکن جنھین صرف مختلف رایون اور مختلف خیالات کے معلوم کرنے کا شوق ہے اور یہ دکھنا چاہتے ہین کہ دنیا کے نقادؔ انکی نسبت کیا کچھ کہتے ہین۔وہ چین بر جبین نہین ہوتے۔اور ایسی نقادانہ تحریرون سے فائدہ اُٹھاتے ہین۔الناظر اس سلسلہ مین کسی دوسرے رسالہ سے کم نہین رہا۔بلکہ کئی نمبر بڑھا ہوا ہے۔اور ادبی دنیا کو اس "نظرے خوش گزرے" سے بہت کچھ فائدہ ہوا ہے۔

ایڈیٹر کی ذاتی ذمہ داری اور وعدے

ایڈیٹر کی ذاتی ذمہ داری صرف اسی امر کی نہین کہ وہ اچھے بُرے نوٹ لکھدیا کرے۔بلکہ یہ بھی کہ رسالہ یا اخبار کے ہر پہلو سے خبر رکھے اور جن اغراض کی ماتحت اُس کا اجراء ہوا ہے اُنکا ایفا کرے۔شکر ہے کہ الناظر کے ایڈیٹر نے اُن مواعید کا بوجھ خواہ مخواہ ناظرین کی مختلف طبائع اور مختلف گردنون پر نہین رکھا کہ جن کی وجہ سے وہ ہمیشہ ایفاے مواعید کی امید و یاس مین رہین۔یہ علمی نقص ہے جو بعض رسائل مین پایا جاتا ہے جب وعدے معرض بیان مین آکر پورے نہین ہوتے تو ناظرین رفتہ رفتہ اُکتا جاتے ہین۔

اُکتا ہی نہین جاتے بلکہ اُنھین یقین بھی ہو جاتا ہے کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہین اور دکھانے کے اور۔بعض وقت یہی بات ادبی دنیا کے واسطے بہت کچھ نقص پیدا کرکے رہتی ہے۔بات وہی جو ہو جاے اور عمل وہی جو پورا ہو۔

کیا الناظر کی ضرورت ہے ؟

میری آزادانہ راے ہے کہ الناظر جیسے رسالون کی ادبی دنیا کو سخت ضرورت ہے یا یہ کہ ادبی دنیا اُسکی محتاج ہے مین یہ نہین کہون گا کہ اُسمین کوئی نقص یا کمزوری نہین - مگر ایسے ہی جیسے کہ ایک شریف انسان مین ہوتی ہے - کیا بعض کمزوریون کی وجہ سے کوئی شریف انسان سوسائٹی مین رہنے کے قابل نہین رہتا ضرور رہتا ہے - اور اسکی ضرورت اُن انسانون سے زیادہ ہوتی ہے جو اُس سے بہت کم درجہ پر ہوتے ہین - اگر الناظر جیسے رسالہ کے لیے جائز امداد کی راہین کھل جائین تو وہ موجودہ حالت سے اور بھی ترقی کر سکتا ہے - اور قوم وملک کے واسطے ادبی رنگ مین اچھا اور مفید سامان پیش ہونے کے وسائل بہم پہونچ سکتے ہین -

انجمن ترقی اُردو مین ایسے رسائل کی خاص طور پر قدردانی ہونی چاہیے - ہمین مولوی عبدالحق صاحب بی - اے حیدرآبادی سے امید رکھنی چاہیے - کہ اُردو کی ترقی کے اسباب مین سے الناظر جیسے علمی رسائل کی پائداری اور ترقی کا بھی خصوصیت سے لحاظ زیر بحث رہے گا -

آخر مین ہم ادب کے ساتھ مولوی ظفر الملک صاحب اڈیٹر الناظر کی سہ سالہ خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے دعا کرتے ہین کہ اُنکی خداداد قابلیت اور علم پرستی سے امید ہے - کہ وہ اپنی علمی خدمات سے اور بھی قوم وملک کو اعترافات کا موقع دینگے - اور اُنکی ادبی کوششون کا نوخیز شجر خوبی کے ساتھ بڑھے اور پھلے پھولے گا -

اور اُنکے کام مین جو رُکاوٹین ہین وہ ناظرین الناظر کی کوشش سے رفتہ رفتہ حل ہوتی جائین گی -

خلاصہ اس سارے تبصرہ کا یہ ہے - کہ الناظر بھی اُن منتخب رسائل مین سے ہے جو ملک اور قوم اور ادبی دنیا کے واسطے باعث فخر ہین -

سلطان احمد

الناظر

(بہ لحاظ اپنی خصوصیات کے)

اے ہر اک ماہ مین دیدار دکھانے والے ۔۔۔ دوسری تیسری تاریخ کو آنے والے
اپنی پابندی اوقات بتانے والے ۔۔۔ سبق علم وعمل سب کو پڑھانے والے

ہے ہوا خاص ترے انداز سے تیرے ظاہر
تیرے ناظر جو ہین تو خود بھی ہے اُن کا ناظر

ڈاک سے پیش نظر آکے تو جب ہوتا ہے — لطف و تفریح و مسرت کا سبب ہوتا ہے
جلوۂ حسن معانی بھی غضب ہوتا ہے — شیفتہ جس کا ہر اک ذوق طلب ہوتا ہے
دستۂ گل چمنستانِ ادب کا تو ہے
ذوقِ علمی جو بڑھائے وہ تری خوشبو ہے

نظم اور نثر تری باعث شانِ اردو — ہیں مضامین ترے روح روانِ اردو
مایۂ ناز ہے تو بہرِ زبان اردو — کیوں نہ ممنون ہو پھر تیرا جہانِ اردو
لا رہا ہے تو ہر اک علم۔ ہر اک فن اس میں
دانہ دانہ یہی ہو جائے گا خرمن اس میں

فلسفہ ہندسہ سائنس پہ لکھا اکثر — حسنِ اخلاق کے چمکائے قلم سے جوہر
حفظ صحت کے مسائل بھی رہے پیشِ نظر — چھوڑا اصلاح تمدن کا نہ پہلو دم بھر
فلکیات پہ مضمون نکالے تو نے
اور تاریخ کے چھاپے ہیں رسالے تو نے

کہیں جذبات دکھائے کہیں تصویرِ خیال — کہیں الفت کا مرقع کہیں نیرنگ جمال
کہیں تنقید کلام اور کہیں تردید سوال — جو کہیں وجہ مسرت ہے کہیں وجہ ملال
صاف کہہ دیتا ہے منہ پر تو وہ آئینہ ہے
جس میں ہے صدق و صفا وہ ترا گنجینہ ہے

بحث قومی میں کسی کی نہیں پروا تجھکو — شخصیت کر نہیں سکتی کبھی اپنا تجھکو
نہ تملق نہ خوشامد ہے گوارا تجھکو — جانتا ہے یہ ہر اک دیکھنے والا تجھکو
حریت بھی ہے مساوات بھی حق گوئی بھی
جو ضروری ہو صفت چھوٹی نہیں کوئی بھی

دلکشی رکھتا ہے وہ حسن یگانہ تیرا — جس سے مشتاق ہوا سارا زمانہ تیرا
لطف دیتا ہے کانوں کو فسانہ تیرا — رونقِ نطق۔ زبانوں کو ترانہ تیرا
شاہدِ رعنا ہے تو ایک مگر الناظر
چشمِ نظارہ کا منظور نظر الناظر

ارشد تھانوی

مراسلت دربارہ الناظر

بگرامی خدمت ایڈیٹر صاحب الناظر لکھنؤ

آپ کی صلائے شوریٰ جو گزارش کے عنوان سے الناظر بابتہ مارچ کے شروع مین درج ہے اسمین غالباً آپ کا روے سخن ملک کے اہل الرائے اور اہل قلم حضرات کی جانب ہے مگر مجھے اظہار خیالات کی صرف اس وجہ سے جرأت ہوی ہے کہ مین رسالۂ الناظر کو ابتدا سے غایت دلچسپی کے ساتھ دیکھتا رہا ہون اور اس ترقی پذیر رسالے کی روز افزون کامیابیون کو دیکھکر مجھے دلی مسرت حاصل ہوتی رہی ہے لہذا رسالۂ الناظر کی اصلاح و ترقی کی زیر غور تجاویز مین مجکو فقط یہ عرض کرنا ہے کہ تمام ناظرین کی آرا و توجہات حاصل کرنے کے ساتھ ہی مناسب ہوگا کہ آپ بحالت موجودہ اپنے معاصرین کی طرز و روش کو پیش نظر رکھکر بطور خود خذ ما صفا ودع ما کدر کے اصول کار بند ہونے کی کوشش کرتے رہین۔ اسلیے تحریر ہذا مین مجملاً آپکے سامنے اردو کے موجودہ رسائل کی حالت کا ایک خاکہ پیش کر دیا جاتا ہے جس سے مفید مطلب نتائج اخذ کر لینا آپ کے لیے دشوار نہ رہے گا۔

جہان تک مجھے علم ہے آجکل اردو زبان کے ماہوار رسالے حسب ذیل خصوصیات کے ساتھ اقطاع ہند مین شائع ہو رہے ہین۔

ادبی۔ فلسفانہ۔ مذہبی اور تمدنی یا اقتصادی۔ چنانچہ زمانۂ حال کے ممتاز رسالہ جات مین ادبی مضامین کے لیے الناظر کے علاوہ دلگداز و معیار (لکھنؤ) اردوے معلے (علیگڈھ) ادیب (الہ آباد) صبح بہار (میسور) مخزن (لاہور) تمدن (دہلی) اور اکبرآباد کا تازہ پرچہ نقاد جاری ہین۔ معمولی پرچون اور غزلیات کے گلدستون کو چھوڑکر یہ نصف درجن سے زائد اردو کے ماہوار رسالے ادبی دلچسپیون کا سامان بہم پہونچانے مین نمایان طور پر کامیاب نظر آتے ہین۔ انمین صرف ادیب الہ آباد اردو زبان کو ترقی دینے کے ساتھ ہی فن تصویر کو بھی فروغ دینا چاہتا ہے لیکن ملک کی موجودہ حالت کے لحاظ سے رسالہ جات متذکرہ صدر کی یہ تعداد کثیر ایسی ہے جو الناظر کو کسی حد تک ادبی خدمات سے سبکدوش کرنے کے لیے کافی سمجھی جاے گی۔

مزید بران لکھنؤ کے مرکزی شہر سے اردو کا نوخیز رسالہ العصر جاری ہونا شروع ہوا ہے جو ایڈیٹر کی قابلیت اور شہرت کے لحاظ سے امید ہے کہ ملک کی قدر افزائی کا مستحق اور ہونہار ثابت ہوگا۔ لیکن ابھی العصر کا ابتدائی پرچہ مین نے دیکھا ہے کار آمد اور بلند پایہ مضامین کی کمی خلاف امید معلوم ہوی ع

"سالے کہ نکوست از بہارش پیداست"

خصوصاً اس ابتدائی نمبر العصر کا تیسرا مضمون (جو کسی پنجابی لکچرار کی انگریزی تقریر کا ترجمہ ہے) "سلاطین مغلیہ کی سوشل زندگی" کے عنوان سے شایع ہوا ہے یہ مضمون اردو کے علم ادب مین ایک ضروری اضافہ کہا جا ئیگا جو از سرتا پا مختلف مورخون اور راویون کے بیانات کا اقتباس ہے۔ مگر اکثر واقعات کا ماخذ ہیر ورانجھا کا قصہ تپایا جاتا ہے۔ اسی طرح شہنشاہ جہانگیر کا ذکر شراب نوشی اور کلال خانون مین جاجا کے عام بازاریون سے ہم نوالہ و ہم پیالہ بن جانے کی فرضی حکایات مزید ثبوت کی محتاج رہگئی ہین بلکہ پایۂ تحقیق سے گری ہوی اور غلط ہین۔ مغلون کے اصل ونسل کے متعلق ایڈیٹر کا نوٹ صحیح معلومات پر مبنی ہے مگر نفس مضمون مین مغلون کو چنگیزیہ ترکمانون کے مثل وحشی و زشت خو اور تہذیب و تمدن سے نابلد قرار دینا تاریخی غلطی ہے اس لیے کہ سرزمین فارس کی آب وہوا اور تبدیل مذہب نے مغلون کو بالکل ایک نئی قوم بنا دیا تھا جو عادات وخصائل کے لحاظ سے شایستہ و متمدنہ اقوام عالم مین شمار ہونے لگے۔ اور مغل ہندوستان مین فاتحانہ حیثیت سے آئے ہین اس وقت انہین اپنے قدیمی آباو اجداد کی خو بو مطلق نہین رہی تھی بلکہ اُنکے شائستہ مذاق اور آئین حکمرانی کی یادگارین آجتک انکے اوصاف حمیدہ کی ثنا خوان نظر آتی ہین جس کا تذکرہ حسبتہ حسبتہ اسی مضمون مین آگیا ہے لیکن "کافر تاتار" جو بہ زمانہ تغلق شاہیہ حضرت امیر خسرو کو بُری طرح گرفتار کر کے لیگئے تھے انکی ہجو مین خسرو نے اشعار کہے ہین اور ان اشعار سے مضمون العصر مین عجیب و غریب معنی آفرینی کی گئی ہے مثلاً ؎

زشت تر از زنگ شدہ بوے شان | پست تر از پشت شدہ روے شان

اس شعر سے اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ "وہ جسمانی صفائی کی کچھ پروا نہ کرتے تھے اس وجہ سے اُنکے جسم سے بو آیا کرتی تھی" رنگ و بو سے ایسے موقع پر عموماً صورت و سیرت مراد ہوتی ہے مگر جسم سے بو آیا کرتی تھی یہ تلمیح امیر خسرو کے ذہن مین بھی نہ ہوگی۔ تاہم وحشی تاتاریون کے ان خصائص کو اُن مغلون کے حالات وصفات سے منطبق کرنا کہان سے صحیح ہوسکتا ہے جنکی خصوصیات مین خوشبوؤن کے شوق باغات کی آراستگی گلاب کے پھولون کی پیداوار اور کشید عرق و عطر کے سوا نہرون اور سڑکون کی تعمیر ملک کی سرسبزی و فارغ البالی کے حالات کا خود مضمون نگار کو بھی معترف ہونا پڑا ہے۔ سارے مضمون کا نچوڑ یہ فقرہ ہے جو بالکل آخر مین درج کیا گیا ہے کہ

"اگر محل سرا کا پردہ اُٹھا کے دیکھا جاے تو ایک جگہ جہانگیر اپنے باپ اکبر کے بستر مرگ پر بیٹھا ہوا نظر آتا ہے"

"اور دوسری جگہ وہ ایک حرم موسومہ انارکلی کے عشق مین والہ وشیدا نظر آتا ہے اسکے علاوہ کہین کہین مغل"

"مخدرات وبیگمات کا قافلہ کسی پیر فقیر کی زیارت کے لیے جاتا ہوا سڑکون پر دکھائی دیتا ہے الخ"

نثر مضامین کے سوا العصر کے اس نمبر مین نظمون کا حصہ دلچسپی سے خالی نہین ہے کلام اکبر مین یہ رباعی کسقدر حسب حال ہے جس کو ایک لوح مزار کا کتبہ کہنا چاہیے ؎

مدوح شرق وغرب وشمال وجنوب تھے — تعریف تھی ہنر کی بری از عیوب تھے
اب کچھ نہین تو کیا کہین تم سے کہ کیسے ہین — ہان اسمین شک نہین ہے کہ جب تھے تو خوب تھے

حضرت شوق کی نظم "لطف دریا" تو موتیون مین تولنے کے لائق ہے جسمین خسرو کی اس مشہور رباعی کا منظر کمال خوبی وصفائی سے دکھایا گیا ہے ؎

رفتم بہ تماشاے کنارِ جوے — دیدم بہ لب آب زن ہندوے
گفتم صنما بہاے مویت چہ بود — فریاد برآورد کہ دُر دُر موے

صبح سرما کی سینری کا ساقی نامہ مولانا شفق عمادپوری کے بلاغت آفرین دماغ کا نتیجہ ہے اسمین بند دوم کا مصرعۂ ثانی یون ہوتا تو زیادہ اچھا تھا ع شمعون کی زرد ہوگئین گوری کلائیان۔ بعض مصرعون مین میر انیس کا رنگ جھلکتا ہے ع شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے۔ نظم کی لطافت مین شبہ نہین مگر مارچ نمبر مین اس کا درج کردینا بے وقت کی بھیرویں سنانا ہے۔

غرض اس تمام بیان سے یہ ہے کہ رسالہ الناظر مین اس طرح کے رطب و یابس مضامین سے جہانتک ممکن ہو احتراز کیا جاے تو بہتر ہے لیکن اسی نمبر العصر مین مضمون شاہ ظفر درحقیقت ادبی وتحقیقی مضامین کا ایک قابل قدر نمونہ ہے اور عہد مامون مین مسلمانون کی علمی ترقی پر مختصر و پاکیزہ مضمون ہے مگر واضح رہے کہ اس زمانہ مین علمی ترقیان صرف مسلمانون کا حصہ نہین تھین بلکہ ہندو یہودی اور مسیحی بھی اپنے علم وکمال کی قدردانیان حاصل کرتے رہے ہین۔ حفظ صحت کا مضمون بھی کارآمد معلومات سے پُر ہے، نظم سیتا کی کہانی سیتا کی زبانی، بہت عمدہ اور موزون الفاظ مین لکھی گئی ہے رنج وحسرت، درد ومصیبت کی گویا تصویر کھینچ دی ہے دشت غربت مین باد صبا کو پیامبر بنانا کس خوش اسلوبی سے ادا کیا ہے ؎

سیتا کی بپتی یہ سے کہتی ہے + سیتا ہر حال مین ستی ہے + اے باد صبا تو جا کے کہنا + اُن سے میری سنا کے کہنا + کہنا اے خوشخرام میری + رگھنا تھ سے رام رام میری + فرمایا جو رامچندر جی نے + دی جان مضامین جانکی نے

ضرورت اس وقت ایسے مضامین کی ہے جو ملک و قوم کے لیے نفع بخش ثابت ہون لیکن اختلاف انگیز مضامین یا فقط زبان و بیان کی شوخیان تو خواب ہاے پریشان ہین جن سے نہ ادب اُردو مین کوئی معقول اضافہ ہوتا ہے اور نہ وہ کسی درد کی دوا ہو سکتے ہین۔ تمثیلاً یہ کہنا مبالغہ نہین ہے کہ ترکی بھائیون کی موجودہ جگر پاش مصیبتون کے وقت بطور ہمدردی نظم و نثر کے جسقدر لآلی شاہوار لٹاے گئے ہین اس کا عشر عشیر بھی تمام ملک سے امداد مالی نہ دی جا سکی جس سے انسانی ہمدردی کا ثبوت کما حقہ ہو سکتا ؎

اے منہمک لذت نفسانی خویش + برخیز کہ برخاست ز مغرب دود + گیتی بفناے ہستی تو مشغول + تو مشغل نغمۂ چنگ و رود +

غور طلب امر یہ ہے کہ ملک و ملت کی اصلاح حالت کے لیے ادبیات و شاعرانہ خرافات کی اشاعت کس حد تک مفید ہو سکتی ہے۔ لارڈ مورلے سابق وزیر ہند انگریزی کے فاضل ادیب اور فصیح البیان مقرر ہین جنکی ایک اسپیچ کا یہ فقرہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ "علم ادب سے زیادہ دلفریب مگر اس سے زیادہ تباہ کن کوئی علم نہین ہے" اس مقولے کے علاوہ تاریخ ہم کو بتاتی ہے کہ ادبیات وغیرہ کی ترقی و گرم بازاری ہمیشہ ملک و قوم کے ادبار کی نشانی ہوتی چلی آئی ہے اور اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ آج کل بھی ہماری قوم مین جسقدر شعر و سخن کا مذاق باقی رہگیا ہے وہ ضروری اور بکار آمد مضامین سے دماغون کو دور رکھنے کا قوی تر سبب ہے بلکہ بحالت موجودہ باتونی پہلوانون کی یہ فراوانی افسوسناک نظر آتی ہے جو کارگزار اور دل سوز محبان قوم و فدائیان ملت پر زبان لعن و طعن دراز کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہین لیکن علمی میدان مین گھٹنیون کے بل بھی چلنے کی طاقت نہین رکھتے۔ ایسے ہی غیر ذمہ دار افراد قوم نے اپنی بے نتیجہ چیخ پکار سے عرصۂ ملک کو فی الحال ایک شورستان محشر خیز بنا رکھا ہے مگر غور سے دیکھا جاے تو یہ آثار ترقی و بیداری کے نہین بلکہ نشۂ غفلت کی ترنگین ہین جو بیخودی کا عالم دکھا رہی ہین ؎

لاکھون فتنون کا ہے گو یا جاگنا ایک اُٹھنا اُن کا خواب ناز سے

ادب و شاعری کی طرح فلسفہ نظری بھی قوم خفتہ کو جگانے کے لیے کوئی چلتا ہوا جادو نہین ہے مگر رسالہ الناظر نے شروع ہی سے فلسفیانہ مباحث کو ملک کے سامنے پیش کرتے رہنے پر کمر ہمت باندھ رکھی ہے بلکہ اس خصوصیت مین بمقابلۂ دیگر رسائل اُردو اس کو نمایان امتیاز حاصل ہو چکا ہے مثلاً ابتدائی نمبرون مین ایک دھوان دھار مضمون "مذہب کی ضرورت" کے عنوان سے نکلا تھا جسمین مخالفین کی طرف سے جسقدر الزامات شدید غریب مذہب کی جانب منسوب ہوتے چلے آئے ہین وہ سب یکجائی طور پر جمع کرکے رکھدیے گئے تھے

مگر اس مضمون کا دوسرا حصہ جو تردیدی بیانات پر مشتمل تھا افسوس ہے کہ تمہید کی طرح کا زوردار اور چمکدار نہین رہا۔ اسی قبیل سے الناظر کی کارگزاریون مین شمار ہونے کے لایق ایک طولانی تنقید کا وہ سلسلہ تھا جو علامہ شبلی کی کتاب الکلام کے متعلق بڑی دھوم دھام سے نکلتا رہا اور ممکن ہے کہ علامۂ موصوف نے جدید علم کلام کی جو بنیادین قائم کی تھین وہ اعتراضات کی موسلا دھار بارش سے متزلزل ہوکر رہگئی ہون مگر اس عالیشان قصر کی تعمیر کے لیے اب مزدوری گران ہوگئی ہے اور ایسے شخص یا اشخاص کی ضرورت ہے جو مذہب کے ان معرکۃ الآرا مسائل پر زیادہ زوردار دلائل قائم کرکے دکھا سکین۔

"اخلاق یورپ کی تاریخ" بھی فلسفیانہ مباحث کا ایک قصر بیستون نظر آیا مگر اس زمانے مین مسئلہ افادہ کی تردید کرنا زمانے کی تیز رفتار ترین کو کئی منزل پیچھے ہٹائے جانے کی بے سود کوشش تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسے مضامین مقبولیت کا درجہ کبھی نہین حاصل کرسکتے۔

عجائبات فلک اور نظام مشتری یہ مضامین ایسے تھے جو جدید معلومات کے لحاظ سے اردو زبان مین عمدہ اضافہ کہے جاسکتے ہین۔

فلسفہ کی تعلیم گزشتہ و موجودہ مطبوعہ الناظر نمبر ۳۴ مسٹر عبدالماجد کے قلم کا حصہ تھا مگر اسمین حکمائے اسلام مثل ابن ارشد امام رازی۔ غزالی خیام اور ابن سینا وغیرہ کے حالات کا نہونا اس مضمون کا بڑا نقص تھا۔ ذہانت و جنون کا مضمون مطبوعہ الناظر نمبر ۱۶ ابتک تشنہ چھوڑ دیا گیا ہے۔

تاریخی مضامین بھی فلسفے ہی کے ذیل مین آتے ہین اور اسمین شک نہین کہ اردو زبان مین مفید و دلچسپ مواد تاریخی فراہم کرنے مین رسالۂ الناظر کا حصہ دیگر رسائل ملک سے کم نہین رہا ہے اور کم و بیش اس قسم کے قابل ذکر مضامین کا سلسلہ جاری رکھا جاے تو ملک و ملت کی ایک مفید خدمت ہوسکتی ہے کیونکہ تاریخ ایسا فن ہے جس سے علاوہ دلچسپی کے اکثر مسائل عمرانیہ پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ بکرماجیت کے حالات مین کافی داد تحقیق دیگئی تھی اور کتاب کلیلہ دمنہ کے متعلق بھی تاریخی معلومات کی جستجو اور تلاش قابل ستایش تھی اگرچہ اس مضمون مین سید علی بلگرامی مرحوم کے ایک لکچر کا حوالہ نہونا تعجب ہے جو اسی کتاب کے متعلق ہے اور کہین چھپ چکا ہے۔ اپین مین اسلام مطبوعۂ الناظر نمبر ۲۳ و ۲۶ اور کیتان عروج بار بروسہ کے حالات الناظر نمبر ۳۱ مین بخوبی قلمبند ہوچکے ہین۔ حیدر نائک کا مسلسل مضمون ایک تاریخ نما افسانہ ضرور تھا مگر مجھے اس دعوے سے اتفاق نہین ہے کہ حیدر نائک و غیوا امن دوستی اور نظام سلطنت کی درستی کے مقصد مین دولت برطانیہ عظمی کے شریک حال یا معین و

مددگار رہے ہین بلکہ میرے نزدیک تو ظاہر ہے کہ موجودہ امن و امان کی صورت مین محض سلطانوی اثر و اقتدار کا نتیجہ اور طفیل ہین جیسا کہ جناب منشی شیدا علی صاحب بی اے نے اپنے انعامی مضمون مطبوعہ الناظر نمبر ۳۹ مین نہایت شرح و بسط سے ثابت کیا ہے۔

مذہبی مباحث سے الناظر کا الگ تھلگ رہنا چندان قابل شکایت نہین ہے اسلیے کہ اس ضروری فرض کو ملک کے دوسرے رسالہ جات مثل تہذیب الاخلاق امرتسر۔ الندوہ۔ نظام المشائخ ضیاء الاسلام تجلی۔ ریویو آف ریلیجنز قادیان اور برہمہ پرچارک وغیرہ وغیرہ بوجہ احسن انجام دے رہے ہین۔

پولیٹیکل مضامین سے بھی الناظر کا دامن پاک رہنا بہتر ہے یعنی وہ نام نہاد پالٹکس جو بہ زمانہ موجودہ چند سر برآوردہ حامیان ملک و ملت کو بے لفظ سُنانے یا گورنمنٹ سے جا و بیجا شکایت کرنے مین غیرون کی تقلید بیجا کا نام ہے مگر اصلی و حقیقی پالٹکس مین تو ایسے ضروری اور اہم اُمور داخل ہین جنکے بغیر الناظر کی تمام کوششین رائیگان سمجھی جائینگی یعنی وہ مہمات مسائل جن پر ملک کی اصلاح و ترقی کا دارو مدار ہے مثلاً انسداد کاوکشی اسباب قحط اور افلاس مالی دفع کرنے کی تدبیرین صنعت و حرفت کا مذاق پھیلانے کی کوششین اتحاد باہمی کی مبارک تجویزین تعلیم کو ارزان اور عام کرنے کے وسائل اور تعلیم نسوان کو ترقی دینے کی فکرین یہ سب ایسے ضروری اور مفید ملک و ملت مباحث ہین جو پالٹکس سے علیحدہ نہین کیے جا سکتے مگر اس قسم کے مباحث کی طرف ناظرین کا میلان و رجحان پیدا کرنے کے سوا محض ادبی و تفریحی مضامین سے الناظر کی قدر و قیمت مین اضافہ ہونے کی امید موہوم ہے۔ بلکہ انصاف یہ ہے کہ ادب و فنون لطیفہ وغیرہ کی بھی بقا جب ہی ہوسکتی ہے جب ملک کی سرسبزی و خوشحالی کے سامان نظر آئین ورنہ شکستہ حالی تو وہ بلا ہے جس نے دہلی کے زندہ دل شاعر کو خدا کی جناب مین شکوہ سنجی کا مجرم بنا دیا تھا کہ ؎

بگیتی درم بے نوا داشتی دلم را اسیر ہوا داشتی

تعلیم نسوان کے اہم ترین مقصد کے متعلق بیشتر الناظر مین چند قابل قدر مضامین نکلے ہین مگر کس قدر شرم و افسوس کی بات ہے کہ بعد کو دو ایک ظریفانہ مضامین کی بدولت اسکی پروا نہین کی گئی کہ یہ رسالہ شریف مستورات کے ملاحظہ مین جانے کے قابل رہتا۔ تعلیم مفید کہان اور کیونکر حاصل ہو مطبوعہ نمبر ۳۵ قابل غور مضمون تھا اور گزشتہ نمبر مین گرانی اجناس کا مختصر مضمون بھی غنیمت نظر آیا۔ درحقیقت پالٹکس کو اقتصادیات سے گہرا تعلق ہے اور اقتصادی ترقی کے بغیر کسی قوم کی زندگی یا زندہ دلی خواب و خیال سے کم نہین ہوتی۔ اسوقت سیاسی اور اقتصادی امور پر سنجیدگی سے بحث کرنے والا اُردو کے ماہوار رسالون مین تنہا رسالہ

زمانہ کانپور سے نکلتا ہے جسمین نفیس و نایاب تصاویر کے علاوہ ادبی دلچسپیون مین گرانقدر اضافے بھی ہوتے رہتے ہین اور اسکے ساتھ ہی عموماً ایسے ضروری اور لکار آمد مضامین زیر بحث لائے جاتے ہین جن سے ملک و ملت کی سود و بہبود وابستہ ہے۔ جہانتک مجھے معلوم ہے ایسی آب و تاب اور اس جامعیت کا کوئی رسالہ اردو زبان مین موجود نہین ہے منشی پریم چند کے قصے ادبی حیثیت سے بےنظیر ہوتے ہین اور اُنکے نتیجے ہمیشہ اخلاقی ہوا کرتے ہین۔ الناظر مین بھی تازہ نمبر مین ایک فسانہ عمر قید کی سرخی سے چھپا ہے جو خون ناحق کے رنگ مین لکھا گیا ہے اور گویا مثنوی زہر عشق کا جواب اچھا ہے "نظم از من نمی آید بہ نثر ادا کردم" مگر تازونا در حالات کو چھوڑ کر واقعات پر نظر کی جائے تو ظاہر ہے کہ کمزور عورت کو ڈائن کی صورت مین دکھانا کوئی خوبی نہین بلکہ ستم ناروا کی تازہ مثال ہے۔ بخلاف اسکے رسالہ زمانہ ہمیشہ مظلوم کی حمایت پر کمربستہ نظر آتا ہے اور الناظر کو اس پیمانے پر لانے کی کوشش ہوتی رہے تو یقین ہے کہ یہ رسالہ بھی ایک دن ملک و قوم کے واسطے ایک مفید آلہ کہلانے کا مستحق بن سکتا ہے۔

اب مجھے الناظر کی صرف ظاہری شان اور دیدہ زیبی کے متعلق عرض کرنا رہگیا ہے۔ جسکی لکھائی چھپائی چند مہینون سے غنیمت نظر آرہی ہے مگر اسکے ساتھ کسی منظر قدرتی یا کسی مشہور محب وطن کی تصویر کا نہونا رسالے کی دلچسپی کو کم کردینے کا ضرور باعث ہے اس لیے کہ بعض رسالون مین صرف تصویر ہی ایسی چیز ہی جس کی دلکشی و نظر فریبی "غزالہ زرین" سے کم نہین ہوتی۔ فقدان تصویر کے سوا الناظر کا ماٹو بھی قابل لحاظ ہے جسمین مادہ تاریخ کے سوا کوئی مناسبت رسالے کے اغراض و مقاصد سے نہین پائی جاتی۔ یہ مصرع رسالے کے بجائے کسی اخبار کے لیے شاید موزون ہوسکتا تھا ع جامیست جہان نمائے ہر صفحہ درین۔

فخر الدین احمد سفیر

اطمینان قلب

ڈالتے ہین ہم نگاہ حسرت آگین گرد و پیش — اور طلب کرتے ہین وہ شے جو ہمین حاصل نہین
یہ ہماری بزلہ سنجی یہ ہمارے قہقہے — باطناً اندوہ و حسرت کے سوا کچھ بھی نہین
ہین ہماری جسقدر دلچسپ نظمین اور گیت — وہ سراپا درد ہین۔ دلسوز اور اندوہگین!

(شیلی)

رنج و حرمان سے جہان مین کوئی گھر خالی نہین؛
ہم کو دنیا مین میسر فارغ البالی نہین

فضل الٰہی قریشی

وہی ہم تھے، وہی ہم ہین

وہی ہم تھے، کہ تھا زیرِ نگین ملکِ سلیمانی
وہی ہم ہین، کہ راس آتا نہین اب تاجِ سلطانی

وہی ہم تھے کہ بنتا تھا چنور بالِ ہما سر پر
وہی ہم ہین کہ کرتا ہے پرِ بوم اب مگس رانی

وہی ہم تھے، کہ فاتح کے لقب کو ناز تھا ہم پر
وہی ہم ہین کہ اب مفتوح کی ہم پر ہے جولانی

وہی ہم تھے، کہ چومے فتح و نصرت نے قدم اکثر
وہی ہم ہین کہ دیتے ہین شکستین ہم کو نصرانی

وہی ہم تھے کہ جھنڈے گاڑتے تھے قصرِ قیصر پر
وہی ہم ہین، کہ سر چڑھتے ہین اب سروی و یونانی

وہی ہم تھے، کہ یورپ نے تمدن ہم سے سیکھا تھا
وہی ہم ہین، نہین اب ہم مین وہ تہذیب انسانی

وہی ہم تھے کہ ہمدردِ بنی آدم تھے عالم مین
وہی ہم ہین، نہین خود ہم مین ہمدردیِ اخوانی

وہی ہم تھے، کہ رہتے تھے بہم اعضاے یکدیگر
وہی ہم ہین کہ ہین اعداے یک دیگر بہ نادانی

خدا جانے وہی ہم تھے، وہی ہم ہین کہ کیا ہم ہین
کہان وہ ہم کہان اب وہ ہمارا جوشِ ایمانی

شفق پڑھکر یہ مصرع آپ اپنے دل مین شرماؤ
"چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی"

گورِ غریبان کا سمان

سحر اوٹھکر سوے گورِ غریبان
چلو دیکھین جو عبرت کا سمان ہے

کسی تربت پہ روتی ہے جوانی
کسی مدفن پہ حسرت نوحہ خوان ہے

کہین سر پر اوڑا کر بیکسی گرد
پریشان صورتِ ریگِ روان ہے

کہین ہین دل جلون کے دل تہِ خاک
سرہانے شمعِ کشتہ کا دھوان ہے

چڑھائے چادرین ٹوٹی لحد پر
جو سبزہ پردہ پوشِ بیکسان ہے

ہوا ہے جا بجا سے وہ بھی پامال
عیان کچھ کچھ نشانِ بے نشان ہے

صدا یہ دے رہا ہے ذرّہ ذرّہ
کہ ہستی نقشِ پاے کاروان ہے

کنارے اک طرف خاموش و گریان
شفق بھی محوِ یادِ رفتگان ہے

شفق عمادپوری

فارس قدیم

بعض اوقات جزو بول کر اُس سے کُل مراد لیتے ہین۔ اور وہی لوگون کی زبان پر چڑھ جانے سے

اصطلاح کیونکر قائم ہوتی ہے زبان کی اصطلاح مقرر ہو جاتی ہے۔ اور اُستادون کے اس اصول پر کہ لغت سے عرف عام (اصطلاح) کی منزل بے چون وچرا کی ہے۔ اُسکو شان اعتبار حاصل ہوتی ہے۔

ٹھیک اسی اصول پر پہلے ایران کو فارس کہا کرتے تھے حالانکہ دراصل فارس ایران کے ایک خطہ کا نام ہے جو جنوب مین خورستان اور کرمان کے درمیان واقع ہے۔ اس عرف کے موجد عرب تھے اور اب تک بھی

فارس سے ایران کی اُسے پرشیا (Persia) (فارس) ہی کہتے آ رہے ہین۔ مگر عربون کو اس

اصطلاح کے موجد کون تھے بدعت کے اول مخترع ہونے کی حیثیت سے الزام نہین دیا جا سکتا تھا کیونکہ خود اہل فارس نے پہلے اس رسم کی یون بنیاد ڈالی تھی کہ لفظ عرب جو جزیرۂ عرب کے محض شمالی حصہ کے باشندون کے لیے مخصوص تھا کُل جزیرۂ عرب کے باشندون پر بولے جس سے کُل کے لیے جدید اصطلاح ٹھہری اور وہی "از ماست کہ بر ماست" والی مثل صحیح ہو گئی۔

بہر کیف! حاصل یہ ٹھہرا کہ جب ہم فارس بولین اور اُس سے بموجب اصطلاح بالا ایران مراد لین تو اس

ایرانی قوم کی اصل ملک اور اُسمین بسنے والی قوم کی تاریخ عہد پیشین مین آرین قوم سے جا ملتی ہے جن سے انکی نسل قائم ہوی ہے۔ کیونکہ قدیم الایام مین ایرانی اور آریہ ہندو ایک تھے۔ جسکے بعد کئی طویل اور ممتد دور گزرنے پر روشنی کا زمانہ آتا ہے جس کا مختصر بیان یہ ہے کہ آریہ ہندو اور ایرانی جدا جدا ہو جاتے ہین۔

ایران کی قدیم سلطنتین تو ایک بدسرا دور آتا ہے۔ جو تاریخ مین قدیم ایرانی دور کے نام سے موسوم ہے۔ اسمین ملک کی طاقتین متفرق طور سے منتشر رہتی ہین۔ اُسکے بعد اشوری دور آتا ہے، اب کچھ متفرق طاقتون کا شیرازہ منظم ہو جاتا ہے۔ اسمین ایکہزار سال قبل مسیح سے اشوری خاندان حکمرانی کرتا ہے۔ یہ زوال پذیر ہوتا ہے تو ۸ صدی قبل مسیح سے مادی سلطنت کا دور فرمانروائی شروع ہوتا ہے۔ یہی ایران کی پرانی سلطنت کہلاتی ہے اسکے خاتمہ اور ۵۵۰ سال قبل مسیح زوال کیانیہ کے ظہور پر اصل فارسیت کا دور آتا ہے، اسکندر اعظم کا دبدبۂ جہانگیری ۳۳۰ سال قبل مسیح اسے تاخت و تاراج کرتا ہے۔ پھر ہر طرف بدنظمی اور طوائف الملوکی اپنا تسلط جما لیتی ہے۔ ۲۲۶ سال قبل مسیح تک یہی عالم رہتا ہے۔

پھر ساسانیون کا ستارۂ اقبال اوج پر آتا ہے اور ساسانی خاندان برسرحکومت ہوتا ہے جس کی حکومت کا سلسلہ دور آل ساسان برابر ایام عرب (عہد اسلام) سے آملتا ہے۔

ہر سلطنت اور ہر حکمران قوم کی ایک عمر طبعی ہوتی ہے۔ جبتک حکومت آزاد اور رعایا کے دل شاد رہین سمجھو کہ وہ سلطنت اپنی عمر طبعی کے منازل مین ہے مگر جس حکومت مین آزادی کی شان باقی نہو۔ حکومت زوال سلطنت آل ساسان کرنے والون کے دماغون سے مادۂ اثیار معدوم اور ارتقاء ذہنی کے ملکات پابندی اور ضابطہ کا احساس فنا ہو چکا ہو یا ہونے کے قریب ہو تو سمجھ لو کہ بس اُس حکومت کا آفتاب لب بام آپہونچا۔

کسریٰ کی حکومت و دولت کا جو دبدبہ ایک عالم کے دلون مین بیٹھا ہوا تھا آخر آخر اُسکی کچھ جھلک صرف دربارون مین نظر آتی تھی باقی صلاحیت اور اہلیت کا خاتمہ تھا۔ چنانچہ اس واقعہ سے تاریخی شہادت بہم پہونچتی ہے کہ وہ مشہور اسلامی ڈپیوٹیشن (وفد) جو عربون کی طرف سے اُنکے ایک مشہور پایۂ تخت کی سرگروہی مین ایران گیا تھا اور اس نے انکے دربار کی ظاہری عظمت کو خیال مین نہ لاکر اپنے مشن کے مقاصد کو جس بیباکی اور آزادی سے ظاہر کیا تھا اُسکا کوئی با وقعت جواب مملکت عجم کی وزارت نہ دے سکی۔

اس باخبر اور اولوالعزم وزارت کے عہد مین عرب کے بہادر اور شیردل سپاہی اس دولت کو ابدالآباد کے لیے نیست و نابود کرکے ایران پر سکہ زن ہوتے ہین یہان سے حکومت فارس کا اسلامی دور شروع ہوتا ہے جو آج تک قائم ہے۔

ایران کے ان سیاسی انقلابات مین جنمین کئی کئی سلطنتین قائم ہوکر درہم و برہم ہوگئین ملک کے عام حالات اور اقتضاء سے بڑی تبدیلیان وارد ہوئین۔ ایران کی اصل زبان بھی ان انقلابات کی سرد و گرم تاثیرات سے محفوظ نہ رہ سکی۔ اگر سچ پوچھو تو ایران کی اصلی زبان سنسکرت یعنے آریہ ہنود کی زبان سے ملتی جلتی تھی جبتک آریہ اور ایرانی بھی ملے جلے رہے۔ اُسکے بعد جیسے جیسے یہ پھٹتے گئے زبان کی مماثلت بھی گھٹتی گئی۔

اگرچہ آثار قدیمہ سے اسکا سراغ کہ دولت مادی کے قیام سے پہلے سلطنتون کے ردوبدل سے زبان مین کیا کیا اصلاح کس کس وقت ہوئی کسی نے پورے طور پر نہین پایا۔ مگر تحقیق و تلاش کے دیگر اسالیب سے یہ رمز کچھ کچھ آشکار ہوا ہے کہ دولت اشوریہ کے عہد مین ایران کی زبان مین آرامی اور کلدانی الفاظ کا ویسا ہی دخل و تسلط ہوا تھا جیسا عربون کی سلطنت کے زمانہ مین لغت فارسی مین عربی الفاظ کا ہوا۔

ایرانی زبان کے دور

غرض زبان فارسی کی قدیم تاریخ اپنی عہد بعہد تبدیلیون کے لحاظ سے ذیل کے چار دورون مین تقسیم کی گئی ہے۔

(۱) اصل ایرانی دور۔ جس کا آغاز قبل زمانہ تاریخ سے ہے اور اختتام حکومت اشوریہ کے آغاز پر ہوا۔ اس دور مین زبان اپنے عالم طفولیت مین تھی۔ اور اپنے فطرتی مربیون سے محض ٹھیٹھ اور پیش پا افتادہ اشیار کے نام اور موٹی جھوٹی ضروریات کے سبق سیکھتی تھی۔

(۲) آرامی دور۔ آغاز ایک ہزار سال قبل مسیح جبکہ ایران مین اشوریہ حکومت کے آفتاب کی روشنی پھیل رہی تھی اور خاتمہ دولت کیانیہ کا آفتاب طلوع ہونے پر (یعنے ۵۵۸ سال قبل مسیح) اس مین مادی سلطنت کا زمانہ بھی داخل ہے اس دور کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ ہمین اشوری اور آرامی الفاظ کثرت سے فارسی زبان مین داخل ہوے اور فارسی لٹریچر مین شاہیون کے قصص، مذہبی روایات، اور قدیم مراسم (مورخین جنھین خرافات سے تعبیر کرتے ہین) بکثرت نقل ہوآئے حتی کہ مادی لٹریچر اپنے ایام دولت مین بھی اسکے مقابلہ مین کم مایہ اور نادار ہی رہا لیکن یہ زبان (ژندافستانیہ) وغیرہ کتب مذہبی کی تدوین ہی تک محدود رہی، عام زبانون پر آنے کا رواج تکلم سے نہ حاصل ہوا۔ یہ زبان "ژند" کہلاتی تھی۔

(۳) قدیم یا اصل فارسی دور۔ کیانی سلطنت کی دھوم دھام کے زمانہ سے اس دور کا آغاز ہوا۔ اسمین جس زبان کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہوی وہ ایران کے ایک خاص حصہ کی زبان تھی لیکن اس زبان کو یہ عہد کچھ ایسا راس اور خوشگوار آیا کہ ملک کے اس سرے سے اُس سرے تک اس بولی کا رواج ہوا۔ دوسرے خطون کی سب زبانین کھوٹے سکہ کی طرح بے قیمت ہوگئین اور یہ سب سے نمبر لے گئی۔ بعینہ اسی طرح جیسے عرب مین لغت قریش ایک خاص قبیلہ کی زبان تھی مگر بعد اسلام اُسے اس درجہ مقبولیت نصیب ہوی کہ سارے قبائل عرب کی زبانون پر وہی وہ تھی۔

یہ زبان اصل یا قدیم فارسی زبان کے نام سے مشہور ہوی۔ اس لیے اس دور کا نام بھی اصل فارسی دور رکھا گیا۔ اسکے کتبے قدیم اصول کے مطابق بلند ٹیلون اور ٹیکریون کے اوپر پتھر کی چٹانون پر کندہ پائے گئے جو اسفینی یا اشوری خطون مین منقوش تھے۔

(۴) ساسانی دور۔ اس دور کی مدت قیام دولت آل ساسان (یعنے سنہ ۲۲۶ء) سے ظہور اسلام تک ہے۔ اس دور کی زبان پہلوی ہے یہ زبان زمانۂ اسلام تک بلاد ایران مین اچھی طرح شایع و مروج تھی علوم اور

دینی روایات وغیرہ اسی زبان مین مرتب ومدون ہوتے تھے سکہ۔ مُہر اور دیگر ضروریات سلطنت بھی اسی زبان سے پوری ہوتی تھین۔ عقولات یونان کے حصے ترجمہ ونقل کے ذریعہ سے اسمین لائے گئے تھے۔ اسی زبان سے بغداد کے مشہور علم پرور خلیفہ منصور عباسی کے میر منشی اور اُسکے عہد دولت کے لائق مترجم عبداللہ ابن المقفع نے مشہور معروف تاریخی کتاب کلیلہ دمنہ اور دیگر کتب مثل کتاب مزدک۔ خدائی نامہ۔ آئین نامہ۔ آداب صغیر۔ آداب کبیر وغیرہ کے ترجمہ کین۔ اسی سے جبلہ ابن سالم نے کتاب رستم اسفندیار۔ بہرام گور وغیرہ نقل کین۔ اور اسی سے ہزار افسانہ (اصل کتاب الف لیلہ) اور ملوک عجم کے کارنامے مشہور عالم ہوے۔

پہلوی کو فارسی وسطی کہنے کی وجہ پہلوی زبان کو فارسی وسطی بھی کہتے ہین جسکی وجہ یہ ہے کہ اس کا زمانہ قدیم اور جدید فارسیون کے دورون کے درمیان واسطہ پڑتا ہے۔

پہلوی اور فارسی جدید کا مابہ الفرق پہلوی زبان اور مروج الوقت یا جدید فارسی زبان کا مابہ الفرق جدید فارسی مین عربی الفاظ کی کثرت اور شمول ہے۔

عربی الفاظ کی یہ بھرتی فارسی مین زیادہ تر سلطنت عباسیہ کے اثر سے ہوی۔ جب ایرانیون نے دولت بغداد مین رسوخ پایا۔ سلطنت نے ملکی مالی اعلےٰ سے اعلےٰ خدمات انھین عطا کین ماتحت صیغہ جات مین **پہلوی جدید نے فارسی کا** ماموریان اور تقررات عمل مین آئے اس سلطنت کے زیر اثر ہوکر عربیت کا جیسا **قالب کیونکر اختیار کیا** جیسا رنگ اُنکی رگ دپے مین سرایت کرتا گیا عجمیت کا رنگ ڈوبتا گیا یا مخلوط ہوتا گیا اخلاق۔ عادات۔ طور طریقہ۔ بات چیت سب کا اس سے متاثر ہونا لوازمات سے تھا۔

بہرحال طبقۂ اعیان واشراف جنکی زبان سند مانی جاتی تھی اونھین پہلوی زبان تو یون از یاد رفتہ ہوگئی کرّ الناس علےٰ دین ملوکھم یا اشرافھم پھر عوام کو اس سے تائب ہونے کی کیا قدرت تھی نتیجہ یہ ہوا کہ پہلوی زبان کتابون مین اور وہ بھی فرقۂ زردشت کی کتب مقدسہ مین باقی رہگئی۔ اور جدید فارسی نے جو عجمی قالب مین عربیت کے لعل وجواہر سے مرصع تھی اُسکی جگہ لی۔ سہ

از صحن خانہ تا بہ لب بام از ان من ... وز بام خانہ تا بہ ثریا از ان تست

کتابون مین بند ہوکر یہ زبان مردہ تو ہوگئی مگر پیروان مجوس متبرک سمجھکر اس کی برابر عظمت کرتے تھے **پہلوی زبان کی مذہبی عظمت** کیونکہ وہ اُنکی مذہبی زبان تھی۔ خود جو جدید کتابین اپنے مذہب اور دین کی

لکھتے تو اُسی زبان مین لکھتے۔

مذہبی نسبت کے خیال سے کسی متروک یا قدیم رسم اور علامت کو جاری رکھنے کا خیال اکثر قومون مین پایا جاتا ہے چنانچہ مصر کے کاہن ہمیشہ حروف دیموطیقی کے مروج ہوتے ہوئے بھی جنکی تحریر آسان تھی اپنے مذہبی آثار رسم قدیم کا انقاد اور عبادات کے نقش ہیروغلیفی طریقہ سے ہی کرتے تھے۔ دور کیون جائیے۔ شام کا ملک جب مسلمانون کے قبضہ مین آگیا تو فاتحین کی عربی زبان کے مقابلہ مین وہان کے نصاریٰ کی مروجہ زبانین رفتہ رفتہ بند ہوتی گئیں مگر عرصہ تک نصاریٰ کتابت مین عربی شان سے احتراز ہی کرتے رہے جب لکھتے تو انھین سریانی حروف سے جن سے اپنی خاص زبان کی سواد نویسی کرتے تھے۔

اس تمام تحقیقات سے یہ ثابت ہوا کہ فارس یا ایران کی قدیم زبانین چار ہین۔

۱۔ مادی زبان۔ جو مادین کے ایام سلطنت مین اور اُن سے قبل رائج تھی۔ اسکی کتابت کا طرز معلوم نہین ہوا۔

۲۔ ژند۔ جو ژندا فستہ وغیرہ کتب دین مین استعمال ہوی ہے اور اسکے سوا دوسرا کام اُس سے نہین لیا گیا۔

۳۔ فارسی قدیم۔ اسکے متعلق بجز اُن مکاتب کے جنمین کچھ قصص وغیرہ اسفینی حروف مین کندہ تھے اور کوئی مزید علم حاصل نہین ہوا۔

۴۔ پہلوی۔ جو آل ساسان کے زمانے کی زبان ہے۔

اسکے بعد اب پانچوان نمبر جدید فارسیت کا ہے۔ جو فی زمانہ کئی صدیون سے شایع و مستعمل ہے اسکی چند فروع ہین جنمین سے زیادہ شہرت یاب اور مروج افغانی۔ بلوچستانی۔ کردی۔ پامیری اور اوستی ہین

اہل فارس جو اصلاً و نسلاً آریہ ہین، اپنی گزشتہ عظمت، اور قدیم کارنامون کے اعتبار سے حکمران قومون کے صدر ہین، اُنکی حکومت و فرمان روائی کے سکہ سے آج تذکرہ نویس کے قلم کا زہرہ آب آب ہوتا ہے جب اُسے فارس و یونان کے محاربات صفحۂ قرطاس پر لانے پڑتے ہین۔

آئینہ تاریخ مین جب یہ مرقع پیش نظر ہوتا ہے کہ یونان کے مقابلہ پر ایران کی ٹڈی دل فوجین اڑی ہوی ہین جنکا پڑاؤ وسط ایشیا سے بحر ابیض تک ہے (اور جن کا ایک ایک پیادۂ فوج شاہان ہفت کشور سے چشمک زنی کا حوصلہ رکھتا ہے) تو وہ لرز جاتا ہے۔

جسکے اہل سیف مین افراد کی شجاعت کا یہ عالم ہو اُس قوم کے علمی و عملی گروہ مین کہان تک ذہنی و دماغی

صلاحیت والے ہون گے۔

کسی قوم کی روشن دماغی کا معیار اُسکی تاریخ قدیمہ وعلوم سے معلوم کیا جاتا ہے۔ اہل فارس کے پاس اُنکے ہی علوم قدیمہ کیا کم تھے (یعنے از قبیل طبعیات و ریاضیات و نجوم وغیرہ) تاہم اگر اُن سے قطع نظر کی جائے تو اشوریین اور اہل بابل کا جو سرمایۂ علوم اُنکو پہونچا اُسکی قدر وقیمت کا کیا ٹھکانا' پھر اُنکے ہی اعمام اہل ہنود کے علوم۔

کتابت وتحریر کی حیثیت سے دیکھا جائے تو بھی اُنکا عہد عتیق تاریک نہین پایا جاتا' اس امر پر کہ وہ تحریر کتابت کے ماہر تھے وہ کتبات ۔لوحین اور پتھریلی چٹانین ۔روشنی ڈالتی ہین جو اسکندری افواج کے بلاد فارس کو تاخت تاراج کرتے وقت جذبات تخریب آثار کا ہدف بنین'

افواج مذکور جب بلاد فارس پر چھا گئین تو پہلے قدیم وکہنہ بنائین منہدم کین ۔فوج مفتوح کے تمدن کے آثار مٹائے ۔اور اسمین یہانتک کد کی کہ پتھرون کی لکیرین تک مٹا ڈالین ۔علمی خزائن ودفائن جو کچھ ہاتھ آئے وہ یونانی وقبطی قالبون مین ڈھالے گئے چینی وہندی علوم اسلاف کے باقیات صالحات جو تبرک عظمت کی بڑی پونجیان تھین دفعۃً اُنکے ہاتھ سے چھین کر مصر کے بازارون مین پہونچ گئے۔

ایرانی علوم کی عظمت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصناف علوم مین ایرانیون کے مایہ و بساط صرف یہی علوم نہ تھے ۔اُنکے پاس علوم اولین کا وہ منقوش سرمایہ بھی تھا جسمین اہل روما ۔فارس اور کلدانیہ کی علمی بلند آہنگیان تحریر کے افسون کا شکار بنی تھین ۔جنکی نسبت علامہ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ

"شاہ طہمورث نے بخوف دستبرد آتش وباران نایاب علمی کتابین اعلے قسم کے اسبات کے پترون اور لوحون پر کندہ ومنقوش کراکے اُستاق مین سونپ دی تھین"

اُن کتابون مین زیادہ تر علم نجوم اور اُنکے علل حرکات کے مضامین کی کتابین تھین' جو اہل فارس روما اور کلدانیہ کے مخصوص علوم تھے ۔انہین سے اکثر کتابین اپنے مضامین کے لحاظ سے نہایت ہی بیش بہا اور نایاب روزگار تھین۔

اس دفینہ کے سوا اور بھی متعدد علمی دفائن اُنکے ہاتھ چڑھے تھے جنمین سے بعض کے مضامین کھُلے اور بعض کے نہ بھی کھُلے۔

مخفی نہ رہے کہ ممالک غرب مین علمی مضامین کی کتابون کو کندہ ومنقوش کراکے اس طرح محفوظ

صورت دن مین رکھنے کا پُرانی تہذیبون کے دور مین عام رواج اور مذاق تھا جس کی نسبت علامہ موصوف اپنا ایک چشم دید واقعہ درج کرتے ہین۔ کہ

"میرا مشاہدہ ہے کہ ابوالفضل ابن عمید نے ۳۴۰ھ یا اُس سے قریب ترموقع پر کچھ منقوش گرد چوبہ کتابین یونانی زبان کی بھیجیں جو اصفہان کی شہر پناہ سے نکلی تھین ان کتابون مین فوجی اصطلاحات و فوجی انتظام رسد وغیرہ کے مفصل و مشرح حالات درج تھے"

"یہ کتابین ایوحنا ایسے ماہرین فن کی بلیغ سراغ برادیون سے دستیاب ہوی تھین"

اگرچہ اسمین کلام نہین کہ آغاز عہد سابور ابن اردشیر ساسانی تک علوم فارس کا اطلاق اُنکے پاس عہد سابور ابن اردشیر صرف چند اشعار و اخبار کچھ کتب عقائد و مذاہب پر کیا جاتا تھا مگر قرن ثالث کے وسط عہد مذکور مین جب فرقہ مانویہ پیدا ہوا۔ شاہ سابور کسریٰ و ایران و اہل روم یعنے ذریات قیصر مین لشکر آرائی کی نوبت آئی۔ اور جس کا خاتمہ شاہ سابور کی فتح و ظفر پر ہوا۔ اسی فتح کے بعد علم و فن کی روشنی بھی مطلع فارس پر نمودار ہوی۔

بعد اختتام جنگ فاتح جانشین آلِ ساسان بشمار قیدیان جنگ و بیش قرار مال غنیمت کے ساتھ قلمرو ایران کو شہنشاہی تزک و احتشام سے جشن عشرت برپا کرتا مظفر و منصور واپس آیا۔

رومی غلام یا اسیران جنگ بیشمار تھے۔ اور باوجود فوج مین تقسیم ہونے کے جنکی ایک کثیر تعداد قید کی کرہ بان اب بھی جھیل رہی تھی وہ سب دارالامارہ مین موکب ہمایون پہنچنے پر بموجب فرمان شاہی آزاد کرکے ایک خاص مقام پر خوشنما آبادی کی صورت مین بسائے گئے یاندوبود کے انتظام مین اونکی کافی اعانت کی گئی۔ اور اس بستی کا نام بھی بکمال مسرت شاہی جندسابور قرار پایا۔

روم چونکہ ایک مردم خیز سلطنت تھی اس لیے ان اسیرون کی جماعت مین صدہا اشراف و اہل علم بھی قید ہوکر آئے تھے جن کے شریف دلون نے تحریر رقبہ و دیگر الطاف و عنایات شاہی کا خاص طور سے اثر لیا۔

اُنھون نے جذبۂ تشکر و امتنان سے مغلوب ہوکر انعامات شاہی کے معاوضہ مین کسی علمی یادگار کی خدمت اپنے سر لینے کا آئیڈیا قائم کیا جس کا پیرایۂ عمل یہ تھا کہ فارس کے علوم قدیمہ جو کالبد یونانی مین ضوفشان ہین وہ نقل و تراجم کے ذریعہ سے اپنے اصلی قالب مین پھر ڈھالے جائین۔ جا بجا مکاتب و مدارس کھولے جائین اور اُنکی تعلیم و تدریس کا ملک مین مذاق عام پھیلایا جاسے۔

اس پاکیزہ تجویز کو گوش شاہی تک پہونچنے کا شرف حاصل ہوا، اور بعد منظوری کچھ لوگ منجانب سلطنت ممالک روم کو علوم و فنون قدیمہ کی کتابین فراہم کرکے لانے کے لیے روانہ کیے گئے۔ جو وہان سے فلسفہ کی مختلف شاخون کی بہترین کتابین تلاش کرکے لائے، اور پھر اُنکے نقل و ترجمہ کی مبارک خدمت اُن اشراف روم کے ہاتھ سے سرانجام کو پہونچی، جو اس خیال کے محرک اور اصلی باعث ہوے تھے۔

کتابین جو جو ترجمہ ہوتی گئین اُنکے متعدد و متعدد نسخے شاہی خطاطون سے نقل کرائے جانے لگے۔

اور بعد ان سارے اہتمامون کے ایک شاہی کتاب خانہ ترتیب پایا، جسمین کسن اہتمام یہ گنج علوم آراستہ کیا گیا اس کتب خانہ کے متعلق ایک جماعت اساتذۂ کاملین فن کی بھی جمع کی گئی تھی جو کتب خانہ مین رہکر مطالعہ سے فیضیاب ہونے والے منتہی طلباء کے اشکالات کو رفع کرتی، اور مبتدی طلباء کو درس دیتی تھی

احیاء علوم کے اس تمہیدی دور کے بعد ایران مین بہت سے دور گزرے جسمین ترقی و اشاعت پر بیدریغ اور باثمر کوششین ظہور مین آئین۔ علوم و فنون کی ندیان بہین۔ علمی بلند آہنگیون نے جہالت و تقلید کی آوازون کو پست بلکہ معدوم کر دیا۔ مگر اُنھین عہد سابور کی اس فضیلت سے فوق نہ حاصل ہوسکا کہ اُن ندیون کا سرچشمہ یہی دور تھا، اور وہ بلند آہنگیان اسی دور کی بازگشت آوازین تھین۔ بقول

اول آنکس کہ خریدار شدش من بودم ... باعث گرمی بازار شدش من بودم

اس عہد کے بعد معروف بہ بادشاہ عدل یعنے نوشیروان کا عہد[1] آتا ہے۔ جسمین معدلت و دادگستری کے ساتھ ساتھ تاریخ فارس مین اشاعت علوم و فنون کے بھی ایک زرین باب کا اضافہ ہوا۔ اور ایران اہل علم کا دنگل اور بازی گاہ بنا۔

اس شاہ حق نواز کے ذوق علم و قدر افزائی اہل علم کا شہرہ سُن سُن کر اکناف عالم سے ارباب فن کو سرفرازی کی امید کھینچ کر ایران لے آتی۔ جہان امید سے افزون اُنکی قدر افزائی کی جاتی۔ گویا الوان دسترخوان چنا ہوا انھین ملتا جسمین صرف بسم اللہ کرکے وہ شریک ہو جاتے۔

اسی طور پر ایران مین یہ علمی بازار جمتے گئے اور علمی چرچے بڑھتے گئے۔ اس دعوت مین اکثر روم کے وہ فلاسفر بھی کھنچکر آئے جو یوستنین قیصر رابع کے مظالم استیصال وثنیت سے تنگ آکر روم سے چل نکلے تھے یا پابہ رکاب تھے،۔

[1] زمن ابتدائے ۵۳۱ء لغایت ۵۷۸ء)

۲۔ ان فلاسفہ سے زبان فارسی مین مختلف فنون منطق۔ طب و علوم فلسفہ وغیرہ کی کتابون کی تالیف و تدوین کا کام لیا گیا۔

بہرکیف نوشیروان کے ذوق علم پرستی و عالم نوازی سے بیشمار علمی تالیفات فارسی مین پیدا ہوگئین۔ اور تھوڑے زمانے کے بعد فارسی مین ایک علمی زبان کی شان پورے طور پر نظر آنے لگی۔

نوشیروان کا ذوق علمی صرف اس تالیف و تدوین کی غائبانہ اعتنا پر قناعت پذیر نہ تھا۔ بلکہ اُسکے یہان ہر ماہ ایک علمی دربار بھی ہوا کرتا تھا۔ جسمین تمام علما و فلاسفہ کو حاضر ہونے کا حکم تھا۔ اور صرف اجلۂ فلاسفہ کو تقریر کی اجازت ملتی تھی۔ جو بطور حاضر مکالمہ و مذاکرہ کے اپنے اپنے نتائج تحقیق پر تقریر کرتے جن سے سینون کے علوم پر صیقل پھرتا۔ حریف علما کو اسپر جرح و تعدیل کا بھی حق ہوتا تھا۔ اس بحث و مکالمہ کی سماعت سے خود نوشیروان کو فلسفہ[1] کا وہ علم حاصل ہوگیا تھا کہ بعض اہل یونان اُسے تلمیذ افلاطون بتاتے تھے۔

۳۔ نوشیروانی عہد مین صرف اُنھین علوم پر توجہ نہین کی گئی جو یونانی زبان مین تھے۔ بلکہ سنسکرت سے ہندی علوم بھی ذریعہ نقل و ترجمہ فارسی مین لائے گئے۔

۴۔ ان باقاعدہ علمی ترقیون کے ذیل مین اُس مشہور عالم شفا خانہ کا ذکر نہ کرنا قانون تذکرہ نویسی کی رو سے ایک جرم کا مرتکب ہونا ہے جو جندیساپور مین قائم کیا گیا تھا۔

اس شفا خانہ مین اگر ایک طرف مریضون کا علاج کیا جاتا تھا تو دوسری طرف طلبا کو طبی تعلیم دی جاتی تھی۔ تعلیم و معالجہ کے کام پر ہند و یونان کے مشاہیر و نامی اطبا مامور تھے۔ ہر ایک اپنے اپنے اصول سے علاج کرتا اور تعلیم دیتا تھا۔

اس شفا خانہ کا کام اور اُسکے بعد اُسکا نام ایک عرصہ تک اُسکے رفاہ عام کی وجہ سے چلتا رہا کیونکہ اس زمانہ مین اپنے طرز کا یہ واحد شفا خانہ تھا بلکہ زمانۂ اسلام تک بھی اُسے خاص شہرت نصیب رہی۔ جسکے نمونہ پر کئی صدی بعد خلیفۂ مامون الرشید عباسی نے بغداد کا شفا خانہ قائم کیا۔

بہرحال ان حالات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اہل فارس قدیم سے علوم و فنون کے سرپرست رہتے آئے ہین۔ انھون نے علوم فلسفہ اور فنون منطق۔ طب۔ نجوم۔ شعر کو خاص طور پر اہل یونان و ہند اور اہل چین سے لے کر مدون کیا۔ اور پھر ایسی وسعت دی کہ گویا اُنکے اپنے علوم ٹھہرے۔

---

[1] بعض اہل علم کی رائے ہے کہ یہی فلسفہ صوفیا کرام کا اساس تعلیم ہے۔

ان تدوینات کو عہد نوشیروانی کی ہوا خاص طور سے راس آئی کیونکہ نوشیروان عادل تھا۔ اور علم کے پھیلنے پھولنے کے لیے عدل و آزادی کا سایہ درکار ہوا کرتا ہے۔

(۳)

تحریر کتابت فارسی قدیم مین

۱۔ اگرچہ تحقیق حال نے اس امر پر کوئی روشنی نہین ڈالی کہ اصلی ایرانی عہد مین کوئی خط ایران مین رائج تھا۔ یا نہین؟

۲۔ مگر عہد آرامی مین جبکہ تہذیب حکومت سابقہ سے انہیں وراثۃً منتقل ہوی تھی کسی طرح سمجھ مین نہین آتا کہ جملہ سامان تمدن کے مہیا ہوتے ہوے تحریر رواج پذیر نہو۔ پس جہانتک تفحص کیا گیا یہ امر قرین قیاس پایا گیا کہ غالباً اسوقت اسفینی[1] خط کا رواج ہوگا۔ جس سے لغت بابل و اشور کی کتابت ہوتی تھی اور جسکے حروف کی شکل یہ ہے۔ ملاحظہ ہون اشکال نمبر ۱=

نمبر (۱)

بعد ازان جب آرامی خط جو فینیقی خط سے متفرع تھا اور جس سے اہل بابل و اشورین نے یہی کام لیا تھا اشاعت پذیر ہوا تو اسکو اہل فارس نے بھی اختیار کیا۔ اور زیادہ تر اخبار وغیرہ کی تدوین اُسی خط مین ہوی۔

ہند و فارسی کے اشاعت یافتہ خطوط اسی کی شاخ ہین۔ جنکی اشکال یہ ہین۔ ملاحظہ ہون اشکال نمبر ۲۔

نمبر (۲)

۳۔ عصر فارسی اول[1] ۔ یعنی عہد دولت کیانی مین اسفینی[2] خط سے کام لیا گیا۔ جسکے کتبات اب تک بعض بلند ٹیلے اور نسب کردہ پتھرون پر پاے جاتے ہین۔ اچھی طرح پڑھے جاتے ہین۔ اور حیرت ہوتی ہے کہ جن حروف کو کندہ ہوے تقریباً ۲۴ صدیان گزر گئین۔ وہ ایسے واضح و روشن ابتک کیونکر رہ سکے۔ ان کتبات کے چارسو کلمات تک دریافت کیے گئے۔ اور محسنین آثار قدیمہ نے بچشم خود دیکھے ہین۔

۴۔ عصر ساسانی یا فارسی وسطیٰ۔ اس عہد مین ژندی حروف سے کتب مقدسہ کی کتابت رائج تھی۔ جس مین تین۳ حروف ساکن اور گیارہ۱۱ حروف متحرک استعمال ہوتے تھے۔ عام کتابت پہلوی خط سے ہوتی تھی۔

---

[1] اس عہد کے دو ٹکڑے ہین۔ اول سنہ [illegible] قبل مسیح سے سنہ [illegible] قبل مسیح تک جسمین تخت و تاج اشورین کے فرق قدم کو بوسہ دیتا تھا۔ اور دوسرا ٹکڑا وسط سنہ [illegible] قبل مسیح تک جسمین مادیین کا ستارۂ اقبال افق ایران پر چمکتا تھا۔

[2] یہ خط آج بھی اُن مقامات پر رائج ہے جہان اشورین کا وجود ہے مثل مابین النہرین وغیرہ کے۔

یہ خطوط باہم بھی اور آرامی سے بھی مختلف تھے۔

پہلوی حروف کی دو مختلف شکلین ہین۔ جنہین سے ایک کو پہلوی آرامی سے تعبیر کرتے ہین۔ اور دوسری کو پہلوی ساسانی دونون کی اشکال نقشہ مین ملاحظہ کیجیے۔

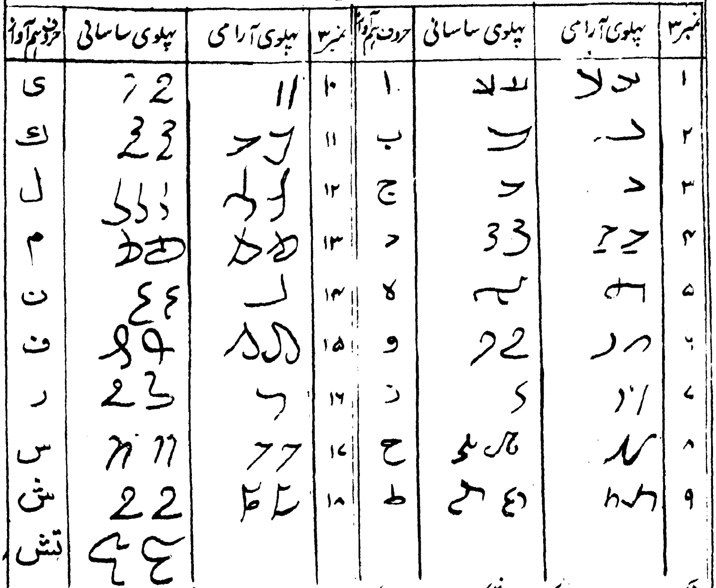

نمبر	پہلوی آرامی	پہلوی ساسانی	حروف ہم آواز	نمبر	پہلوی آرامی	پہلوی ساسانی	حروف ہم آواز
۱			ا	۱۰			ی
۲			ب	۱۱			ک
۳			ج	۱۲			ل
۴			د	۱۳			م
۵			ه	۱۴			ن
۶			و	۱۵			ف
۷			ز	۱۶			ر
۸			ح	۱۷			س
۹			ط	۱۸			ش
							تش

انکے سوا پہلوی حروف کی چند اور شکلین بھی ہین۔ جو ایک دوسرے سے ویسی ہی مختلف ہین جیسے ہمارے یہان خط نسخ نستعلیق سے مختلف ہوتا ہے۔ جنکے استعمالات مختلف طور پر ہوتے تھے۔ مثلاً وہ حروف جو سکون پر نقش کیے جاتے تھے اُن حروف سے مختلف ہوتے تھے جو پتھرون پر کندہ کیے جاتے تھے۔ اور پتھرون کے کندہ شدہ حروف کتابت کے حروف سے مختلف ہوتے تھے۔

ان پہلوی حروف کے کتبات بھی ایسے دریافت کیے گئے ہین جو اسفینی کتبات سے بھی قدیم ہین۔ اگرچہ حدوث ایام کی وجہ سے اُن کے نقوش مدہم پڑ گئے ہین۔

ان کتبات دریافت شدہ مین زیادہ تر کتابی حروف کے ہین۔ اس مین ایرانی فوج کے سردار عرب سرداران فوج سے جنگی معاملات کے متعلق مراسلت کیا کرتے تھے۔

ان خطوط کی شان فارس مین حکومت اسلامی کے بعد سے عربی خط کی شان سے مبدل ہو گئی۔

گُجراتاع زردشت کتابت کتب مقدسہ مین اُسی کو احتراماً استعمال کرتے ہین کیونکہ اسی مین قدیم سے کتب مقدسہ کی کتابت ہوتی آئی ہے اس لیے اُسکی حفاظت بھی وہ لوگ اپنے اعتقاد مین جزو ایمان سمجھتے ہین

عالی

مخمس بر غزل جامیؒ

تا کُجا از جوشِ وحشت خانہ را صحرا کنم — تا یکے از چشمہاے خود روان دریا کنم
در فراقش این چنین تا چند واویلا کنم — کے بود یارب کہ رو در یثرب و بطحا کنم
گہ بہ مکہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم

گھٹ کے رہ جاتا ہی دل ہی دلمین دل کا حوصلہ — ہوکے مایوسی سے شل گر پڑتے ہین دستِ دعا
آپ تک آنے نہین دیتا ہے بخت نارسا — یارسول اللہ بسوے خود مرا راہے نما
تا ز فرقِ خود قدم سازم ز دیدہ پا کنم

ہجر کی اک آگ سینہ مین ہی کب سے مشتعل — یہ تمنا ہے کہ جب ٹوٹے طلسمِ آب و گِل
قبرِ عاشق بھی در معشوق سے ہو متصل — آرزوے جنت الماوی برون کردم ز دل
جنتم این بس کہ بر خاکِ درت ماوا کنم

سوے یثرب یون چلا ہون جنگ مین دل ملول — دامن غربت مین ہین تیرے گلشن الفت کے پھول
زندگی بھر کی وہان ہو جائیگی محنت وصول — گرد صحراے مدینہ بوئیت آید یا رسول
جان خود را من فداے بوے آن صحرا کنم

آرزو ہے جب زیارت کا ہو حاصل افتخار — دل جو پہلو مین تو سینہ مین جگر ہو بیقرار
یون طوافِ روضۂ اقدس کرون دیوانہ وار — بر در باب السلام آیم بہ گریہ زار زار
گہ بہ باب جبرئیل از شوق واویلا کنم

ہین پسند طبع بس اشعار حمد و نعت کے — دل کو بھاتے ہین شب معراج ہی کے تذکرے
کام ہے اب صدق کو شاہا انھین اشغال سے — مُردم از شوق تو معذورم اگر ہر لحظۂ
جامی آسا ہر زمان وصفت دگر املا کنم

صدق جائسی

شاہی کچہریان

آخری شاہ اودھ جان عالم ابوالمنصور ناصرالدین سکندرجاہ مرزا محمد واجدعلیشاہ بہادر متخلص بہ اختر کے عہدمین وزارت کے عہدے پر پہلے نواب امین الدولہ عمدۃ الملک امداد حسین خان بہادر ذوالفقار جنگ تھے یہ کسی وقت بادشاہ کے اُستاد تھے لیکن ذراثقل سماعت تھا - ایک روز نواب امین الدولہ بہادر بگھی پر سوار دردولت پر جارہے تھے کہ ملکہ زمانیہ کے امام باڑے کے قریب حیدرخان وفضل علی وتفضل حسین وعلی محمد نے بندوقین سرکین اور ایک آدمی نے پاؤن پکڑ کر بگھی سے کھینچ لیا اور شانہ وساعد پر کئی زخم کاری لگائے اور چھریان کھینچ کر نواب کو حلقے مین لے لیا - نواب رزیڈنٹ بہادر کو خبر ہوگئی اور وہ بروقت آگئے دشمنون کو گرفتار کرکے نواب کی جان بچائی بادشاہ نے انکی جگہ پر مدارالدولہ منتظم الملک علی نقی خان بہادر سہراب جنگ کو عہدۂ وزارت پر ممتاز فرمایا -

بادشاہ کے عہدمین کچہری کا عملہ بہت معقول تھا جسکا بیان ضروری ہے -

دیوان خاص - اسکا افسر داروغہ دیوان خانہ کہلاتا تھا - تمام شاہی احکام داروغۂ دیوان خاص کے نام جاری ہوتے تھے زبانی پیام بھی حضور کے دیوان خاص کی معرفت آتے تھے اور دردولت کی تمام فرمائشون کی تکمیل دیوان خاص سے ہوتی تھی - دیوان خاص ایک بہت وسیع عمارت مین تھا جو حضرت گنج مین دردولت کے سامنے تھی بادشاہ کے سلام کرنے والے لوگ دربار مین حاضر ہونے والے لوگ دیوان خاص مین عرضی بھیجتے تھے -

دیوان عام - یہ کچہری دیوان خاص کے ماتحت تھی - تمام خبرین اسکی معرفت پیش ہوتی تھین اور عام مقدمات کی اپیل سُنی جاتی تھی - ایسی عرضیان جن سے دردولت کو کوئی تعلق ہوتا تھا پیش ہوتی تھین مہتمم اسکا داروغۂ دیوان عام ہوتا تھا یہ دفتر بھی دردولت کے سامنے تھا -

دفتر خزانہ مصارف - اس دفتر مین تمام خرچ اور آمدنی کا حساب بمقابلۂ دفتر یونانی مرتب ہوتا تھا اورانی علاقون مین خزانچی روپیہ موجود رکھتے اور ترسیل زر کے لیے صدر خزانہ کی طرف سے مقرر ہوا کرتے تھے اور تنخواہ عدالتون کے ملازمون اور شاگرد پیشون کی خزانے سے تقسیم ہوتی تھی - اور اعلے افسر دبیرالدولہ مدبرالملک میر عبداللطیف خان بہادر مقیم جنگ تھے -

بیت الانشا - یا دفتر منشی خانۂ سلطانی - اس دفتر مین سرکاری حکم تحریر ہوا کرتے تھے اور ان کی نقل

محافظ خانہ سرکاری مین بھیجدی جاتی تھی اور پیام رازونیاز کی حفاظت کی جاتی تھی اور ایک منشی الملک سردفتر مقرر ہوتا تھا۔ اس دفتر مین مقدمات کے فیصلے اور عرضداشت کے جواب لکھکر بادشاہ کے سامنے پیش کرتے تھے حضور دستخط سے مزین فرماتے تھے۔

دفتر وزارت۔ اس دفتر کا تعلق براہ راست وزیر سے ہوتا تھا۔ دفتر کے ملازمون کی بحالی اور موقوفی کا اختیار وزیر کو ہوتا تھا۔ داروغۂ دیوان خانۂ وزارت کی معرفت تمام احکام وزارت نافذ ہوتے تھے اور جملہ کاغذات احکام وحساب وکتاب شاہی بغیر نشانی دفتر وزارت غیر معتبر سمجھے جاتے تھے۔ وزارت کے تمام احکام عدالت کے دفترون مین بھیجے جاتے تھے۔

چور کچہری۔ بادشاہ کی طرف سے ایک کچہری ہوتی تھی جو خفیہ اوباشون اور بدوضعون کا حال دریافت کرنے کے لیے مقرر کی جاتی تھی۔

سررشتہ اخبار ڈیوڑھیات۔ اس محکمے کے ہرکارے محلات شاہی اور روسا وامرا کی ڈیوڑھیون پر مقرر ہوتے تھے کہ خبرین لایا کرین اور پرچے خبرون کے تحریری بذریعہ مہتمم پیش ہوتے تھے اور خبر تدارک طلب پر احکام مناسب صادر ہوتے تھے۔

کوٹ گشتی۔ اس سررشتے کی طرف سے خفیہ پولیس کے لوگ تمام شہرون مین گشت کرتے تھے اور کچہریون کے عاملون اور شاہی ملازمین کے خیالات اور پبلک کی خبرین اور ضروری امور کی رپورٹ بذریعہ تحریر پیش کرتے تھے۔

سررشتہ روند۔ اس کا تعلق پولیس سے تھا۔ ایک ایک انسپکٹر حلقہ چند سوار اور سپاہیون کے ساتھ شب و روز گشت کرتا تھا اور جرائم پیشہ لوگون کو گرفتار کرکے تھانے مین بھیجدیتا تھا اور فوجداریون کی رپورٹ کرتا تھا۔

سررشتہ اخبار ملکی۔ اس کچہری کے دفتر سے ایک ایک رپوٹر تمام علاقون اور تحصیلون مین مع ہرکارون کے ناظم اور چکلہ دار اور تحصیلدار کے تعینات رہتا تھا اور ہر ایک رپوٹر ہرکارون کی معرفت زمیندارون اور رعایا کے خیالات سے اعمال کو اطلاع دیتا اور اس کا مہتمم اُن اطلاعون کو شاہی دفاتر مین بھیجدیتا تھا۔ جو بات لائق تحقیقات ہوتی اُسپر حکم نافذ ہوتا۔

سررشتہ اخبار دفتران شاہی۔ اس سررشتے کی طرف سے دفتر وزارت۔ دفتر دیوانی۔ دفتر فوجداری بخشی گری

اور جملہ کچہریون مین ایک ایک اخبار نویس مقرر ہوتا تھا جو روزمرہ ضروری امور کی رپورٹ کرتا تھا۔

دفتر دیوانی - اس دفتر مین تمام حساب وکتاب مداخل و مخارج معافی جاگیر وغیرہ کا ہوتا تھا اور امانی علاقون پر اہل کار بھیجے جاتے تھے۔

دفتر بیت الاجرا۔ جو کاغذات منشی خانۂ شاہی سے آتے تھے حسب ضابطہ مُہر بیت الاجرا سے مزین ہو کر دوسرے دفترون مین تکمیل تعمیل کے لیے ارسال کیے جاتے تھے۔ یہ دفتر بیت الانشا کے ماتحت تھا۔

دفتر بخشی گری۔ اس دفتر سے جملہ احکام ملازمان فوج کے متعلق نافذ ہوتے تھے اور فوج کی تنخواہ تقسیم ہوتی تھی۔

محکمہ صدر امانت۔ اس دفتر کا صدر مہتمم صدر امانت کہلاتا تھا اور امین اس محکمے کے اسکے ماتحت ہوتے تھے اراضیات کے متعلق تمام مزارعات کا فیصلہ اسی سررشتہ سے ہوتا تھا۔

محکمہ عدالت عالیہ اس کچہری مین تصفیہ ترکہ و املاک و قرضہ وغیرہ کا اور دیگر مقدمات دیوانی کا فیصلہ ہوتا تھا اور دعوی متعلق شادی کا غدر پیش ہوتا تھا بعد فیصلے کے چہارم حق کمیشن عدالت مدعی سے لیا جاتا اور خرید و فروخت مکانات کا قبالہ دیا جاتا تھا اور زر فیس کی رسید باضابطہ دی جاتی تھی

محکمۂ کوتوالی۔ اس محکمے کے ماتحت تمام تھانے تھے اور ہر تھانے مین تھانہ دار۔ محرر۔ سپاہی حسب ضرورت مقرر ہوتے تھے۔ مقدمات کی سماعت محکمۂ کوتوالی مین ہوتی تھی اور کوتوال شہر سے ایک اقرار نامہ اس امر کا لیا جاتا تھا کہ جس مال مسروقہ کی سراغ رسانی نہو گی اسکا روپیہ کوتوال سے لیا جائے گا۔

محکمۂ مرافعہ۔ یہ محکمہ مجتہد العصر کے ماتحت ہوتا تھا اور اسکے افسر شیعہ مفتی مقرر ہوتے تھے اور انکی اپیل مجتہد العصر کے محکمہ مین ہوتی تھی اور محکمہ فوجداری کی اپیل بھی اسی محکمے مین ہوتی تھی۔

سررشتہ پولیس۔ یہ محکمہ ڈکیتی اور ٹھگی کے انسداد کے لیے مقرر تھا اس محکمہ مین جمعیت سوار اور پیادون کی کافی موجود رہتی تھی۔

محکمہ تھانہ صدر الصدور۔ یہ محکمہ ایک مجتہد کے تحت مین مقرر ہوتا تھا اور تمام تھانون کے فیصلے کی نگرانی کا اسکو کامل اختیار تھا۔

محکمہ قرضہ۔ اس محکمہ مین مقدمات فیصل ہوتے تھے۔

محکمہ بیت الضرب۔ اس محکمہ کے متعلق ایک ٹکسال تھا جہان روپیہ پیسہ اشرفی پر ٹھپہ لگایا جاتا تھا۔

سررشتۂ نزول۔ اس محکمہ سے املاک نزول متعلقۂ شاہی کی نگرانی متعلق ہوتی تھی۔

سررشتہ پرمٹ۔ اس سررشتے سے اجناس کے نرخ اور پرمٹ کے متعلق قانون نافذ ہوتے تھے۔

سررشتہ آبکاری۔ اس سررشتے سے شراب پر ایک خفیف محصول لگایا جاتا تھا مگر جو لوگ اپنے گھر مین شراب تیار کر لیتے تھے اُن سے کوئی مواخذہ نہوتا تھا۔ شراب فروش کو میونسپلٹی کی حدین کاروبار کی اجازت نہوتی تھی۔ شہر سے پانچ کوس باہر اسکی دوکانین ہوتی تھین۔

سررشتہ دواب۔ اس محکمے مین رتھ خانہ۔ توپ خانہ اور اصطبل کا حساب و کتاب رہتا اور اُنکی ضروریات کا انتظام کیا جاتا تھا۔

محکمہ نظامت۔ ہر نظامت مین تین چار چکلے ہوتے تھے۔ ہر چکلے دار کی ماتحتی مین تحصیلدار محال ہوتے تھے ہر ناظم کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنی سواری کا جلوس شاہانہ رکھے اور سواری کے ساتھ چوبدار عصا بردار۔ بلم بردار آگے آگے نقیب خوش الحان آواز لگاتے تھے تعلقون کی آمدنی خزانہ عامرہ سلطانی مین داخل ہوتی تھی اور حساب اسکا متعلق دفتر دیوانی رہتا تھا۔ اضلاع لکھنؤ کا ایک عامل خاص ہوتا تھا اکثر علاقے ٹھیکے پر دیے جاتے اور ٹھیکے دار مستاجر کہلاتے تھے۔ مستاجری مین فوج سپاہی بدستور تعینات رہتی تھی اور وقت ضرورت مدد دیتی تھی عملہ تحصیل و تحریر مستاجر کی تجویز سے مقرر ہوتا تھا انکو کل انعامات مستاجر لیتا تھا اور جب علاقہ امانی ہوتا تھا تو اُسوقت بادشاہ کی طرف سے ناظم اور چکلے دار مقرر ہوتے تھے اور تنخواہ خزانۂ عامرہ سے ملتی تھی۔ افواج شاہی کے علاوہ ناظم کے ہمراہ سپاہ سہ بندی ملازم ہوتی تھی ناظم اسکے عزل و نصب کا اختیار رکھتا تھا۔ سہ بندی کے سپاہیون کو پونے دو روپیہ ماہوار تنخواہ دیتا تھا اخبار نویس ہرکارے خبر رسان ہر نظامت مین رہتے تھے۔ آغاز سال کنوار کے مہینے مین ہوتا تھا۔ کوئی تعلقہ دار بغیر بھیان گیری ناظم کے عدالت سلطانی مین نہین آتا تھا ناظم انکو بحفظ تمام علاقے مین پہونچا دیتا تھا۔ تعلقہ دار اکثر سرکشی پر آمادہ رہتے تھے اور مالگذاری سرکار کی برسون ادا نہ کرتے تھے حتیٰ کہ نوبت فوج کشی کی آتی تھی اور گرفتار ہوتے تھے۔ تو گزشتہ مالگذاری کو معاف کرا کے آیندہ کی ادائی کا عہد واثق کرتے تھے۔ اکثر زمیندار اپنے اپنے علاقون مین ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ اور کبھی تعلقہ دار اپنی رضامندی سے زر مالگذاری کے وصول کرنے کا اختیار سرکاری فوج کے متعلق کر دیتا تھا کہ وہ سرکش اسامیون سے مالگذاری وصول کر لے اس بندوبست کا نام جمبوگ تھا۔

خواجہ عبد الرؤف عشرت لکھنوی

زبان گویا

(خواجہ الطاف حسین صاحب حالی مدظلہ کا مضمون کسی قدر تصرف خیالات کے ساتھ نظم کیا گیا ہے)

اے زبانِ دہانِ تنگ اے ٹنگ[1]
تجھکو کس نے سکھائی یہ نیرنگ

اے مری عندلیبِ خوش الحان
اے مری طوطیِ فصیح بیان

اے بلاغت کی جان جانِ سخن
اے فصیح البیان اے ارگن

آلۂ نطق بولنے کی مشین
صفتِ خالقِ زمان و زمین

صاحبِ تیغِ بے نیام ہے تو
مالکِ گوہرِ کلام ہے تو

قفلِ اخلاق کی کلید ہے تو
لائقِ دید اور شنید ہے تو

بس کی تو گانٹھ زہر کی پڑیا
بولتی چالتی ہوئی گڑیا

تیرے ہر بول کا ہے رنگ جدا
تیرے ہر پھل کا اک نیا ہی مزا

ہر بیان میں ہے تیری سوز و گداز
دل میں کھبتا ہے تیرا ہر انداز

تو لا کرتی تھی جب ادھوری بول
نہ نکلتے تھے منہ سے پورے بول

جب بھی تیرے نہاں نہ تھے جوہر
صاف ظاہر تھے دوہرے دوہرے اثر

بھولی باتوں سے گہ ہنساتی تھی
کبھی شوخی سے دل دکھاتی تھی

آگئی جبکہ تجھ میں گویائی
تازہ گلشن میں اک بہار آئی

پھر تو کھلنے لگے ترے جوہر
کام سب منحصر ہوئے تجھپر

اے زبان تیری ہیچ تیری قوم
کر سکے گا بیان نہ کوئی قلم

عربی۔ سنسکرت۔ لاطینی
فارسی و تلنگی و چینی

ترکی و روسی و دری پشتو
ارمنی۔ ہندی۔ اردو اور ہیرو

انگلش و جرمن و فرینچ و گریک
سبھی تو پیٹتے ہیں تیری لیک

قوم مرتی ہے تو نہیں مرتی
سچ ہے تحریر ہے کہیں مرتی

ذکر تیرا کتابوں میں بیشک
نام لیوا ترے ہیں پتھر تک

تو ذریعہ ادائے مطلب کا
تو نمونہ ہے قدرتِ رب کا

مجھسے اندازہ تیری قدرت کا
سچ تو یہ ہے کہ ہو نہیں سکتا

گو کہ تیری بساط ہی ہے کیا
اک ذرا سا ہے گوشت کا ٹکڑا

چاہے لیکن تو گردنیں کٹ جائیں
دل ہے کیا مال سر تلک پھٹ جائیں

جسکو چاہے ابھی لڑا دے تو
پھر جو چاہے گلے ملا دے تو

پھانسی میں بیگنہ کو لٹکا دے
چلتی گاڑی میں روڑا اٹکا دے

تو یگانہ کو کر دے بیگانہ
ہے یہ افسون ترا نہ افسانہ

میٹھی باتوں سے کرتی ہے جب رام
خیر ہوتے ہیں بندۂ بے دام

---

[1] انگریزی لفظ جسکے معنے زبان کے ہیں۔

تیری باتون مین ہے گھُلی شکر قند سے بھی مٹھاس مین بڑھکر
بول کڑوے این جو ترے لیکن اُنکے آگے ہے مات اندرائن
نوک تیری ہے نوک خنجر کی بلکہ اُس سے بھی بڑھکے نشتر کی
تیرے کاٹے کا ہے کہان منتر تو ہے مارسیہ سے بھی بڑھ کر
ہان مین تیری عجب لذت ہے ہان نہین تیری اک قیامت ہے
جھوٹ کو سچ کرے تو سچ کو جھوٹ میل چاہے کرے کہ ڈالدے پھوٹ
تو بدلتی ہے رنگ گرگٹ کے تو سٹاتی ہے قوم کو مٹ کے
کبھی تو سوز ہے کبھی ہے ساز کبھی دھیمی کبھی بلند آواز
کبھی تو نرم ہے کرخت کبھی گہ ملائم ہے اور سخت کبھی
کبھی تریاق ہے کبھی تو زہر کبھی تو رحم ہے کبھی تو قہر
کبھی واعظ کے نغمہ کی ہے تو زبان کبھی مجذوب کی ہے بر مین عیان
کبھی بھٹیاریون کی گالی گلوچ گندے پانی کی جسطرح ہو موج
باتین متوالون کی اٹرنگ ٹرنگ کبھی کرتی ہی ترے ظاہر ڈھنگ
کبھی تو نیک ہے کبھی ہے بد کبھی ضد ہی تجھے کبھی ہے کد
کبھی ناصح کی تو نصیحت ہے عیب جو کی کبھی ملامت ہے
کبھی سرکش ہے اور کبھی ہے رام کارآمد کبھی کبھی بے کام
کبھی خاموش ہے کبھی سرجوش متقی ہے کبھی کبھی مے نوش
ہے مہذب کبھی کبھی لسّان ہے شناسا کبھی کبھی انجان
کم سخن ہے کبھی کبھی بکّی اپنی دہن کی غرضکہ ہے پکّی
کبھی کچھ کہتی کچھ کبھی کہتی ایک حالت پہ تو نہین رہتی
گر ہے سچی تو جان تالب ہے جی کی جنجال ہے جو کاذب ہے
جھوٹ غیبت۔ برُا۔ بھلا کہنا انھین دھندون مین رات دن رہنا
گر یہی رکھیا ہے تیرا کام پھر خدا ہی کرے بخیر انجام
گر ہے جھوٹی تو تجھ سے کیا حاصل مُنہ مین رکھنے کے بھی نہین قابل
جھوٹ تو بولے سر کٹائین ہم یہ نہوگا زبان خدا کی قسم
لائینگے راہ راست پر تجھ کو ہمین اب چاہیے زبان کچھ ہو
تیرا جوہر ہے راست بازی بس جیسے بڑھ کے اب یہ بازی بس
کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست راستی موجب رضاے خداست
تجھ مین باقی نہین جو یہ جوہر پھر تو چھیچڑے سے بھی بدتر
نام تیرا بڑا ہے کام بڑے تیری قسمت بڑی ہے دام بڑے
تام تیرا ہے رازدار و امین کام تیرا ہدایت و تلقین
نام تیرا ہے کاشف اسرار دل کے بھیدونکی ہے امانت دار
دل کی ہے غمگسار بھی تو ہی دل کی ہے یار غار بھی تو ہی
دل موکل ترا ہے تو ہے وکیل ٹھیک اُتری ہے تجھ پہ یہ تمثیل

حلم ہے اک خزانۂ غیبی حوصلہ اسکا قفل تو کنجی
دل اگر ہے خزانچی اُس کا تو محاسب ہے فرض تیرا ہے کیا

خرچ یہ بے محل نہ ہونے پائے | پڑ نہیں لینے کے دینے تجھے جائے | روح سے بھی ترا تعلق ہے | تجھکو ہر عضو پر تفوق ہے

اسکی قاصد ہے اسکی پیغامی | دیکھ پیغام میں نہ ہو خامی | روح کیا شے ہے بولتا دم ہے | یہ سلامت اگر تو کیا غم ہے

تیرے دم سے ہے اسکی ساری دھوم | اسکی کیا دھوم ہے ہماری دھوم | منھ میں ہے قید پھر بھی ہے آزاد | سارے آزادوں کی جگت استاد

گو کہ تبیس دانتوں میں ہے دبی | کم نہیں پھر بھی تیری آزادی | ایسی منھ پھٹ کہ منھ پہ کہتی ہے | رنج دیتی ہے رنج سہتی ہے

تیرا زیور ہے تیری آزادی | جس کا منشا ہے عین بربادی | سچ ہے سونا وہ کون مصرف کا | پھٹ پڑے جس سے کان ہی اپنا

بولتا دم رہے ترا آباد | یہ نصیحت رہے ہماری یاد | بولتی ہے تو بول اچھے بول | ورنہ بہتر یہ ہے کہ منھ ہی نہ کھول

بول میں لفظ لفظ کے معنی | بول ہرگز نہ لفظ بے معنی | تیرے رتبے بڑے بڑے درجے | کم وہ برسے ہیں جو بہت گرجے

قول سے فعل ہو نہ تیرا جدا | جتنا کہتی ہے اتنا کر کے دکھا | سوچ کر بات کرنا ہے لازم | تاکہ ہونا پڑے نہ پھر نادم

پھر نہ آئے گی ہاتھ یہ ہیہات | منھ سے نکلی ہوئی پرائی بات | تجھکو دی ہے خدا نے گویائی | نطق کی اپنے کر نہ رسوائی

رکھتے ہیں جانور بھی منھ میں زبان | کام کی باتیں لیکن انکی کہاں | تجھسے انسان اشرف و افضل | تجھ سے انسان کامل و اکمل

تجھسے انسان کا ہوا اعزاز | ہے خلافت کے درجے پر ممتاز | آبرو ہے ہماری تیرے ہاتھ | دیکھ ایسا نہ کر ہمارے ساتھ

تو جو سیدھی ہے اک جہان سیدھا | تو جو ٹیڑھی ہے اک جہان ٹیڑھا | تو جو بیجا زبان ہے تو ہے زیان | ورنہ بیشک زبان ہے بلکہ زبان

اس پہ گر تو ہے پیٹ کی ہلکی | خیریت پھر نہیں ہے اک پل کی | عافیت ہو عاقبت کو سنبھال | ہے مثل کیا بھلے بری احوال

کس پہ یہ چال ایسی چلتی ہے | تو جو سوتے میں بھی پھسلتی ہے | گر نہیں تیرا گوش ناشنوا | سن لے پھر یہ قمر کا بھی کہنا

کہیں کھینچی نہ جائے گدی سے | کہیں دب ہی نہ جائے دانت تلے | جو چلا دور گر وہ گرتا ہے | پھر خدا ہی کے گھر سے پھرتا ہے

اے خدا تو نے دی ہے ہمکو زبان | شکر اسکا ہو کس زبان سے بیان | پھر زبان بھی وہ دی جو ہو گویا | حیف ہے گر نہ ہو تری جویا

ذکر میں تیرے گر نہ ہو مصروف | اسکا پھر بولنا ہی ہو موقوف | اے خدا کر عطا زبان میں اثر | اے خدا دے مری بیان میں اثر

دے قمر کو بھی رحمت گفتاری | نہ کند کار رخنہ نکو کاری

سید قمر الدین احمد قمر سندیلوی

سنہ ۱۹۱۲ء مین محمود نے کیا کہا تھا؟

(سلسلے کے پیے اناظر نمبر ۴۴ بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۱۳ء ملاحظہ ہو)

دوسرا باب

ڈپٹی صاحب "کیون مرزاجی آپ نے ایسا اندھیر کبھی آنکھون سے دیکھا ہے"

مرزا صاحب (اپنی سفید ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر) "اتنی عمر ہو گئی مگر ایسا معرکہ نہ دیکھا نہ سنا نہ کتابون مین پڑھا - واللہ مجھے تو پہلے یقین نہین آیا - مگر جب احمد علی صاحب نے فرمایا کہ یہ انکا چشم دید واقعہ ہے تو مین سکتہ کے عالم مین رہگیا -

احمد علی "حضرت میرے تو ہنستے ہنستے پیٹ مین بل پڑ گئے"

حاضرین مین سے ایک مولوی صاحب (ذرا بلند آواز سے) "صاحبو! یہ ہنسنے کا مقام نہین ہے بلکہ رونے کا حیف صد حیف - قوم کی اس بداقبالی اور لامذہبی پر"

ڈپٹی صاحب "اور آپ صاحب بہادر کے خاندان سے بھی واقف ہین"

مولوی صاحب "ہان جناب - اس گمراہ لڑکے کے والد مرحوم خدا انکو غریق رحمت کرے میرے بہت کرم فرما تھے - خاندانی شرافت مین وہ یکتا تھے مگر صد افسوس! آج انکے لڑکے نے انکے نام نیک کو خاک مین ملا دیا اور اپنے آپ کو اس قابل نہ رکھا کہ کوئی اس کی صورت دیکھے"

ایک اور صاحب "کیون صاحب لڑکے کے والد کا نام احمد مرزا تھا نہ - وہ تو اک زمانہ مین یہان صدر (اعلیٰ) رہ چکے ہین - مجھے ان سے بڑے مراسم تھے - شرم آتی ہے کہ انکی عزت ایسے لچے اور بیحیا آدمی کے ہاتھون برباد ہو"

ڈپٹی صاحب (حقہ کا ایک کش لے کر اور پاؤن تخت پر پھیلا کر) "آپ کا فرض ہے کہ انکو اس بدبختی کی حرکتون سے اطلاع دین تاکہ وہ یہان آکر اپنے نالائق [illegible] صاحب کی اصلاح کرین"

مولوی صاحب "قبل اسکے کہ وہ آئین - یہ معاملہ قومی اور مذہبی ہے - اور ہمارا فرض ہے کہ اس کا انسداد ہم کرین"

اس پر ہر طرف سے "بجا ہے" "بے شک" کی صدائین بلند ہوئین -

احمد علی - (ایک آہ سرد بھر کر) "اس کمبخت نے کسی میم کے ساتھ شادی کی ہوتی تو بہتر ہوتا کیونکہ

اُس صورت مین ہمین اسقدر شکایت کرنے کا موقع نہوتا۔ اور اس کا جو جی چاہتا کرتی۔ مگر ایک شریف گھرانے کی لڑکی کو اس طرح رسوا کرنا۔ واللہ میرے گمان سے باہر ہی کہ وہ خود کس طرح اسکی روادار ہوی ''

مولوی صاحب۔'' اُس ظالم کے پنجہ مین پھنس گئی ہے۔ غریب بے بس و ناچار ہے۔ میرے تو خیال کرنے ہی سے آنسو نکل آتے ہین'' (اسکے ثبوت مین اُنھون نے جیب سے رومال نکال کے اپنی خشک آنکھون کو خوب مل مل کر پونچھا)

احمد علی۔ جناب! بندہ کو تو اب یہ اندیشہ ہی کہ اس شخص کی بیہودہ تقلید مین ہمارے دوسرے نوجوان نہ خراب ہو جائین فیشن کے زہریلے اثر سے خدا پناہ مین رکھے۔ دیکھیے جب بعض لوگون نے شروع شروع کوٹ پتلون استعمال کیا تو کتنی جلدی اُس کا رواج پھیل گیا کہ اب عام طور پر تمام نوجوان بے باکانہ اسی وضع بن پھرتے ہین''

ڈپٹی صاحب۔ (غور کرنے کے بعد) بیشک بات تو صحیح ہے لیکن شکر ہے خدا لایزال کا کہ ایسی بیہودہ بے پردگی کے ماننے والے شاذ و نادر ہی نکلین گے۔ مگر پھر بھی خراب اثر کا اندیشہ ضرور ہے۔ (ہنسکر) مین نے گھر مین جب یہ ذکر کیا تو اُنکو واللہ یقین نہین آتا تھا۔ میری چھوٹی لڑکی کے دل مین تو اُس وقت سے ایسا ہول سما گیا ہی کہ بار بار پوچھتی ہے'' ابا جب ہم بڑے ہو جائین گے تو ایسی جگہ تو شادی نہ کروگے کہ میان ہمارا مُنھ کھول کر سب کو دکھاے ''

اسپر بڑے زور سے قہقہہ لگایا گیا اور چھوٹی لڑکی کو بلانے کی فرمایش کی گئی مگر ڈپٹی صاحب نے یہ عذر کر کے ٹال دیا کہ سو گئی ہے۔

احمد علی۔ میری راے یہ ہے کہ اس معاملہ مین سرگرمی عجلت اور باقاعدگی کے ساتھ کارروائی کی جائے اور اس شہر کے مسلمان شرفا پر بدنامی کا جو دھبہ آیا ہے اُسکو جلد دور کرنے کی کوشش کی جاے''

مولوی صاحب۔'' تو آپ ہی ارشاد فرمائیے کہ کیا تدبیر کی جاے؟''

[illegible] علی نے جنھون نے بہت سے قومی جلسون مین حصہ لیا تھا اور کئی انجمنون کے صدر رہنے کی عزت رکھتے تھے۔ مع نہا میموریل اور پبلک کامون مین خاص قسم کی دستگاہ رکھتے تھے'' اولاً میری راے یہ ہے کہ نرمی سے کام لیا جاے اور ایک میموریل مسٹر محمود کے پاس اس شہر کے تمام شرفا کا دستخطی پیش کیا جاے کہ وہ ان حرکات سے باز آئین۔ بعد ازان اگر کچھ اثر نہو تو اُنکے خسر صاحب کو ایک خط لکھا جاے۔ اگر اُن کا بھی کہنا نہ مانین تو

کلکٹر صاحب کی خدمت مین ہم سب چل کر یہ عرض کرین کہ اُنکو یہان پریکٹس (پیشہ وکالت) کرنے کی اجازت نہ دی جائے"

"ڈپٹی صاحب:- یہ آخری تدبیر تو ذرا ناممکن سی معلوم ہوتی ہے البتہ مین یہ کر سکتا ہون کہ یہان کے حکام اور موکلون کو برانگیختہ کر کے ان حضرت کے چھکے چھڑا دون کہ ایک پیسہ نہ ملے اور پھر یہان سے مجبوراً واپس جانا پڑے"

مولوی صاحب:- معاف فرمائیے مگر بندہ اس آخری تدبیر کے خلاف ہے کیونکہ اول تو جس جگہ یہ جائین گے وہین کے مسلمانون کی بدنامی ہوگی- دوسرے اس کا کچھ اثر نہ ہوگا کیونکہ یہ لڑکا مین جانتا ہون بڑا ہی ضدی ہے اور صاحب ثروت بھی- اسلیے اگر اُسے وکالت مین ایک حبہ بھی نہ ملے تو اپنے زعم مین یہان سے نہ ٹلے گا۔"

غرضکہ بعد رد و قدح پہلی اور دوسری تدابیر پر سب کا اتفاق ہوا اور تیسری بھی آخری موقع کے لیے اُٹھا رکھی گئی مولوی صاحب کے فرمانے پر کہ "درکار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست" میموریل تیار کرنے کا کام اُنکے سپرد کیا گیا کیونکہ وہ سب سے زیادہ ذی علم اور راسخ لوگون مین سمجھے جاتے تھے- چنانچہ اس جلسہ کے برخاست ہونے کے دو دن بعد مولانا نے بڑی قابلیت کے ساتھ بیسیون کتب حدیث و فقہ کے حوالے سے پند و نصائح کا ایک بیس صفحہ کا رسالہ مرتب فرمایا اور بڑی سرگرمی کے ساتھ تمام شرفا (جنکی تعداد کوئی ڈیڑھ سو کے قریب تھی) کے دستخط اُسکے آخر مین ثبت کرائے- پھر ڈپٹی صاحب کے مکان پر ایک جلسہ مین سب کو پڑھکر سُنایا- اور جب حاضرین کی تحسین و آفرین نے قبولیت کی مہر اُسپر لگا دی تو یہ صلاح ہوئی کہ دوسرے روز دونون حضرات یعنی مولوی صاحب اور احمد علی صاحب بیرسٹر صاحب کے بنگلہ پر تشریف لے جائین اور انکو راہ راست پر لانے کی کوشش کرین- دوسرے دن اتفاق سے جمعہ کا دن تھا اسلیے مولانا نے جمعہ کی نماز کے بعد وعظ مین بھی پردۂ نسوان اور عورتون کی آزادی پر بہت بحث کی اور کنایتہً لوگون پر ظاہر کر دیا کہ اُنکے شہر مین دن دہاڑے ایسی بدعت ہو رہی ہے- اور شیطان ایک گمراہ شخص پر اسقدر غالب ہے کہ سب مسلمانون پر فرض ہو گیا کہ اُسپر بد اخلاقی کا فتوٰی صادر کر کے اُسکو ہدایت کرین اور اگر نہ مانے تو شہر بدر کرین- کہ ایسے شخص کا دین اور دنیا دونون جہان مین مُنھ کالا ہوگا-

اُسی روز پانچ بجے شام کو جب ڈپٹی صاحب اپنے اجلاس مین بیٹھے مقدمات فیصل کر رہے تھے تو اُنکا دل نہین لگتا تھا اور بار بار قلم رک جاتا تھا اس لیے کہ یہی وہ وقت تھا جب مولانا اور اُنکے ساتھی مسٹر محمود کے بنگلہ پر پہونچ کر میموریل پیش کر رہے ہونگے اور بڑی ٹھپ ٹکرار ہو رہی ہوگی- گھر پہونچ کر بڑی بیچینی کے ساتھ ڈپٹی صاحب نے اپنے رفقا کا انتظار کیا اور کئی آدمی اُنکے گھرون پر دوڑائے مگر کہین اُنکا پتہ نہ لگا- غرضکہ نو بجے تک انھون نے انتظار کیا پھر مایوس ہو کر زنان خانہ کو تشریف لیجانے والے تھے کہ اتنے مین گاڑی کی گھڑگھڑاہٹ

سُنائی دی ۔ اور مولانا اور احمد علی صاحب اُتر کے آئے تو انکی یہ کیفیت تھی کہ صورت ببین حالش مپرس ۔"

ڈپٹی صاحب "کہیے مولانا ۔ بفضلہ آپ کو کامیابی ہوی ؟

مولانا بڑے ضبط کے آدمی تھے ۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہے پھر احمد علیصاحب کی طرف مسکراکر دیکھنے لگے اور جواب دیا " اب جناب آپ ہی فرمائیے ۔ مجھ مین یہ طاقت نہین کہ جو کچھ گزرا ہے اُسکو دوہرا سکون ۔"

احمد علی صاحب نے نہایت سنجیدہ صورت بنائی اور جگہ صاف کرکے خاصدان سے پہلے ایک پان نوش فرمایا پھر اس طرح گویا ہوے " ڈپٹی صاحب واقعی امر تو یہ ہے کہ سفت مین ہم نے سرگردانی اُٹھائی ۔ واقعی ہم سے مطلب ہی کیا ۔ کسی دوسرے کے کام مین دخل دینے سے فائدہ ؟ مگر پھر بھی ہمدردی انسانی اور اخوت اسلامی کا یہی تقاضا تھا کہ اپنے حتی المقدور کوشش کی جاے (آواز دھیمی کرکے اور گردن آگے بڑھاکر) اگر کوئی صاحب عقل ہو تو سمجھانے سے فائدہ بھی مگر جناب یہ تو دیوانہ ہے ۔ دیوانہ ۔ پاگل سے بھی بدتر ۔ کچھ تعجب نہین کہ تھوڑے دنون مین اسے آگرے بھیجنے کی ضرورت پڑے ۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ (ایک طویل تمہید قصداً حذف کردیگئی ہے) اولاً مسٹر محمود نہایت اخلاق کے ساتھ ہم دونون سے ملے ۔ (اس موقع پر اُنکو یہ بات یاد آئی کہ بیرسٹر صاحب کی ڈاڑھی مونچھین دونون صاف ہین ۔ اسپر احمد علی صاحب نے نہایت فصاحت و ظرافت سے انکا حلیہ بیان فرمایا ڈپٹی صاحب بات کاٹنا چاہتے تھے کہ انھون نے ہاتھ کے اشارے سے منع فرمایا) مگر ابھی سُنیے تو آگے کیا ہوتا ہے مولانا نے چند شیرین الفاظ کے ساتھ اپنی بزرگی اور اُنکے خاندان سے پُرانے مراسم کا ذکر کرکے پند و نصائح کا مجموعہ یعنے میموریل پیش کیا ۔ اسپر بیرسٹر صاحب نے نہایت حیرانی سے انکی طرف دیکھا اور اپنا طلائی چشمہ آنکھون پر چڑھا کے کرسی پر بیٹھ کر چند منٹ تک اوراق کو اُلٹ پلٹ کے دیکھا ۔ اسکے بعد آپ سمجھ سکتے ہین کہ انھون نے کیا کہا ہوگا ؟ (مولانا کی طرف مخاطب ہوکر) اب مولانا آپ ہی ختم فرمائیے ۔

مولوی صاحب ۔ (انکسار کے ساتھ) "آپ ہی فرماتے جائیے ۔ یہ آپ ہی کا حصہ ہے "

احمد علی (بہ تسلیم ! (مرزا جی کو اپنی نقالی اور بھاؤ بتانے پر بڑا ناز تھا ۔ اس موقع پر اس قابلیت سے اُنھون نے فوراً کام لیا) خدا کی پناہ جناب ۔ اُس نے اس طرح کھڑے ہوکر اپنے پتلون کی دونون جیبون مین ہاتھ ڈال کر اور عینک اوتار کر بڑے غیظ و غضب کے ساتھ ہم دونون کی طرف دیکھا ۔ پھر گرج کے بولا ۔ تم دونون شیطان ہو ۔ باغی ہو ۔ مردود ہو ۔ کہ اس طرح قوم کے تنزل اور ادبار کے پیچھے پڑے ہوے ہو خدا کی قسم قیامت کے دن میرا ہاتھ اور تمھارا گریبان ہوگا ۔ اور اُس دن تم کو معلوم ہوگا کہ کون حق پر تھا ۔

اور کون زیادہ عذاب و ثواب کا مستحق ہے - ہم لوگ قوم کو خراب معاشرت سے نکالنے کی کوشش کر رہے ہین اور تم
لوگ اُسکو پیچھے کھینچ کھینچ کر دلدل سے باہر نکلنے نہین دیتے ہو - مین تعلیم و آزادی نسوان کے لیے اپنی جان دیے دیتا
ہون اور تم چاہتے ہو کہ ایک لحظہ مین میری ان تمام کوششون پر اپنی تنگدلی اور کوتاہ خیالی سے پانی پھیر دو -
پردہ کی خراب رسم جو میری اور ہر سمجھدار آدمی کی عقل مین ساری قومی بداخلاقی - بدتہذیبی اور خرابی معاشرت کا
اصل اصول ہے مین اُسکو جڑ سے کھود کر پھینکدینا چاہتا ہون اور تم یہ حوصلہ کر کے آے ہو کہ مجھے میرے ارادہ سے
پھرادو اور دوسرے لوگون کو اسکے خلاف ورغلاؤ - آہ ! یہ تمھارے ہی کرتوت ہین کہ بڑے بڑے ذی حوصلہ اور
پرجوش ریفارمرون کے دل توڑ کر اُنکو نفرت کے ساتھ اپنے ملک کو خیرباد کہنے پر مجبور کیا ہے - یہ تمھارے ہی ہتھکنڈے
ہین کہ بہت سے ذی فہم لوگ جو آج اپنے دل مین پردہ کے خلاف ہین اپنی راے کو ظاہر کرنے اور اُسکے مطابق عمل
کرنے سے ڈرتے ہین کہ کہین تم یا تمھارے ایسے لوگ اُنپر حملہ نہ کر بیٹھین - تم نے انکی روشن خیالیون کو دھندلا کر دیا
ہے اُنکی ہمتین پست کر دی ہین - اُنکو عورتون سے بھی زیادہ بزدل بنا دیا ہے (طنزیہ ہنسی کے ساتھ مولانا کی طرف
مخاطب ہوکر) اور اب تم مجھے یہان ڈرانے کے لیے آئے ہو - اور یہ نامعقول کاغذ اپنی جہالت کی سند کے طور پر میرے
پاس لے کر آئے ہو - مجھے معلوم ہوا ہے کہ آج آپ نے مسجد مین وعظ کے ساتھ مجھپر کیا کیا تبرہ بازیان کی ہین - مگر
ادھر میری طرف دیکھیے (یہ کہکر اپنے کانپتے ہوے ہاتھون مین میموریل کا پلندہ لیا اور اُسکو پھاڑ کر کاغذ کے
پُرزہ پُرزہ کر کے مولانا کے پاؤن کے قریب ڈالدیا) مجھے آپ کی ہرزہ گوئیون اور ان خام اور کہنہ خیالات کی
اتنی سی بھی پروا نہین ہے - اس موقع پر ہم دونون کو ساکت دیکھکر اُس نے اپنی آواز کو دھیما کیا اور ہمارے قریب
آکر سمجھانے کے طور پر اُنگلی اُٹھائی اور کہنے لگا) جنٹلمین - میرے ان سخت الفاظ کو معاف فرمائیے - مگر مین سچ کہتا ہون
کہ میرے سینہ مین قومی معاشرت کی اصلاح کا ایک شعلہ سا دہک رہا ہے اور آپ اُسکو اپنے ان افعال سے اور
بھڑکاتے ہین (مسکرا کر اور اس لہجہ سے کہ جیسے کوئی کسی بچے کو سمجھا رہا ہو) آپ کو یقین نہین آتا - شاید آپ میرا مفہوم
نہین سمجھتے - اور سمجھتے کیون نہین (پھر ٹہلنے لگا اور دفعتہً مولانا کے سامنے کھڑا ہو گیا) تعصب جنٹلمین - صرف تعصب
آپنے سُنا ہوگا کہ لندن مین ایک زمانہ مین ایسا سیاہ کُہر پڑتا ہے کہ لوگون کو دن کے وقت اپنا ہاتھ تک نظر نہین
آتا - اسی طرح تعصب و تاریکی آپ کے دماغون پر روشن خیالی کی شعاعین نہین پڑنے دیتی - (پھر جیبون مین ہاتھ
ڈال کر ہم دونون کی کچھ پروا نہ کر کے سائبان مین ٹہلنے لگا اور آپ ہی آپ بآواز بلند کہنے لگا) مگر مشکل تو یہ ہے
کہ ان بوسیدہ دماغ اور قدیم خیال لوگون کا عوام پر اسقدر اثر ہے کہ بغیر انکی امداد کے مجھے اپنے مقصد مین کامیابی

نہین ہوسکتی۔ سُنیے جناب آپ کے اعتراضات کا جواب مین اب دیتا ہون۔ ذیہ کہکر مسٹر محمود نے ایک لحظہ کے لیے ہم دونون کی طرف دیکھا پھر ٹہل ٹہل کر آزادی نسوان پر ایک بہت بڑی بحث شروع کردی۔ اولاً اُس نے تاریخی پہلو سے بحث کی۔ اور اوائل تمدن سے آج تک جو انقلابات عورتون کی حالت مین ہوئے ہین بیان کیے۔ پھر سائنٹیفک پیرایہ کو لیا اور قومی۔ سیاسی اور معاشرتی حیثیتون پر بحث کرتا رہا اور نہ معلوم کس کس جرمن۔ آسٹرین اور انگلش فلاسفر کا حوالہ دیتا رہا کہ اتنے مین مین نے مولانا کی طرف آنکھون سے اشارہ کیا اور قبل اسکے کہ وہ ہمین دیکھ پائے ہم دونون چپکے سے کھسک کر چل دیے۔ دروازہ پر پہونچکر ہمارے کان مین کسی کی آواز آئی۔ مین نے مولانا کا ہاتھ پکڑ کے کہا کہ اب خیر نہین ہے۔ پاگل پیچھے آرہا ہے۔ اسپر ہم دونون سر کے بل بھاگے اور ہانپتے نکڑ پر جہان گاڑی کھڑی تھی پہونچے تو دم مین دم آیا"

حاضرین نے مرزا صاحب کے اس بیان پر بہت کچھ تحسین و آفرین کی۔ ڈپٹی صاحب نے فرمایا کہ "واللہ سمان باندھ دیا۔ مرزا جی یہ آپ ہی کا حق تھا" مرزا جی نے پھر جھک کر سلام کیا۔ مولانا کسی قدر خشمگین نظر آتے تھے لیکن جب اُنھون نے دیکھا کہ اُنکے رفقا اس واقعہ کو مذاق اور دل لگی مین ٹال رہے ہین تو وہ بھی اُنکے ساتھ شریک ہوگئے اور فرمانے لگے "جناب مین نے سید محمود مرحوم کا تو نام سُنا تھا۔ مگر اس پاگل نے تو اُن کے بھی کان کاٹے"

یہ واقعہ اور گفتگو دوسرے روز تمام شہر مین مشتہر ہوگئی۔ طبقۂ ادنیٰ کے لوگون کو عجیب مذاق ہاتھ آگیا گھر گھر مسٹر محمود اور اُنکی بی بی کے چرچے ہونے لگے۔ لوگون نے باہر اپنے دوستون اور عزیزون کو خطوط کے ذریعہ سے اطلاع دی۔ ایک صاحب جو کسی اخبار کے برائے نام نامہ نگار بھی تھے اُنھون نے مختلف اخبارات مین یہ واقعہ قلمبند کرکے بھیجدیا۔ دوسرے صاحب جو اس شہر کے ملک الشعرا سمجھے جاتے تھے اونھون نے دوستون کی فرمایش پر ایک نظم موسوم بہ "پردہ دری نسوان" لکھڈالی۔ شام کے وقت اکثر لوگون کو ان صاحب کی تلاش رہتی اور جب روز مین میدہ بیس جگہ اسکو دہراتے اور سامعین سے مرحبا اور صد آفرین سُننے کی مسرت حاصل ہوتی۔ اب تو بازار کے تمام لفنگون اور لچے لونڈون کو ایک ایک شعر نوک زبان ہو رہا ہے اور وہ گلی گلی یہی گاتے پھرتے ہین۔

ہمارے رفقا مرزا کے پاس روز بذریعہ ڈاک گمنام خطوط کی آمد کا تانتا بندھ گیا ہے نظمین بھی آئین۔ رباعیان اور قطعے بھی آئے۔ اور کوٹھی کے پھاٹک پر اشتہار بھی چسپان کیے گئے۔ مگر وہ ان سب کو خاموشی کے ساتھ

نگاہ حقارت سے دیکھتا رہا اور اپنے دل کو یہ کہکر سمجھا لیتا کہ یہ بیوقوف لوگ معافی کے قابل ہین۔ آج جو لوگ مجھپر ہنستے ہین کل وہی مجھے آزادی نسوان۔ عمدہ تہذیب اور اعلےٰ معاشرت کا رہنما تسلیم کرکے کامیابی کا تاج میرے سر رکھین گے۔

"ناظر"

کیف سرود

خوش نصیبی سے حضرت نادر مرحوم کے کاغذات مین اُنکی ابتدائی مشق کا ایک ناتمام نمونہ مل گیا ہے جسے نقش اول اور مرحوم کا تبرک سمجھنا چاہیے۔ افسوس ہے کہ نادر مرحوم کو اجل نے نظر ثانی اور مکمل کرنے تک کا موقع نہین دیا جن ناظرین کو مرحوم سے قلبی محبت اور اُنکے کلام سے مودت ہے وہ ضرور ان چند شعرون سے حظ حاصل کرینگے ممکن ہے کہ آئندہ پھر کبھی ہمین مرحوم کے غیر مطبوعہ کلام کی اشاعت کا شرف حاصل ہوسکے۔

پھر پلا دی زیادہ ساقی نے   مین بھی اب بیٹھ ہی گیا پینے
نہ کچھ آواز ہی رسیلی تھی   نہ کوئی تان ہی سریلی تھی

مین نہ پیتا تو کوئی کیا کرتا   میرا جی بھی تو یون نہین بھرتا
سیدھی سادی تھی اُنکی قوالی   لطف سے وہ مگر نہ تھی خالی

جام پر جام اوڑاتا لون جبتک   خم کا خم مین چڑھا نہ لون جبتک
کچھ نہ کچھ تھا مزہ ضرور اسمین   گھٹ گیا تھا مرا سرور اسمین

گھٹتا کچھ بھی مرا سرور نہین   اسمین ساقی کا کچھ قصور نہین
لتنے مین اور ایک گانے لگا   ساتھ ہی اُنکے لے ملانے لگا

ایک آواز نرم ایک کرخت   دیتی تھی مل کے کیا مزا کمبخت

ساقیا تیرا میکدہ آباد   کسقدر آج میرا دل ہے شاد
وہ سمان ہوگئی رات کا خاموش   دیر تک مین سنا کیا خاموش

دل مین آتا ہے گنگناؤن مین   کوئی ساون ملار گاؤن مین
آرہا تھا جو گو نہ حال مجھے   آیا اسکا نہ کچھ خیال مجھے

ہاے مین کوئی خوش گلو ہوتا   نادر اسوقت کاش تو نہ ہوا
لگا پھاڑ ایسی آوازین   بات کیا ہے جو لطف دیتی ہین

ورنہ تو کوئی بیٹھ گا دیتا   لطف ہوتا بڑا مزا دیتا
کیون بھر آتا ہے سوز و ساز اسمین   کون سا ہے نہفتہ راز اسمین

رات دو گانے والے گاتے تھے   اور وہ آواز جب ملاتے تھے
نہ مزا ہے نہ ہے دف و چنگ   نہ تو گانے ہی کا مناسب ڈھنگ

گو خوش الحان نہ تھے وہ ایسے کچھ   نہ وہ گاتے تھے سُر سے لے سے کچھ
پھر بھی ہے اس طرح کا اسمین مزا   کیا معما ہے اسمین بات ہے کیا

گانے والا ہو لاکھ خوش آواز   لطف دیتا نہین مگر بے ساز

نادر کاکوروی

کفایت شعاری

کفایت شعاری کے معنی جزرسی یا کم خرچ کرنے کی عادت کے ہین۔ یہ عادت انسان کے واسطے لازمی ہے اور اسکی نسبت ہر ایک شخص بلا تامل کہہ سکتا ہے کہ بہت ہی اچھی خصلت ہے جس شخص مین یہ عادت نہو گی وہ چند ہی دنون مین خواہ کیسا ہی دولتمند کیون نہو اپنے آپ کو تباہ و برباد کردے گا۔ کفایت شعاری ہی ایک ایسی عادت ہے جس سے انسان دولتمند ہو جاتا ہے اگر غور سے دیکھا جاے تو دنیا مین ایک بھی دولتمند ایسا نہ نظر آئے گا جو کفایت شعار نہو۔ بغیر کفایت شعاری کے دولت جمع ہی نہین ہو سکتی۔ ہمارے ہندوستانی بھائی روزانہ سخت سی سخت محنت کرتے ہین۔ اور باوجود معقول آمدنی کے وقتی ضروریات پر ایک پیسہ بھی اپنے گھر سے نہین نکال سکتے۔ اسکی بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ کفایت شعار نہین ہوتے۔ اگر غیر ملکون کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا جاے تو صاف ظاہر ہو جاے گا کہ اُنکے تمول اور دولتمندی کی وجہ یہی کفایت شعاری ہے وہ اپنے انجام پر نظر رکھتے ہین اگر چار پیسے روزانہ کماتے ہین تو مشکل سے تین پیسے خرچ کرتے ہین اور ایک پیسہ اپنے آڑے وقت مین کام آنے کے واسطے بچا رکھتے ہین۔ کفایت شعاری کا یہ مطلب نہین ہے کہ کوئی شخص دولتمند ہو جاے بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ چار پیسے جو اچھے وقت مین کفایت شعاری کی وجہ سے بچ رہے ہین بُرے وقت مین کام آئین اور وقت پڑ جانے پر کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانے پڑین۔ بہت سے ایسے دولتمند دیکھے گئے ہین جو اس سے قبل بالکل ذلیل تھے اور ادنیٰ لوگون مین شمار ہوتے تھے مگر چونکہ اُن مین کفایت شعاری کی عادت تھی لہذا رفتہ رفتہ اعلےٰ مراتب پر پہونچ گئے۔ میرے نزدیک اگر روزانہ ایک پیسہ بھی بچا رکھا جاے تو بہت ہے کیونکہ ڈکنس جو انگلستان کا ایک با مذاق اور ہر دل عزیز ناول نویس تھا کہتا ہے کہ "اگر ایک آدمی کی سالانہ آمدنی بیس روپیہ ہو اور اُسکا سالانہ خرچ اُنیس روپیہ پونے سولہ آنے ہو تو اسکا نتیجہ خوشی ہو گا اور اگر وہی شخص جسکی آمدنی بیس روپیہ سالانہ ہے بیس روپیہ ایک پیسہ خرچ کرتا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا نتیجہ مصیبت ہی ہو گا" اب دیکھنا چاہیے کہ دونون حالتون مین صرف دو ہی پیسہ کا فرق ہے مگر ایک کا نتیجہ خوشی اور دوسری کا مصیبت ہے۔ پس ہم کو لازم ہے کہ جس طرح ممکن ہو کفایت شعاری سے کام لین اور پیسہ ہی پیسہ جمع کرکے روپیہ پیدا کرین۔ کیونکہ انگریزی مثل ہے کہ "پیسون کی حفاظت کرنا چاہیے روپیہ اپنی حفاظت خود کرلے گا" دانہ دانہ جمع کرنے سے خرمن اور قطرہ قطرہ جمع ہونے سے دریا ہوتا ہے پھر کیا پیسہ

اکٹھا کرنے سے روپیہ نہو گا؟ نہین ہوگا اور ضرور ہوگا! وہی پیسہ پیسہ جمع کرنا ہمین دولت مند بنا دے گا اور ہمارے برے وقت مین کام آئے گا۔

عام لوگون کے اس کہنے پر توجہ نہ کرنا چاہیے کہ کم آمدنی والا کفایت شعاری سے مالدار نہین ہوسکتا بلکہ میرے خیال مین وہی ایک پیسہ روزانہ جمع کرنے سے ایک شخص کچھ کم اٹھارہ سال مین سو روپیہ کا مالک ہوسکتا ہے اور پھر اُسی سو روپیہ کو اگر وہ شخص کسی اچھے منافع والی تجارت مین لگا دے تو دو روپیہ ماہوار اُسے آسانی سے مل جایا کرے گا اب اس دو روپیہ ماہواری منافع کو اگر اصل مین شامل کرتا ہے اور اُسپر بھی اُسی طریقہ سے منافع حاصل کرتا رہے تو تھوڑے ہی دنون مین ایک متمول شخص ہوجائے گا۔ اور یہی اُسکی بیماری بے کاری اور مصیبت کے وقت کام آئیگا۔

میرا یہ خیال ہرگز نہین ہے کہ کفایت شعاری محض روپیہ جمع کرنے کے واسطے کی جاے۔ یہ نہایت ہی ذلیل اور پوچ خیال ہے بلکہ میرا اصلی مقصد کفایت شعاری سے یہ ہے کہ وقت پڑے پر دوسرون کی محتاجی اور تکلف نہ اُٹھانا پڑے۔ میرا یہ بھی منشا نہین ہے کہ کوئی شخص بال بچون کا پیٹ کاٹ کر یا کسی غریب شخص کا حق مار کر روپیہ جمع کرے۔ ایسی دولت سے آدمی کا قلب سیاہ ہوجاتا ہے۔ اور دوسری صورت یعنے بال بچون کا پیٹ کاٹکر یا خود تکلیف اُٹھاکر روپیہ جمع کرنے مین وہی صورت پیش آئے گی جس سے بچنے کے واسطے روپیہ جمع کرنا مقصود ہے۔ اس کا نام کفایت شعاری نہین ہے کہ ضروری خرچ بند کر دیے جائین اور اپنی جان اور اپنے متعلقین کی جانون کو ایذا پہنچاکر دولت جمع کی جاے اس کا نام کنجوسی ہے۔ ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیے ایسا کرنے مین وہی قصہ پیش آئے گا جو ایک لالچی برہمن کے نام سے مشہور ہے۔ یعنی ایک لالچی برہمن نے اپنی آمدنی کا حساب لگا کر سال بھر کے واسطے بھوسا خرید لیا مگر جسقدر آمدنی تھی اُسکے لحاظ سے وہ غلہ تین سو انسٹھ ۳۵۹ ہی دن کو کافی ہوتا تھا لالچی برہمن نے یہ خیال کرکے کہ آخر ایکدن غلہ کے علاوہ کوئی دوسری چیز کھاکر بسر کرنا ہوگا پہلے ہی دن بجاے غلہ کھانے کے خوب پیٹ بھر کر بھوسا کھالیا اور صبح مردہ ہوکر گھر سے نکالا گیا۔ اس طرح کی کفایت شعاری سے ہمیشہ بچنا چاہیے اپنے اور اپنے بچون اپنی بی بی اور جملہ لواحقین کے صرفہ کے بعد جو کچھ بچے اُسے پس انداز کرنا چاہیے۔ ہان یہ ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ کوئی پیسہ بیجا نہ صرف ہونے پاے۔

بیجا صرف انسان کو تباہ و برباد کردیتا ہے خواہ وہ کیسا ہی قلیل کیون نہو جس چیز کی ضرورت نہو اُسے ہرگز نہ خریدو بعض لوگون کا دستور ہے کہ جو چیز ذرا بھی سستی مل گئی خرید لی حالانکہ اُسکی بالکل ضرورت نہ تھی اور وہ گھر پر پڑے پڑے خراب گئی۔ یا صریحاً معلوم ہے کہ ایک چیز چوک مین پانچ روپیہ کو ملتی ہے اور وہی چیز امین آباد مین چار روپیہ کو

ملتی ہے مگر ذرا سی کاہلی کی وجہ سے پانچ روپیہ مین وہی چیز خرید کی اور چار روپیہ کو مین آباد سے نہ لاے۔

ایسی چیز کی بھی خواہش نہ کرو جس کے لوازمہ مین یعنی اُسکی آرائش کے واسطے ہزارون خرچ کرنا پڑین۔ امریکہ کے ایک کروڑپتی کا ذکر ہے کہ اُسکی بی بی نے اُس سے ایک چاندی کا پلنگ بنوانے کی خواہش کی اُس نے یہ سمجھکر کہ زیادہ سے زیادہ ایکہزار روپیہ صرف ہو جائیگا بنوانے کا وعدہ کرلیا مگر جب رات کو سونے کے واسطے لیٹا اور اُس پلنگ کا تخمینہ لگانے لگا تو پلنگ کے ساتھ ہی اُسے یہ خیال آیا کہ یہ رکھا کہان جاے گا۔ اسکے رکھنے کے واسطے اسی کے موافق مکان بھی چاہیے اور مکان کی جملہ آرایش جسکا تخمینہ دو تین لاکھ سے کم نہوگا۔ پھر اسی کے ساتھ اسکو خیال آیا کہ اسکے متعلق نوکر چاکر بھی چاہیے ہونگے جنکا خرچ ہزار بارہ سو سالانہ سے کم نہوگا جب یہ تخمینہ اُسنے سمجھ لیا تو اپنی بی بی کو بلا کر کہا کہ تمھاری ایک آرزو کے پورا کرنے مین میری سیکڑون آرزوون کا خون ہوگا ایسی جسقدر تمھارے پلنگ بنوانے مین صرف ہوگا اُس سے کہین زیادہ اُسکے انتظام مین مجھے سالانہ صرف کرنا پڑیگا اور فی الحال جو تین لاکھ کے قریب صرف ہو جاے گا وہ اُس سے علٰحدہ ہے۔ بس بہتر یہ ہے کہ تم اپنی ایک آرزو کا خون کرو ورنہ میری بیسیون آرزوؤن کا خون ہو جاے گا۔ لہذا ہرگز ایسے کام کی ہمت نہ کرنا چاہیے جو بظاہر معمولی ہو اور اُسکے انجام مین ہزارون کی نوبت پہونچ جاے۔ ایسا کرنے سے سارا پس انداز کیا ہوا روپیہ ضایع ہو جاے گا اور قرض کی نوبت آجاے گی۔ قرض سے اللہ بچاے۔ اس سے بڑھکر انسان کے واسطے کوئی ذلت نہین۔ ایک بڑے تجربہ کار کا قول ہے "کہ بھوکا رہنا پھٹے پرانے کپڑے پہننا سخت مشقت برداشت کرنا اہانت اور بیجا ملامت اُٹھانا قرض لینے سے کہین بہتر ہے"۔ اگرچہ یہ سب باتین انسان کو سخت ناگوار معلوم ہوتی ہین مگر قرض لینا ان سب باتون سے بڑھا ہوا ہے۔ قرض ہرگز نہ لو خواہ وہ کیسا ہی قلیل ہو۔ قرض کا لینا گویا رنج و غم کا بیعانہ ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس صرف دو ہی پیسے ہون اور اُس دن اُسے اور کہین سے ملنے کی کچھ امید نہ ہو تو اُن پیسون کے چنے خرید کر اُن سے پیٹ بھر لینا قرض لینے سے کہین بہتر ہے اسی منحوس قرض کی بدولت بڑے بڑے امیر کوڑی کوڑی کو محتاج ہو گئے اور اُنکی قیمتی جائدادین قرض خواہون کے دست تصرف مین آگئین لہذا قرض لینے سے ایکدن فاقہ کرنا بہتر ہے عقلمند فاقہ کو دوست اور قرض کو دشمن سمجھتے ہین۔

روپیہ حتی الامکان بہت ہی عقلمندی سے صرف کرنا چاہیے۔ کیونکہ اگر روپیہ کا استعمال باقاعدہ کیا جاے تو اس سے بہت کچھ ہو سکتا ہے روپیہ ایک زبردست طاقت ہے۔ ایک ظریف فرانسیسی کا قول ہے کہ "روپیہ شہنشاہ ہے" روپیہ جمیع حاجات روا کرنے کا ذریعہ ہے اگر تازہ ہوا عمدہ مکان اچھی کتابین موسیقی وغیرہ کسی چیز سے فرحت حاصل کرنا ہو تو روپیہ کے ذریعہ سے ممکن ہے اگر فرحت کام کی چیز ہے تو روپیہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر ملکون کی سیر باعث مسرت ہے تو یہ بھی روپیہ ہی کی بدولت

ہو سکتی ہے۔ اس سے ہم اپنے دوستون کی مدد کر سکتے ہین۔ اور اسی کی برکت سے ہم اُن مصیبت زدون کو گرداب بلا سے نکال سکتے ہین جن کی کشتی مصیبت کے ناپیدا کنار دریا مین پھنسی ہوی ہے۔ اسکو جو لوگ نقش حاجت برار کہتے ہین وہ بہت ٹھیک کہتے ہین ؎

اے زر تو خدائی ولیکن بخدا — ستار عیوب و قاضی الحاجاتی

یہانتک کہ روپیہ کا باقاعدہ استعمال ہمکو خدا تک پہونچا دیتا ہے کیونکہ بہت سے ثواب اس طرح کے ہین جو بغیر روپیہ کے حاصل ہی نہین ہو سکتے روپیہ ہی ایسی شے ہے جس سے دل ہر وقت قوی رہتا ہے۔ اور روپیہ ہی آیندہ آنے والی مصیبتون سے بچا سکتا ہے۔ روپیہ والون کے سیکڑون کام مفت مین ہو جایا کرتے ہین۔ اُسکی ہر جگہ قدر ہوتی ہے۔ وہ جس طرف جاتا ہے لوگ اُسے عزت کی نظرون سے دیکھتے ہین۔ اُسکی ہر خواہش پوری ہوکے رہتی ہے۔ اُسکے سیکڑون دوست اور ہزارون عزیز ہوتے ہین۔

برخلاف اسکے اگر ہمارے پاس چار پیسے نہون تو کوئی بات بھی نہ پوچھے۔ نہ کوئی عزیز خبر لے اور نہ دوست۔ ایک بھونڈی مثل ہے کہ "بنے کے نئو سالے اور بگڑے کا ایک بہنوئی بھی نہین بنتا۔" یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ اگر ہم نے پس انداز کر کے کچھ رکھ چھوڑا ہے تو وہی مصیبت کے وقت ہمارے کام آے گا۔ ورنہ بیماری اور بیکاری اور مصیبت کے وقت سوا فاقے کر کے مر جانے کے اور کچھ نہوگا۔ نہ کوئی دوست مدد کرے گا اور نہ کوئی عزیز ساتھ دے گا۔ بُرے وقت مین کوئی کسی کا ساتھ نہین دیتا ؎

کسی کا کب کوئی روز سیہ مین ساتھ دیتا ہے — کہ تاریکی مین سایہ بھی جدا رہتا ہے انسان سے

اس واسطے ہر انسان کو لازم ہے کہ آیندہ پیش آنیوالے واقعات کا خیال کر کے اپنی آمدنی و خرچ پر ہر وقت نگاہ رکھے۔ ضروری و غیر ضروری اخراجات کو دیکھے۔ جو اخراجات غیر ضروری سمجھے اُن سے فوراً دست کش ہو جاے۔ اور یہ خیال کر لے کہ ایسا نہو کہ بلا ضرورت خرچ کر کے ضرورت کے وقت پریشانی اور محتاجی ہو۔ ضرورت کے اصلی معنی اپنے دل مین خوب ذہن نشین کر لے ضرورت کے اصلی معنی یہ ہین کہ جس چیز کی ضرورت ہو وہ خود بخود یاد آئے اور جو ضرورت چیز کو دیکھ کے یاد آئے اُسے ضرورت نہ سمجھنا چاہیے۔

اپنی آمدنی خرچ پر نگاہ رکھنے کے واسطے ایک حساب کتاب رکھنا چاہیے اور اُس حساب کتاب کو ہمیشہ بہت ہی ہوشیاری کے ساتھ لکھنا چاہیے۔ اس سے یہ منشا نہین کہ معمولی خرچون کی بھی تشریح ہونی چاہیے۔ بلکہ میرا اصلی منشا صرف اسقدر ہے کہ یہ بات ہر وقت معلوم رہے کہ ہماری گاڑھی کمائی کا روپیہ کس طرح صرف ہوتا ہے جا سے یا بیجا۔

جو کچھ بیجا خرچ سمجھو اُسے بالکل نکال دو اور آیندہ سے ایسے اخراجات کو گناہ سمجھو۔ اگر کسی مہینہ مین آمدنی کم ہو تو اپنی ضرورتون کو مختصر کر دو۔ جو شخص اس بات کا خیال رکھے گا کہ مین کسقدر روزانہ پیدا کرتا ہون اور کسقدر خرچ کرتا ہون وہ ہرگز فضول خرچ نہین ہو سکتا فضول خرچ تو وہی لوگ ہین جو خرچ کرتے وقت اپنی آنکھین بند کر لیتے ہین انکو نہین معلوم ہوتا کہ ہم کس رستہ پر چل رہے ہین اور کہان جا رہے ہین۔ خدا ہماری قوم کو فضول خرچی سے بچاے اور کفایت شعاری کے طریقون پر چلنے کی ہدایت دے۔ آمین

حکیم سراج الحق

رباعیات اوج

انسان کا دل بھی ایک آئینہ ہے — خلق و کرم وجود کا گنجینہ ہے
اخلاق سے اوج ہے بشر کو لے اوج — معراج ترقی کا یہی زینہ ہے

افلاس کی ہر سمت جفا کاری ہے — ادبار کی خوب گرم بازاری ہے
خواب غفلت میں ہیں مسلمان اے اوج — چونکاؤ انھیں کہ وقت بیداری ہے

میدان ترقی سے بہت دور ہیں ہم — بیکس عاجز غریب مجبور ہیں ہم
صنعت سے ہے مطلب نہ تجارت سے غرض — ہر طرح کے علم و فن سے معذور ہیں ہم

ہر ایک سے خلق و دوستداری سے ملو — ہر شخص سے عجز و انکساری سے ملو
جس طرح نہال بارور جھکتا ہے — اے اوج ملو تو خاکساری سے ملو

اپنا جسے سمجھے تھے وہ اپنا نہ ہوا — بڑھ کر دشمن سے بھی وہ بیگانہ ہوا
امید وفا نہیں کسی سے اے اوج — کوئی بھی شریک درد و غم کا نہ ہوا

گو اندنون نارسا ہے قسمت میری — ابتر ہے بہت ہی گرچہ حالت میری
احباب پہ نقش پا کی صورت مٹ کر — مشہور جہان ہے اوج الفت میری

اوج گیاوی

ترکی مسلمان عورتین

برادرم منظور علی کا ذکر اس سے پیشتر الناظر مین کیا جا چکا ہے گزشتہ ڈاک سے اُنکا جو خط آیا ہے اُس کے ساتھ عنوان مندرجۂ بالا سے ایک مضمون بھی ملا جو دلی مسرت کے ساتھ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

عزیز موصوف کو مضمون نویسی کی مشق نہین اور ہو بھی تو میدان جنگ مین بیٹھکر اور اسپتال کی مصروفیتون اور موسم کی دشواریون کے مقابلہ مین اتنا اطمینان اور اتنی فرصت کہان کہ وہ مضمون نگاری کے تمام فرائض باحسن وجوہ انجام دے سکین۔ اس لیے جو کچھ آنکھون سے دیکھا یا جو واقعات معلوم ہوے اُنکو نہایت بے تکلفی اور سادگی کے ساتھ تحریر کر دیا ہے۔

ناظرین الناظر کے لیے عموماً اور اُنکی خواتین کے لیے خصوصاً یہ حالات نہایت دلچسپ اور سبق آموز ہون گے۔ اور ہم امید کرتے ہین کہ اپنی ترکی بہنون کی معاشرت کے روشن پہلوون پر نظر کرکے ہندوستان کی خواتین جنکو نسبتہً تعلیم حاصل کرنے اور بیداری عام سے فائدے اُٹھانے مین کم دشواریون کا سامنا ہے کوشش کرینگی کہ وہ بھی آیندہ چل کر انور بے کے سے شیر دل بچے پیدا کرین۔ ایڈیٹر

ترکون مین جو خوبیان ہین اُنمین سے ایک اُنکا زندگی بسر کرنے کا طریقہ ہے۔ اس گئی گزری حالت پر بھی ترکون مین اس خوبی کا پایا جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ ابھی کچھ روح اس قوم مین باقی ہے۔ بس مسیحائی کی دیر ہے۔ بلکہ مسیحا کو بڑی آسانی پڑے گی۔ اُنکی زندگی کے اچھے ہونے کی سب سے اچھی مثال یہ ہے کہ اُنکی عورتین مہذب ترین ملک کی عورتون سے اگر اچھی نہین تو بُری بھی نہین۔ بلکہ مین اسپر زور دون گا کہ اچھی ہین۔ ان خواتین مین اگر کمی ہے تو تعلیم کی اور زیادہ تر مذہبی تعلیم کی لیکن اب اس طرف قوم کو اتنا خیال ہے کہ صرف ۱۹۱۲ مین قسطنطنیہ کے ہزار پہل احاطہ مین پانچ بڑے بڑے مدرسہ صرف اسلامی عورتون کی مذہبی اور تمدنی حالت بدلنے کے لیے کھولے گئے ہین۔ انکی پڑھانے والیان جرمن۔ فرینچ اور خود ترکی تعلیم یافتہ خاتونین ہین۔ لیکن ایسی کسی تجویز کو یورپ کی ترکی کو ہضم کرنے کے لیے آئے دن کی خانہ جنگیان برپا کرنے اور لڑائیان لڑوانے کی پالیسی بڑھنے اور ترقی کرنے کا موقع نہین دیتی۔ خیر خدا مالک ہے۔

مین بالکل عام راے سے قطع نظر کرکے صرف اپنی راے اور اپنی اطلاع پر جو ترکی عورتون کی بابتہ مجھے ملی ہے یہ مضمون لکھتا ہون۔ عورتون کی بابت مین نے سب سے پہلے اسلیے تفتیش کی کہ اگر مائین اچھی ہین

تو آیندہ نسل کے سدھرنے کی امید پائی جا سکتی ہے - میرے خیال ناقص مین عورت مین چار خوبیان لازمی ہین۔

(۱) عصمت - حیا - عفت وغیرہ کا حد درجہ خیال -

(۲) تعلیم ہر اچھے فن مین -

(۳) تعلیم سے اچھا فائدہ حاصل کرنا -

(۴) اپنے کار ہاے لائقہ مین تعلیم اور تربیت کو کام مین لانا اور اپنی حد سے تجاوز کرکے جو حد کہ قدرت نے مقرر کر دی ہے اُن کامون مین ہاتھ نہ ڈالنا جسکے لیے ایک دوسرا ہاتھ موجود ہے -

پہلی خوبی یہان کی مسلمان عورتون مین اسّی فیصدی پائی جاتی ہے اور مین خیال کرتا ہون کہ اچھی تعلیم سونے سے سوہی کو اچھا لگائے گی - صرف اسقدر ضرورت ہے کہ عیسائی عورتون سے ربط بڑھنے نہ پائے جو ترکون سے یوروپین لیڈیز سے شادی کرنے سے روز افزون ہے -

عصمت کا حال تو دراصل خدا ہی جانتا ہے لیکن جسقدر ظاہر ہو سکا ہے وہ یہ ہے کہ یہان کی زنانی تہذیب مین غیر مردون سے باتین کرنا - راہ و رسم رکھنا - ناچ اور کھیل کود مین شرکت کرنا - ڈنر پارٹیون اور تھیٹرون مین جانا سخت معیوب تصور کیا جاتا ہے - ترکی عورتون کی عصمت کی اچھائی اس فعل سے ظاہر ہو سکتی ہے کہ پردہ یہان ہند کی قید کی طرح نہین ہے یعنی فقط برقع ہے اور آزادی بھی بہت کافی ہے لیکن سارے جہان مین کام کرتی پھرین گی اور کیا مجال کہ ذرا راہ راست سے ہٹ جائین - حیا - اس خوبی کی تو حد نہین - اگر کسی راستہ چلتی عورت کو آپ نگاہ بھر کر دیکھنا چاہین تو ناممکن ہے کیونکہ عورت کی نگاہ اوپر نہین اُٹھتی - دوسرے یہان شرفا مین بالکل ہندوستان کا سا برقع رائج ہے - فرق اسقدر ہے کہ جالی کے بجاے مُنھ پر کالا نقاب ہوتا ہے اور برقع ساے کی قطع کا ہوتا ہے لیکن ستر پوشی بالکل ہندوستان کے برقع کی سی ہوتی ہے - ہاتھ اور پائون اور گردن برقع سے کھلی رہتی ہے لیکن انکو بھی انھین کے واسطے جو اشیا مخصوص ہین وہ چھپاے رہتی ہین - راستے مین کسی مرد کے پاس سے کبھی نہین نکلتین راہ کتر جائین گی تا کہ دھکہ نہ لگے - تیز ہوا چلی اور ٹھہر گئین اس لیے کہ ہوا سے کپڑا جسم پر چپک کر بدن کی قطع نہ ظاہر کر دے - قوم کے لیے آے دن جلسے کرنا اور فیاضیان دکھلانا عام ہے - لڑکے اور خاوند اور بھائی کو تو اس طرح لڑائی پر حکماً روانہ کرتی ہین جیسے اس حکم سے سرتابی ممکن نہین - زیور یہان عورت کو بہت عزیز ہونا چاہیے کیونکہ بہت کم اور صرف گلے اور کلائیون مین پہنا جاتا ہے لیکن یہ اسقدر آسانی سے قوم کے لیے اُترتا ہے جیسے سر سے بال جھڑ جاتے ہین - عفت اور عصمت کا چولی

دامن کا ساتھ ہے۔

تعلیم بیشک میرے خیال مین اسکی تھوڑی سے کمی ہے۔ اسقدر نہین جسقدر کہ یورپ مین یا ہندوستان مین خیال کی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ تعلیم صرف ان کو ثمرہ مغز عورتون ہی کے لیے مخصوص ہے۔ یہ عورتین قدرتی طور پر کچھ ایسی ہوشیار ہوتی ہین کہ تعلیم تھوڑی سے صرف صیقل کے طور پر ہو جاے تو کافی ہے۔ اسوقت بھی تعلیم اسقدر کم نہین ہے کہ عورتین جاہل کہلائی جائین۔ انکی اپنی تربیت اور پرداخت اسقدر اچھی ہوتی ہے کہ تعلیم کی زیادہ ضرورت نہین ہوتی۔ یہ ترکی ماؤن کا ہی اثر ہے کہ ترکی مین آج انور بے۔ طلعت بے۔ نیازی بے۔ وغیرہ ایسے ہونہار اور محب وطن بچے پیدا ہوے ہین۔ آج اس اجڑی ہوی ترکی نے دوسرا نپولین پیدا کر دیا ہے کیا یہ کسی غیر کا اثر ہے۔ جیسے نپولین اپنی تمام اچھائیون کا انحصار اپنی ماں کی تربیت اور تعلیم پر رکھتا تھا اسی طرح مین انور بے وغیرہ کی ماؤن کو اسکا بانی بتاتا ہون۔ بعینہ اسی طرح خطوط لکھ کر جس طرح نپولین کو اُسکی ماں لکھتی تھی انور بے کی والدہ معظمہ نے بسا اوقات کیا کیا اعلےٰ نصائح دیے ہین۔ یہ خطوط اکثر ناظرین کی نظرون سے ہندوستان کے اخبارون مین ترجمہ کیے ہوے گزرے ہونگے۔ علاوہ انکے کوئی آکر دیکھ لے عام طور پر وہ لڑکے جو آجکل کی ماؤن کے پالے ہوے ہین یورپ کے تعلیم یافتہ بچون سے کہین بہتر ہین۔ اتحاد۔ محبت۔ حب وطن۔ کم سخنی۔ متانت اور عقل و فہم۔ جہالی برائی مین تیز تمام باتین اُنمین اچھی ہین۔ صرف تعلیم نہین سو اسکے لیے اگر زمانہ فرصت دے تو یہ خطہ دوسرا یونان ہو جاے یہ عورتون ہی کی کرامت ہے۔ ناممکن ہے کہ کوئی عورت پکانا۔ سینا۔ پڑھنا۔ لکھنا نجانتی ہو۔ اکثر تو شاعر ہین لیکن خوش قسمتی سے یہان کی شعری گُل و بلبل کے بیہودہ افسانون پر ختم نہین ہوتی بلکہ پُرانی دل بڑھانے والی قسم کی نظمین ہوتی ہین۔ ایک عورت نے ابھی ایک تازہ جلسہ مین ایک نظم پڑھی تھی جو یہان کے تمام اخبارون مین چھاپی گئی تھی۔ اور بڑی بڑی نظمون سے اچھی تھی۔ مجھے اُس کا مطلب سمجھایا گیا تھا تو اُسکے خیالات اسقدر پاکیزہ ہین کہ ایک جاہل کہلاے جانے کی مستحق [illegible] ت سے ایسے خیالات کی توقع جہالت ہو گی۔ یہان تمام قسم کی مخرب اخلاق باتین معیوب ہین یہانتک کہ برخلاف ہندوستان کے والدین کے یہان بچون کو ناول تک نہین پڑھنے دیتے کہ عشق عاشقی مین نہ پڑجائین لیکن یہ تمام باتین ان نئے ترکون مین ہی ہین۔ پُرانے بڑے عیش پسند ہین۔ مرد اور عورتین دونون۔ میرے خیال مین تعلیم نہونے پر بھی وہ بہتیری تعلیم یافتہ عورتون سے اچھی ہین۔ اکثر دوکان بنک یا پوسٹ آفس مین گفتگو کرتے سن لو تو گھنٹون الفاظ یاد رہتے ہین۔ عجب لطافت اور خوش اسلوبی سے [illegible] ادا کرتی ہین۔ گھر کا

تمام حساب کتاب بازار کا سودا سلف۔ ہر بات مین وہ تیزداری برتی جاتی ہے کہ تعریف سے باہر ہے۔ اکثر لوگ باور نہ کرینگے اگر مین کہون کہ خاص جلسے کر کے کامل پاشا کی وزارت کو نقصان پہونچانے اور توڑنے کی کوشش عورتون نے بھی کی تھی اور اس وزارت کے مستعفی ہونے پر جو خوشیان اس گروہ نے منائی ہین مردون نے بھی نہ منائی ہونگی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن مین عقل اسقدر زائد ہے کہ تھوڑی ہی تعلیم کافی ہوگی کیونکہ بغیر تعلیم کے اپنے اور اپنے ملک کے اچھے بُرے کو اسقدر اچھی طرح سمجھتی ہین جیسے بڑے بڑے مدبر کاش مادر ہند بھی ایسی عورتین پیدا کرتی۔

تیسری خوبی چوتھی خوبی کے ساتھ ہے یعنے ان تمام خوبیون کا اُن مین ہونا ہی تعلیم سے اچھے فائدے حاصل کرنا ظاہر کرتا ہے۔ وہ فائدے نہین جو یورپ کی تعلیم یافتہ اور ہندوستان کی نیم حکیم خطرۂ جان عورتین حاصل کررہی ہین۔ یعنی اُنھون نے باب عالی مین پستول نہین چلائے۔ پتھر نہین برسائے۔ انھون نے گلیون مین ہنگامے نہین مچائے انھون نے بیکار حد سے تجاوز کر کے پولیٹکل ذمہ داری کو کاندھے پر نہین رکھنا چاہا گھر کا تمام کاروبار چھوڑ کر وہ پارٹیون۔ ناچ گانون۔ باغ کی تفریح مین یا تھیٹرون اور مختلف جلسون مین شرکت کر کے وقت خراب نہین کرتین۔ پانچ روپیہ پر رذیل عورت کو نوکر رکھکر بچون کو تربیت نہین دینین۔ بچون کو صاحب بہادر سے نہین ڈراتین۔ اگر ہندوستان کی مائین خود اس ذمہ داری کو پورا کرین تو اس طرح رذیلون کی تربیت سے بچون مین بزدلی تو نہ پیدا ہو۔ خیالات شریفانہ ہون۔ بچپن سے بیجا محبت ظاہر کرنا اُنکو خراب کرنا ہے ان تمام باتون سے یہ ظاہر ہے کہ وہ اُس تھوڑی سی تعلیم کا کسقدر اعلےٰ مصرف کرتی ہین۔ سوا اسکے کہ وہ گھر کے کام کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ ترکی عورت اور کسی غلط فہمی مین پڑکر خواہ مخواہ کے لیے مردون سے دشمنی مول نہین لیتی۔ اپنی عمر اور اُسکی عمر خراب نہین کرتی۔ اپنے اُنکے تعلقات برباد نہین کرتی۔ تعلیم کے معنی وہ یہ نہین سمجھتی کہ بچون کو اور گھر بار کو اور اُن تمام کامون کو چھوڑ کر جس کے لیے دست قدرت نے خاص کر اُسی کو پیدا کیا ہے وہ کچہری جائے اور مقدمات فیصل کرے۔ ایک ترکی عورت اپنی تعلیم کا صرف اسی قدر خیال کرتی ہے کہ وہ تمام قسم کی ادب فلسفی۔ سائنس اور قانون وغیرہ کی کتب کو پڑھکر سمجھ کے مذہب کو کتابون سے پختہ کرسکے اور اُن تمام باتون پر پابندی اور اچھائی سے عمل کرسکے جو اُن کتابون مین اچھی دکھلائی گئی ہین۔ قانون قدرت نے اور قانون دنیوی نے جو جو پابندیان کردی ہین اُن سے گزر کر اپنے آپ کو گناہ گار نہ بنائے۔ ترکی عورتین بغیر سمجھے آزادی کی رٹ نہین لگاتین۔ وہ آزادی کو مردون سے

شمنی اور اختلاف اور تفریح اور سیر پر ختم نہین کرتین۔ آزادی ترک عورت سے بڑھکر اور کسی کو نہ ملنا چاہیے۔ اس سے زیادہ اور کیا چاہیے برقع اولٹکر نکل جاؤ جو دل چاہے کرو۔ شوہر کی ذمہ داریون کو خیال مین جمائے رکھو۔ جو دل چاہے کھاؤ۔ پیو۔ پہنو۔ ترکی خاتون ان تمام باتون سے فائدہ اُٹھاتی ہے اور ساتھ ہی آزادی کے برے معنون اور طریق پر نفرت کی تسبیح پھیرتی ہے۔ کاش یہ تمام خوبیان ہند کی عورتون مین بھی پیدا ہو جائین اور اُنکے صدقہ مین وہان بھی نپولین پیدا ہونے لگین۔ آمین۔

منظور محمود

غزلیات

اینداد ے کر پائی ایذا راحت دے کر آرام لیا
ہو جاتا ہے کیا جلدی بدلا جو صبح دیا شام لیا

بیکاری فرقت مین ہم نے ہاتھون سے نہ کیا کیا کام لیا
اُٹھے تو سنبھالے دل اُٹھ بیٹھے تو کلیجا تھام لیا

محشر مین شکوہ جور کیا دل دینے کو سمجھے اپنی خطا
کیا اسکو بھی سمجھو گے نہ وفا سب اپنے ہی سر الزام لیا

محفل مین ہم مانع بھی حیا ہو کے مطلب اشارون ہی مین ادا
باتون کا اگر موقعہ نہ ملا آنکھون سے زبان کا کام لیا

برخاستہ خاطر ایسے تھے رو کے نہ رُکین گے اب جیسے
پھر اُٹھتے اُٹھتے بیٹھ گئے جب اُس نے گریبان تھام لیا

چھیڑا جو کسی نے دیکے قسم ظاہر ہوا پنہان تھا جو غم
چپ بیٹھے تھے جسکی یاد مین ہم بولے تو اُسیکا نام لیا

گو ضعف سے اُٹھ بھی نہ سکتے تھے اُن تک پہنچے گرتے پڑتے
اس دل سے خدا سمجھے جس نے جو ہو نہ سکے وہ کام لیا

دم بھر تو قرار بھلا ہی کسے بیتابیٔ دردِ فرقت سے
بیہوش رہی تو یہ سمجھے بس اتنی دیر آرام لیا

اے آرزو کیا اسکا جانے دو جو وہ بیدید گیا
پر مجھسے کوئی ہوگا نہ بُرا اگر آج سے دل کا نام لیا

سید انور حسین آرزو لکھنوی

دیکھون تو نہین آتی ہے اب یاد کسی کی
آئی ہے ستانے انھین فریاد کسی کی

سینے سے لگائے تجھے رکھین گے وہ ہر وقت
اب مان بھی جا اے دلِ ناشاد کسی کی

آتی ہے تو لے آتی ہے یہ ساتھ کسی کو
آ آکے ستاتی ہے بہت یاد کسی کی

تو ہاتھ بھی رو کے گا تو چل جائے گا خنجر
آئی ہوی رکتی نہین جلاد کسی کی

گہرا بھی اُتر جائے جو نشتر نہین پروا
نبضین بھی ہین ڈوبی ہوی فصاد کسی کی

آتا ہے تو چپ رہتے ہین مرغان نوا سنج
شکوہ ہے کہ سُنتا نہین صیاد کسی کی

سر پھوڑ کے دی جان بھی تو کیا سر کہسار
ٹھوکر بھی تو کھا سے سرِ فرہاد کسی کی

افسوس کہ دل ہم سے گیا ہم گئے دل سے
دل سے نہ گئی لذتِ بیداد کسی کی

کھنچ آے گی وہ کھینچ نہ دل کی مری تصویر
تصویر مرے دل مین ہے بہزاد کسی کی

آواز حرم ذبح پہ آئی رگ جان سے
رہنے دے لگی خنجرِ فولاد کسی کی

دامن مین بگولے لیے پھرتے ہین مری جان
اس طرح بھی مٹی نہ ہو برباد کسی کی

سن کر وہ ریاض آپ کے اشعار یہ بولے
سچ ہے کہ طبیعت ہے خداداد کسی کی

ریاض خیر آبادی

گئی نہ دل سے کہین آہ نارسا میری
ہزار شکر کہ اُکھڑی نہین ہوا میری

سُنین گے شوق سے وہ داستان کیا میری
کہ حرف حرف ہے گویا کہ التجا میری

اثر کے پاؤن پڑی عرش کے قدم چومے
کسے کسے نہ مناتی پھری دعا میری

وصال ہجر مین یکسان ہی تیرا ذکر خیال
یہ اپنی وضع نہین چھوڑتی وفا میری

اشارہ پاکے اثر کا لگے کچھ ایسے پر
ابھی تھی دل مین ابھی عرش پر دعا میری

طلسم عشق نظر بند کر گیا ہے مجھے
نگاہ کس پہ اُٹھے گی ترے سوا میری

طمع ہے دل کی تو عاشق کے ہاتھ جوڑ و گے
یہ کیا کہا کہ خوشامد کرے بلا میری

کسی کو تیغ بکف دیکھ کر یہ گھرایا
حواس کیا کہ ہوی روح تک فنا میری

نہین ہین تیغ ستمگر مین حلقہ جو ہر
دکھا رہی ہے یہ آنکھین مجھے قضا میری

ہوا ہون حور کا طالب پہونچ کے مرقد مین
بڑھی ہے زندہ دلی کیا پسِ فنا میری

علاج عشق کا عیسٰے پہ انحصار ہے کیون
وہ آسمان سے لائین گے کیا دوا میری

جسے ہر اک نے سنا تھین وہ گالیان تیری
جسے نہ کوئی سُنے ہے وہ التجا میری

چلا ہے لے کے مجھے شوق دل وہان احسن
قبول ہو نہین سکتی جہان دعا میری

احسنِ مارہروی

کھینچ لائی ہے اُنھین گورِ غریبان مین کشش
بعد مرنے کے ہوی ہے سوز نہان مین کشش

زیر طوبے جو رہا کرتے تھے وہ بھی آگئے
اسقدر ہے سایۂ دیوارِ جانان مین کشش

خود چلے آئین وہ میرے گھر کلیجہ تھام کر
اسقدر تو ہوا آئی آہ سوزان مین کشش

اے وفا وہ سخت دل ہون لاکھ لیکن ایکدن
کھینچ لائے گی اُنھین گور غریبان مین کشش

وفا شاگرد جلیل

مری دیوانگی کیا جانے مری جان کوئی
وحشت مجھ سے کوئی چھوٹا نہ بیابان کوئی

ہے فدا خط پہ کوئی خال پہ قربان کوئی
کوئی کافر ہوا ہے تو مسلمان کوئی

کھینچ لے آنکھ مین تصویر خیالی اُن کی
شغل اب چاہیے ہے اے شب ہجران کوئی

واہ کیا خوب تماشا ہے ترے کوچہ مین
طالب موت کوئی وصل کا خواہان کوئی

زلف پُر پیچ کے پھندون مین خدایا پھنسکر
ہو نہ دنیا مین مری طرح پشیمان کوئی

اللہ اللہ مین اس لطف و کرم کے صدقے
بار عصیان ہے مرے سر پہ پشیمان کوئی

لکھنؤ مین ہمین آرام نہین اے ناصر
بدلے اس شہر کے مل جائے بیابان کوئی

ناصر نقوی دہلوی

مانا کہ زمانے مین نہین تم سا حسین اور
مجھسا بھی کوئی چاہنے والا ہے کہین اور

موقوف نہ کر دور مئے روح فزا کا
کچھ دیر ابھی پیر خرابات نشین اور

ہر زخم جگر سے مرے آتی ہے یہ آواز
قاتل ترے قربان کوئی وار یہین اور

اُڑتی ہے کبھی خاک جو مجنون کی لحد سے
جز کوچۂ لیلے نہین جاتی ہے کہین اور

صادق مجھے اب چین نہین زیر لحد بھی
ہے جی مین یہان سے بھی نکل جاؤن کہین اور

عبد الغنی صادق ناندیری

بیکسی مین کون اب غمخوار ہے
مین ہون یا میرا دل بیمار ہے

جس کے پہلو مین دل بیمار ہے
لاکھ آزارون کا اک آزار ہے

قتل کرتی ہے یہ مل مل کر گلے
واہ کیا چلتی ہوئی تلوار ہے

جان دینا سہل ہے دیدین گے ہم
جان لینا مہربان دشوار ہے

گل فشانی ہے قفس مین بھی وہی
جس جگہ ہم ہین وہی گلزار ہے

جان لینے کو قضا سے کیون کہو
اک ادائے ناز بس درکار ہے

جب کہا اُن سے کہ مرتا ہے ظہور
بولے اپنے فعل کا مختار ہے

سید ظہور الدین احمد ظہور [illegible]

نظرے خوش گزرے

ہندوستان کے اخبارات و رسائل پر ایک مفصل تبصرہ کا تہیہ مدت سے ہے۔ ایک حصہ لکھا بھی گیا لیکن کچھ تو اس وجہ سے کہ جگہ کی قلت ہے اور کچھ اس وجہ سے کہ گزشتہ دسمبر سے مسلسل سفر۔ علالت۔ بعض نئے افکار اور غیر معمولی مصروفیتوں نے ایسا پریشان رکھا کہ بقیہ اجزا کے لکھنے سے ہم قاصر رہے۔ جو نئے اخبارات و رسائل ادھر جاری ہوئے ہیں اُنکے ایڈیٹرون کو ایک طرف اور جن حضرات نے ازراہ کرم بہت سی کتابین ہمارے پاس بغرض ریویو بھیجی ہین اُن سب کو دوسری طرف ہم سے شکایت کا موقع حاصل ہے اور ہم سوائے اسکے کہ اعتراف جرم کر کے عذر خواہ ہون کیا کر سکتے ہین۔ بہرحال سردست ہم اپنے چند معاصرین کا خیر مقدم کرنے پر اکتفا کرتے ہین۔ انشاء اللہ فرصت سے اپنی مفصل (اگرچہ ناچیز) رائے کا اظہار کرین گے۔

اس طرف جو جدید اخبارات و رسائل معرض وجود مین آئے ہین اُنمین حسب ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہین۔ اخبارون مین آزاد (کانپور) مساوات (الہ آباد) ہمدرد (دہلی) اور توحید (میرٹھ) اور رسالون مین نقاد (آگرہ) العصر (لکھنؤ) نگار بزم (کلکتہ) شاہد سخن (حیدر آباد دکن)۔

ان مین سے اخبار آزاد کے مالک اور ایڈیٹر ہمارے قدیم کرم فرما منشی دیا نرائن نگم بی اے ہین جنکا رسالہ زمانہ نہ صرف ہمارے خیال مین بلکہ عموماً اہل نظر کی رائے مین ہندوستان کے موجودہ تمام رسائل سے افضل و بہتر ہے۔ اور اس سے بآسانی اندازہ کر لیا جا سکتا ہے کہ اخبار مذکور کس پایہ کا اخبار ہوگا۔ مختلف نقطہ ہائے نظر مختلف نتیجون پر پہنچاتے ہین اور اسلیے ضروری نہین ہے کہ اخبار مذکور کی تمام حیثیتون کے متعلق ہماری رائے یکسان طور پر پسندیدہ ہو لیکن حیثیات کے لحاظ سے عموماً اور اُس جماعت کی نظر سے خصوصاً جسکی نیابت کا حق نگم صاحب ادا کر رہے ہین آزاد کی زندگی نہایت امید پرور معلوم ہوتی ہے۔ اسکی قیمت سالانہ للعہ ہے۔ مگر ظاہری حالت قابل تعریف نہین۔

مساوات اس حیثیت سے تو یقیناً نہایت قابل قدر ہے کہ صوبۂ ہذا کے مرکز مین کوئی اردو اخبار (خصوصاً مسلمانون کے حقوق کی حفاظت کے لیے) نہ تھا اور ہمارے عزیز دوست منشی نذیر احمد (علیگ) کی ہمت پر جسقدر آفرین کی جائے کم ہے۔ لیکن غالباً اب تک کافی مقدار مین عمدہ ایڈیٹوریل اسٹاف کا انتظام نہین ہوا ہے جو ساوات اپنی اصلی حیثیت و منزلت حاصل کر سکے۔ مگر نا امید ہونے کی کوئی وجہ نہین۔ قیمت بھی اسکی للعہ کم نہین ہے۔

ہمدرد کا تذکرہ بحیثیت اخبار اُس وقت تک تو کرنا چاہیے جبتک وہ موجودہ حالت مین ہے اور اپنی ترقی پذیر حالت کے لیے نقیب کا کام کر رہا ہے۔ ہان جب یہ اپنی اصلی حیثیت مین نمودار ہوگا تو ہم کو امید ہے کہ ہندوستان کی اخباری

دنیا مین ایک نہایت ہی قابل قدر اضافہ ہوگا اور موجودہ زمانہ کے بعض مشہور اخبارون کی بدمذاقی کے لیے اسکی اشاعت یقیناً موجب تنبیہ و اصلاح ہوگی - بہرحال ہم اُس دن کے لیے بے چینی سے انتظار کر رہے ہین -

توحید مین وہ تمام جدت طرازیان مجموعی طور پر پائی جاتی ہین جو حسن نظامی صاحب کی ذہانت و طباعی کا بین ثبوت دیتی رہتی ہین - خواجہ صاحب کی انشا پردازی ہماری مدح و ستایش سے بالاتر ہے اور اگر توحید کا ظاہری لباس تصوف کی باطنی تعلیم کے لیے مفید و کارآمد ہو سکتا تو مسلمانان ہند کے حق مین یہ اخبار ضرور نزول رحمت کا باعث ہوتا لیکن جب اہل باطن ظاہری تصنعات سے آراستہ ہوکر نمود و نمایش کو اکتساب برکت کا ذریعہ قرار دین اور یخادعون الله والذین آمنوا وما یخدعون الا انفسهم وما یشعرون کی دل ہلا دینے والی آواز پر کان نہ دھرین تو ظاہر ہے کہ مذہب اور اہل مذہب کے حق مین نتیجہ کبھی مفید نہین ہو سکتا - ہم جانتے ہین کہ ہماری آواز ان معاملات مین نہایت مدھم ہوتی ہے لیکن پھر بھی جب کبھی ہمین موقع ملے ہم اس بارے مین اپنی رائے کا اظہار آزادی کے ساتھ کرتے رہین گے اس لیے کہ مسلمانون کی موجودہ ذلیل اور پست حالت کا ذمہ دار زیادہ تر وہی گروہ ہے جو انانیت و خودی کی مے دوآتشہ کا متوالا بن کر خدا اور رسول کی ارشاد و تعلیم کو پس پشت ڈالنے اور مذہب کے ظاہری لباس سے آراستہ ہوکر سادہ لوح حلقہ بگوشان مذہب کی آنکھون کو خیرہ کرنے مین ید طولیٰ حاصل رکھتا ہے -

افسوس ہے کہ یہ خاکی نژاد انسان جسکی تخلیق مین ایک ناقابل شمار حصہ وقت سے زیادہ اور ایک قطرۂ ناپاک سے سوا صرف نہین ہوا ہے کتنی جلد اپنے نفس کا بندہ بن جاتا ہے - طرح طرح کی نیرنگیون اور شعبدہ بازیون سے اُس خالق ذوالجلال کی بیشمار مخلوق کو مصیبتون مین پھنساتا ہے جسکی قدرت و طاقت کا اندازہ بھی امکان بشری سے خارج ہے اور پھر اپنی وقتی اور عارضی کامیابیون سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ اُس بصیر و علیم کو بھی دھوکہ مین ڈال دیا ہے - اور اسوقت کو یاد کر کے نہین لرزتا جبکہ یہ سراب یہ بلبلہ یہ دھوکے کا طلسم باقی نہ رہے گا اور دلون کے اندر کے راز طشت از بام کر دیے جائینگے - ؎ ٹٹولتے ہین بیان حال گوشہ گوشۂ دل + بیان نہین ہے حکایت سے اور قال سے کام -

ہمارے متعلق توحید کے پہلے ہی پرچہ مین یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ ہم درویشون کی ہستی کو ریاکاری کی ہستی قرار دیتے ہین - اور اگر مذکورہ صدر خیالات کا مفہوم یا جو کچھ ہم نے اس مسئلہ پر فروری ۱۲ء کے الناظر مین نظام المشائخ پر ریویو کرتے ہوئے لکھا تھا اُسکا منشا و مطلب توحید کے طبع اڈیٹر کی رائے مین اسیقدر ہے تو ہم کو اُن سے کوئی شکایت نہین ہو سکتی - البتہ ہم دوسرون کی خدمت مین یہ عرض کر دینا مناسب سمجھتے ہین کہ ہم اُن لوگون کی ہستی کو ریاکاری کی ہستی نہین قرار دیتے جو واقعی درویش ہون مگر وہ لوگ جو خود پرستی و خود نمائی کے سکہ ہائے مقلوب کا

تبادلہ عقیدت و ارادت سے کرنا چاہیں اور مذہب ایسی مہتم بالشان چیز کو اپنے مفروضہ کشف و کرامات سے بازیچۂ اطفال بنائیں اُنکے سامنے سر تسلیم و نیاز جھکانا البتہ ہمارے مذہب میں ایک گناہ عظیم ضرور ہے۔ اور خواہ ہر دلعزیز بننے کی ہمیں کیسی ہی سخت خواہش و ضرورت کیوں نہو لیکن ہم اپنی فطرت سے مجبور ہیں کہ امید و بیم کی کوئی حالت ہمیں اس معاملہ میں شکست نہیں دے سکتی۔

ہمارے اوپر ایک اور اعتراض کیا گیا ہے جس کا کچھ حصہ چونکہ صحیح ہے اس لیے ہم خواجہ صاحب کے شکرگزار ہیں کہ اُنھوں نے از راہ کرم گستری ہمیں متنبہ کر دیا اور ہم امید کرتے ہیں کہ آیندہ ہمارا طرز عمل اس معاملہ میں قابل اعتراض نہ رہے گا۔

نقاد کے نام سے تو ہر شخص کو یہی خیال ہوتا ہے کہ آگرہ سے اس نام کا جو رسالہ نکلنا شروع ہوا ہے اُسکی بڑی خصوصیت یہ ہوگی کہ اعلے درجہ کی تنقیدیں اُوسمیں شایع کی جائینگی۔ مگر ہمارے عزیز دوست سید نظام الدین صاحب دلگیر معاف فرمائیں کہ اُنھوں نے جس انداز پر اپنے رسالہ کو چلانا شروع کیا ہے اُسکے لحاظ سے یہ نام نازیبا ہی نہیں ناموزون بھی ہے۔ تنقید لکھنے والے میں جن صفات کا ہونا ضروری ہے اُنمیں وسعت نظر وغیرہ کے علاوہ مندرجۂ ذیل دو صفات ہمارے خیال میں لازمی ہیں :- (۱) یہ کہ صاحب تنقید ایک بڑی حد تک بے لاگ ہو یعنی حسن و قبح کے پرکھنے میں ہر قسم کے ظنیات شخصی سے احتراز کر سکتا ہو اور (۲) اتنی اخلاقی جرأت رکھتا ہو کہ تعریف یا ذم کی جتنے پہلو پیش نظر ہوں سکو بلا پس و پیش ظاہر کر دے۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے دوست حضرت دلگیر میں یہ صفات بالکل مفقود ہیں لیکن اگر محض نقاد کے گزشتہ چار پرچون ہی کو دیکھکر کوئی رائے ظاہر کیجا سکتی ہے تو ہم بلا خوف لومتہ لائم یہ کہنے کی جرأت کرینگے کہ وہ تنقید نگاری کے فرائض اچھی طرح ادا نہیں کر سکتے پس ہماری عقل محدود اس حقیقت کی تہ تک پہونچنے سے قاصر ہے کہ سید صاحب نے اپنے رسالہ کے لئے یہ ناموزون نام کیوں نہ تجویز کیا۔ بہرصورت ہم اس خاص معاملہ میں نقاد کے منتظمین کو نا قابل مبارکباد سمجھتے ہیں۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ ہماری ناچیز رائے میں اس بڑے ستم نے نقاد کی دوسری خوبیوں کے حسن کو بھی نکھرنے نہ دیا۔ ورنہ مضامین کی شوخی و رنگینی ایسی نہیں جو کم سے کم جلد قبولیت عام کا ذریعہ نہ بن جاے۔ پھر لکھائی چھپائی کا دیدہ زیب ہونا اور انتظام روانگی میں پابندی کا لحاظ رکھنا کیا کم قابل ستایش ہے۔ سرورق بھی خوشنما ہے۔ کاغذ زرا دبیز ہوتا تو بہتر تھا قیمت (عہ) البتہ کم لحاظ سے زائد ہے کہ اس سے زائد حجم کے رسالوں کی قیمت عموماً اتنی نہیں ہے لیکن جنکے پاس "نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز" کے پیام آتے رہتے ہوں اُنھیں اس بارے میں عام روش کی تقلید کی حاجت نہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آیندہ کچھ مدت بعد جب ہم زیادہ تفصیل کے ساتھ ریویو کرنے بیٹھیں گے تو اسوقت جن باتوں سے ہم نے اتفاق ظاہر نہیں کیا اُن پر بحث کرنے کا موقع نہ ملے گا۔

العصر کے مالک و ایڈیٹر مسٹر پیارے لال شاکر میرٹھی ہمارے سابق ہمعصر اور کرمفرما ہی نہیں بلکہ ہمارے موجودہ ہمسایہ اور دوست بھی ہیں یعنی آباد پارک کے جس مکان میں فرمِ الناظر ہے اُسی کے ایک حصہ میں شاکر صاحب بھی تشریف رکھتے ہیں اور اسلیے رسالہ کے متعلق جو کچھ ہمیں کہنا ہوگا اُن سے زبانی عرض کر سکتے ہیں۔ تاہم ادائے فریضۂ خیر مقدم کے بعد ہم ناظرین سے اس جدید رسالہ کا تعارف کرانا ضروری سمجھتے ہیں۔

العصر اکثر حیثیتوں سے ادیب کے بالکل مشابہ ہے ایسا کہ ایک صاحب نے اسے ادیب کا سوتیلا بھائی بھی بنا دیا۔ پھر بھی کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہے کاغذ ادیب سے دبیز لگایا گیا ہے سرورق کا رنگ بھی بدل دیا گیا ہے۔ مگر تصاویر کی حیثیت میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے اور ترتیب مضامین یا خود مضامین کی یکسانیت تو ہماری نظروں میں نہایت مکروہ ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ ہماری نگاہ میں اس رسالہ کا اجرا فن اخبار نویسی کے لیے ذرا بھی مفید نہیں

ہمارے نزدیک کسی رسالہ کا وجود اُسی صورت مین حق بجانب ہوسکتا ہے جب یا تو اُسکے مقاصد اشاعت ایسے ہوں کہ دوسرے موجودہ رسائل انکا سرانجام نہ کرسکتے ہون اور یا مضامین و ترتیب مین کوئی خاص امتیاز پیدا کیا جاے۔

ہماری راے ناقص مین ہندوستان ایسے وسیع ملک کے لیے اور خصوصاً یہان کی اقوام و فرق مختلفہ کی ضروریات کے لحاظ سے اخبارون اور رسالون کی موجودہ تعداد ہرگز کافی نہین ہے۔ لیکن ایک ہی قسم کے دو رسالے جنمین فرق اگر کچھ ہو تو محض مقام اشاعت یا مالک و مرتب کی شخصیت کا کسی طرح پر اپنے وجود کو مفید و کارآمد نہین ثابت کرسکتے خصوصاً جبکہ دونوں کا مرکز اشاعت اسقدر قریب ہو جیسے لکھنؤ سے الہ آباد ہے۔ لیکن مسٹر شاکر نے جس پیمانہ پر ہمت کرکے اس کام کو شروع کردیا ہے ہمارا فرض ہے کہ ہم اُنکو خوش آمدید کہین اور ہمت دلائین۔ اگرچہ ادیب کے دولتمند مالکون کے مقابلہ مین اُنکی کوششین کچھ زیادہ بارآور ہوتی نظر نہین آتی ہین ہمین افسوس ہوگا اگر بدنصیب لسان العصر کی طرح اس بے زبان پرچہ کا مدفن بھی لکھنؤ بنا اسلیے کہ ہم کو اپنے شہر کی مرتبہ و عزت کا خاص لحاظ رہتا ہے۔ اسی لیے ہم اپنے صوبہ کے علم دوست حضرات سے سفارش کرتے ہین کہ آپ کے یہان جو مہمان آیا ہے وہ اگرچہ ناخواندہ سہی۔ لیکن آپ کی توجہ اور اعانت کا خاص طور پر مستحق ہے۔ آپ کو کم سے کم یہی سمجھکر اُسکی اعانت کرنا چاہیے کہ آپ کے صوبہ سے یہی ایک باتصویر رسالہ شایع ہوتا ہے۔ قیمت اسکی ۔ سالانہ ہے۔

نگار۔ بزم۔ چھوٹی تقطیع کا ایک رسالہ کلکتہ سے شایع ہونے لگا ہے اور غالباً "تنویر المشرق" کا بدل کہا جا سکتا ہے۔ حجم ۔ صفحہ ہے۔ جیسے عا قیمت زیادہ ہے۔ مضامین کے لحاظ سے پہلا نمبر قابل اطمینان نہین اور جس مختصر مجموعہ کی ترتیب مین دو دو ایڈیٹر شریک ہون جنمین سے ایک ایم اے ہو اُسکی یہ حالت ضرور قابل افسوس ہے کہ سرورق پر جو مقاصد رکھے گئے ترتیب مین اُنکا کچھ بھی لحاظ نہ کیا گیا۔ تاہم چونکہ ایکر ہوسٹل کے طلبا اس رسالہ کے وجود مین آنے کا باعث ہین اس لیے ہم امید کرتے ہین کہ اس نئے پودہ مین آے دن تازہ کونپلین پھوٹتی رہین گی اور کافی نشو و نما پانے کے بعد یہ رسالہ اپنے مقاصد کو اچھی طرح پورا کرسکے گا۔ ہمارے نوجوان دوست ان آزادانہ خیالات سے آزردہ نہون اور اس دوستانہ اور خیر اندیشانہ نکتہ چینی سے اپنے پاے ہمت و استقلال مین لغزش نہ آنے دیت اور یقین کرین کہ اس منزل دشوار مین ع دیدہ سعدی و دل ہمراہ تست

شاہد سخن حیدرآباد سے شایع ہوتا ہے جو ہماری خاص دلچسپی کا باعث ہے۔ اور اسی سبب سے ہمین شاہد سخن کو دیکھکر کچھ زیادہ خوشی نہین ہوئی اسلیے کہ حیدرآباد ایسے مرکز سے کسی نہایت ہی معمولی رسالہ کا نکلنا قابل افسوس ہے۔ اخبارون کے لیے وہان کی آب و ہوا مفید نہو تو مضائقہ نہین اسلیے کہ سیاسی حریت بغیر اخبارات کی ترقی ممکن نہین اور یہ حیدرآباد مین ابھی عرصہ تک حاصل نہین ہوسکتی۔ لیکن علمی و ادبی رسالہ کے لیے وہان جو سامان مہیا ہے شاید ہی کہین دوسری جگہ مل سکتا ہو روپیہ کی وہان کمی نہین۔ اہل علم بھی وہان بکثرت موجود ہین اور بعض اس پایہ کے لوگ ہین جو ساری ہندوستان کے لیے باعث فخر ہوسکتے ہین۔ پھر وہان ایسے علم دوست حضرات کی کمی بھی نہین جو کسی اچھے علمی رسالہ کی خریداری کرنے مین عذر کرین۔ ہان تھوڑی سی کوشش ذاتی اخلاک و مجانستادلی کی البتہ ضرورت ہے محض سرورق پر گٹھری بھر یا اضافت سے مقاصد کا شمار کرا دینا کسی طرح سرانجام مقصد کے لیے کافی نہین ہوسکتا بلکہ اصحاب علم کو منہ چڑھانا ہے۔ اور اس حالت پر عمر سالانہ قیمت رکھنا تو کسی طرح مناسب نہین ہے۔

مندرجہ ذیل کتب بھی ناظرین بالخصوص طلب فرمائیں

آثار الصنادید - سرسید مرحوم کی نہایت مشہور اور مستند تصنیف معہ نقشہ جات عمارات دہلی عـہ ر

ترجمہ تاریخ فرشتہ نہایت مستند و مفصل و معتبر تاریخ - ہے ر

قیصر التواریخ یعنی سلاطین اودھ کی مبسوط و مکمل تاریخ . . . عـہ ر

اردو ترجمہ حیاۃ الحیوان - جانوروں کیڑے مکوڑوں چرند پرند درند وغیرہ کے تاریخی حالات دو جلد فی جلد عـہ ر

ترجمہ تاریخ مصر یعنی مصری طرز تمدن کا ہو بہو قابل دید فوٹو عـہ ر

ترجمہ منتخب التواریخ - ملا عبد القادر بدایونی کی مشہور تصنیف کا اردو ترجمہ عـہ ر

دبستان مذاہب - دنیا کے مختلف مذاہب کی حقیقی و تحقیقی کیفیت ـمہ ر

سوانح عمری اورنگ زیب مصنفہ محمد لطیف صاحب بی اے - ۱۲ ر

سوانح عمری اکبر - اکبر کے غیر متعصبانہ اور عادلانہ طرز حکومت کا بیان ۸ ر

شاہجہان نامہ - شاہجہان بادشاہ کے دور حکومت کے مفصل کوائف مع ...

مطلع العجائب - ترجمہ نواب محسن الملک مرحوم با تصویر - عـہ ر

فسانہ برطانیہ - انگلستان کی معاشرتی اور سیاسی زندگی کی حالت

مصائب غدر - حالات غدر مفصل ترجمہ مولوی نذیر احمد دہلوی ۸ ر

معلم السیاست - انگلستان کے مشہور فلسفی مصنف مل کی کتاب متعلق سیاست مدن - جسمین دستوری حکومت اور امور سیاسی پر عالمانہ اور مفصل بحث کی گئی ہے - عـہ ر

اعمال نامہ روس یعنی روسیون کی تمدنی حالات اور معاشرتی کیفیات اور سیاسی تغیرات کا صحیح نقشہ ہے عـہ ر

طلسم فرنگ - انگریزون کے عجیب شعبدون کا بیان ۱۲ ر

عقل و شعور - لڑکوں لڑکیون مردون - عورتون کی تعلیم کے لئے کتب افسانہ کے پیرایہ مین نصائح حکیمانہ و فلسفیانہ بغیر ختم کیے چھوڑنے کو جی نہین چاہتا عـہ ر

اردوے معلے یعنی حضرت غالب کے رقعات نثر طرز تحریر کے بے مثل نمونے ۸ ر

عود ہندی - بشرح صدر ۸ ر

لٹریچر - معروف بہ نگارنامہ انگریزی طرز پر اردو مین قواعد خطوط نویسی

دبدبۂ امیری - یعنی سوانح عمری امیر عبد الرحمن خان امیر کابل عـہ ر

آئین اکبری - علامہ ابو الفضل کی

ضخیم تصنیف جسمین اکبر کی ذاتی خوبیان اور سلطنت کے حالات و سوانح عمری درج ہین فارسی . . . . لـعـہ ر

خطوط منشی امیر احمد - جسمین حضرت امیر کی سوانح اور آنکے کلام پر ریویو اور موازنہ امیر و داغ بھی شامل ہین - ۸ ر

میزان سخن - یعنی معرفت العروض ۸ ر

حدیقۃ النثر - قدیم طرز کی انشا پردازی کا معلم اور کتب قانون کی زینت ۸ ر

حکیم محمد علی کی لاجواب تصانیف

عبرت - جان ہنوریا کا لطیف قصہ بے مثل ناول کل تین حصہ . . . ہے ر

اختر و حسینہ - عورتون کی تعلیم کسقدر ضروری ہے - عمدہ عمدہ پیرایہ مین نتائج تعلیم دو حصے . . . عـہ ر

جعفر و عباسہ - ہارون رشید کے زمانہ کا قصہ پردہ نکرنے کے بُرے نتائج . . . . . ۹ ر

نیل کا سانپ - ملکہ حسن کلوپیٹرا کی پر درد داستان - کلیجہ تھام لوگے جب سنوگے . . . . . ۹ ر

حُسن سرور - میلے ٹھیلے جانے کے نقصانات لطیف طرز ادا کے ساتھ مکمل تین حصے . . . . . ہے ر

گور افشار حسین - عقد بیوگان کی ضرورت پر بے مثل ناول کے طرز پر عـہ ر

مسیحاے عالم . . . . ۸ ر

اہرام مصر - ۲ ر

دیول دیوی - اسلام کے ایک جاہل فاتح علاؤالدین سکندر ثانی کا طرز حکومت و حسن انتظام وغیرہ ۹ ر

مولانا آزاد دہلوی مرحوم کی تصنیفات

دربار اکبری - ے ر

سخندان فارس - شعراے فارسی کا جامع و مفصل تذکرہ . . . عـہ ر

آب حیات - مستند شعراے اردو کا تذکرہ تعریف سے بالاتر . . . ۸ ر

دیوان ذوق - مرتبہ آزاد مع مقدمہ و سوانحعمری ذوق . . . ۸ ر

نظم آزاد - کل نظمون کا مجموعہ ۸ ر

نیرنگ خیال استعارہ کے لطیف مضامین . . . ۷ ر

قند فارسی - ایران کی مروجہ حال زبان . . . . . ۸ ر

نصیحت کا کرن پھول ۴ ر

مکتوبات آزاد - ۶ ر

بیاض عشاق زوجۂ آخری شاہ اودھ کا دیوان فصاحت کی جان - ۴ ر

دفتر تنگرت - دہلی کی مشہور خوشگو شاعر دنسیم دہلوی کا پورا دیوان - ۱۲ ر

اسکے علاوہ ہر فن کی تمام کتب اس مطبع سے روانہ کی جاسکتی ہین

مدینہ

ہندوستان کے مسلمانون کو عرصہ سے ایک ایسے اخبار کی ضرورت تھی جو قومی حقوق کی حفاظت کے ساتھ ہی مسلمانون کی مذہبی ضروریات کا بھی جامع ہو۔ کیونکہ اسوقت جسقدر مسلمانون کے اخبارات جاری ہین وہ یا تو خالص مذہبی ہین یا صرف قومی اس ضرورت کو مدنظر رکھکر ہم نے اخبار مدینہ نکالا ہے جو ایک سال سے نہایت خوبی کے ساتھ اپنی مذہبی و قومی خدمات انجام دے رہا ہے مدینہ کا اعلےٰ فرض مسلمانون کے مذہبی و قومی اور سیاسی حقوق کی حفاظت ہے جو ملک کے زبردست اہل قلم اور روشن خیال مدبر مولانا آغا رفیق صاحب بلندشہری کی ایڈیٹری مین نہایت خوبی کے ساتھ انجام دے رہا ہے اور جس مین اُس نے ایک سال کے اندر قابل فخر کامیابی حاصل کی ہے اگر آپ نے ایسے مفید و ضروری اخبار کو ملاحظہ نہ فرمایا ہو تو جلد اس کا نمونہ منگا کر دیکھیے اور بعد ملاحظہ خریداری سے اعانت فرما کر مالک و منیجر کی ہمت افزائی کیجیے۔ نمونہ مفت قیمت سالانہ ۳ پیشگی ۲ المشتہر منیجر اخبار مدینہ بجنور۔ یو۔ پی

پریم کہانی وارث جانی

یہ وہ نادر کتاب ہے جس کا شہرہ قبل از طبع شائقین علم موسیقی مین ہو چکا ہے۔ اس سے ہر مذہب اور ہر مذاق کا آدمی لطف اُٹھا سکتا ہے درویشون کے لیے تصوف بھرا ہی عاشقون کے واسطے حسن و عشق کا اچھا نقشہ ہے خوش آوازون اور زندہ دلون کے لیے اس سے بڑھکر اور کیا ہو کہ ہندی زبان ہے ٹھمریان بھجن۔ اور بسنت وغیرہ اس سے بہتر گانے کے لیے اور کون سی چیز ہو سکتی ہے۔ اس کتاب کے مصنف حضرت سید شاہ امین صاحب قبلہ وارثی باجداد درویش ہین۔ یہ کتاب ذیل کے پتہ سے (۸عہ) کو مل سکتی ہے۔

حیدرآباد دکن عقب مسجد چوک۔ مکان عبداللطیف عطر فروش

صحیفہ

اردو اخبارات مین اخبار صحیفہ کو جو امتیاز حاصل ہے وہ اُس کی چودہ سالہ اہم و وقیع خدمات ملک و قوم سے ظاہر ہے صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ مین یہی وہ اخبار ہے جس کو یہ شرف ہو سکتا ہے کہ اُس کے دیکھنے والے ملک و قوم کے اعلےٰ ریفارمر رکن اور لیڈر ہین اخبار صحیفہ ایک خالص قومی و ملکی اخبار ہے جس کی متانت و سنجیدگی اور معاملات پر بہترین بحث و رائے ہمیشہ ملک و قوم کو فائدہ پہونچاتی رہی ہے اگر ایسے مفید و بہتر اخبار کو جو ملک کے مشہور اہل قلم اور روشن خیال مدبر مولانا آغا رفیق صاحب بلندشہری کی زیر ایڈیٹری اپنے فرائض کو نہایت خوبی کے ساتھ ادا کر رہا ہے آپ نے ابتک خرید نہین فرمایا نہین دیکھا ہے تو حقیقت مین آپ ایک بہترین علمی ذخیرہ سے محروم رہے ہین اسلیے آپ کا فرض ہے کہ آپ جلد اخبار صحیفہ کو خرید فرمائین اور اُسکی پاکیزہ تحریرات اور زرین آراء سے فائدہ اُٹھائین نمونہ مفت قیمت ۳ سالانہ پیشگی المشتہر منیجر اخبار صحیفہ بجنور یو۔ پی۔

سفوف برق

نمونہ مفت — نمونہ مفت

معدے و جگر کے تندرست اور اُنکے صحیح رہنے پر انسان کی تندرستی توانائی اور زندگی کا دارومدار ہے۔ ورنہ معدہ کمزور ہونے سے بھوک کم لگتی ہے کچھ کچھ غذا کھائی جاے تو دیر مین ہضم ہو کے علاوہ درد شکم اسہال نفخ ریاح قبض سینہ کی جلن وغیرہ تکلیف دینے والی شکایتین بڑھ جاتی ہین جگر ضعیف ہوگا تو معدے سے آئی ہوی رقیق غذا کو بخوبی جذب کرنے کی صلاحیت نہ رکھے گا بدن مین رطوبت زیادہ اور خون کم پیدا ہوگا۔ جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بدن زرد چہرہ بے رونق ہو جائیگا ضعف بڑھ جائیگا درد سر دل دھڑکنا کسی کام مین جی نہ لگنا سر گھومنا ہاتھ پیرون کا ٹوٹنا شروع ہوگا اور ایسا کمزور آدمی سنگرہنی ورم و درد معدہ بدہضمی بواسیر بادی استسقا۔ طحال پتھری۔ ریگ گردہ۔ دمہ گٹھیا کی بیماریون مین بہت جلد مبتلا ہو کر لب گور پہونچ جائیگا لہذا چاہیے کہ معدہ و جگر کی مندرجہ بالا بیماریون مین بھی سفوف برق منگا کر استعمال کرین۔ سفوف برق معدہ و جگر کی مندرجہ بالا بیماریون کو بہت جلد دور کر دینے مین اکسیر صفت ہے اور سفوف برق کے آزمانے والے نوابان رؤسا عظام و معززین کی رائے ہے کہ ہر گھر مین اسکی ایک شیشی رہنا نہایت ضروری ہے۔ قیمت فی شیشی کلان ۱عہ خورد ۸عہ (ایک آنہ کا ٹکٹ بھیج کر نمونہ مفت طلب فرمائیے)۔

ابوالشفا حکیم محمد شمس الحسن مالک کارخانہ معدن الشفا گیا

پس باہم یہ قرارداد ہوی کہ اگر صلیبی شہر زارا کو جو بحیرۂ اڈریاٹیک (Adriatic) مین ساحل دلمیشیا سے کسی قدر فاصلہ پر واقع ہے اور جس نے سلطنت جمہوری ونیس کے مقابلہ مین علم بغاوت بلند کیا ہے فتح کر کے دوجی ونیس (بندقہ) کے حوالہ کر دینگے تو وہ باقی ماندہ رقم کا معاوضہ ہو جائے گا۔ صلیبیون نے اس شرط کو مان لیا۔ باشندگان زارا نے اطاعت قبول کر لی لیکن چونکہ موسم سرما شروع ہوگیا تھا اسلیے یہ طے پایا کہ صلیبی فوج موسم بہار تک یہین آرام کرے[1]۔

عیسائیون کا اپنے مقصد عظیم یعنی محاربۂ صلیبی کی طرف سے تھوڑی دیر کے لیے منحرف ہونا درحقیقت ایک دوسری جنگ صلیبی کا مقدمہ تھا جو اہمیت و استحکام کے لحاظ سے زیادہ بڑا تھا۔ جو ابر غلیظ کہ یروشلیم پر منڈلا رہا تھا قسطنطنیہ پر جا کر گرجا اور برسا۔ آئیزکیس انجلیس (Isaacus Angelus) کو ۱۱۹۵ء مین اسکے بھائی الکسیوس نے تخت سے اُتار کر خود نہایت بزدلی کے ساتھ ظالمانہ حکومت آغاز کی تھی۔ آئیزکیس کے بیٹے نے جس کا نام بھی الکسیوس تھا غاصب کے مقابلہ مین صلیبیون سے امداد کی درخواست کی اور یہ وعدہ کیا کہ سامان خورد و نوش کے تمام انتظام کے

(بسلسلۂ نوٹ صفحہ ماسبق) پانسو سوار اور بیس ہزار پیدل کے واسطے جہازون کا انتظام کر دے گا اور معاوضہ مین پچاسی ہزار زر سرخ لے گا اور اسی رقم مین اسقدر سامان رسد جو نو مہینے تک کافی ہو بھر دے گا اور دوسرے یہ کہ وہ اپنی سلطنت کی طرف سے افواج صلیبی کے ساتھ پچاس جہاز کر دے گا اور جو کچھ مال غنیمت ہاتھ آئے اوسکی نصفا نصف تقسیم کی جاے یعنے آدھا صلیبی لین اور آدھا اہل ونیس (بندقہ) غرضکہ یہ شرائط پاپائے روم کے پاس تصدیق کے لیے لکھکر بھیجدی گئین جس نے تصدیق بھی کر دی۔ اس عرصہ مین تھیوبولٹ رئیس شانپین جو سر عسکر مقرر ہونے والا تھا مرگیا اور بونیفاسیوس (بونی فس Boniface) رئیس مانٹ فرٹ سردار مقرر ہوا۔ دوجی ونیس نے مجاہدین سے کہا کہ آپ کے جہاز تیار ہین روپیہ داخل کر دیجیے اور تشریف لے جائیے لیکن امرائے فلانڈرس و سینٹ پال اور مانٹ فرے نبرار دقت کچھ قرض لے کر کچھ اسباب فروخت کر کے دو ثلث (یعنی اکیاون ہزار مارک) جمع کر سکے دوجی نے اپنے تمام امرا کو جمع کیا اور حالات واقعہ سے اطلاع دی اور صلیبیون سے کہا کہ اگر باقی رقم کے معاوضہ مین صلیبی شہر زارا کو بادشاہ ہنگری سے جس نے غصب کر لیا ہے چھین کر سلطنت ونیس کے حوالہ کر دینگے تو تمام جہازات کا حسب قرارداد انتظام کر دیا جاے گا۔ بعض اس تجویز پر راضی ہوے اور بعض نے انکار کیا۔ وکیل پاپوی نے بھی انکار کیا۔ حضرت مریم کی ولادت کی عید کا موقع جب آیا تو کنیسۂ قدیس مرقس مین جا کر دوجی ونیس نے بیان کیا کہ مین خود مجاہدین کا ساتھ دونگا خواہ مرون یا جیون" اور علامت صلیب اپنے سینہ پر رکھی یہ دیکھکر ایک عام جوش پھیل گیا اور یہ معاہدہ ہوا کہ جس قدر ملک صلیبی فتح کرین اُس مین سے نصف دولت ونیس (بندقہ) کو دیا جاے " (حروب صلیبیہ از کاکس و ایضاً مولفۂ سید علی الحریری صفحات ۲۲۴-۲۲۵)۔

[1] دی ہارڈوئن نمبر ۲۹-۳۴-۳۹-۴۲ نقل کردہ مل (Mill)

علاوہ انھین دو لاکھ نقرئی سکۂ مارک (Marks) ادا کرے گا اور پاپاے روما کی اطاعت کا جوا اپنی گردن پر اٹھاے گا۔ ایسے مفید وعدے اکثر لوگون کے منظور خاطر ہوے اور سلطنت مشرق کی راجدھانی کی ہوس مین فلسطین کا بالکل خیال جاتا رہا۔

فرانسیسی اور وینسی جہازات نوجوان الکسیوس اور اُسکی رعایا کے سامنے سے گزرتے ہوے قسطنطنیہ کی فصیلون کے نیچے پہونچ گئے اور اس بات کی کوشش شروع کی گئی کہ انھین حکمران شاہنشاہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے پر آمادہ کیا جائے مگر یہ سب تدبیرین بیکار گئین لیکن صلیبیون کی شجاعت وجوانمردی زنانے آرام پسند یونانیون کے مقابلہ مین بہت بڑھی چڑھی تھی۔ پانی مین جہازون سے کود کود کر انھون نے حملہ شروع کر دیا جسکی تاب نہ لاکر یونانی خیمہ وخرگاہ حملہ آورون کے لیے چھوڑ کر فرار ہوے[۱] ۔ چند ہی دنون مین شہر قسطنطنیہ کا محاصرہ شروع ہوگیا آخرکار یونانی ایک تعداد کثیر مین جمع ہوکر فرانسیسیون کے مقابل ہوے۔ فرانسیسی پہلے کچھ رعب مین آگئے اور تھوڑی دیر تک دونون فوجین ایک دوسرے کے سامنے خاموش اور خوف زدہ کھڑی رہین۔ آخرکار الکسیوس ہیبت مین آکر بھاگ کھڑا ہوا اور آئیزیکس کو قید خانہ سے لیجا کر پھر تخت پر بٹھا دیا اور کچھ عرصہ کے لیے دونون قومون مین صلح اور امن وامان ہوگیا[۲]۔

یونانی اور فرانسیسیون کے اتحاد کا بہت جلد خاتمہ ہوگیا۔ لاطینیون نے جاڑے بھر قسطنطنیہ مین رہنا منظور کیا تھا تاکہ نوجوان الکسیوس کو جو اپنے باپ شاہنشاہ کا سلطنت مین شریک حال تھا اسکی تخت نشینی مین مدد دین۔ الکسیوس نے دارالسلطنت سے نکلکر صوبجات کو مسخر کرنے کا قصد کیا۔ یہان شہر قسطنطنیہ مین آگ لگ گئی جو کسی طرح فرو نہین ہوتی تھی اور سڑکون پر تین میل تک پھیلتی چلی گئی۔ اسی ہنگامہ مین یونانیون اور لاطینیون مین باہم جھگڑا اُٹھ کھڑا ہوا اور بنائے خاصمت یہ قرار پائی کہ انھین لاطینیون کی نحوست ہے جو یہ بلا قسطنطنیہ پر آئی۔ اور بھی ایسے واقعات پیدا ہوگئے جس سے برہمی بڑھتی گئی۔ رعایا کو سلطنت مین یہ تغیر وتبدل ناگوار تھا۔ انھین اب اپنے قدیم مذہب کو ترک کرکے رومۃ الکبریٰ کی برتری تسلیم کرنی پڑی تھی۔ مزید برآن الکسیوس کو مجبوراً اپنی رعایا پر بڑے بڑے ٹیکس لگانا پڑے تھے تاکہ لاطینیون سے جو قرار داد ہوئی ہے اُسکی سبیل پیدا کرے۔ ان سب واقعات نے یہ نوبت کردی کہ عوام کے ضبط وصبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور زیادہ تحمل نہو سکا۔ وہ سب کے سب الکسیوس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوے اور انجام یہ ہوا کہ الکسیوس کو تخت سے کنارہ کرنا پڑا اور شاہنشاہ سابق کا ایک عم زاد بھائی مرزوفلس (Murzuphlus) جو نہایت ڈہیٹ۔ لفنگا اور بدمعاش تھا خود ہی تخت نشین ہوگیا[۳]۔

[۱] وی ہارڈوین نمبر ۶۷-۷۳-۸۲ نقل کردہ ملز (Mills) ۵۲ نائٹ ہڈ اینا لیز (Nicetae Annales) صفحہ ۲۵۲

[۳] ... صفحہ ...

اب لاطینیون کو بھی ایک وطن پیدا ہوی کہ جس طرح ہو یونانیون کو سزا دی جاے۔ جارٹے بھر وہ جنگ کی تیاری کرتے رہے۔ شاہنشاہ بھی نہایت مستعدی سے انتظام محافظت و مدافعت کرتا رہا لیکن جنگ مین لاطینی کامیاب رہے اور دنیا کا سب سے زیادہ خوبصورت شہر بے لگام سپاہیون کی دستبرد کا نشانہ بنا۔[۱] لاطینیون کا قسطنطنیہ مین جم جانا صلیبی محاربۂ پنجم کا اک غیر متوقع نتیجہ تھا۔ پوپ کے وکیلون اور اساقیف نے شروع شروع مین ایک امر خلاف انصاف سمجھکر اسکی مخالفت کی تھی لیکن جب انھین معلوم ہوا کہ حضرت قبلہ وکعبہ کے علاقہ جات مین اس سے کتنا معتد بہ اضافہ ہوگا تو انھون نے بغاوت کی اجازت دیدی اور مزید عنایت سے فتح ممالک کو تمام وکمال استحسان کی نظر سے دیکھا۔ لاطینیون کی یہ سلطنت صرف پچاس برس تک رہی اور اس قلیل مدت مین نہ اُسے کچھ قوت حاصل اور نہ کچھ فراغبالی پیدا ہوی۔

محاربۂ ششم کو آسانی کے ساتھ تین حصون مین تقسیم کیا گیا ہے۔ انڈریو بادشاہ ہنگری کی مہم۔ جنگ مصر اور فریڈریک ثانی کی جنگ ارض مقدس۔ لیکن اس جنگ کے پہلے اک اور مہم روانہ ہوی تھی جسکی تصدیق اگر بیشمار اسناد سے نہ کی جاتی تو وہ کبھی اعتبار کے قابل نہ سمجھی جاتی۔ اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین لوگون کی طبیعتون کا میلان کیا تھا۔ اس مہم کو صلیبی محاربۂ اطفال کہتے ہین۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۲۱۲ء مین فرانس مین ایک لڑکا اپنی زبان مین یہ گاتا ہوا جارہا تھا:۔

"عیسیٰ مسیح۔ ہمارے نقصان کی تلافی فرمادیجیے اور ہماری صلیب مقدس ہمین لوٹا دیجیے۔"

اسکے ہمراہ اسی کی عمر کے بیشمار لڑکے اور لڑکیان ہو گئی تھین جنھین نہ مکانون کے دروازے اور نہ پھاٹک۔ نہ باپون کا خوف اور نہ ماؤن کی محبت اپنے ارادے سے باز رکھ سکتی تھی۔ انھون نے قصد کیا کہ ضرور ارض مقدس کی زیارت کرینگے اور اُسے بیدینون کے ہاتھ سے چھڑائینگے۔ کہا جاتا ہے کہ انکی تعداد نوے "۹۰" ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ وہ خیریت سے جنیوا تک پہنچ گئے لیکن اسکے بعد ایسی مزاحمتین نظر آئین جنکا سان گمان بھی نہ تھا۔ انکی جماعت فوراً ہی ہر طرف منتشر ہو گئی تیس ہزار مارسلیز (Marseilles) تک پہنچے جہان انکا کچھ حصہ قتل کرڈالا گیا اور کچھ غالباً بھوکون مرگیا۔ دوسرے جو تھے وہ ان جہازون کی بربادی سے تباہ ہو گئے جو ساحل اطالیہ پر انکے سفر کے واسطے کرایہ پر لیے گئے تھے۔ پس بقول مسٹر فولر "انکا دلخوش کن نغمہ بہت جلد ایک غمناک تان کے ساتھ ٹوٹ گیا۔ سب کے سب یا تو خشکی ہی پر تباہ ہو گئے یا سمندر مین ڈوب گئے۔" مسٹر موصوف میتھیو پیرس (Matthew Paris) سے نقل کرکے لکھتے ہین کہ یہ ساری کی ساری مہم شیطان کی کرشمہ سازیون کا نتیجہ تھی جسکی گویا یہ خواہش تھی کہ اپنا کمزور معدہ جو آدمیون کے قتل و غارت سے خراب

---

[۱] نائی سیٹا اینالیز (Nicetas Annales) صفحات ۳۴۵ و ۳۴۶ بنا برعلے ان الملک للاطفال ۱۲

ہوگیا تھا اب حلوان بچون کے خون سے سیراب کرے[1]"

محاربۂ ششم کا بانی مبانی انوسنٹ سوم تھا۔ جنگ کا آغاز ۱۲۱۵ء سے ہوا جبکہ پاپاے روم کے احکام یورپ کے ہر حصے مین پہونچ رہے تھے کہ کفار کو دنیا سے نیست و نابود کردینا چاہیے۔ اس دعوت کے جواب مین سب سے پہلے انڈریو (Andrew) بادشاہ ہنگری نے لبیک کہا اسکے ساتھ آسٹریا اور بویریا کے نواب (ڈیوک) اور اسفل جرمنی کے مذہبی اور غیر مذہبی حکمران بھی شریک ہوگئے۔ اہل اسلام اس نئے حملہ کے لیے تیار نہ تھے اور کہا جاتا ہے کہ پہلے ہی مقابلہ مین ایک ہزار مسلمان تہ تیغ ہوے[2]۔ لیکن نا اتفاقی جو محاربین صلیب[3] کی دائمی بیماری تھی افسران فوج مین پیدا ہوگئی مسلمانون نے یہ دیکھکر انکی پھوٹ پڑی ہوی فوج مین ایک تہلکا پیدا کردیا اہل صلیب باقی حصۂ موسم سرما مین ایک دوسرے سے الگ ہونے لگے۔ انڈریو بادشاہ ہنگری نے فلسطین مین قیام کرنے سے انکار کیا اور اپنے اکثر سپاہیون اور ذخائر کو لے کر گھر واپس آگیا۔ صرف کمزور و ناتوان زائرین بیت المقدس اور وہ لوگ جن کا جی چاہا عکہ چلے گئے۔ باقی ماندہ فوج نے متعدد مقامات حفاظت مین مدافعت غنیم کیلیے قیام کیا[4]۔

یورپ سے کسی قدر کمک آجانے کے بعد افواج صلیبی پھر حرکت مین نظر آئین۔ مصر پر مغربی عیسائیون کا مدت سے دانت لگا ہوا تھا۔ یہ خیال کیا گیا کہ فی الحال فلسطین کا عزم ترک کردینا چاہیے اور مسلمانون کی طاقت کے قلب پر حملہ کرنا چاہیے۔ پس یہ طے پایا کہ دمیاطہ کا محاصرہ شروع کردینا چاہیے کیونکہ یہ شہر مصر کی کنجی ہے چند ایام کے دریائی سفر کے بعد عیسائی فوج اس مقام پر پہنچ گئی جس پر حملہ کرنے کی تجویز کی گئی تھی۔ سپاہیون نے دریاے نیل کی مغربی جانب ورود کیا اور چوبیس گھنٹے کی ایک مسلسل جنگ کے بعد ایک مضبوط قلعہ پر قبضہ کرلیا جسکے فتح ہونے کے بعد دمیاطہ کا فتح ہوجانا آسان نظر آتا تھا۔ لیکن عیسائیون نے اس موقع سے نفع حاصل کرنے مین تاخیر سے کام لیا اور تسخیر دمیاطہ مین تعویق ہوگئی۔ مسلمانون نے صلیب الصلبوب۔ بلدۂ یروشلیم اور شام کے تمام مقامات دیدینے پر رضامندی ظاہر کی اور بلد مقدس کی شہر پناہ بنا دینے کا وعدہ کیا۔ کل سلطنت فلسطین[5] مین سے انھون نے صرف قلعہ جات کرک وشوبک

---

[1] مسٹر فولر کی تاریخ جنگ مقدس جلد (۳) باب (۲۴) و تاریخ میتھیو پیرس صفحہ ۲۲۲ [2] Labbaei Concilia لیبی آئی کا نسیلیا جلد نہم صفحات ۱۱۹-۱۲۳ [3] اللہ جل شانہ اپنے کلام پاک مین فرماتا ہے واغرینا بینہم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ اسکا نمونہ تازہ جنگ بلقان مین بھی نظر آیا اور انشاء اللہ تعالیٰ اسی طرح قیامت تک نظر آتا رہے گا۔ [4] ہسٹوریٔ برنارڈی تھیسا درار ابی ابواب ۱۸۶ الی ۱۸۹ [5] ۱۲۱۷ء مین انڈریو بادشاہ ہنگری نے صلیبی جہاد کیا۔ لیکن قلعہ کوہ طبور (واقع ارض مقدس) کی ناکامی سے اسکی ہمت پست ہوگئی۔ ۱۲۱۸ء مین ایک فوج جو کوسا مین جمع ہوی تھی مسلمانون سے بلدۃ القصر کو چھینتی ہوی ارض مقدس مین پہنچی اور یہان کی جمعیت ہکلیس اور جرمنی نائٹون کے ساتھ شریک ہوگئی۔ ان سب نے قصد کیا کہ پہلے مصر پر حملہ کرنا چاہیے اسکے بعد ارض فلسطین پر اس نظر سے دمیاطہ کی طرف توجہ کی جو دریاے نیل کے دہانے پر واقع ہے۔ ان دنون دمیاطہ

یا منٹریل (Montreal) اپنے قبضہ مین رکھنے کو کہا جہان سے حاجیون اور سوداگرون کی حفاظت کیجاسکتی
مگر عیسائیون کو یہ امید تھی کہ ان شرائط کے بجاے اہل اسلام تخلیہ مصر پر بھی راضی ہو جائین گے۔

(بسلسلۂ نوٹ صفحۂ سابق) ملک الکامل فرزند ملک العادل کے زیر حکومت تھا جس نے دریا کے دہانے پر ایسی زنجیرین قائم کرادی تھین کہ کوئی جہاز اندر نہین آسکتا تھا۔ اسکے علاوہ اُس نے ایک پل ایسا بندھوا یا کہ دریا کو عبور کرنا غیر ممکن تھا لیکن ملک العادل کی یکایک وفات (۳۱ اگست سنہ ۱۲۱۸ء مطابق ۷ جمادی الاول سنہ ۶۱۵ھ) کی خبر آنے سے کامل دمیاط کو چھوڑ کر چلا گیا۔ امراے مصر کامل کے بھائی کو تخت نشین کرنا چاہتے تھے اور سب کے سب اسکے مقابلہ مین غداری پر آمادہ تھے۔ یہ دیکھکر وہ مملکت مصر سے باہر نکلکر عرب چلا گیا اور اپنے بھائی اشرف سے مل کر واپسی کا منصوبہ کرنے لگا۔ اتنے مین عیسائیون کی تازہ دم فوجین معہ رئیسان نویرد مارش یہان آگئین۔ علاوہ ازین انگلستان سے ولیم لانگ سورڈ اور ارل آف سالسبری کی سرکردگی مین اور مدد پہنچ گئی۔ ان فوجون کے آجانے سے عیسائیون کی قوت بہت بڑھ گئی اور انھون نے بڑی دشواری کے بعد زنجیرہاے نیل کے شکست کرنے مین کامیابی حاصل کی اور دمیاط کا محاصرہ ۲۰ ذیقعدہ سنہ ۶۱۵ھ سے شروع ہو گیا۔ باوجودیکہ محصورین کی تعداد بہت کم تھی اور نہ انکے پاس کافی سامان رسد تھا تاہم نہایت حیرت انگیز طریقہ سے نو مہینے تک شب و روز مقابلہ کرتے رہے۔ یہ زمانہ مسلمانون کے لیے نہایت نازک تھا۔ ہر طرف مسیحیون کی یورش نظر آتی تھی۔ مصری مسلمان بہت پریشان تھے۔ شام والے الگ پریشان تھے مغرب کی طرف سے محاربین صلیبی کا سیلاب چلا آتا تھا اور مشرق کی طرف سے تاتاریون اور ہلاکو خان کا نرغہ تھا جو حدود عراق مین داخل ہو چکے تھے۔ ان حالات کو دیکھکر ملک الاشرف نے بیت المقدس کی دیوار منہدم کرادی۔ اور ملک الکامل کو ہمت دلا کر مصر روانہ کیا۔ اُسے معلوم تھا کہ دمیاط کے ہاتھ سے نکل جانے سے کیا کیا خرابیان پیدا ہونگی اسلیے اُس نے محاصرین سے صلح کرنی چاہی اور وعدہ کیا کہ مین بیت المقدس کی دیوار بنوا دون گا۔ صلیب المصلوب واپس کردون گا اور قلعہ جات کرک و شوبک (منٹریل) کے سوا سارا علاقہ ارض فلسطین صلیبیون کو دیدون گا لیکن اسکے یہ شرائط نامنظور کردے گئے اور آخر کار ۵ نومبر سنہ ۱۲۱۹ء (۲۷ شعبان سنہ ۶۱۶ھ) کو دمیاط فتح ہو گیا۔ مسیحیون نے جو کچھ خونریزی کی وہ کی لیکن وہانے کچھ کم نقصان نہین پہنچایا۔ "مشہور ہے کہ جس وقت شہر دمیاط پر صلیبیون نے قبضہ کیا تو منجملہ ستر ہزار محصورین کے صرف تین ہزار زندہ رہگئے تھے اور ان بدنصیبون کی جان بخشی بھی کی گئی تو اس شرط پر کہ وہ خود گلی کوچون اور مکانون کو اپنے عزیز و اقارب کی لاشون سے صاف کردین۔" اور صلح کے لیے پھر وہی شرائط پیش کیے۔ صلیبی فوج موسم سرما مین آرام کرتی رہی تھی۔ بہار کا موسم آیا جان آف برین کی راے کے خلاف پوپ کے نائب نے فتح مصر پر اصرار کیا۔ صلیبیون نے جب قاہرہ کی طرف رخ کیا تو ملک الکامل نے جو اب مصر واپس آگیا تھا صلح کی خواستگاری کی اور وہی شرائط پیش کیے جو محاصرۂ دمیاط کے وقت پیش کیے تھے۔ اسکے ساتھ ہی ساتھ اُس نے اپنے بھائیون اشرف و معظم کو بھی مصر کی ناگفتہ بہ حالت اور مسلمانون کی تباہی کے اندیشہ کی اطلاع دی۔ دونون بھائی شام سے اپنی اپنی فوجین لے کر روانہ ہوے۔ اشرف پہلے پہنچا۔ اب صلیبی دمیاط سے آگے بڑھکر خلیج نیل مین خیمہ زن ہوے۔ سامنے ملک الکامل کا لشکر تھا اور مسلمانون کو یاس تھی۔ ملک الاشرف نے بھی صلح کی سلسلہ جنبانی کرنی چاہی لیکن شرائط مذکور نامنظور کردیے گئے بلکہ کہا گیا کہ تین لاکھ اشرفیان فصیل بیت المقدس کے گرانے کے جرمانے مین دو۔ ان دنون دریاے

جنگ صلیبی کی جو کچھ غرض و غایت تھی وہ سب اب افواج صلیب کو حاصل ہو چکی تھی اور یہ امید کی جاتی تھی کہ وہ ضرور ان شرائط کو تسلیم کرلین گے۔ بادشاہ یروشلیم۔ اہل فرانس۔ نواب چیسٹر اور طوتانی (Teutonic) نائٹ ان تجاویز کو سُن کر خوشی سے اچھل پڑے لیکن پاپاے روم کے وکیل۔ اہل اطالیہ اور فوجی عہدہ دارون نے کسی معقول مشورے کی سماعت نہ کی جنگ شروع کردی گئی اور محاصرین نے افواج مصر اور محصورین دمیاطہ کے

(بسلسلۂ نوٹ صفحہ ماسبق) نیل کی طغیانی روزافزون تھی۔ مسلمانون کے ہاتھ مین مسیحیون کی چند کشتیان بھی آگئین جس سے انکا حوصلہ بڑھ گیا۔ بعض مسلمان انجینیر جو اپنے فن مین کمال رکھتے تھے موجود تھے انھون نے موقع پاکر دریاے نیل کا پانی اس طرح کاٹ دیا کہ مسیحیون کے لشکر مین سیلاب آگیا جس سے انکے خیمے مال و اسباب تمام چیزین بہ گئین۔ مسیحی گھبرا کر اُلٹے پاؤن دمیاطہ واپس جانے لگے لیکن پشت پر ملک معظم کا لشکر پہنچ چکا تھا جس نے ہزیمت کا بھی راستہ روک دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود پوپ کے نائب نے صلح کی درخواست پیش کی اور دمیاطہ تک واپس دینے پر راضی ہو گئے۔ مسلمانون کے لشکر مین جو سردار اس بات پر جمے ہوے تھے کہ عیسائیون کو بالکل غارت کردینا چاہیے انھین بمشکل ملک الکامل نے راضی کیا اور سمجھایا کہ ایسی حالت مین جبکہ ارض شام پر تاتاریون کی یورش کا اندیشہ ہے صلح کر لینی ہی زیادہ مناسب ہے۔ آخر کار ۱۸ رجب ۶۱۸ھ کو صلح نامہ لکھا گیا جسکی روسے جان آف برین (ملک یوحنا ی برینا) ملک عکہ۔ کارڈنل بیلاجیوس نائب پاپاے روم روِل مین مسلمانون کے پاس مقیم رہے اور ملک الکامل کا بیٹا ملک الصالح جس کا سن اُس زمانہ مین (۱۵) سال کا تھا اور ایک جماعت اُمرا عیسائیون کے پاس یرغمال مین رہی۔ عیسائیون نے دمیاطہ واپس جاکر ۱۹ رجب کو قلعہ مسلمانون کے سپرد کردیا۔ اور ملک الصالح اور امرا کو واپس کردیا جنکے آنے کے بعد عیسائی رؤسا بھی آزاد کردیے گئے۔ اس کامیابی کی مبارکباد مین قاضی ہبۃ اللہ بن محاسن نے ایک قصیدہ لکھا ہے جس کے چند شعر یہ ہین:۔

هنيئاً فان السعد جاء مخلداً　　　وقد انجز الرحمن بالنصر موعدا

حبانا اله الخلق فتحاً لنا بدا　　　مبيناً والغاماً وعزاً مؤبدا

تهلل وجه الارض بعد قطوبه　　　واصبح وجه الشرك بالظلم اسودا

ولما طغى البحر الخضم باهله　　　طغاة واضحى بالمراكب مزبدا

اقام لهذا الدين من سل عزمه　　　صقيلا كما سل الحسام المهندا

فلم ينج الا كل شلو مجندل　　　ثوى منهم او من تراه مقيدا

ونادى لسان الكون في الارض رافعاً　　　عقيدته في الخافقين ومنشدا

اعباد عيسى[۵۱] ان عيسى[۵۲] وحزبه　　　وموسى[۵۳] جميعاً ينصران محمدا[۵۴]

[۵۱] یعنے اہل صلیب ۱۲ [۵۲] الملک المعظم عیسے ۱۲ [۵۳] الملک الاشرف موسیٰ ۱۲ [۵۴] الملک الکامل محمد۔ (ماخوذ از حروب صلیبیہ مولفہ سید علی الحریری صفحات ۲۳۸ و ۲۳۹)۔

مابین رسل و رسائل کے تمام ذرایع مسدود کردیے اور آخر کار اُسے فتح کرلیا۔ صلیبی اس شہر مین بھی اُسی جوش انتقام اور بے پناہ وحشیانہ بیدردی کے ساتھ داخل ہوے جس نے محاربین اول کو داخلۂ یروشلیم کے وقت ممتاز کیا تھا۔ ایک عجیب منظر تھا ہر طرف قتل و غارت کا بازار گرم تھا۔ دمیاطہ بادشاہ یروشلیم کے زیر نگین کردیا گیا[1]

تسخیر دمیاطہ نے مسلمانون مین اسقدر ہیبت پیدا کردی کہ دوسرے اہم مقامات مین بھی لوگون نے ہتھیار ڈالدیے اب فلسطین کا رستہ عیسائیون کے لیے بالکل کھل گیا لیکن بجاے اسکے کہ ایسے عمدہ موقع سے فائدہ حاصل کرین فوج نے موسم سرما عیش و آرام اور باہمی نااتفاقیون مین بسر کیا اور موسم بہار مین نصف سے زیادہ سپاہی یورپ کی طرف اپنے اپنے گھر واپس آگئے[2] جو پھل کہ انھین ان فتوحات سے حاصل ہوا تھا وہ بھی عرصہ تک انکے قبضہ مین نہ رہا۔ تسخیر قاہرہ کے لیے ایک مہم روانہ کی گئی جسمین صلیبیون کو ایسی شکست نصیب ہوی کہ بمشکل جان بچاکر بھاگ سکے اور وہ شہر بھی دیدینا پڑا جسے ابھی ابھی انھون نے فتح کیا تھا۔ اس طرح پر دمیاطہ جس وقت فتح ہوا اسکے بعد ہی پھر قبضہ سے نکل گیا[3]

فتح و شکست۔ کامیابی و ناکامی کے ان سریع السیر تغیرات کو پڑھکر ناظرین یہ کہے بغیر نہ رہ سکین گے کہ محض اسباب طبیعی کے مقابلہ مین فطرتی اور اخلاقی اسباب کی طاقت کس قدر بڑھی ہوی ہے اور ایک روشن خیال عیسائی کو یہ ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ خدا کی مشیت کس قدر جاری و ساری ہے۔ تمام اشیا اُسی کی مرضی کے مطابق کام کرتی ہین اور جو اُسکا حکم ہے وہی سب پر نافذ ہے۔ باوجود ان تمام ناکامیون کے مسیحی فوج کے سردار کسی طرح پست نہوے اور ایک خودغرضانہ حکمت عملی نے پاپاے روم کو بھی اسپر آمادہ کیا کہ تسخیر فلسطین کے لیے ایکبار اور کوشش کی جاے۔ اس زمانہ مین فریڈرک ثانی شاہنشاہ جرمنی تھا۔ عرصہ سے اس کا عہد تھا کہ مین صلیبی جہاد کی تلوار علم کرون گا لیکن چونکہ معاملات یورپ اسکی نظر مین بمقابلہ فلسطین کے زیادہ اہمیت رکھتے تھے اسلیے دانشمندی کرکے اس نے اس مہم کو کسی قدر معرض التوا مین پڑا رہنے دیا۔ آخر کار گریگوری نہم جو ایک نہایت سرکش طبع اور غیر متحمل مزاج شخص تھا انوسنٹ ثالث کے جانشین ہونوریس ثالث کے بعد مسند پاپائی پر متمکن ہوا۔ اور اس نے فریڈرک کو حکم دیا کہ اپنا عہد پورا کرے اور یہان تک مجبور کیا کہ اُسے جہاز پر سوار ہوکر روانہ ہونا پڑا۔

شاہنشاہ صرف برنڈزی تک جانے پایا تھا کہ بیمار پڑ گیا اور مجبوراً واپس آیا۔ اسپر پاپاے روم نے خفا ہوکر اُسے مذہب سے خارج کردیا لیکن دوسرے سال پھر فریڈرک روانہ ہوا اور تھوڑی ہی مدت مین عکہ پہونچ گیا لیکن چونکہ روانگی سے پہلے اس نے پوپ سے معافی مانگ کر خارج از مذہب ہونے کے حکم کو منسوخ نہین کرالیا تھا

[1] ہسٹوریا برنارڈی تھیسا وراری ابواب ١٩٠ الی ٢٠٠ و ہسٹوریا جیکوبا بائی دی وٹریاکو جلد سوم [2] ہسٹوریا برنارڈی تھیسا وراری باب ٢٠٢۔ [3] ایضاً ابواب ٢٠٤ تا ٢٠٦۔

اس لیے اُسے اب دوبارہ مذہب سے خارج کیا گیا۔ دربار روما نے گویا اُسے برباد کرنے کا قصد کر لیا تھا۔ جو کام وہ کرتا جرم تصور کیا جاتا حتیٰ کہ صقلیہ مین جہان اسکی موروثی سلطنت تھی حضرت قبلہ وکعبہ کے ان ہی جھگڑون کی وجہ سے بدنظمی پھیلی ہوی تھی۔

ابھی فریڈرک فلسطین پہونچنے بھی نہ پایا تھا کہ پاپاے روم کے مکتوبات پہنچ گئے جنمین درج تھا کہ فریڈرک خارج المذہب کر دیا گیا ہے اور کوئی شخص اسکی اطاعت نہ کرے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ یروشلیم کی اکثر عیسائی فوج نے اسکے جھنڈے کے تلے جمع ہونے سے انکار کر دیا لیکن شاہنشاہ پہلے سے خفیہ مسلمانون کے ساتھ خط وکتابت کر رہا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شہنشاہ جرمنی اور اہل اسلام مین باہم ایک معاہدہ[1] ہو گیا جسکی رو سے بلد مقدس اور فلسطین کا

[1] ان دنون مصر کا حاکم ملک الکامل ابن ملک العادل سیف الدین ابن ایوب تھا اور دمشق پر اسکا بھائی ملک المعظم عیسےٰ ابن ملک العادل سیف الدین ابن ایوب حکمران تھا ان دونون بھائیون میں ایک قسم کی چشمک تھی۔ ملک المعظم کا انتقال جمعہ ۳۰ ذیقعدہ ۶۲۴ھ کو ہو گیا۔ یہ بڑا عالم وفاضل بادشاہ تھا۔ فقہ حنفی۔ نحو ولغت مین تبحر تام رکھتا تھا حتیٰ کہ صدہا طالب علم اسکے سرچشمۂ علم سے سیراب ہوتے تھے۔ مشہور لغت صحاح جوہری اور مسند امام احمد بن حنبل تبرتیب فقہی اسی کے زمانہ مین مدون ہوی۔ اسکی وفات کے بعد اسکا بیٹا ملک الناصر داؤد بن عیسےٰ تخت نشین ہوا جسکی عمر صرف ۲۰ سال کی تھی۔ ملک الکامل نے یہ حالت دیکھکر بھائی کے ملک کا قصد کیا۔ ملک الناصر نے ملک الاشرف اپنے چچا سے مدد طلب کی جو گرجستان کا بادشاہ تھا۔ غرضکہ ملک الاشرف نے چچا بھتیجون مین صلح کرا دی۔ ملک الکامل نے جو نامہ وپیام فریڈرک سے صلح کے بارے مین کیے تھے انمین اب بے توجہی شروع کر دی فریڈرک بھی تمام باتین تاڑ گیا اور تغیر حالات کو سمجھ گیا مگر اپنی طرف سے اس کوشش مین لگا رہا کہ جو نامہ وپیام ہوا ہے اسکا نتیجہ کچھ نہ کچھ ضرور نکلنا چاہیے۔ ابتداءً تو وہ اس بات کا طالب تھا کہ لاطینی سلطنت کو ارض فلسطین کا پورا علاقہ سپرد کر دیا جائے اور ایک حد تک اُسکی خواہش پوری ہونے والی تھی۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ ملک المعظم کی وفات کے بعد اسکے بیٹے اور بھائی مین کشاکش پیدا ہو گئی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ مسلمانون کی سلطنت کا شیرازہ بکھرے گا اور ایوبیہ خاندان مین ہر شخص اپنے بھائی کا گلا کاٹکر ملک پر خود قابض ہونے کی خواہش رکھتا ہے۔ ایسے زمانہ مین اُس نے اپنی مطلب براری کا موقع پایا تھا لیکن ملک الاشرف کی کوشش نے ایوبیون کی باہمی جنگ کو روکدیا اور فریڈرک کا موقع کم ہو گیا۔ یہی وجہ تھی جو اس نے اپنی شرائط صلح مین تخفیف کر دی اور بیت المقدس اور اسکے گرد کے چند گاؤن یافا بیت اللحم اور ناصرہ لے کر صلح پر راضی ہو گیا اور باقی بلاد مثل شہر خلیل نابلس۔ غور و طبریہ وغیرہ مسلمانون کے قبضہ مین رہے صلحنامہ پر فریقین کے دستخط ہو جانے کے بعد پورا شہر بیت المقدس سواے ہیکل سلیمانی (مسجد عمر یا مسجد اقصیٰ) کے جسکی کنجیان مسلمانون کے قبضہ مین رہین شہنشاہ کے حوالہ کر دیا گیا عیسائیون کو بھی خاص شرائط کے ساتھ وہان جاکر عبادت کرنے کی اجازت تھی جس مقام مقدس کے لیے سلطان صلاح الدین نے جہاد کیا تھا اتنے مسلمان شہید ہوے تھے اور اتنا روپیہ صرف ہوا تھا اسکا یون بے لڑے مسلمانون کے قبضہ سے عیسائیون کے پاس چلا جانا

ایک بڑا حصہ دس سال کے لیے عیسائیون کو اس شرط پر دیدیا گیا کہ اہل اسلام اور اہل صلیب دونون ہیکل سلیمانی (مسجد اقصیٰ یا مسجد عمرؓ) مین نماز پڑہ سکین گے۔ اسکے بعد فریڈرک یروشلیم گیا لیکن جو شرطین معاہدہ مین اس نے کی تھین انکی وجہ سے ارض یہودیہ کے عیسائیون مین بدنام ہوگیا اور وہ اسکی موجودگی کو بار سمجھنے لگے۔ جبتک وہ رہا کلیسا مین نمازین موقوف رہین اور تمام رسومات بند ہوگئین۔ تاج پوشی کے لیے قربان گاہ پر سے اوٹھا کر خود اُسے اپنے ہاتھ سے مجبوراً اپنے سر پر تاج رکھنا پڑا۔ اسکے بعد ہی اسے سلطان مصر کے سفرا سے معلوم ہوا کہ فوج کے بعض لوگون نے اہل اسلام سے کہا تھا کہ ہم خود فریڈرک کو گرفتار کر کے تمھارے ہاتھ مین دیدینگے۔ یہ حالت دیکھکر اوس نے بھی ضروری سمجھا کہ اب وطن واپس جانا چاہیے۔ پس چند ایسے بڑے بڑے لوگون کو سزا دے کر جنھون نے اسکے احکام کی تحقیر کی تھی جہاز پر سوار ہوا اور جانب یورپ لنگر اُٹھایا اور اپنے پیچھے فلسطین کو ایسی اچھی حالت مین چھوڑ گیا جو جنگ طبریہ سے اسوقت تک اسے نصیب نہین ہوی تھی [۱]

محاربہ ہفتم:۔ باوجود صلحنامہ فریڈرک کے فلسطین کے مسیحیون پر ایک نہ ایک مسلمان ریاست کا حملہ اکثر ہوتا رہا لیکن جب ایسا اتفاق ہوا کہ دس ہزار زائرون کی جماعت عکہ و بلد مقدس کے راستہ مین ترکی ظلم و تعدی کا شکار ہوی ان خبرون سے برانگیختہ ہو کر اور نیز اس غرض سے کہ فریڈرک کے نام پر دھبہ آئے اور یہ بات لوگون کو جتائی جاسے کہ یروشلیم کو ابھی کفار کے ہاتھ سے رہا کرنا باقی ہے اور نیز اس خیال سے کہ اس کام کی سرانجامی کا سہرا دوسرون کے سر بندھے اور سب سے زیادہ اس وجہ سے کہ جنگہاے صلیبی کو زندہ رکھنا پاپاے روم کے علاقہ و حکومت کے برقرار رکھنے کے لیے مفید ہے پاپاے روم گریگوری نہم نے ۱۲۴۰ء مین بمقام اسپالیٹو (سپولاٹو) ایک مجلس منعقد کی اور تجدید جہاد صلیبی پر اصرار کیا۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ یورپ سے ایشیائی فوج بھیجی جاسے اور مذہبی جماعتہاے فرانسسکن اور

(بسلسلۂ نوٹ صفحہ سابق) اہل اسلام کو نہایت ناگوار گزرا مگر اس خرابی کی اصلی وجہ وہی تھی جو اوپر بیان ہوی یعنی ایوبیون کا باہمی نفاق انکی حرص ملک گیری۔ چنانچہ سب سے زیادہ دلچسپ یہ بات ہے کہ اس معاہدہ کے صرف چھ مہینے بعد ملک الاشرف جو گرجستان سے اس تپاک کے ساتھ پہلے اپنے بھتیجے ملک الناصر کی مدد کرنے آیا تھا اور جس نے اسکا ملک ملک الکامل کی دستبرد سے بچایا اب خود اُسی کو مغلوب کر کے دمشق پر قابض ہوگیا۔ ؎ شنیدم گوسپندے را بزرگے ✤ رہانید از دہان و دست گرگے ✤ شبانگہ کارد بر حلقش بمالید ✤ روان گوسپند از وے بنالید ✤ کہ از چنگال گرگم در ربودی ✤ چو دیدم عاقبت خود گرگ بودی ✤۔

[۱] ہسٹوریا برنارڈی تھیسا ورار ی۔ وہسٹوریا سینو ثانی جلد (۳) باب (۱۲) و تاریخ میتھیو پیرس صفحات ۸، ۳، ۹، ۴۔

[۲] فریڈرک کا صلحنامہ نہ کچھ مسلمانون کو پسند تھا اور نہ عیسائیون کو۔ عیسائی اسے سخت ناپسند کرتے تھے کہ مسجد اقصیٰ (مسجد عمرؓ) مین مسلمانون کی نماز ہو اور مسلمانون کو یہ شاق تھا کہ بیت المقدس پر اہل صلیب کا قبضہ رہے۔ چونکہ پاپاے روم نے فریڈرک کو خارج المذہب کر دیا تھا اسی خیال سے اُسکی طے کی ہوی صلح کو بھی عیسائیون نے ناجائز اور ایسا سمجھا جسکی پابندی کچھ ضرور نہ تھی۔ علاوہ

ڈامی نیکن کو حکم دیا گیا کہ مجلس کی منظورہ تجاویز بادشاہان و رعایاے ممالک مسیحی کے پاس پہنچا دین۔ انھین یہ بھی اختیار دیا گیا کہ اس مہم کے اخراجات کے واسطے چندہ بھی جمع کرین[۱]۔

آخرکار فرانس۔ انگلستان و دیگر ممالک کی فوجین حرب صلیبی کے لیے جمع ہونا شروع ہوئین۔ امیر شمپین۔ شاہ نیور (Navarra) ہیوغ امیر برگنڈی۔ ہنری امیر برطنی۔ اور دیگر امیر و رئیس لیانس (Lyons) مین جمع ہوے تاکہ اپنی متحدہ اغراض کو عملی صورت مین لانے کے تدابیر اختیار کرین[۲]۔ اس مہم مین رچرڈ امیر کارنوال نے کارنمایان کرکے امتیاز خاص حاصل کیا۔ سنہ ۱۲۱۸ء کے موسم بہار مین وہ عکہ پہونچا جہان فرانسیسی فوج پہلے پہونچ چکی تھی اسکی شہرت اور اسکے نام نے عیسائیون کے دل بڑھادیے اور کفار کے قلوب پر ہیبت طاری کردی۔ اس نے سب سے پہلے امیر کرک سے عیسائی قیدیون کی رہائی کا مطالبہ کیا اور جب امیر نے قیدیون کے دینے مین تامل کیا یا اپنی عاجزی ظاہر کی تو امیر موصوف عیسائی فوجون کو لے کر یافا کی جانب بڑھا اور صرف اسی ایک نقل و حرکت کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام اغراض جنگ حاصل ہوگئین۔ سلاطین دمشق و مصر مصالحت کے لیے جھک پڑے اور ان دونون کی باہمی نزاع سے امیر نے نہایت قابلیت کے ساتھ فائدہ اُٹھایا کسی نہ کسی سے اُس نے یہ وعدہ لے لیا کہ یروشلیم مع ان ممالک کے حصہ کثیر کے جو سلطنت لاطینی کے عروج کے زمانہ مین عیسائیون کے قبضہ مین تھے اسکے حوالہ کردیا جاے۔ اسکے ساتھ ہی کفار کے قبضہ سے تمام عیسائی قیدی بھی واپس لے لیے آخرکار فلسطین[۳] مین اسقدر قیام کرکے کہ

(سلسلۂ نوٹ صفحہ ماسبق) اسکے بقول لین پول کے اس زمانہ کے عیسائی مسلمانون سے معاہدہ کرکے اسپر قائم رہنا کوئی ضروری نہین سمجھتے تھے۔ اسی طرح اس معاہدہ کی بھی پابندی نہ کی گئی یہ صلح گو صرف دس سال کے لیے کی گئی تھی لیکن اس مدت کے اندر دونون فریقون مین چھیڑ چھاڑ شروع ہوگئی۔ پاپاے روم اور فریڈرک مین گو بظاہر بمقام انگنی صلح ہوگئی تھی لیکن شاہنشاہ کا دل صاف تھا اسکی خدمات کا بجاے اسکے کہ پوپ اعتراف کرتے خود اسکو خارج المذہب کردیا تھا۔ فریڈرک اور پوپ دونون نے جنگ صلیبی کا حکم دیدیا تھا مگر دونون طرف سے کوشش کی جاتی تھی کہ اس کی گفتگو نی الحال ملتوی رکھی جاے لیکن امراے فرانس جو بسرکردگی تھیوبالڈ امیر شامپین اور رئیس نویرا در ہیوغ امیر برگنڈی وغیرہ جمع ہوے تھے التواے جنگ پر راضی نہین ہوے اور رفتہ رفتہ عکہ پہونچ ہی گئے۔ اس زمانہ مین ملک الکامل کا انتقال ہوچکا تھا (۱۱ رجب ۶۳۵ھ) اور اسکا بھتیجا ملک الناصر داؤد یہان برسر حکومت تھا۔ سنہ ۶۳۷ھ مین اس نے بڑھکر بیت المقدس کا محاصرہ کیا جہان زمانہ صلح مین عیسائیون نے ایک مضبوط قلعہ بنا لیا تھا مسلمانون کو فتح ہوئی اور قلعہ اور برج داؤد ہی منہدم کردیا گیا۔ (الحروب الصلیبیہ مولوی سید علی الحریری صفحہ ۲۴۳)۔

[۱] لے بیای کلکشیو کنسی لیورم (Labbaei Collectio Conciliorum) جلد (۱۱) صفحہ ۴۸۱۔

[۲] تاریخ میتھیو پیرس صفحہ ۴۱۶ و ہسٹوریا سینو ٹائی جلد (۳) حصہ (۱۱) ابواب (۱۵) و (۱۶)

[۳] سلاطین مصر و دمشق مین پھر اس زمانہ مین نزاع تھی جس سے رچرڈ کارنوال کو بہت فائدہ ہوا مسلمانون کے باہمی اختلافات کی

اہل صلیب کا علم یروشلیم کے شہر پناہ پر ایکبار پھر لہراتا نظر آنے لگا امیر کارنوال نے سواحل فلسطین کو خیرباد کہکر مراجعت کی راستہ مین جس مقام سے اسکا گذر ہوتا لوگ "نجات دہندۂ مرقد مقدس" کے نام سے اسکا خیر مقدم کرنے لگے[1]

محاربہ ہفتم :- امیر کارنوال رچرڈ کی قائم کی ہوی صلح کو خوارزمیون کے عجیب و غریب وحشی جماعتون کے سیلاب نے بہت جلد درہم برہم کردیا مغلون کی فوج سے علیحدہ ہوکر ساحل کیسپین (Caspian) کے یہ چوپان سرحد فلسطین پر نازل ہوے اور مصر مین قیام کرنے کا ارادہ کیا۔ انکی آمد آمد سے خوف زدہ ہوکر سلطان مصر نے اس خیال سے کہ ایسے ناخواندہ مہمانون کو دوسری طرف متوجہ کردینا چاہیے اور نیز اس وجہ سے کہ ہیکلیین کی جماعت نے خواہ مخواہ برسر پیکار ہوکر عیسائیون کی طرف سے اسے برہم کردیا تھا ان وحشیون کو یہ مشورہ دیا کہ ارض مقدس مین جا کر بس جائین چنانچہ خوارزمی ایک مصری امیر کی رہبری مین بیس ہزار سوارون کے ساتھ داخل ارض مقدس ہوے اور یروشلیم کا قصد کیا جسے بزور شمشیر فتح کرکے تمام عیسائیون کو تلوار کے گھاٹ اُتارا۔ عورتین اور لڑکیان جنکی اس وحشیانہ اور غیر منظم سپاہیون کی جماعت نے طرح طرح کی ہتک و توہین کی پابجولان کی گئین۔ انھون نے کلیسا سے مرقد مقدس کو برباد کردیا اور جب اپنی غیظ و غضب کی آگ فرو کرنے کے لیے کوئی اور شے نہ ملی تو عیسائیون کی قبرون کو کھود ڈالا اور انکی لاشون کو باہر نکال کر جلادیا۔ سلاطین حلب و حمص[2] و دمشق اپنی اپنی فوجین لے کر عیسائیون کے ساتھ

(بسلسلۂ نوٹ صفحہ ماسبق) یہ حالت تھی کہ بعض ملوک سوریا نے اہل صلیب کے ساتھ عہد و پیمان کیا تھا کہ صلیبی اور مسلمان دونون مل کر مصر کو فتح کرین اور اسکے معاوضہ مین صلیبیون کو مقامات مقدسہ دیدیے جائین گے۔ ان حالات سے نفع اٹھا کر رچرڈ کوچ کرتا ہوا یافا پہونچ گیا اور جو شرائط فریڈرک دوم کے ساتھ طے کیے گئے تھے اُن سے بھی زیادہ اچھے اسکے ساتھ ہوے اور طبریہ عسقلان سقیف اور بیت المقدس اہل صلیب کے سپرد کردیا گیا جو دو سال تک انھین کے قبضہ مین رہا۔

[1] تاریخ میتھیو پیرس صفحات ۵۲۶-۵۴۷-۵۵۰ دہسٹوریا سینوٹائی جلد (۳) حصہ (۱) باب (۱۶)

[2] اس مرتبہ عیسائیون کے قبضۂ بیت المقدس کا خاتمہ خوارزمیون کے ہاتھون ہوا۔ یہ وہ لوگ تھے جنھین چنگیز خان کے تاتاریون نے خوارزم سے بھگادیا تھا اور خانہ بدوشی کی حالت مین کسی نہ کسی جگہ بس جانے کی نیت سے مارے مارے پھر رہے تھے اس پریشان گردی مین خوارزمی دریاے شرقی کے حدود پر آکر اترے۔ ملک الصالح سلطان مصر نے انھین ایک خط لکھا اور ایک معاہدہ کیا کہ یہ لوگ صلیبیون اور ان امراے شام سے جو اسکے مخالف تھے جنگ کرین جسکے معاوضہ مین سلطان انکی بسنے کا انتظام کردیگا۔ یہ طے کرکے اہل خوارزم سوریا کے بہت سے مقامات جلاتے ہوے غزہ مین آکر اترے جہان صلیبی شامی لشکرون سے مڈبھیر ہوی دوسری طرف سے سلطان مصر نے بھی بسرکردگی رکن الدین بیبرس (جو ملک الصالح کا غلام تھا) مدد کے لیے ایک فوج بھیجی۔ اس جنگ مین عیسائیون کو سخت شکست ہوی۔ جمعیت ہیکلیین اور جمعیت ضیافت الغربا کے تمام افسر کام آئے اور اول الذکرین سے (۳۳) اور ثانی الذکرین سے (۱۶) اور صرف (۳) طوتانی نائٹ زندہ بچے اور غزہ اور بیت المقدس پر سلطان

مل گئے تاکہ ان حملہ آوروں کا مقابلہ کیا جائے لیکن انکی مجتمعہ قوت اس سیلاب کا زور توڑنے کے لیے ناکافی تھی دونوں فوجیں غزہ کے قریب ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں۔ پہلے خوارزمیوں نے حملہ کیا جس کا شامیوں نے کچھ یونہی سا مقابلہ کیا اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ آٹھ سو قیدی اس جنگ میں گرفتار ہوئے اور تیس ہزار سے زیادہ اہل صلیب و اہل اسلام کی لاشیں خاک و خون میں غلطان میدان جنگ میں نظر آئیں۔ سارا ملک ان وحشیوں کا شکارگاہ بن گیا اور عیسائی سپاہیوں میں سے جو باقی بچے انھوں نے اپنی اخیر جائے پناہ یعنی قلعہ عکہ میں پناہ گزین ہو کر دروازے بند کر لیے[۵۱] ایسے نازک وقت میں آٹھویں جنگ صلیبی کی کھچڑی پکائی گئی یعنے پوپ انوسنٹ چہارم نے لیانس (Lyons) میں ایک عام جلسہ منعقد کیا جہاں یہ طے پایا کہ تمام ممالک صلیبی میں جہاد کا ایک وعظ کیا جائے اور چار سال تک یورپ میں امن وامان رہے اور وہ لوگ جو بذات خود اسمیں شریک نہو سکیں اپنی طرف سے فوجیں اور دیگر لوازمات وضروریات جنگ روانہ کریں[۵۲]

اس زمانہ میں فرانس کا حکمران ایک بادشاہ تھا جسکے نام نے آئندہ نسلوں میں بہت ثنا وصفت کے ساتھ شہرت پکڑی اسکا نام نامی لوئی (Louis) نہم تھا۔ جس وقت اس سے کہا گیا کہ تمام بیدینوں کو حوالہ تیغ کرنا چاہیے لوئی نے فوراً اہل اسلام کے ساتھ جنگ کرنے کی اہمیت کا کماحقہ اندازہ کر لیا ۱۲۴۴ء میں وہ سخت بیمار پڑ گیا۔ اور یہ خیال کرکے کہ اس سے حمایت صلیب میں تلوار اٹھانے کے لیے کہا گیا تھا اس نے عہد کیا کہ صحت حاصل ہونے کے بعد ارض مقدس کا سفر اختیار کرے گا۔ بخار کے بحران میں کبھی کبھی اسے یہ معلوم ہوتا تھا کہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں باہم جنگ ہو رہی ہے اور وہ اسے دیکھ رہا ہے اور کفار فتح یاب ہوے ہیں اور اس سے کہا جاتا ہے کہ آ کر انکا انتقام لے خوارزمیوں کی فتح نے بیشک اسکے خواب وخیال کو کسی قدر پورا کر دکھایا اور اسکی تیاری جنگ گویا مجلس لیانس (Lyons) کی شکل میں ظہور پذیر ہوی[۵۳]

بارھویں جون ۱۲۴۸ء کو لوی اپنے تینوں بھائیوں سمیت خانقاہ سینٹ ڈینیس (St Denis) میں حاضر ہوا اور زائرین کے مانند جھولی عصا اور متبرک جھنڈا ہاتھ میں لیا۔ ایسے جھنڈے عموماً سینٹ ڈینس کے شاہی خانقاہ کے تارک الدنیا عباد اور رہبان اپنی خانگی جنگوں میں لیجایا کرتے تھے لیکن چونکہ انکی مذہبی حیثیت اس امر کی مانع تھی کہ خود ہتھیار اٹھائیں وہ اب اپنی جگہ کسی کو نائب بنا دیتے تھے جو خود عابد خانقاہ نشین کے ہاتھ سے یہ جھنڈا لیتے اور آگے آگے میدان جنگ میں بلند کیے ہوے چلتے تھے[۵۴]

(بسلسلہ نوٹ صفحہ سابق) مصر کا پھر قبضہ ہو گیا۔ اس جنگ میں کونٹ دی بار اور سمعان دی منتفورت عیسائی سردار مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہوے۔ [۵۱] سرگذشت ژوان ویل (Memoirs of Joinville) جلد دوم صفحہ ۲۳۵۔ [۵۲] نے بیای کلکشو کسنی لیورم جلد (۱۱) صفحہ (۶۵۳) [۵۳] تاریخ میچو پیرس صفحہ ۶۲۲ و سرگذشت ژوان ویل جلد اول صفحہ (۱۲۶) [۵۴] ایضاً جلد دوم صفحہ ۱۹

اس فرانسیسی بادشاہ کا سامان سفر جب تیار ہوگیا تو آخر اگست مین فرانس سے روانہ ہوا اور ستمبر مین ۱۲۴۸ء کو
سائپرس پہونچا جہان اسکے امیر اور باجگذار رئیس حسب قرارداد سب مجتمع تھے۔ اسے ہر طرح فتح و نصرت کا یقین تھا اور کبھی
وہم و گمان مین بھی اپنی مہم کی رسوائی و بدانجامی نظر نہین آتی تھی۔ لوی آٹھ ماہ تک سائپرس مین مقیم رہا۔ ۱۲۴۹ء
کے موسم بہار مین اسکے سپاہی جمع ہوچکے اور جہازات تیار ہوگئے۔ سپاہیون کی تعداد پچاس ہزار تھی اور جنگی ذخائر
و سامان رسد و باربرداری کے جہازات اٹھارہ سو تھے۔

مصر پر اسکی پہلے نگاہ تھی جسے فتح کرنے کے بعد فتح فلسطین کی امید کی جاسکتی تھی۔ یہ خیال کرکے ارض
مریم (Limassol) کی جانب لنگر اٹھایا۔ ناگہان ایک طوفان نے آگھیرا۔ جہازات متفرق و منتشر ہوگئے
اور شاہی دستہ فوج جسمین تین ہزار نائٹ اور انکے اسلحہ بردار و ملازم شامل تھے قبل اسکے کہ باقی ماندہ فوج نظر آئے
ساحل دمیاطہ کے قریب پہونچ گیا۔[۵۱] سواحل پر سلطان کی افواج پرے جمائے کھڑی تھی تو دان ویل کہتا ہے کہ انکا
سردار طلائی ہتھیار لگائے کھڑا تھا جو ایسے زرق و برق تھے کہ جب آفتاب انپر پڑتا تو وہ خود ایک آفتاب نظر
آتا تھا۔ اسلامی سپاہیون کی قرنا اور جنگی طبل کی آواز نے فرانسیسیون مین ہیبت ڈالدی اور قبل اسکے کہ لڑائی
شروع ہو بادشاہ نے ایک ایلچی کے ہاتھ اس مضمون کا ایک خط سلطان کے نام روانہ کیا کہ "غالباً آپ ناواقف
نہونگے کہ مین اُن لوگون کا بادشاہ ہون جو اسی طرح حضرت عیسیٰ مسیح کے مذہب کی پیروی کرتے ہین جس طرح
آپ دین محمدی کی۔ آپ کی قوت و شوکت سے مجھے کوئی ہراس نہین ہے" خط مین یہ بھی لکھا تھا کہ اس طوفان کی
جو آپ کے ملک پر آیا ہے دفع کرنے کی صرف یہ شکل ممکن ہے کہ آپ اپنے ملک مین ہمارے پادریون کو آنے دین
تاکہ مصر کے لوگون کو وہ مذہب عیسوی تلقین کرین۔ اس خط کا جواب سلطان نے ترکی بہ ترکی دیا۔[۵۲]

لوی کے مشیرون نے مشورہ دیا کہ جبتک اور نائٹ جو اسوقت موجود نہین آنہ جائین اسوقت تک خشکی پر
اُترنے سے احتراز کیا جائے لیکن بہادر بادشاہ نے جسے ہر وقت یہ اندیشہ تھا کہ مبادا سمندر کے خطرات ابر و باد مین
پھنس کر اسکی فوج کو نقصان نہ پہونچے فوراً حملہ کردینے کا ارادہ کرلیا اور خود ہمہ تن زرہ بکتر سے آراستہ گلے مین
سپر حمائل کیے نیزہ ہاتھ مین لیے اور خانقاہ سینٹ ڈنیس کا جھنڈا آگے رکھکر[۵۳] سمندر مین کود پڑا جہان چھاتی تک

[۵۱] سرگذشت ژوان دیل جلد (۱) صفحات ۱۲۰-۱۲۲-۱۲۳؛ [۵۲] ایضاً جلد دوم۔ صفحات ۲۳۹--۲۴۰-

[۵۳] جس وقت لوی مع اپنے بھائی کے جہاز پر سے اُترا اسکے ایک طرف ایک رئیس علم حرب بلند کیے لیجا رہا تھا اور آگے آگے پاپائے
روم کا نائٹ صلیب لیے ہوئے تھا۔ سنیچر کے دن ۱۲ صفر ۶۴۷ھ کو عیسائیون اور مسلمانون مین ایک سخت معرکہ ہوا جسمین
بعض مسلمان امرا شہید ہوئے۔ ایک بحری جنگ بھی اسکے ساتھ ساتھ ہوئی۔ مسلمانون کی طرف سے شام کے وقت امیر فخرالدین نے
ہزیمت شروع کی جسکے پیچھے اسکے ساتھی اور اہل شہر ہو گئے اور شہر خالی کرکے اشمون مین جو فوج تھی اوسمین شامل ہوگئے صلیبیون نے

بانی تھا اور سب سے پہلے ساحل پر قدم رکھا۔ عیسائیون کے اس طرح دلیرانہ اُتر پڑنے سے مسلمانون مین ایک ہیبت سی بیٹھ گئی نیز اسی وقت سلطان کی غیر متوقع وفات کی خبر بھی پہونچی جس سے اور بھی جی چھوٹ گئے اور بغیر لڑے بھڑے مکانون کو خالی کر کے ان مین آگ لگاتے ہوے شہر کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ فرانسیسیون کو اپنی اس فتح سے سخت تعجب ہوا اور دمیاطہ پر قبضہ کر کے وہ اب اپنی باقی ماندہ فوج کا انتظار کرنے لگے[۵۵]۔

لیکن مسلمان بہت جلد سنبھل گئے اور خوف و دہشت کو دور کر کے ایک بہت بڑی جماعت کے ساتھ ٹوٹ پڑے ایک جنگ عظیم[۵۶] ہوی جسمین فرانسیسیون کو شکست ہوی اور انھین راہ فرار اختیار کرنا پڑی۔ بادشاہ اپنی فوج سے

(بسلسلہ نوٹ صفحہ سابق) صبح کو شہر خالی پایا بلا دغدغہ داخل ہوگئے (یکشنبہ ۲۲ صفر ۶۴۷ھ) لیکن وہان کے باشندے شہر کے اس حصہ مین جہان مال تجارت اور غلہ وغیرہ بھرا ہوا تھا آگ لگا کر قاہرہ چلے گئے تھے۔ ملک الصالح اس شکست کی خبر سُنکر نہایت غیض و غضب مین آیا۔ لوگون سے پوچھا کہ تم کیون بھاگے اُنھون نے جواب دیا کہ ہم نے امیر فخر الدین کو بھاگتے دیکھا پس ملک الصالح نے حکم دیا کہ (۵۴) امرا جو بغیر اسکی اجازت کے شہر دمیاطہ کو خالی کر کے چلے آے معدوم کر دیے جائین (حروب الصلیبیہ مولفہ سید علی الحریری صفحہ ۲۰۵)

۵۵ سرگزشت تزوال ویل جلد دوم صفحہ ۱۲۸ - ۵۶ عربی وقائع نگار اس جنگ کو واقعہ منصورہ کے نام سے تعبیر کرتے ہین وہ لکھتے ہین کہ دمیاط مین اپنی حالت وغیرہ درست کر کے عیسائیون نے قاہرہ کا قصد کیا منصورہ مین مسلمانون کی فوج سے مڈبھیڑ ہوی یہ وہی مقام تھا جہان گزشتہ جنگ صلیبی مین عیسائی خیمہ زن تھے۔ دونون طرف سے آغاز جنگ ہوا۔ مسلمانون نے حقہ ہاے آتشین اور نیرون سے حملہ شروع کیا ہر روز عیسائیون کی ایک بڑی تعداد قتل و اسیر ہوتی۔ اتنے مین ملک الصالح کی وفات کی خبر پہونچی۔ عیسائیون نے موقع دیکھکر سخت حملے شروع کیے۔ مسلمانون نے بھی خوب مقابلہ کیا اس مرتبہ اسلامی فوج امیر فخر الدین کی سرکردگی مین تھی جس نے نہایت شجاعت سے مقابلہ کیا۔ یہ تمام واقعات دریاے اشمون پر ہوے اور عیسائیون کو عبور کر کے منصورہ تک پہونچنے کا موقع نہ ملا دریاے نیل کے سوا انھین کوئی رستہ معلوم نہ تھا۔ اس اثنا مین ایک باغی مسلمان نے الیسار اسۃ بتادیا جہان سے آنے مین سہولت نظر آئی اور تمام سواران جمعیت ہیکلیین (ٹمپلرز) اور جمعیت سینٹ جان (قدیس یوحنا المعمدان) کونٹ رابرٹ نواب ارتواز برادر لوئی کی سرکردگی مین نہر کے اس پار آگئے نواب موصوف نے راے دی کہ یون ہی دباے چلے جانا چاہیے لیکن جمعیت ہیکلیین کے سردار نے سمجھایا کہ دشمن کے ظاہر پر اعتبار نہ کرنا چاہیے لیکن رابرٹ نے نہ مانا۔ اسوقت امیر فخر الدین حمام مین خیمہ زن تھا اسے عیسائیون کی آمد آمد کی خبر معلوم ہوی۔ اس نے اپنے سپاہیون کو بلا کر مقابلہ کا قصد کیا۔ ایک دو ابتدائی معرکون مین مسلمانون کو کچھ ہزیمت ہوی تھی کہ ملک الصالح کے غلامون نے نہایت سختی سے مقابلہ کیا اس معرکہ مین عیسائیون کی طرف سے نواب مذکور۔ ولیم لانگ سورڈ اور ایک انگریز امیر جو دوسو ناٹون کے ساتھ کمک کے لیے آیا تھا اور راول دی کوزی اور بہت سے سردار کام آئے۔ بہسٹر کاکس لکھتے ہین کہ مملوک انپر اس طرح آن پڑے جس طرح شکاری جانور شکار پر آپڑتا ہے۔ مسلمانون کی تھوڑی فوج اس خدمت پر روانہ کی گئی کہ نواب ارتواز کی فوج مین اور اوس اصلی

علیحدہ ہوگیا اور ایک چھوٹے سے ٹیلے پر صرف چند نائٹون کے ساتھ چڑھ گیا جہان مسلمانون نے اُسے گھیر لیا اور ہتھیار رکھدینے پر مجبور کیا اور یہ وعدہ کیا کہ آپ کی جان محفوظ رہے گی۔ قریب قریب اسکے تمام امراکافرون کے ہاتھ مین گرفتار ہوگئے[۱] بادشاہ اور اسکی فوج کے معاوضہ مین دس ہزار زر سرخ کا مطالبہ کیا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ شہر

(بسلسلۂ نوٹ صفحہ سابق) فوج مین جو بادشاہ کے ہمراہ تھی باہم تعلقات نہ رہین اور ایک دوسرے کی خبر نہو۔ اہل صلیب پر کھولتے ہوے پانی کا مینھ ڈھیلے اور جلتی ہوی لکڑیان برسنے لگین" جب اس واقعہ کی خبر بادشاہ لوئی کو پہونچی اس نے اپنے سردار فوج کو جلدی پہونچنے کا حکم دیا۔ راہ مین مسلمانون سے مقابلہ ہوا اور خنجر و سنان و تیر و پیکان کی ایک جنگ شدید ہوی۔ مسیحیون مین دالی ترلیشاطو۔ ہوگز دی اکوسا۔ رول دی فنورہ۔ اور فارلیس دی لوبی وغیرہ بڑے بڑے سردار کام آئے سارار ودی ایری ایک عیسائی سردار کے ایک مملوک نے ایسی تلوار ماری کہ بیچ مین سے سر دو پھانک ہوگیا۔ اتنے مین لوئی خود اپنی فوج کو لیے ہوے آپہونچا۔ عیسائیون کے پیر جو اُکھڑ چلے تھے پھر جم گئے۔ کہ بادشاہ کا دوسرا بھائی کاونٹ آف انجو گھوڑے پر سے گرا مسلمانون نے اسکی گرفتاری کا قصد کیا لیکن لوئی اور اسکی فوج جھک پڑی اور اُسے چھڑالے گئی لڑائی برابر ہوتی رہی حتی کہ دونون فریق تھک گئے اور کسی ایک کو بڑھنے کی ہمت نہین پڑتی تھی۔ اس اثنا مین مقتولین کی لاشون کے سڑنے سے عیسائیون مین وبا پھیل گئی اور کثرت سے سپاہی مرنے لگے ساتھ ہی رسد کی بھی کمی معلوم ہونے لگی اور بھوک کی سختی بھی شروع ہوی۔ ان مصائب پر جنگ کے مصائب مزید تھے۔ منصورہ کے قریب مسلمانون کے جہاز پہونچ گئے اور جب انھین کوئی جہاز ایسا ملتا جو عیسائیون کی مدد کے واسطے آیا ہو تو وہ اُسے گرفتار کرلیتے۔ مرض کی شدت سے بادشاہ لوئی بھی بیمار پڑ گیا۔ مسیحیون نے گھبرا کر کہ مبادا یہ مرنہ جائے مسلمانون سے چند روز کے لیے مہلت جنگ طلب کی۔ اتنے مین ۱۲ ذیقعدہ ۶۴۷ھ کو سلطان غیاث الدین توران شاہ اپنی فوج لیے ہوے مسلمانون کی کمک کو آپہونچا اور ایک بحری و بری جنگ ہوی جسمین مسلمانون نے عیسائیون کے (۳۲) جہاز گرفتار کرلیے۔ لوئی نے عیسائیون کی کمزوری دیکھکر صلح کی درخواست کی اور یہ صورت معاہدہ پیش کی کہ دمیاطہ لے کر شہر بیت المقدس کی حکومت اُسے دے دی جائے جسے ملک المعظم نے نامنظور کردیا۔ پھر عیسائیون نے دمیاطہ واپس جانے کا قصد کیا جس کی خبر پاتے ہی مسلمانون نے غربی فارسکور ابن تعاقب کرکے مقابلہ کیا یہ قتال نہایت سخت تھا اور کہا جاتا ہے کہ تیس ہزار عیسائی مارے گئے۔ اس حملہ مین لوئی مع اپنے بھائی اور امراے فوج کے گرفتار ہوا۔ تمام عیسائی یا تو گرفتار ہوے یا قتل کیے گئے۔ مسلمانون نے لوئی کو منصورہ مین لاکر اس کے تمام امیرون سمیت کاتب الانشا فخر الدین بن لقمان کے مکان مین رکھا۔ اور ملک المعظم توران شاہ نے منصورہ سے فارسکو آکر اس فتح کی یادگار مین لکڑی کا ایک برج تعمیر کیا ۱۲ (حروب صلیبیہ مولفہ سید علی الحریری صفحات ۲۵۲ و ۲۵۳)۔

[۱] سرگزشت ژواں ویل جلد اول صفحات ۱۲۰ — ۱۲۹

دمیاطہ مسلمانون کو واپس کردیا جاے تاکہ دس سال کے لیے صلح کی جا سکے۔ اسکے سوا کوئی دوسری شرط ممکن نہ تھی جس پر لوئی رہائی حاصل کرسکتا[۵۱]

پردیسی امیر و رئیس جو شریک جنگ تھے انکی ایک بہت بڑی جماعت یورپ لوٹ آئی اور خود لوئی عکہ چلا گیا یہان اس نے فلسطین مین اقامت کرنے اور جہان تک فوج و خزانہ بہم پہونچ سکا جمع کرکے عیسائی قلعہ جات کے استحکام و تحفظ مین صرف کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ چار سال تک برابر وہ اپنے کام مین لگا رہا اور ذلت و رسوائی کے ساتھ وطن واپس جانے سے انکار کرتا رہا۔ اس تمام مدت مین اس نے کوئی فیصلہ کن جنگ نہین کی لیکن یافا اور قیساریہ کے قلعہ جات کی مرمت کردی اور جو ممالک عیسائیون کے پاس باقی رہ گئے تھے انھین ایک محفوظ و قابل مدافعت حالت مین کردیا۔ اسکے بعد اس نے فرانس کا رخ کیا جہان اسکی بہت سخت ضرورت تھی لیکن جب اس نے اپنے ایک ایسے مقصد کو خیرباد کہا جو اُسے بے انتہا عزیز تھا تو اسکی گردن خجالت و اندوہ سے جھک گئی اس طرح صلیبی جنگ ہشتم ختم ہوی۔ لوی دل ہی دل مین نہایت درجہ غمزدہ اور نادم تھا اور خود اپنے آپ کو ملامت کرتا تھا کہ فضول اُس نے اپنی فوج اور رعایا کو شکست و تباہی سے ہم آغوش کیا اور شرفاے ملک اور خزانون کی بھینٹ چڑھائی جسکے مقابلہ مین اس سے کوئی ایسا کار نمایان نہین بن آیا جو اسکے نام کے لائق ہوتا یا یہ کہا جاتا کہ اس نے مسیحیون کی کچھ خدمت انجام دی یا انکی عزت رکھ لی[۵۲]

محاربۂ آخر:۔ یورپ سے چونکہ کوئی نئی کمک نہین آئی اسلیے فلسطین کے نائٹ اور امرا مجبوراً اپنے قلعون کے حدود مین پناہ گزین رہنے لگے کبھی کبھی دشمنون سے صلح کے معاہدے بھی کرتے رہتے تھے جنمین ہمیشہ انھین کا پہلو دبا ہوا رہتا تھا جمعیات ضیافت الغرباء اور ہیکلیین آکثر آپس ہی کی لڑائی جھگڑون مین مصروف رہتی تھین کہ اس اثنا مین مصر سے ایک تازہ حملہ ہوا جسنے اور ستم ڈھایا۔ اس نے گو مخالفین کی مخالفت دور کردی اور تمام عیسائیون کو متحد کردیا لیکن سلطنت کا قریب قریب تختہ الٹ دیا اور یہ اندیشہ ہوگیا کہ شاید سلطنت عیسوی کو یہان سے یکلخت مفقود ہونا پڑے گا۔ انطاکیہ بزور شمشیر لے لیا گیا قیساریہ بھی ان عالمگیر آفات سے بچ نہ سکا۔ تسخیر انطاکیہ کے بعد سترہ ہزار آدمی قتل کیے گئے اور ایک لاکھ سے زیادہ قید کرلیے گئے اور وہ شہر جو ایک زمانہ مین دور دور مشہور تھا اب ایک ویرانہ نظر آنے لگا[۵۳]

اس دل ہلا دینے والے سانحہ نے جسکے ساتھ عیسوی سلطنت انطاکیہ کا خاتمہ ہوگیا پاپاے روم کو معاملات مشرق کی طرف متوجہ کردیا۔ لوئی نہم شاہ فرانس کے فرو ہونے والے جوش نے اسے پھر حوصلہ دلایا

۵۱ سرگزشت ژوان ویل جلد اول صفحات (۱۵۲) و (۱۶۳)۔ ۵۲ ایضاً جلد دوم صفحات ۲۲۵ - ۲۳۲ و تاریخ میتھیو پیرس صفحہ ۶۳۰۔ ۵۳ ایضاً صفحہ ۹۵۶ و ہسٹوریا سینوڈالئی جلد (۳) حصہ (۱۲) باب (۹)

قیمت سالانہ قسم اول صہ
قیمت سالانہ قسم دوم عہ/ر

الناظر

نمبر ۴۸ جلد ۸
یکم جون سنہ ۱۹۱۲ء

عالم فطرت مین انسان کا مقام	مولوی معشوق حسین خان بی اے	1
فلسفۂ عشق (نظم)	سید کلب احمد مانی جائسی	۱۰
فطرت کا اخلاق	مولوی سید محمد ضامن کنتوری	۱۲
ناکامِ حیات (نظم)	سید محمد یوسف قیصر (بھوپال)	۱۹
عمر قید سے رہائی	"ابوالرشاد"	۲۱
ہلال (نظم)	منشی موسیٰ حسین اختر جلال آبادی	۲۹
نشتر سخن اور امیر مینائی کا سفر دکن	سید علی احسن احسن مارہروی	۳۰
تخمیس بر غزل جلیل	مولوی امین احسن جمیل موہانی	۳۸
الناظر پر نظر	سید سلطان حیدر جوش (علیگ)	۴۰
الناظر کو مراسلہ	مولانا شفق عمادپوری	۴۴
نظرے خوش گزرے		۴۶
محاربات صلیب	مولوی معشوق حسین خان بی اے (علیگ)	۱۳۷ - ۱۷۹

دی پریکٹیکل ٹرانسلیشن (سیریز)

مسٹر محمد رضی بی اے (علیگ) سابق ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کی نہایت کار آمد اور مفید تصنیف جو اسکول کے طلبہ اور انگریزی سیکھنے والون کے لیے نہایت ضروری ہے مصنف کا دعوی ہے کہ دو سو روپیہ انعام اُس شخص کو دیا جائیگا جو یہ ثابت کر دے کہ انگریزی ابتدائی تعلیم کے لیے اس سے بہتر آج تک کوئی کتاب تصنیف ہوی ہے دونون حصّے انڈین پریس مین نہایت خوبی کے ساتھ چھپے ہین۔ اور ہم سے ملتے ہین قیمت حصہ اول ۸ر حصہ دوم عہ ر

قصائد عزیز

مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی کا نام محتاج تعریف نہین دنیاے شاعری مین آپ آفتاب بن کر چمک رہے ہین اردو علم ادب کی خوش نصیبی ہے کہ موصوف کے نہایت گران بہا قصائد کا مجموعہ نہایت نفیس چھپکر تیار ہو گیا ہے۔ شائقین ضرور منگوائین قیمت ۱۰/

نوٹ۔ کافوری جنتری سنہ ۱۹۱۳ء کی جس مین پوری فہرست اور سارٹیفکٹ درج ہے۔ دس پڑھے لکھے آدمیون کا نام اور پورا پتہ لکھنے پر بلا قیمت و محصول بھیجی جاتی ہے۔

۲۷

یہ دو دوا دوایات ہم صفت اور ہم فوائد لاجواب ہین

قوت باہ کی گولیان

جیسا نام ویسا کام

ڈاکٹر برمن کی تیار کردہ قوت کی گولیان ۳۰ سال سے تمام ہندوستان مین مشہور ہو رہی ہین طاقت دینے والی مشہور دوا ہین فاسفورس اسکنٹا واسا ملا کر یہ گولیان بنی ہین مغز زیرہ رگ اور خون کو طاقت دینے کا دعوے رکھتی ہین زیادہ محنت جوانی کی خرابی اور بے اعتدالی خواہ کسی وجہ سے ہوسنی تیلی ہوگئی ان گولیون کے استعمال کیے اول روز سے فائدہ ظہور ہو جاتا ہے ان مین قوت اور مزاج مین گرمی معلوم ہونے لگتی ہے چہرہ رونق اور جوانی اور ضعیفی کی حالت سے ٹوٹے ہوے جسم مین دوبارہ جوش لاتی ہے۔ (۴۰) گولیون کی شیشی دو ہفتہ کی خوراک کا ایک روپیہ محصولڈاک ایک سے چار شیشی تک ۵ر

امتحانا نمونہ کی گولیان مفت دی جاتی ہین

امتحان کے اول ہی روز سے اپنا فائدہ دکھاتی ہین ضرور امتحان کیجیے۔ اگر آپ بلا قیمت انکی آزمائش کرنا چاہین تو صرف محصولڈاک دو پیسہ کا ٹکٹ پیڈ لفافہ مین بھیجیے اور اس خط مین دس خواندہ آدمیون کے نام مع صاف پتہ روانہ فرمایئن۔ ڈاکخانہ و ضلع ضرور لکھیے گا

المشتہر

ڈاکٹر الیس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ (ہمبل ڈیپارٹمنٹ)۔

کولاٹانک

ہرایک کے لیے طاقت بڑھانے کی دوا

کولا طاقت بڑھاتا ہے زیادہ فکر کی وجہ سے یا محنت۔ غم۔ بیماری تبدیلی آب و ہوا کی وجہ سے بدن کمزور ہوگیا ہو۔ تو کولا استعمال کرو اس سے طاقت پیدا ہوتی ہے کولا دم کو بڑھاتا ہے گھوڑے کی سواری پہاڑ کی چڑھائی کشتی۔ کسرت۔ ناچ گانا۔ پڑھنا پڑھانا اور خیال وغیرہ کے کامون مین پہلے کولا پیو دم جلدی نہین تھکے گا حوال دل دھڑکن کلیجہ کی کمزوری کو فائدہ کرتا ہے اگر کام یا کسی وجہ سے رات کو جاگنا ہو تو کولا پیو اس سے حرارت نہین رہے گی۔ کولا شراب کو چھوڑاتا ہے اگر زیادہ شراب پی ہو تو ایک یا دو خوراک کولا پیو جاؤ اچھی نیند آجاے گی تھوڑے دن کے استعمال سے شراب سے نفرت ہو جاتی ہے کولا کے سہارے افیون چھوٹتی ہے کولا کھاؤ افیون کی مقدار کم کرو تھوڑے دن مین بغیر کسی تکلف کے افیون چھوٹ جائے گی۔ قیمت فی شیشی عہ محصول ۵ر

المشتہر

ڈاکٹر الیس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

الناظر

نمبر ۴۸ جلد ۸ — بسم اللہ الرحمن الرحیم — یکم جون سنہ ۱۹۱۳ء

عالم فطرت مین انسان کا مقام

پروفیسر ہکسلے کہتے ہین کہ مجھے ۱۸۵۴ء مین علم حیات (بیالوجی) کے اصول پر لکچر دینے کا کام سپرد تھا اُس سلسلے مین مین نے کئی لکچر دیے۔ پھر ایک مدت بعد ضروری اصلاح کرکے انھین کتاب کی شکل مین طبع کرا لیا۔ ان لکچرون کی تیاری مین انھین بہت سے ایسے اصول پر بحث کرنا پڑی جو اس وقت تک حل نہین ہوے تھے سب سے مشکل جو شے تھی وہ یہ ہے کہ مدارج حیوانات مین انسان کی منزلت کیا ہے۔ اسی زمانہ مین پروفیسر ہکسلے کے دوست سر ولیم لارنس کی خوب خبر لی گئی تھی کیونکہ انھون نے کتاب "ادن مین" لکھ کر طبع کرانے کی جرأت کی تھی۔ پادریون نے کفر کے فتوے بھی لگادیے۔

اس زمانہ مین خود ان لوگون مین جو حقیقت انسانی پر عالمانہ بحث کرتے تھے مثلاً Linnaeus لی نیس۔ کیوویر (Cuvier) اور لائل (Lyell) وغیرہ مین بہت اختلاف تھا اور یہ تسلیم کرنے پر کوئی راضی نہین ہوتا تھا کہ انسان اور دیگر حیوانات من ایک سلسلہ مسلسل ہے اور کوئی سد سکندری حائل نہین۔ ہکسلے کہتے ہین کہ مین خود اپنے خیالات مین تذبذب تھا لیکن ایک مرتبہ میری نظر ایک مضمون پر پڑی جو لی نین سوسائٹی کے سامنے "حیوانات شدی کے عادات واطوار۔ اصول تقسیم و فرق ابتدائی" پر پڑھا گیا تھا جسمین دماغ کی بعض تشریحی مناسبتون کا ذکر تھا۔ اس مضمون نے ایک قسم کی تحریک پیدا کی کہ اس بات کی حقیقت دریافت کرنا چاہیے اور تھوڑے ہی عرصہ بعد معلوم ہوگیا کہ یہ خصوصیات نوع انسان کے ساتھ مخصوص نہین ہین بلکہ بندرون اور لنگورون کے بھی بعض اقسام مین پائی جاتی ہین۔

ہکسلے کی تحقیقات ابھی یہین تک پہنچی تھی کہ ڈارون کی مشہور و معروف کتاب "اوریجن آف اسپشیز" شائع ہوی۔ چونکہ نوامیس نشو و نما اور تشریح ذی فقرات پر مسٹر ڈارون نے بحث نہین کی تھی اسلیے ہکسلے نے اس حیثیت کے ساتھ مسئلۂ ارتقا کو اُٹھایا۔ ۱۸۶۰ء مین انھون نے انسان اور دیگر حیوانات کے باہمی تعلق پر چھ لکچر دیے۔ ماہرین علوم و فنون کی ایک پنچایت نے اسی سال برٹش السوسی ایشن نے آکسفورڈ مین اس مسئلہ پر تمام و کمال بحث کی لیکن کوئی امر طے نہین پایا حتی کہ ۱۸۶۲ء مین بمقام کیمبرج (Cambridge) ہکسلے کے ایک دوست سر ولیم فلاور نے علی الاعلان یہ ظاہر کیا کہ لعض دماغی خصوصیات جو محض ذات انسانی کے ساتھ مختص سمجھی جاتی تھین بندرون مین بھی پائی جاتی ہین۔

ہکسلے کی جب یہ کتاب "مینس پلیس ان نیچر" (Man's place in Nature) شائع ہوی تو بیچارے کو تمام اطراف سے ہدف ملامت و طعن بننا پڑا۔ بعض نے غلط بیانی اور غلط تشریح کرکے مضحکہ اڑانا شروع کیا اور غریب پر ایسی نظرین پڑنے لگین جیسے کسی بدمعاش کافر کو کوئی دیکھتا ہو۔ مجھے اپنی جگہ پر امید ہے کہ مندرجۂ ذیل مضامین کے پڑھنے والے مجھ غریب کو اس نظر سے نہ دیکھین گے اور نہ ہمارے مہربان علما اس سے میرے مذہبی عقائد کو مستنبط کرینگے بلکہ یہ یاد رکھین گے کہ علمی بحث اور ہے اور عقاید کی بحث اور۔ میری اگر خطا ہے تو صرف اس قدر کہ ہکسلے کی تحقیقات علمی کا خلاصہ درج کرتا جاتا ہون۔ میری مجال نہین کہ اپنے ملک کے بزرگوارون کی شان مین یہ خیال زبان سے نکالون کہ انکے جد اعلے بندر تھے انسان نہ تھے۔

انسان نما بندرون کی تاریخ طبعی

(۱)

زمانۂ قدیم کی حکایتین اور روایتین ایسی دلاویز و حیرت انگیز واقعات سے مملو ہین کہ کہانیون سے زیادہ انکی وقعت نہین معلوم ہوتی۔ رستم و اسفندیار کے قصے۔ رام لچھمن کے حیرت انگیز کارنامے خاص کر ہنومان جی کی کارگزاریان جب موجودہ زمانہ کی علمی کدو کاوش و تحقیقات کی روشنی مین دیکھی جاتی ہین تو محض خواب و خیال نظر آتی ہین۔ ہنومان جی کے حالات کسی کو باور ہون یا نہ ہون لیکن بہت سی ایسی کتابین ہین جو کوچا پانسو برس سے زیادہ پرانی نہین ہین مگر ان مین انسان نما بندرون کے حالات بکثرت پاے جاتے ہین۔ "پای گا لیفٹا کی کتاب سلطنت کانگو کے حالات" جو ۱۵۹۸ء مین ایک پرتگالی جہازران (Edward Lopes) ایڈورڈ لوپیز" کے جمع کیے ہوے نوٹون سے مرتب کی گئی تھی موجودہ سرمایۂ تاریخ مین ان جانورون کے حالات کی

سب سے قدیم کتاب پی پچاسکے دسوین باب مین لکھا ہے کہ "ملک سنگان مین دریاے زیری" (Zaena) کے کنارے ایسے بکثرت بندر ہین جو انسانی حرکات سکنات کی نقل کرکے امرا کو بہت خوش کرتے ہین" فرانس کے مشہور مصور ہیایوں ڈی برای" نے ان بندرون کی تصویر کو بے دم کے لمبے ہاتھ والے اور بڑے کان والے بندر کی طرح دکھایا ہے اور قد چمپانزی کے برابر بتایا ہے ممکن ہے کہ یہ محض خیالی تصویر ہو یا حقیقی ہو اور کسی چمپانزی کو دیکھکر کھینچی گئی ہو - بہرحال اس سے اتنا ضرور پتہ ملتا ہے کہ اس قسم کے جانورون کے حالات تاریخ مین سترھوین صدی عیسوی سے پاے جاتے ہین ۔

سنہ ۱۶۱۳ء مین ایک شخص نے ایک کتاب "پرشاز کی سیاحت" (Purchas his pilgrimage) کے نام سے چھاپی تھی - ایک مقام کے حال مین پرشاز یہ بیان کرتا ہے کہ اس نے اپنے دوست اندرو بیٹل ایک پرانے سپاہی سے جو سلطنت کانگو مین مدتون رہا تھا ایسے بڑے بڑے بندرون کا حال سن کر بہت تعجب کیا جنکا قد انسان کے قد کے برابر اور جسامت انسان سے دو حصے زیادہ تھی (سنہ ۱۶۲۶ء کے مطبوعہ نسخے مین اتنا اور زیادہ تھا کہ ان جانورون کی پنڈلیان نہ تھین - حاشیہ پر انکا نام "پانگو" بتایا گیا ہے) اسی طرح کی ایک دوسری کتاب پرشاز کے سفر (Purchas his pilgrimes) مطبوعہ سنہ ۱۶۲۵ء کے دوسرے باب مین وہی مصنف صوبجات پانگو - کالنگو میاہبی وغیرہ کا حال بیان کرتے وقت لکھتا ہے کہ "صوبہ میاہبی[1] مین تمام جنگل اور باغ ہین .... یہان کوئی غلہ نہین ہوتا اور لوگ کیلے اور بعض درختون کی جڑون پر بسر اوقات کرتے ہین ... یہان ایک بڑی ریگستانی خلیج ہے - راس نیگرو[2] سے دو فرسخ جانب جنوب .... یہان ایک دریا ہے "بانا"[3] نام ... جب سورج جنوب کی جانب مائل ہوتا ہے اس وقت اسمین کشتی چل سکتی ہے .... یہ ایک بہت بڑا دریا ہے جسمین بہت سے جزیرے ہین جہان لوگ رہتے ہین لیکن جنگلون مین تمام بیبون (بڑا بندر) بندر - لنگور اور طوطے اس قدر ہین کہ ان مین سے گزرنا انسان کے لیے خطرناک ہے - اسمین دو طرح کے بڑے زبردست حیوان ہین جو بہت خطرناک ہین - وہان کی زبان مین انمین سے سب سے بڑے کو "پانگو" اور چھوٹے کو "انجیکو" کہتے ہین "پانگو" بالکل آدمی کے مانند ہوتا ہے لیکن جسامت مین بجاے انسان کے دیو کی طرح ہوتا ہے اسکا قد بہت بڑا ہوتا ہے چہرہ بالکل آدمی کا سا ہوتا ہے - آنکھین اندر گھسی ہوی ہوتی ہین اور بھوین بڑی لمبی لمبی ہوتی ہین - چہرہ اور

[1] بوانگو سے ساحل کی جانب ۱۹ فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے ۱۲ [2] خط استوا سے ۱۶ درجہ جانب جنوب واقع ہے ۱۲

[3] اس کا موجودہ نام "کاما" اور "فرنند داس" ہے ۱۲

کان پر بال نہین ہوتے۔ ہاتھ بھی صاف ہوتے ہین لیکن جسم بالون سے بھرا ہوتا ہے جو بہت گھنے نہین ہوتے اور بھورے رنگ کے ہوتے ہین۔ آدمی سے صرف اتنا فرق ہوتا ہے کہ انکی (Calf) پنڈلی نہین ہوتی۔ یہ ہمیشہ ٹانگون کے بل چلتا ہے رستہ ان مین سوتا ہے اور برسات مین پانی سے بچاؤ کے لیے جاے حفاظت بناتا ہے اسکی غذا پھل پھلیری ہے گوشت بالکل نہین کھاتا۔ بات چیت بھی نہین کرسکتا اور دوسرے جانورون سے زیادہ سمجھدار نہین ہوتا۔

اس ملک کے آدمی جب جنگلون مین سفر کرتے ہین تو رات کے وقت آگ چارون طرف جلا لیتے ہین اور صبح ہوتے ہی اسی طرح چھوڑ کر چلے جاتے ہین۔ جب یہ چلے جاتے ہین تو پانگو آتا ہے اور اسی طرح وہ بھی بیٹھتا ہے لیکن جبتک آگ خود بخود نہین بجھ جاتی نہین اُٹھتا کیونکہ سے لکڑیان جلانا نہین آتا۔ جب کبھی نکلتے ہین پانچ پانچ چھ چھ نکلتے ہین اور جو آدمی جنگل مین مل جاتا ہے مار ڈالتے ہین۔ اکثر جب انکے رہنے کی جگہ ہاتھی چارا کھانے آتے ہین تو یہ اُن پر حملہ کر بیٹھتے ہین اور اتنے گھونسے مارتے ہین کہ ہاتھی چیخ مار کر بھاگ جاتے ہین۔ یہ "پانگو" کبھی زندہ نہین پکڑے جاتے کیونکہ اتنے قوی ہوتے ہین کہ دس آدمی ایک کو نہین تھام سکتے ..... پانگو کی مادہ اپنے بچے کو پیٹ مین چھپاے رہتی ہے اور جب دیسی آدمی کسی مادہ کو مار ڈالتے ہین تب کوئی بچہ مان کے پیٹ سے چمٹا ہوا ہاتھ آتا ہے۔ جب کوئی مرتا ہے تو دوسرے پانگو میت کو بہت سی لکڑیون اور شاخون سے ڈھانک دیتے ہین" اس کتاب کا پرتگالی مصنف ایک جگہ حاشیہ پر اپنے انگریز دوست اینڈریو بٹیل کی روایت سے لکھتا ہے کہ "پانگو ایک دیوزاد بندر ہوتا ہے۔ اس نے (یعنے بٹیل نے) ایکمرتبہ باتین کرتے وقت بیان کیا کہ ایک پانگو ایکمرتبہ ایک آدمی کے بچے کو اُٹھالے گیا۔ یہ بچہ ایک مہینے تک انمین رہا۔ پانگو انکو نہین نقصان پہنچاتے جنھین اچانک بغیر اطلاع کے پکڑ لیتے ہین۔ صرف انکو دیکھتے رہتے ہین لڑکا جب انکے پاس سے بھاگ آیا تو کہنے لگا کہ یہ بندر آدمی کے قد کے برابر لیکن جسامت مین دوگنے ہوتے ہین" اینڈرو بٹیل کہتا ہے کہ مین نے خود اس لڑکے کو دیکھا ہے۔

پروفیسر ہکسلے نے زمانۂ حال کے جغرافیہ سے اینڈریو بٹیل کے بیان کی تصدیق و تطبیق کرکے یہ بتایا ہے کہ ان دونون جانورون مین ایک جسکا نام انجیکو ہے ابتک اسی نام سے موسوم ہے لیکن لفظ "پانگو" اب باقی نہین رہا۔

اینڈرو بٹیل کے بعد جو لوگ پیدا ہوے انھون نے انسان نما بندرون کو خود دیکھا۔ یہ بندر یورپ مین

لاے گئے اور یہان بھی لوگون نے دیکھا۔ ٹل پیس (Tulpius) کی کتاب آبزر وے شیانیز میڈی کا (Observationes Medicae) مطبوعہ ۱۶۴۱ء کی تیسری جلد کے چھپنویں باب مین ایک بندر کا ذکر ہے جسے سیٹائرس انڈیکس (Satyrus Indicus) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے لیکن امریکہ کے قدیم باشندے انھین اورنگ اُٹنگ (Orangoutang) کے نام سے موسوم کرتے تھے اور افریقہ والے کواس مورو" کہتے تھے۔ ٹل پیس ایک بچے کے حال مین لکھتا ہے کہ اسکی عمر تین برس کے بچے کے برابر اور جسامت چھ برس کے بچے کے برابر تھی اسکی پیٹھ سیاہ بالون سے لدی ہوی تھی۔ بظاہر یہ چمپانزی کا بچہ معلوم ہوتا ہے۔

اسی زمانہ مین ایک دوسرا انسان نما جانور اور معلوم ہوا۔ بانٹیس (Bontius) (۱۶۵۸ء) نے ایک جانور کا حال لکھا ہے جسے وہ عورت کی طرح بتاتا ہے اور اورنگ اُٹنگ کے نام سے موسوم کرتا ہے لیکن ایک انگریز ماہر علم تشریح مسٹر ٹائیسن (Tyson) نے اس سے اختلاف کیا کہ اورنگ اُٹنگ نہین ہوسکتا۔ سب سے پہلے عالمانہ طریقہ پر اس انسان نما بندر کے حالات کی تحقیق انھین مسٹر ٹائیسن نے کی اور ایک کتاب لکھی ہے "بونے کی تشریح" جسمین اس جانور کا مقابلہ بندر، لنگور اور انسان سے کیا ہے۔ رائل سوسائٹی نے اس کتاب کو ۱۶۹۹ء مین طبع کرایا تھا۔ مسٹر ٹائیسن (Tyson) کہتے ہین کہ "بونا انگولا (افریقہ) سے لایا گیا تھا۔ اسکے بال سیاہ اور کھڑے کھڑے تھے۔ جب یہ عام چوپاؤن کی طرح چارون ہاتھ پاؤن کے بل چلتا تھا تو نہایت برا معلوم ہوتا تھا کیونکہ ہاتھ کی ہتھیلی کو زمین پر جماتے کے بجاے بشتہاے انگشت کے بل چلتا تھا۔ مین نے جب اسے دیکھا یہ بہت کمزور ہوگیا تھا حتیٰ کہ اپنے جسم کا بار بھی نہین اُٹھا سکتا تھا۔ چوٹی سے ایڑی تک خط مستقیم اگر لیا جاے تو صرف قد چھبیس انچہ تھا"۔ اس جانور کا ڈھانچہ حُسن اتفاق سے پروفیسر ہکسلے کی نگاہ سے گزرا ہے وہ کہتے ہین کہ مسٹر ٹائیسن (Tyson) نے خوب تحقیق کرکے بتایا ہے کہ یہ جانور (۴۷) باتون مین بمقابلہ بندرون اور لنگورون کے انسان سے زیادہ مشابہ ہے اور (۳۴) باتون مین بمقابلہ انسان کے بندرون اور لنگورون سے زیادہ مشابہ ہے۔ مسٹر ٹائیسن نے بہت غور کے بعد یہ بھی نتیجہ نکالا کہ یہ جانور نہ تو ٹل پیس (Tulpius) اور بانٹیس (Bontius) کا اورنگ اُٹنگ ہے اور نہ افریقہ کا کواس مورو" اور نہ انیڈرو بٹیل کا "پانگو" بلکہ اُس طرح کا ایک بندر ہے جیسے قدیم زمانہ مین بونے ہوا کرتے تھے۔ یہ بندر یا کسی اور جانور کی مقابلہ مین انسان سے بہت زیادہ مشابہ ہوتا ہے۔ تاہم اسے

ہمجنس نہین کہا جا سکتا - یہ بلا شک جانور نہے اور بندر کی ایک خاص قسم ہے -

لفظ چمپانزی کے نام سے اہل یورپ اٹھارہوین صدی کے نصف اول مین آشنا ہوے تھے لیکن اس انسان نما بندر کے حالات سب سے پہلے ۱۷۴۴ء مین ولیم اسمتھ نے اپنے "سفرنامہ گنی" مین لکھے ہین - سیرالیونی (Sierra Leone) کے جانورون کے حالات مین پندرھوین صفحہ پر ولیم اسمتھ لکھتا ہے کہ "اب مین ایک عجیب جانور کا حال لکھتا ہون جسے اہل یورپ مینڈرل (Mandrill) کہتے ہین ... انکے جسم داگر جوان ہون تو) ایک متوسط القامت انسان کے برابر ہوتے ہین لیکن ٹانگین بہت زیادہ چھوٹی اور پیر بہت بڑے ہوتے ہین - انکے ہاتھ اور بازوؤن مین تناسب ہوتا ہے - لیکن سر بہت بڑا ہوتا ہے اور چہرا چوڑا اور چپٹا جسمین سواے بھوؤن کے کہین بال نہین ہوتے - ناک بہت چھوٹی اور مُنھ چوڑا اور ہونٹ پتلے پتلے ہوتے ہین چہرہ پر سفید جلد ہوتی ہے اور بڈھے آدمی کی طرح جھریان پڑی رہتی ہین جسکی وجہ سے نہایت قبیح معلوم ہوتا ہے - دانت چوڑے چوڑے اور زرد ہوتے ہین اور ہاتھون مین بھی چہرہ کی طرح بال نہین ہوتے بلکہ ایک سفید کھال ہوتی ہے اسکے علاوہ باقی تمام جسم پر ریچھ کی طرح سیاہ سیاہ بال لدے ہوتے ہین - یہ کبھی چار ہاتھ پاؤن کے بل نہیں چلتے اور جب انھین چھیڑا جاے تو بچون کی طرح چلاتے ہین - مین جب شربرو مین تھا وہان ایک صاحب مسٹر کمربس سے ملاقات ہوی - انھون نے ان عجیب جانورون مین سے ایک جانور مجھے تحفۃً دیا تھا جسے دیسی لوگ بوگو کہتے تھے - اسکی عمر چھ ماہ کی تھی اور مادہ تھی لیکن اس عمر مین بھی بیبون (Baboon) سے زیادہ بڑی تھی - مین نے اسے ایک غلام کے سپرد کر دیا جو اسے کھانا کھلانا اور اسکی حفاظت کرنا خوب جانتا تھا کیونکہ یہ جانور نہایت درجہ نازک ہوتا ہے - لیکن جب کبھی مین جہاز کے ڈک پر چلا جاتا تو ملاح اس غریب جانور کو خوب چھیڑتے - بعضون کو اسکے آنسو بہتے اچھے معلوم ہوتے بعضون کو اسکے رونے کی آواز پیاری معلوم ہوتی بعض اسکی چپٹی ناک سے نفرت کرتے - ایک دفعہ ایک نے اُسے مارا اور جب میرے حبشی غلام نے جو حفاظت پر مامور تھا روکا تو کہنے لگا "تجھے اپنی ملک والی عورتون سے بہت محبت معلوم ہوتی ہے - پھر اس سے کیون نہین شادی کر لیتا" - اسکا جواب غلام نے فوراً یہ دیا "نہین حضور یہ میری بی بی بننے کے بیے موزون نہین ہے - یہ سفید رنگ کی عورت ہے اور آپ کی بی بی خوب بنے گی" - دوسرے دن صبح کو حبشی غریب مردہ پایا گیا - مجھے یقین ہے کہ یہی اس کا مذاق اسکی جان لینے کا باعث ہوا -

پروفیسر ہکسلے کی راے مین ولیم اسمتھ کا مندرل یا بوگو بلا شبہ چمپانزی کی قسم سے ہین -

Cummerbus ² Sherbro ¹

جب ۱۷۶۶ء مین بفون (Buffon) نے اپنی مشہور و معروف عظیم الشان کتاب کی چودھوین جلد تمام کی اسوقت وہ لکھتا ہے کہ ایک افریقہ کا انسان نما بندر اسکی نظر سے گزرا تھا۔ اور اسی طرح کا ایک ایشیائی بندر جو خوب جوان تھا۔ لیکن اورنگ اوٹن اور اسمتھ کے منڈرل کا حال اس نے صرف سُنا تھا۔ دیکھا نہ تھا۔ اینڈریو بٹیل نے جس جانور کا نام انجیکو بتایا ہے اسی کو بفون (Buffon) نے جاکو (Jacko) لکھا ہے اور چونکہ جاکی کتاب دنیا مین بہت زیادہ مشہور ہوی اسلیے اسی نام سے وہ بندر مشہور ہوا۔ بفون لکھتا ہے جتنے "جاکو" اور "اورنگ" یورپ مین آئے سب بچے تھے۔ جوان ہو کر وہ "پانگو" سے کم نہ ہوتے ہونگے اور "جاکو" "اورنگ" اور "پانگو" سب ایک ہی قسم کے ہین لیکن بیس برس بعد بفون کو اپنی رائے بدلنی پڑی اور اُسے یہ ظاہر کرنا پڑا کہ خود "اورنگ" کی دو قسمین ہین۔ بڑی وہ ہے جسے انڈریو بٹیل نے پانگو کہا ہے اور چھوٹی کا نام "جاکو" ہے۔ آخر الذکر شرق الہند کا اورنگ ہے اور جن افریقہ کے جانورون کو اس نے اور ٹلپیس (Tulpius) نے دیکھا تھا وہ صرف "پانگو" کے بچے ہین۔ اسی زمانہ مین ۱۷۸۰ء مین واز میر (Vosmeer) ایک ماہر علم موجودات عالم باشندہ ہالینڈ نے بھی اورنگ کا حال لکھا ہے اور مشہور ماہر فن تشریح پیٹر کمپر (Peter Camper) نے ۱۷۷۹ء مین ایک مضمون لکھا ہے۔ اس نے چند مادا ؤن اور ایک نر کی تشریح کی تھی وہ کہتا ہے یہ سب بچے ہین اور چار فیٹ سے زیادہ انکا قد نہو گا۔ واز میر کے بیان کے بموجب اورنگ ٹائیسن کے پگمی اور ٹلپیس کے اورنگ سے بلحاظ رنگ اور لمبے بالون کے اور نیز ظاہری شکل و صورت کے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اسکے بازو۔ ہاتھ اور پاؤن زیادہ لمبے ہوتے ہین انگوٹھا بہت چھوٹا ہوتا ہے اور پنجے بھی نسبتہً بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ ایشیا اور بورنیو کا "اورنگ" وہ بے دم کا بندر نہین ہے جو جیسا لینوس نے لکھا ہے۔ نہ وہ پانگو ہے اور نہ جیکو۔ نہ ٹلپیس کا "اورنگ" اور نہ ٹائیسن کا پگمی بلکہ وہ خود ایک خاص قسم کا جانور ہے۔

کچھ زمانے بعد ڈچ مقبوضات ہند کے ایک سرکاری عہدہ دار موسیو رڈیر سکیر نے علوم و فنون کی بٹے وین سوسائٹی مین جزیرۂ بورنیو کے حالات طبع کرنے جسمین اس نے اورنگ اوٹن کا ذکر کیا۔ بورنیو مین یہ بندر مقامات ہنجر مانگ۔ ممپاوا اور لنداخ مین پاے جاتے ہین لیکن انمین سے کسی کا قد ڈھائی فیٹ سے زیادہ نہ تھا۔ موسیو پام ریزیڈنٹ امبانگ نے لنداخ سے پانٹیانا جاتے وقت ایک اورنگ کو گولی مار کر پکڑا تھا اور شراب مین ڈال کر بٹے ویا بھیجدیا تھا تاکہ وہان سے یورپ بھیجدیا جاے۔ اس واقعہ کو خود موسیو پام ایک خط مین اس طرح لکھتے ہین "مین حضور کے پاس خلاف امید ایک "اورنگ" بھیجتا ہون۔ آج صبح آٹھ بجے کے

قریب مین نے سُنا تھا کہ ایک "اورنگ" یہان آیا ہے - ایک عرصہ تک ہم یہ کوشش کرتے رہے کہ لنداخ کے آدھے راستہ پر گھنی جھاڑیون مین دباکر اسے زندہ پکڑ لین - ہم اس کوشش مین کھانا پینا تک بھول گئے تھے اور اسکا بہت خیال تھا کہ کہین یہ نکل نہ جاے لیکن اسکے ساتھ اس احتیاط کی بھی بہت ضرورت تھی کہ کہین اسے انتقام کا موقع نہ مل جائے بندر برابر بھاری بھاری لکڑیان اور درختون کی ہری ہری شاخیں توڑ توڑ کر ہماری طرف پھینکتا رہا - یہ سب تماشا تیسری پہر تک رہا اور مین نے ارادہ کیا کہ مجبوراً اسے گولی سے مار کر گراؤن - آخر کار مین نے گولی ماری جو پسلی مین سے ہوتی ہوی اس طرح نکل گئی کہ اس نے کچھ زیادہ نقصان نہین پہونچایا جب وہ گر پڑا تو ہم کشتی مین لاے اور ہاتھ پیر باندھکر ڈالدیا لیکن افسوس کہ صبح تک زخمون سے وہ مرگیا - "تمام پانٹیا کے لوگ جب ہم وہان پہونچے تو دیکھنے آئے" پام نے اسکا قد چوٹی سے لے کر ایڑی تک ۴۹ انچہ بتایا ہے -

پروفیسر ہکسلے کہتے ہین کہ گو وہ مقامات جہان انڈریو بٹیل کے "پانگو" اور "انجیکو" بستے ہین یورپ سے بمقابلہ ان مقامات کے زیادہ قریب ہے جہان "اورنگ" اور "گیبون" پائے جاتے ہین تاہم یورپ والے افریقہ کے بندر سے دیر مین آشنا ہوے - پروفیسر نوون کی مشہور کتاب Osteology of the chimpanzee & orang مطبوعہ سنہ ۱۸۳۳ء کی اشاعت کے بعد سے یورپ والے اسکے حالات سے واقف ہوے - جو حالات کہ پروفیسر مذکور نے کمال تحقیق و تدقیق سے اسمین درج کیے ہین انکے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جوان چمپانزی کا قد بمقابلہ ان بچون کے جن کا ذکر ٹائیسن - بفون اور ٹریل نے کیا ہے بہت زیادہ تھا - ڈاکٹر طامس سیوج (Savage) امریکہ کے ایک پادری نے لکھا ہے کہ گیبون کے ملک کے لوگ چمپانزی کو "انچیکو" بھی کہتے ہین جو بلاشک انڈریو بٹیل کے "انجیکو" کا نام ہے سنہ ۱۸۴۷ء مین ڈاکٹر سیوج نے ایک اور بندر کا ڈھانچہ دریاے گیبون کے متصل ایک پادری مسٹر ولسن کے یہان دیکھا جسکے بارے مین نہایت تحقیق کے بعد اسکی راے ہے کہ یہی بٹیل کا بتایا ہوا بندر "پانگو" ہے جسے دیسی لوگ "انجی اینا" بھی کہتے ہین - ڈاکٹر سیوج نے اسے "پانگو" کے نام سے اسلیے موسوم نہین کیا کہ اس لفظ کے اطلاق مین مدتون نہایت شبہ رہا ہے اسلیے اسکا نام "گوریلا" رکھا جو کارتھیج کے ایک سیاح نے جزائر افریقہ مین سے ایک جزیرہ کے بالدار باشندون کے لیے استعمال کیا تھا لیکن یہ بھی بیان کردیا کہ یہ جانور درحقیقت وہ جانور نہین ہے جسے کارتھیج کے سیاح نے دیکھا تھا بلکہ اس کی ایک قسم ہے -

انڈریو بٹیل کے ذکر کیے ہوے حالات کے ڈھائی سو برس بعد آخر وہ زمانہ آیا جبکہ ان انسان نما جانورون کی قسمین اچھی طرح تحقیق کے ساتھ دریافت ہوسکین - انکی چار قسمین معلوم ہوئین مشرقی ایشیا مین

اسکی دو قسمین "گیبون" اور "اوران گ" پائی جاتی ہین اور مغربی افریقیہ مین "چمپانزی" اور "گوریلا"۔

ان تمام انسان نما بندرون کو دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ بہت سی خصوصیات بدنی وطبعی مین وہ انسان سے نسبت اشتراک رکھتے ہین مثلاً سب کے تعداد مین اسی قدر دانت ہوتے ہین جتنے انسان کے یعنی انسان کی طرح سب کے چار چار اگلے دانت ہوتے ہین۔ دو دو کچلیان ہوتی ہین چار چار چھوٹی ڈاڑہین اور چھ چھ بچھی ڈاڑہین اور سب ملا کر ۳۲ ہوتے ہین اور دودھ کے دانت صرف بیس ہوتے ہین یعنی چار چار اگلے۔ دو دو کچلیان اور چار چار ڈاڑہین۔ انکے بازو ہمیشہ ٹانگون سے زیادہ لمبے ہوتے ہین مگر کبھی زیادہ لمبے کبھی کم۔ یعنے اورنگ اوٹن کے بازو اور ٹانگون مین ا: ۱½ کی نسبت ہوتی ہے گیبون میں ا: ۱½ کی نسبت۔ گوریلا میں ا: ۱⅕ کی نسبت اور چمپانزی مین ا: ۱⅙ کی نسبت بازوؤن اور ٹانگون مین ہوتی ہے یعنے بازو ہمیشہ ٹانگون سے لمبے ہوتے ہین سب کے بازوؤن کے آگے ہاتھ ہوتے ہین بعض کے انگوٹھے چھوٹے ہوتے ہین بعض کے بڑے لیکن پیر کا انگوٹھا ہمیشہ انسان کے انگوٹھے سے چھوٹا ہوتا ہے انمین سے نہ تو کسی کے دُم ہوتی ہے اور نہ عام بندرون کی طرح گالون مین تھیلی ہوتی ہے اور سب کے سب دنیائے قدیم کے باشندے ہین۔

تمام انسان نما بندرون مین "گبن" سب سے زیادہ چھوٹے نازک اور لمبے اعضا والے ہوتے ہین۔ انکے بازو اور ہاتھ اسقدر لمبے ہوتے ہیں کہ قیام کی حالت مین زمین چھو سکتے ہین۔ ہاتھ بھی پاؤن کے مقابلہ مین زیادہ لمبے ہوتے ہین اور تمام انسان نما جانورون مین یہی قسم ایسی ہے جسکے گٹے بندرون کی طرح ہوتے ہین "اورنگ اوٹن" کے ہاتھ لمبائی مین پنڈلی تک پہنچتے ہین۔ انکے ہاتھ پیر کے انگوٹھے بہت چھوٹے ہوتے ہین اور پیر ہاتھون سے بڑے ہوتے ہین انکے جسم اور رخسارون پر سرخی مائل بھورے بال ہوتے ہین۔ چمپانزی کے ہاتھ رانون کے نیچے تک ہوتے ہین۔ ہاتھ پیر کے انگوٹھے بڑے ہوتے ہین اور ہاتھ بمقابلہ پیرون کے زیادہ لمبے ہوتے ہین۔ انکے جسم کے بال سیاہ اور چہرہ کی کھال زرد ہوتی ہے۔ گوریلے کے ہاتھ پیرون کے وسط تک ہوتے ہین۔ ہاتھ پیر کے انگوٹھے بڑے ہوتے ہین۔ پیر بمقابلہ ہاتھون کے زیادہ لمبے۔ چہرہ سیاہ اور سیاہ بھورے رنگ کے بال ہوتے ہین۔

ماہرین علوم کائنات نے انکے مدارج کی تقسیم اس طرح پر کی ہے کہ "اورنگ اور گیبون" کو مختلف انواع کا تصور کیا ہے اول الذکر کو نوع "سیمیا" سے اور آخر الذکر کو نوع "ہلوبطیس" سے شمار کیا ہے لیکن چمپانزی اور گوریلے کو بعض ایک نوع مین شمار کرتے ہین اور بعض مختلف انواع بین۔ اول الذکر انہین نوع "طروگلوڈیطیس" مین داخل کرتے ہین

اور آخر الذکر چمپانزی کو نوع "طروگلوڈیطیس" اور سانچی انیا" یا "بانگو" کو نوع "گوریلا" مین شمار کرتے ہین۔

ان انسان نما حیوانو نکے عادات واطوار کے متعلق واقعات بہت مشہور ہین لیکن قابل اعتماد شہادتین جو یورپ مین لوگون کے واسطہ سے ہم پہنچی ہین "لیبون" کے متعلق بہت کافی ہین۔ اس سے کم "اورنگ اوٹن" کے متعلق ہین لیکن چمپانزی اور "گوریلے" کے متعلق مشہور شہادتون مین بہت کچھ اضافہ اور یورپ مین تائید کی ضرورت ہے۔

گیبون کی نصف درجن قسمین ایشیائی جزائر جاوا۔ سماترا اور بورنیو مین اور ملاکا۔ سیام اراکان۔ اور ہندوستان کے بعض مقامات مین بھی پائی جاتی ہین۔ انکا قد زیادہ سے زیادہ تین فیٹ چند انچ دیکھا گیا ہے۔ انکا جسم بھی نازک ہوتا ہے اور اس قد وقامت و نزاکت کے ساتھ تمام دیگر انسان نما بندرون سے چھوٹی ہوتی ہین۔ ڈاکٹر سالمن مولر ایک مشہور ڈچ ماہر علم موجودات کا بیان ہے کہ گیبون پہاڑی ممالک مین رہتے ہین۔

(باقی آیندہ)

معشوق حسین خان

فلسفہ عشق

ہے عشق اک سودائے سر یا کاہش روح رواں — یا لذت درد جگر۔ یا حسرت آرام جان
مجموعۂ آلام ہے۔ سوز دل ناکام ہے — یا موت کا پیغام ہے۔ یا ہے بلائے جانستان
اک نکتہ ہے اک راز ہے۔ رمز نیاز وناز ہے — یا یہ کہون اعجاز ہے۔ جو دل سے ہوتا ہے عیان
یہ ناوک صیاد ہے۔ یہ نشتر فصاد ہے — یہ خنجر جلاد ہے۔ یہ اک فنا کا ہے نشان
نیرنگیون مین فرد ہے۔ چہرہ پہ رنگ زرد ہے — بر مین دل پر درد ہے۔ تن مین ہے جان ناتوان
یہ باغ مین گلریز ہے صحرا مین وحشت خیز ہے — دل مین الم انگیز ہے۔ سر مین جنون کا راز دان
ہے نجد مین وحشت جنون۔ فارس مین کوہ بیستون — لیلےٰ کی آنکھون کا فسون۔ شیرین کا حسن بے امان
ایمائے چشم پر جفا۔ خون شہیدان وفا — آئین ارباب صفا۔ طرز ستمہائے بتان
آنکھون مین ہے یہ اشک خون سینہ مین ہے سوز درون — ماتھے مین بخت واژگون۔ یہ ٹھونیہ آہون کا دھوان۔
بیخوف ہے بیباک ہے۔ بیرحم ہے سفاک ہے — ایسا یہ اک قزاک ہے ممکن نہین جس سے امان
یہ حلوۂ جانانہ ہے یہ دشمن بیگانہ ہے — دل اسکا خلوت خانہ ہے۔ یہ دل مین رہتا ہے نہان

احساس استحقاق کے ساتھ مشروط تھا۔ مثلاً وہ ہم کو یہ تعلیم دیتے تھے کہ بنی نوع انسان کے لیے ایثار نفس کرنے سے بڑھ کر کوئی نیکی اور کوئی کامیابی نہین ہے! لیکن حقیقت یہ ہے کہ چیونٹیون کی قطارون مین، طیور کے جھنڈون مین، مویشیون کے گلون مین، ہرنون کے ڈارون مین، بندرون کے جھتون مین باہمی حفاظت کے واسطے ایثار نفس کی مثالین معمولی واقعات اور نیچر کے روزمرہ کے حادثات مین داخل ہین! اور ایسے واقعات وحادثات ہین جن کے لیے حیوانات کی نوعون کو اس سے زیادہ اور کسی بات کی ضرورت ہین ہے کہ اُن مین اپنے بنی نوع کے ساتھ ہمدردی اور اپنی پوری قوت کا احساس موجود ہو، اور ایک دوسرے کی اعانت کرنے کی مسلسل عادت رہی ہو۔

مگر ڈارون جو نیچر کا علم رکھتا تھا اس نے نہایت وثوق کے ساتھ اس کا دعویٰ کیا اور صحیح دعویٰ کیا کہ منجملہ دو احساسات یعنے احساس مجلسی اور احساس شخصی کے اول الذکر زیادہ قوی اور زیادہ مضبوط و دیرپا ہے۔ باہمی امداد کا احساس عام حیوانات مین دائر و سائر ہے اس لیے کہ انتخاب طبعی اسکے قائم رکھنے اور ترقی دینے مین ساعی ہے، اور جن نوعون مین یہ احساس مفقود ہے ان کو نہایت بیدردی کے ساتھ مفقود بھی کر دیتا ہے۔ یہ عالیشان عہد للبقا کو ہر نوع حیوانی آب وہوا، حوالیات اور چھوٹے بڑے فطرتی دشمنون کے مقابلہ مین قائم رکھتی ہے۔ اور اس عہد مین وہی نوعین باقی رہ جاتی ہین جو اعانت باہمی کے اصول پر کاربند ہین اور جو نہین ہین وہ فنا ہو جاتی ہین۔ چنانچہ انسانی تاریخ بھی اس عالیشان اصول کی حقیقت کو ثابت کرتی ہے۔

(ترجمہ)

ضامن کنتوری

ناکامِ حیات

لچک جاتی تھی جس کے بوجھ سے ہر ایک شاخِ گل | وہ بلبل ہوگئی محروم دیدارِ گلستان سے
چمن سے ہم نوا اسکا اگر اڑتا ہوا گزرا | تو پہرون اس نے جھانکا روزنِ دیوارِ زندان سے

دماغِ بوے گل ہم بھول آئے بزمِ یاران مین | چٹکنے دو چٹکتی ہین جو نکہت خیز اب کلیان
دلِ سودا زدہ اس کشمکش مین ہم کو لایا ہے | وگرنہ ہم کہان اور اس خراب آباد کی گلیان

ہماری زندگی اک سعی لاحاصل ہے دنیا مین نہ ہم کو لطف جینے مین نہ ہم کو لطف مرنے مین
اگر ہم نقش پا بن کر رہے جب بھی معاون ہین کسی پائے خطا لستہ کو ہم بدنام کرنے مین

بتا دو تو کہ اس دنیا مین ہم نے کیا کیا آ کر کہ اپنے بعد ایسی روشنی ہم چھوڑ جائین گے
طریق حق دکھائے گی جو آنے والی نسلون کو غضب ہے وہ ہمارے نقش پا تک بھی نہ پائین گے

بہارِ قدس کی منزل مین ہو جائے گزر جس کا تو کہدے ہمصفیران چمن کی پاک روحون سے
نہین بھاتی ہے اس گلشن کی اب آب و ہوا ہمکو الجھتا ہے بہت دل آے دن کے اسکے جھگڑون سے

یہان سے جانے والے کیون نہین آتے ہین پھر واپس انھین کیون کھینچ کر لاتی نہین دلچسپیان اسکی
بھلا سمجھو تو۔ آتا ہے خوشی سے کون زندان مین نہین پہنے گا کوئی اپنے ہاتھون بیڑیان اسکی

مزا جب ہے۔ ہمارے بعد بھی گلشن پہ رونق ہو نہو ہنگامۂ شوریدگی سے بوستان خالی
گزر جائین یہ دیوانے اگر صحرائے ہستی سے تو اوڑتی پھر رہی ہون دامنون کی دھجیان خالی

وہ ناکامِ ازل ہین ہم۔ کہ ہر اک عقدۂ آسان دکھاتا ہے ہمین شکل اپنی لاکھون گتھیان بن کر
ہماری زندگی ہے خود ہی سر سے پاؤن تک الجھن ہمارے سر پہ جو ٹوٹی ہے جورِ آسمان بن کر

یہ دنیا۔ ایسی جنجالون کی دنیا جس مین ہم آئے سراسر فتنۂ دز آغوش ہین دلچسپیان اسکی
بہت پچھتاؤ گے قیصر بہت دکھ پاؤ گے قیصر اگر ننادانیان اسکی تمھارا دل لبھا لین گی

قیصر دھوپال،

عمر قید سے رہائی

(سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو الناظر نمبر ۶ جلد ۸ بابت ماہ اپریل ۱۹۱۳؁ صفحہ ۵۴)

پراونشل کونسل کی ممبری کا امیدوار مارسین جب اس آنر کے حاصل کرنے مین ناکامیاب ہوگیا۔ تو اُس نے ایک پرائیوٹ کلب کی وائس پریسیڈنٹی قبول کرلی جس کے بعض نکتہ رس ممبرون نے گزشتہ سال کے ایک جلسہ مین اتفاقیہ طور پر اس باضابطہ جنٹلمین کی جسمانی حالت کے متعلق کچھ غیر مناسب ریمارکس کیے تھے۔ لیکن مس فاخرہ سے عقد ہونے کے بعد اُنھون نے اپنی رائے واپس لے لی۔ اور اب وہ اپنے وائس پریسیڈنٹ کو اس بارہ مین ایک خوش نصیب انسان خیال کرنے لگے۔

ایک اتنے بڑے خلقی نقص کو چھپا لینے مین کامیابی حاصل کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی جس پر مارسین جیسے عالی دماغ انسان کا دل اندر ہی اندر اُسے مبارکباد نہ دیتا۔ وہ ایک دوشیزہ کو اپنی خود غرضی کا شکار بنا کر بیحد مسرور تھا اب اُسکی زندگی تابناک تھی۔ گو صنف نازک کے ایک فرد کی متبسم ہستی کو پیکر غم بننا پڑا۔ لیکن دنیا مین رہنے کے لیے ایسی نرم دلی جو احساس ہمدردی کے پیرایہ میں اپنی کمزوری کے چارہ کار کی مزاحمت کرے عملاً ناقابل استعمال ہے۔ یہی اصول عقد ثانی کے لیے وجہ تحریک ہوا۔ اور فی الحقیقت طعنۂ اغیار سے محفوظ رہکر جو لطف اُٹھایا جاسکتا تھا۔ وہ پورا پورا موجود ہوگیا۔ چنانچہ اب مارسین کے چہرے پر اُگنے والی وہ مونچھین جو ۱۲ ماہ پیشتر محض ڈاڑھی کے ساتھ پیدا ہونے کے جرم مین اُسی کے ہمراہ ریزر کی منت کش ہوجاتی یقین اس شاندار واقعہ کی یادگار مین استحقاق حفاظت خود اختیاری سے مستفید ہو کر اپنے وجود پر فخر کرنے لگین۔ اور پیرس سوسائٹی روزانہ منجھنے والی اونگلیان اُنکے پیچ وخم کو بار بار درست کرنے کی خدمت پر متعین کی گئین مگر کبھی کبھی۔ وہ بھی۔ عالم تنہائی مین۔ پولٹیکل دنیا سے علحدگی کے وقت۔ بستر پر لیٹے ہوے اتفاقاً نیند اُچٹ جانے کی حالت مین ایک خیال۔ خیال کیا شمہ خیال۔ بہت خفیف۔ یون ہی ذرہ برابر۔ برائے نام۔ ضرور ذہن مین آتا تھا جسکی ناگواری اُسے فوراً ہی دفع کردیتی تھی۔ مگر عمر کے لحاظ سے۔ دماغی کمزوری کے سبب سے۔ یا مآل اندیشی و پیش بینی کی غیر معمولی قوت سے اُس کا اثر گو سکنڈ کے ساٹھویں حصہ سے بھی کم عرصہ کے لیے سہی تاہم رہتا ضرور تھا۔

کیا فاخرہ۔ مجھسے انتقام لے گی؟ فاخرہ۔ ایک کمزور۔ بزدل مخلوق۔ بہیمیت آمیز ہستی۔ جو صدیون تک غیر ذی روح وجود سمجھی گئی ہے۔ جس کا لوگون کی نظرون کے سامنے ہونا اُنکے جذبات حیوانیت کے لیے

تحریک کا باعث ہے۔ یہ ادنیٰ ترین حیاتی مادہ۔ عورت۔ بودی چیز۔ اونہہ۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

عورت ذات کی تحقیر کرنے والا خود غرض مارسین مونچھوں کو بل دیتا ہوا کلب سے واپس آکر حسب معمول اخبار بینی مین مصروف تھا۔ اُسی اخبار بینی مین جو شادی کی پہلی رات سے شروع ہوئی تھی۔ اُسکی چشمہ کی مدد سے دوڑنیوالی نگاہ اخبار کے موٹے حروف کا جائزہ لینے والی نظر۔ شادی کے عنوان۔ پر اُسی عنوان پر جس پر ایک سال قبل فاخرہ کی دزدیدہ اور غلط انداز نظر پڑی تھی محض اتفاقیہ جا پڑی۔

ضرورت ہے ایک معزز ڈاکٹر کو شادی کے لیے ایک ایسی تعلیم یافتہ خاتون کی جو قبل ازین کسی متمول بیرسٹر کے عقد مین کم از کم ایک سال رہ چکی ہو۔ اور .... ؟

ممنون عینک نظر رُکی۔ تھمی۔ جم گئی۔ ریشمی رومال سے صاف ہونے والا چشمہ غبار اُحتمالی غبار سے پاک ہوکر پھر کام دینے لگا۔

اُیں۔ یہ کیا۔ ایسی تعلیم یافتہ خاتون کی ..... بیرسٹر کے عقد مین ... ایک سال رہ چکی ہو ....
آخر یہ شرط کیون .... کہین۔ یہ فاخرہ کی چالاکی تو نہین ہے ... کیا اُس نے کوئی گل کھلایا ہے ....
بیشک۔ بیشک .. مگر وہ میرے حبالۂ عقد سے کیسے سبکدوش ہوسکتی ہے۔ لیکن پھر اس اشتہار دینے کے کیا معنے ...... کیا مجھکو نوٹس دیا گیا ہے ..... غالباً ایسا ہی ہے ... غالباً کیا ضرور ... ضرور ....
تو گویا وہ مجھسے علحدگی کی خواہشمند ہے .. مگر کیون .... مین نے اگر اپنا دل خوش کرنے کے لیے خود غرضی سے اپنا نقص چھپایا اور دھوکہ دیا تو فاخرہ نے بھی محض روپے کے خیال سے منظور کرلیا خود غرضی اُسکی بھی شامل ہے تنہا مین ہی مورد الزام نہین قرار دیا جاسکتا ..... اگر اُسکو کوئی نقصان پہنچا ہے تو وہ خود ذمہ دار ہے۔ اُس نے آپ اپنے پاؤن پر کلہاڑی ماری ہے۔ اب اُسکو فقط "چانس" کہکر ٹال دینا چاہیے۔ البتہ اگر ماں باپ کے انتخاب مین ایسا چانس واقع ہوتا تو بیشک وہ ہمدردی کی مستحق تھی .... مرحومہ (پہلی بی بی) کے ساتھ حقیقتاً ظلم و جبر ہوا تھا۔ وہ بیشک اندھے کنوین میں ڈھکیل دی گئی تھی۔ جہان اُس نے اپنی زندگی کے دو سال نہایت تلخی سے گزارے۔ اور طبقۂ نسوان کا حامی گروہ جو اپنے جوش و آزادی کی بدولت بہت کچھ بدنام ہے اُسکی حکایت درد سے بھی واقف نہ ہوسکا۔ لیکن فاخرہ۔ آزاد فاخرہ۔ خود مختار فاخرہ۔ جس نے شادی کے معاملہ میں روپے پیسہ کو ہمیشہ مدنظر رکھا۔ جس نے خود انتخاب اور رضامندی سے شادی کی ہرگز کسی ہمدردی کی متوقع نہین ہوسکتی ..

زیادہ سے زیادہ میری کمزوری سے جو صدمہ اُسکو پہنچ رہا ہے۔ وہ میری عدم توجہی اور اپنی آزادی سے اُسکی تلافی کرنے کے لیے بھی ممتنع نہین..... خیر...... اونھ..... دیکھا جائے گا"

(۵)

فاخرہ! کیا تم حال مین کسی نوجوان ڈاکٹر سے ملی تھین؟

مسٹر مارسین نے کرسی پر بیٹھتے بیٹھتے ایک عجلت آمیز لہجہ مین سوال کیا۔

فاخرہ! ہان۔ مگر اس سے تمھارا کیا مطلب ہے۔

مارسین! پہلے جو مین پوچھتا ہون اُسکے جوابات دیے جاؤ۔

وہ کون ڈاکٹر ہے۔ اور اُس سے کیسے ملاقات ہوی؟

فاخرہ! مس اختر لیڈی ڈاکٹر جو میری معالج ہین۔ پچھلے ہفتہ جب اُنکے آنے مین دیر ہوی تو مین خود اُنکے یہان چلی گئی تھی وہین اُنکے بھائی مسٹر رضا سے جو حال مین ولایت سے ڈاکٹری کی تکمیل کرکے آئے ہین ملاقات ہوگئی۔ آخر اس تحقیقات سے تمھارا مطلب کیا ہے؟ آج کی گفتگو مین بالکل خلاف معمول محسوس کرتی ہون

مارسین! مہربانی سے ابھی اور چند باتین تبلائیے۔

فاخرہ! (کسی قدر متحیر ہوکر) اچھا۔ فرمائیے۔ مین جواب دینے کے لیے برابر تیار ہون۔

مارسین! کیا تم نے اپنے پرائیوٹ حالات سے اُسکو مطلع کردیا ہے۔

فاخرہ! نہین۔ ہرگز نہین۔ میری اُسکی ملاقات نہایت سرسری ہوی تھی۔

مارسین۔ (تعمق کے ساتھ مسز مارسین کے چہرہ پر نظر ڈالتے ہوے) تو پھر اُسکو خانگی معاملات کا علم کیونکر ہوا۔

فاخرہ۔ مین نہین جانتی۔

مارسین۔ یہ ناممکن ہے کہ بغیر کہے کسی کو ایسی خاص بات کی اطلاع ہو جائے۔

فاخرہ۔ مگر مجھکو جھوٹ بولنے کی کوئی وجہ نہین۔ (کسی قدر غور کے بعد) ممکن ہے مس اختر نے جو بوجہ میری معالج ہونے کے کل حالات سے واقف ہے اُسکو مطلع کردیا ہو۔ لیکن اگر ایسا ہوا ہے تو لیڈی ڈاکٹر کی یہ سخت بددیانتی ہے۔

مارسین۔ سنو فاخرہ۔ مین یہ ترکیبی باتین سُننا نہین چاہتا۔ تم مجھکو بُرا کہو۔ مجرم۔ گنہگار۔ جو چاہو بتاؤ۔ لیکن مین نے جو کچھ کیا مقتضائے بشریت تھا۔ موجودہ فلاسفی بتاتی ہے کہ انسان خودغرض ہے۔ اور زندگی ایک مجادلہ ہے

اپنی ہستی کے قیام کے لیے ایک درخت کتنے آس پاس کے پودون کو چوس جاتا ہے اور ایک جاندار کسقدر جاندارون کو ہضم کر جاتا ہے محض قوت شامہ کو تسلی دینے کے لیے بعض اپنی ہوس بجھانے کے لیے کسقدر پھول عین بہار کے عالم مین توڑ لیے جاتے ہین مسل ڈالے جاتے ہین - روند ڈالے جاتے ہین۔ انسان ضرورت وبلاضرورت حتی الوسع ہر عمدہ اور خوشنما چیز کو اپنے قبضہ مین لانا چاہتا ہے وہ اپنے فائدے اپنے آرام اپنی مسرت کے خیال پر کسی دوسرے کے خیال کو ہرگز ترجیح نہین دے سکتا - مگر مسز مارسین۔ غور کرو کیا تم نے اس زندگی کے مجادلہ مین جد و جہد نہین کی - کیا تم نے میرا اشتہار پڑھکر محض میرے تمول کی وجہ سے میری عمر کو نظر انداز نہین کیا۔ کیا تمھاری یہی خودغرضی دوتین غلط انداز نظرونکے ذریعہ سے انٹروڈکشن کا باعث نہین ہوی اور کیا محض اُسی جوش خودغرضی سے جس کا مین نے تمھین شکار کیا - تم نے مجھے نہین پھانسا - غور کرو - انصاف کرو - فاخرہ تم بحیثیت ایک تعلیم یافتہ لیڈی کے ان سب باتون کا اچھی طرح اندازہ کرنے کی قابلیت رکھتی ہو ....

....

فاخرہ - مین نہیں جانتی اس بے محل تقریر سے آپ کا کیا مطلب ہے - آخر ان رموز حقیقت کے انکشاف کی آپ کو کیون ضرورت پیش آئی مین نے ابھی تک کسی قسم کی کوئی شکایت آپ سے نہین کی نہ صرف آپ سے بلکہ کسی سے بھی نہین - ....

....

مارسین - اور نہ آپ کو شکایت کرنے کا کوئی حق - کیونکہ جن آسائیشون کے خیال سے آپ نے عقد کے لیے مجھے انتخاب کیا تھا - اُن کے بہم پہنچانے اور آپ کو خوش رکھنے کے لیے مین نے کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا - اپنی حسب حیثیت - اعلیٰ سے اعلیٰ کھانا - عمدہ سے عمدہ لباس - نوکر چاکر - جوڑی گاڑی - خدا کا دیا سب ہی کچھ موجود ہے - روزانہ دونون وقت ہواخوری - رات کا وقت گزارنے کے لیے پیانو موجود - سال مین چھ مہینے پہاڑ پر - بڑے دن کے لیے بمبئی یا کلکتہ پھر سب پر طرہ خودمختاری آنے جانے ملنے جلنے کے لیے پوری آزادی - میرے خیال مین کوئی بات ایسی نہین جو شکوہ سنجی پر مائل کرے -

فاخرہ - مگر اس ستبدی کی خبر ابھی تک نہین نکلی -

مارسین - مجھے معلوم ہوا ہے یا مین نے قیاس کیا ہے کہ تم مجھ سے علٰحدگی حاصل کر کے ڈاکٹر کے عقد مین جانا چاہتی ہو

فاخرہ - (کسیقدر جوش مین) ضرور ہے - مین نے تمھارے انتخاب مین ممکن ہے کہ خودغرضی کو ملحوظ رکھا ہو - مگر تمھارے جسم یا خاطر یا نیکنامی کو کسی قسم کا ضرر نہین پہنچایا - اور نہ مین نے امور واقعی کا اخفا کر کے تم کو دھوکہ دیا

مارسین - (الفاظ کی قانونی ترکیب پر غور کرتے ہوے) لیکن مین نے اپنے جسمانی نقص سے کب انکار کیا تھا ۔۔۔
اور ۔۔۔ اور ۔۔۔ مین نے تم کو کسی قسم کی نظربندی مین بھی نہین رکھا - تھاری بڑھی ہوی آزادی -
انتہائی خودمختاری - تم ۔۔۔ تم ۔۔۔ کو ت ۔۔۔ ۔۔۔ تلافی کا موقع دے سکتی ہے -
فاخرہ - (شدت غیظ مین کانپ کر) تم ذلیل آدمی نامرد جنٹلمین - ایک معزز لیڈی کی اُسکے مُنھ پر توہین کرتے
ہو ۔۔۔۔۔۔ یہ ذلت واہانت کے الفاظ ہرگز فراموش نہین کیے جا سکتے ۔۔ مین ضرور اسکا انتقام لونگی -
مارسین - تم میرا کچھ نہین کر سکتین - شرعاً وقانوناً تم میری مرضی کی تابع ہو -
فاخرہ - شرعاً وقانوناً ۔۔۔ قانوناً - ہرگز نہین - تم نے دغا میرے ساتھ دغا کا ارتکاب کیا ہے -
مارسین - (نیم تبسم کے ساتھ) وہ کیونکر ؟
فاخرہ - مجھکو تم نے دھوکہ دیکر ایسے امر کے کرنے کی قصداً تحریک کی - جسکو مین ہرگز نہ کرتی - درحالیکہ مجھکو
اس طرح دھوکا نہ دیا جاتا اور اس سے میرے جسم و خاطر بلکہ نیکنامی کو مضرت اور گزند پہنچا - اس لیے
تم اُس جرم کے مرتکب ہوے جسکی تعریف دفعہ ۴۱۵ اور سزا دفعہ ۴۱۷ تعزیرات ہند مین درج ہے -
مارسین - بہتر ہوتا کہ تم اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھکر ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کرتین -
فاخرہ - مگر اب قانون ٹارٹ کی رو سے اس ہرجانہ کی ڈگری حاصل کرون گی جس کا بار ولایت کے
ڈپلومہ یافتہ بیرسٹر مسٹر مارسین نے اپنے اوپر لے لیا ہے -
مارسین - کسی اور جرم کی فرد چارج سنانا باقی ہو تو وہ کیون رہ جاے -
فاخرہ - اسکا جواب آپ کو اپنی پرائیوٹ لائبریری مین ملے گا - جس کا قانونی ذخیرہ محض نمائش کے کام آتا ہے -
مارسین - (کسی قدر خفیف ہو کر تلخی سے) مگر اب ڈاکٹر پراز الہ حیثیت عرفی کا مقدمہ چلانے کے لیے صحیح استعمال
مین لایا جاے گا -
فاخرہ - مین نہین جانتی یہ ڈاکٹر کا نام گفتگو کا جزو لاینفک کیون ہو گیا ہے -
مارسین - اس لیے کہ مین اُسکو گستاخانہ جرأت کی سزا دینے والا ہون -
فاخرہ - مگر وہ ظاہرا ابتک نہین ہوی -
مارسین - جی ہان - گویا آپ کو خبر ہی نہین - (اخبار نکال کر) یہ اشتہار بغیر مشورہ ہی کے تو دیا گیا ہے -
(فاخرہ کو بالکل لاعلمی کے انداز سے اخبار کی جانب متوجہ پاکر) ۔۔ اللہ رے تصنع ۔۔۔ اچھا آپ ناواقف

بنی رہیے مین مشتہر صاحب کی مزاج پرسی کا جاکر انتظام کرتا ہون۔

(۶)

طویل افسردگی سے مرجھایا ہوا چہرہ جو غصہ کے تکدر آمیز اثر سے بالکل اوترا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ مائل بہ شگفتگی ہو چلا۔ دست نازک مین جگہ پانے والے اخبار کے مضمون سنے غور سے پڑھنے والی نظرون کے ذریعہ سے دماغ کو ایک مسرت آگین مفہوم سے مطلع کیا۔ اور اُس نے تھون کے توسل سے قلب مین ایک انبساطی حرکت پیدا کر دی فاخرہ اپنی ہستی سے ہاتھ دھوڈالنے والی فاخرہ۔ راہبانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جانے والی فاخرہ کسی قدر مسکرائی۔ اُسکے گلابی ہونٹون پر گم شدہ تبسم کے آثار پیدا ہو گئے ---- وہ۔ ناامیدی کی دنیا مین رہنے والی مخلوق۔ یکایک۔ - خلاف توقع۔ بالکل خلاف توقع عالم آرزو مین داخل ہو گئی۔ - مگر اسی امید۔ خوشگوار امید کے ساتھ ایک خطرناک سینری۔ ہیم۔۔ کی۔۔ ساری خوشی کو ملیامیٹ کر دینے طلسم خیال کے گلشنِ سرسبز کو اکدم سے خارزار بنا دینے کے لیے کافی سے زیادہ وسعت رکھتی تھی .... ہین۔ کیا اختر نے اپنے بھائی کو میری سرگزشت سے مطلع کر دیا۔ - - اور - - اور۔ اسی لیے اُس دن مجھے اُس سے ملا بھی دیا۔ - - اُس۔ اس نے۔ - - مجھے ایک دوسری نظر سے دیکھا۔ - غالباً۔ - ہمدردی کی نظر سے۔ نہین نہین .... کی نگاہ سے۔۔۔ شاید لیکن۔ - اس مہمل اشتہار دینے سے فائدہ - - - - - - - - اوہ ...... سبحان اللہ۔ - کیا پیاری ترکیب نکالی ہے - - - ہان وہ مجھسے بحیثیت ایک شادی شدہ عورت کے ایسا نہین کہہ سکتا۔ - اس نے نہایت لطیف پیرایہ مین مجھے اپنے مافی الضمیر سے مطلع کر کے استفسار کیا ہے۔ - - بیشک کمال کر دیا۔ بہت ہی مناسب صورت اس نے اختیار کی .... مگر۔ - - مگر۔ - - ممکن ہے کہ یہ کوئی دوسرا شخص ہو بہت ممکن ہے - - لیکن۔ - ایسا کون ہو سکتا ہے - - کسی ڈاکٹر کو ایک بیرسٹر کی بیوہ یا مطلقہ سے ایسی خاص دلچسپی کیا ہو سکتی ہے - - اور۔ اور وہ بھی۔ جو سال بھر۔ صرف ایک سال۔ اُسکے عقد مین رہی ہو۔ - اسکے کیا معنی - - - - اس اشتہار کا تعلق میری ذات سے ہے۔ تاہم۔ - مشتہر اور کوئی شخص بھی ہو سکتا ہے تو پھر۔ - مارسین - - اسی ڈاکٹر کو کیون نامزد کرتا ہے - - - - - - - مارسین - - آہ۔ دغاباز۔ مارسین - - بے حمیت مارسین - - - مین نے تجھکو کبھی شرمندہ نہین کیا - - تیرے راز کو بجز ڈاکٹری مجبوری کے کسی پر ظاہر نہین کیا - - - تیری بدنفسی - - - اور ظلم پسندی سے واقف ہو جانے کے بعد بھی تیرے ناموس کی حفاظت کی - - تو نے محض اپنے تئین سوسائٹی مین سرخرو بنانے کے لیے مجھے زندہ درگور کرنا چاہا۔ اور یا این ہمہ مین نے

حرف شکوہ بھی زبان سے کبھی نہین نکالا ---- بلکہ محرومانہ زندگی بسر کرنے پر مستعد ہوگئی ---مگر ---یہ نشتر
یہ خنجر جس سے تونے میری عصمت پر بزدلانہ حملہ کرنے کی کوشش کی -ہرگز معاف کیے جانے کے قابل نہین
تونے بلاوجہ ایک عفت مآب خاتون کا دل دُکھا کر اُسکو بے عزت ہونے -بیحیائی کی روش اختیار کرنے کی
نہ صرف ترغیب دی بلکہ اسباب بہم پہنچا کر آوارگی و فحش اختیار کرنے پر مجبور کیا -تونے عورت جیسی معزز مخلوق
کو ذلیل سمجھکر -اُس بہشتی پیکر کو جس نے ویرانۂ کائنات کو آباد بستی بنایا -جس نے خارستانِ موجودات کو
خوشنما چمنستان سے تبدیل کیا -حیوانی ... پرستیون کا مرکز قرار دیا -- تونے لفظ عورت کی توہین کی -تو
ہرگز اس قابل نہین ہے -کہ تیرے ساتھ رحم کا برتاؤ کیا جاے -تیری خطاؤن سے چشم پوشی کی جاۓ -تیرے
افعال سے درگزر کیا جاے -تیری حرکات سے قطع نظر کیا جاے -نہین ہرگز نہین --مین ضرور تجھپر دغا کا
دعویٰ کرون گی -تجھے سزاے قانونی دلاؤنگی ---تو "لا" کا ولایتی امتحان پاس کرنے کے بعد شاید اپنے تئین
تمام جرائم سے بری سمجھتا ہے ---مین اس زعم کو باطل کردونگی ---تونے پچھلے مہینہ مین اپنے ایک ہوکل سے
جو شامت اعمال سے محض اتفاقیہ تجھسے قانونی مدد لینے آیا تھا -انڈین پینل کوڈ دیکھکر کہا تھا کہ دغا کا جرم مال
سے متعلق اور اُسی باب کے ذیل مین ہے -جسمین جرائم متعلق مال کا بیان ہے -- حالانکہ تیری اس قانونی
غلط فہمی پر جو قانوناً ناقابل پذیرائی ہے مجھے -جسکی مانند ایک ہستی کو تو اس سے پہلے شروع زندگی مین دو
سال کے اندر خاک مین ملا چکا ہی ہنسی آئی -اسلیے کہ مین جو محض تفریحاً یا وقت گزاری کے سبب سے تیری
الماری کی موٹی جلد والی کتابون کی جنکو تو اپنے یہان آنے والے اہل معاملہ پر اثر ڈالنے کے کام مین لایا کرتا
ہے معمولی ورق گردانی کرنی کی وجہ سے زیادہ اچھی طرح سمجھ لیتی ہون -مینے محض مشغلۂ تنہائی کے طور پر
تیرے خیال سے اختلاف کرکے فرح سے نظائر سے تیری غلطی کی تصدیق کرنا چاہی -اور اسمین کامیاب
ہوی -اور اب وہ معلومات تیرے خلاف استعمال کی جائے گی بیشک قانون انگلستان کی رو سے غرض کسی مال
یا روپیہ یا کسی قیمتی کفالت نامہ کے حاصل کرنے کی ہوتی ضرور ہے -مگر حسب دفعہ ۴۱۵ تعزیرات ہند جرم ہوقت
مکمل ہوجاتا ہے -جبکہ مستغیث کو کسی ایسے طریق سے اپنی پوزیشن تبدیل کرنے کی تحریک کی جاے -جو اُسکے جسم
یا خاطر یا نیکنامی یا مال کو مضرت یا نقصان پہونچنے کا باعث ہو -مال ہی کی تخصیص نہین ---دیکھی رپورٹ جلد ۲
دو امن رپورٹ جلد ۳ سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے -------آہ -مارٹین -تیری آج کی گفتگو نے میرے دل کو
پاش پاش کردیا ہے -- اور مین جبکو تیرے دماغ کی ساخت والے وجود مہمل سمجھکر محروم حقوق رکھنا پسند کرتے ہین

تعلیم یافتگی اور پردہ کی تیرگی مین محبوس کرکے ناقابل جدوجہد کرنے کے خواہان ہین۔ تیری خود پرستی پر ضرور تجھکو متنبہ کرونگی۔ تاکہ تو آئندہ سنبھلے۔ اور تعدد النانون کی صورت اختیار کرکے صنف نازک کی مٹی پلید کرنے کے ناپاک منصوبون سے باز رہے۔۔ تو سمجھ لے۔ عورت بھی تعلیم آزادی سے قانونی حمایت حاصل کرنے کی استعداد رکھتی ہے۔

+ + + + + + + + + + + + + +

۱۶ جنوری ۱۹۲۰ء کے اخبار.... مین ایک مضمون منجانب ۔ مسز رضا ۔ شایع ہوا جسمین امیدواران شادی کو مشورہ دیا گیا تھا کہ جہان عقد ومناکحت کے وقت فریقین کی دیگر حالتون کا اندازہ کیا جاتا ہے صحت کی تصدیق بھی بذریعہ سرٹفکیٹ طبی ہوجایا کرے جسکی وجہ سے بہت سے امراض خبیثہ کا سلسلہ معدوم ہوجاے گا اس مضمون کے زیر عنوان ایڈیٹر نے ناظرین سے نامہ نگار کو انٹرڈیوس کرانے کے واسطے حسب ذیل فقرات خفی قلم سے لکھے تھے۔

ہمارے ناظرین وناظرات مس فاخرہ کے نام کو بھولے نہونگے جنکے بیش بہا مضامین اب سے دوسال قبل اس اخبار کے کالمون کی زینت ہوا کرتے تھے یہ اُنکی طالب علمی کا زمانہ تھا۔ اسکے بعد مس موصوفہ کا عقد بدقسمتی دغا کے ایک غیر موزون شخص سے ہوگیا۔ اور بالآخر قانونی چارہ بریٔ کی ضرورت پیش آئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عدالت مجازمے باضابطہ طلبی ہونے پر ملزم نے خودکشی کا ارتکاب کیا۔ اور دغا سے نقصان اُٹھانے والی خاتون نے جنکو اب ہم مسز رضا کے معزز لقب سے یاد کرینگے۔ عورتون کے اتلاف حقوق کی بہت سی صورتون سے واقف ہوجانے کی وجہ سے اُنکے انسداد کی سرگرمانہ کوششون کا مستعدی سے جاری رکھنا اپنی زندگی کا مبارک مقصد قرار دے لیا۔ چنانچہ ذیل کا مضمون اسی سلسلہ کی پہلی قسط ہے۔ "ابوالرشاد"

تدبیر وتقدیر

تدبیر کے سبز باغ پر شاد رہین ۔۔۔ قسمت کے بھی ہاتھ سے نہ آزاد رہین
انسان کی زندگی سے اللہ بچاے ۔۔۔ یہ چاہتی ہے دونون گھر آباد رہین

عینک کا استعمال

نفرت کب تک جہان کی چالون سے کرون ۔۔۔ کچھ شغل بھی آج کے خیالون سے کرون
تیار ہون آنکھی لگا کر عینک ۔۔۔ چار آنکھین نئی روشنی والون سے کرون

(سید محمد عاصم حسین رضوی)

ہلال

آہ اے چلتے مسافر اے فلک پیما ہلال	پھر رہا ہے سب کی آنکھوں میں ترا ماضی وحال
واہ اک وہ وقت تھا حاصل تھا جب تجھکو کمال	آہ اک یہ وقت ہے آیا ہے جب تجھکو زوال

رایتِ اسلام پر تیرا نگین تھا ایک دن
پرچمِ شاہی پہ تو کرسی نشین تھا ایک دن

آسمان پر ایکدن پہنچے گا پھر تیرا دماغ	ہوتے ہوتے ایک دن ہو جائیگا زین ایاغ
اوجِ گردون پہ چلے گا دیکھ پھر تیرا چراغ	چرخِ نیلی فام کو دکھلائے گا پھر سبز باغ

پھر ترا لہرائے گا جھنڈا ہلالی اے ہلال
رنگ لائے گی کبھی پھر تیری لالی اے ہلال

پھر تری شمشیر چمکے گی وہ دن آنے کو ہے	پھر تری تصویر چمکے گی وہ دن آنے کو ہے
پھر تری تنویر چمکے گی وہ دن آنے کو ہے	پھر تری تقدیر چمکے گی وہ دن آنے کو ہے

ہاں اُگڑے گا تیرا جھنڈا طبقۂ بلقان میں پھر
ہاں اُڑے گا تیرا پرچم خطۂ یونان میں پھر

ایکدن ہوگا ابھی تو بزم آرائے جہان	پھر ترے سایہ میں ہونگی معرکہ آرائیان
دہر میں چمکے گی پھر بھی تیری تیغ خونفشان	پھر مٹادے گا حریفون کا نشان تیرا نشان

تیرے سایہ میں پھلے پھولینگے پھر ہم اے ہلال
پھر محیطِ دہر ہوگا تیرا پرچم اے ہلال

اے سبق آموز عالم اے مہِ نو اے ہلال	ایکدن پھر بدر ہو جائیگا تو اے نونہال
روزِ اول سے یہی دیکھا گیا دنیا کا حال	"ہر کمالے را زوالے ہر زوالے را کمال"

گھٹنے والے پھر بڑھے گا تیرا دم خم دیکھنا
صبحِ عشرت لائے گی تیری شبِ غم دیکھنا

آختر (جلال آبادی)

نشترسخن

اور امیر مینائی کا

سفر دکن

تاریخ ہی ایک ایسا فن ہے جسکے ذریعے سے جاہل، عالم، ناواقف، واقف، بے خبر، باخبر، اور غیر متمدن، متمدن بن سکتا ہے۔ اگر یہ آئینہ جہان نما نہو تا تو آج ہمارا بچہ تو بچہ بوڑھا بڑا بھی نہ جان سکتا کہ باوا آدم کون تھے، طوفانِ نوح کب آیا، حضرت ابراہیم کب مبعوث ہوے خانہ کعبہ کب بنا۔ اور ہجرت محمدی کب ہوی۔ ہم پہلے کیا تھے اور اب کیا ہین۔ ممکن ہے کہ ایسے تاریخی واقعات کو بے فائدہ سمجھکر کوئی بھونرے کا پلا ہوا کہہ اُٹھے ع ماراچہ ازین قصہ کہ گاو آمد و خر رفت۔ مگر اہل بصیرت جانتے ہین کہ ایسا کہنے والا انسان کسے جانے کا مستحق ہے یا اولئک کالانعام بل ھم اضل کا مصداق۔

جس طرح یہ فنِ عزیز قابل قدر اور دخل ضروریات ہے اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ اسکی تالیف و تدوین ایسا کار اہم ہے جس مین لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہین۔

الخبر یحتمل الصدق والکذب مشہور و مسلم ہے۔ کوئی فرد بشر ایسا نہین جسکو دو چار واقعات جھوٹے سچے یاد نہ ہون۔ لیکن اس سے یہ لازم نہین آتا کہ ہر فرد بشر مورخ کہا جا سکے۔ اگر ایسا ہوتا تو کوہ قاف کا سیمرغ، ہفت خوان کی پریان یا غول بیابانی ان سب کے افسانہاے وہی محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کے حملون کی طرح مستند مانے جاتے۔ ضرورت بلکہ اشد ضرورت ہی کہ مورخین اپنی تالیفات کو فنِ درایت کے مضبوط اصول کی پابندی سے اس طرح مرتب کرین کہ وہ موجودہ اور آیندہ نسلون کی سچی رہنمائی کرین جس طرح ایک مچھلی سارے تالاب کو گندہ کر دیتی ہے اسی طرح ایک بسوط تاریخ کی وقعت ایک غلط واقعہ مٹا سکتا ہے۔ ناقدین فن کبھی معمولی تالیف کی طرف متوجہ نہین ہوتے اور نہ اُنکو متوجہ ہونا چاہیے کیونکہ معمولی اور غیر معتبر تالیف کوئی وقعت نہین رکھتی۔ مگر بخلاف اسکے ایک قابل مولف کی محنت کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے اگر اُس نے اپنی تالیف کو با اصول ذرائع سے مدوّن کیا ہے۔

فی زمانا پبلک کی طرف سے شمس العلما شبلی نعمانی کو علامہ کا خطاب دیا گیا ہے اور بجا دیا گیا ہے

خصوصیت کے ساتھ فن تاریخ مین جیسا مفید اضافہ علامۂ موصوف نے کیا ہے وہ بظاہر ہر طرح قابل قدر ہے مگر افسوس کے ساتھ دیکھا جاتا ہے کہ اُنکی اکثر تالیفین قابل معاصرین کی نگاہون مین وہ وقعت نہین رکھتین جیسا کہ اُن کو ہونا چاہیے۔ جہان مولوی شبلی جیسے فاضل محقق کے متعلق یہ خیالات ہون وہان دیگر مولفین کس شمار و قطار مین ہین۔ فی الحقیقت ایسے معتمد علیہ اور امام فن کی تحقیقات مین ذراسی لغزش بھی دوسرون کے بڑے بڑے تزلزل سے بھاری مانی جاتی ہے۔ منصور حلاج کو جب دار القضا سے سنگساری کا فتوی مل چکا ہے اور وہ سنگسار کیے جا رہے تھے تو ہزارون اینٹ پتھر ایک غریب کی جان پر برسائے جا رہے تھے اور وہ مست الست اُن سب چوٹون کو بخندہ پیشانی سہ رہے تھے۔ گویا اُنکو یہ احساس بھی نہ تھا کہ مجھپر یہ پتھر پڑ رہے ہین یا پھول مگر جس وقت شیخ الشیوخ حضرت ابوبکر شبلی نے باتباع ظاہر اُنپر پھول پھینکا ہے تو منصور چلا اُٹھے لوگون نے اُن سے پوچھا کہ تم پتھر پڑتے وقت تو ہنستے رہے اور پھول کی مار پر رونے لگے یہ کیا معما ہے؟ اسکا جواب منصور نے یہی دیا کہ عوام الناس کے پتھر میرے لیے پھول تھے مگر شبلی کا پھول پتھر سے بھی سوا تھا۔ کیونکہ یہ شخص اُن پُرجوش کیفیات و جذبات سے بے خبر نہ تھا جو انا الحق کہنے کے محرک ہوے۔ مگر باوجود واقفیت یہ ستم ڈھایا۔ یہی تعجب اُن واقفان فن پر ہے جو تاریخی اصول درایت سے واقف ہین اور پھر معمولی معمولی واقعات مین قصداً ایسی غلطیان کر جاتے ہین جن سے موجودہ و آئندہ نسلین بُرا سبق حاصل کر سکتی ہین۔

مین نے اس زمانے مین رسالۂ معیار لکھنؤ کے چند گزشتہ نمبر دیکھے جن مین نقاد لکھنوی اور ناطق لکھنوی کے چند مضامین کتاب نشتر سخن مولفہ مولوی احسان اللہ خان صاحب عباسی اور حضرت امیر مینائی کی شاعری سے متعلق تھے۔ یہان مجھے اُن شاعرانہ مباحث سے کوئی خاص غرض نہین ہے بلکہ ان بحثون کو دیکھکر نشتر سخن کا اشتیاق ہوا اور وہ کتاب منگائی۔ عند المطالعہ حضرت امیر مینائی مرحوم کے حالات مین یہ الفاظ پڑھکر جناب مولف کی مورخانہ اور آزادانہ تحقیقات پر بہت افسوس ہوا کہ "نظام (دکن) نے بڑے اصرار سے بلایا تھا"

بظاہر یہ ایک نہایت معمولی واقعہ ہے اور ممکن الوقوع، اور غالباً اسی امکان وقوع نے آج تک کسی کو اس طرف متوجہ نہین ہونے دیا کہ اس واقعے کی صحت کی جاتی۔ مین نے یہ واقعہ نشتر سخن کے سوا اور تصنیفات و اخبارات مین بھی پڑھا تھا مگر صرف اس خیال سے کہ اُن اخبار و تالیفات کی کوئی خاص وقعت نہ تھی صحیح واقعات پر روشنی ڈالنے کی نوبت نہ آسکی۔ مگر اب میری نگاہ مین نشتر سخن کی کھٹک

شبلی کے پھول سے کم ایذا رسان نہین اسلیے مجبوراً اس غلط واقعے کی تردید کی جاتی ہے ؎

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است
وگر خاموش بنشینم گناہ است

یہ جانتا ہون کہ اس اظہار حقیقت پر بعض خوش خیال تعصبات فن کا نتیجہ سمجھین گے اس لیے کہ یہ حقیر حضرت امیر کے رقیب فن (مرزا داغ) کا شاگرد ہے۔ مگر مین یقین دلاتا ہون کہ وہ دونون بزرگ مر گئے اور مجھے مرنا ہے اگر اس واقعے مین ذرا بھی رنگ آمیزی کی گئی ہو تو مجھپر تین حرف۔ اس قسما قسمی کو چھوڑ کر ٹھنڈے دل سے اگر واقعات پر نظر ڈالی جائے تو مذکورۂ بالا الفاظ دعوائے بے دلیل معلوم ہوتے ہین۔ ایک والیِ ملک کا ایک مسلمہ اُستاد فن کو باصرار بلانا پرائیوٹ نہین ہوسکتا ضروری بات تھی کہ جب ایسا قابل قدر بزرگ باصرار بلایا جا رہا تھا تو کم ازکم اُسکے استقبال مین منجانب ریاست کوئی خاص اہتمام کیا جاتا کس کو یقین آسکتا ہے کہ ایسا برگزیدہ شخص جو باصرار بلایا جائے اور وہ اس غریب الوطنی مین مرگ مفاجات کے ہاتھون انتقال کر جاے تو نظام سادس جیسا والیِ ملک جو شاہانہ فیاضی اور قدر افزائی مین اپنا نظیر آپ ہی ہو مرحوم کے اعقاب سے ایسی بے توجہی کرے! کیا ہمین کوئی صاحب بتا سکتے ہین کہ دو ایک ذی اثر اور غیر معتبر اخبارون کے سوا کسی معتدر اشاعت مین حضرت امیر مینائی مغفور کی طلبی کا حال شائع ہوا تھا؟ کوئی واقف کار دکھا سکتا ہے کہ حضرت منشی صاحب جس وقت اسٹیشن پر رونق افروز ہوے تھے تو ریاست کی طرف سے اپنے مہمان کی رسم استقبال ادا کی گئی تھی۔ کوئی بزرگ فرما سکتے ہین کہ مرحوم کی مرگ ناگہان پر منجانب حضور نظام ادائے تعزیت کے لیے کوئی آیا تھا؟ یا ایک دو تین سال تک اُنکے اعقاب پر باوجود سفارش مدار المہام مراحم خسروانہ مبذول ہوے تھے۔؟ ان باتون کا جواب زبانی نہ سُنا جاے گا اور نہ زبانی جواب کوئی وقعت رکھ سکتے ہین۔ کیونکہ یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا امیر مینائی کوئی چلتے پھرتے بزرگ نہ تھے اُنکا رامپور سے اُٹھنا، مہینے دو مہینے بھوپال مین ٹھہرنا۔ والیۂ بھوپال کا مہمان بنانا اور قدر افزائی کرنا یہ اور ایسی دوسری باتین اخبارات مین شایع ہون مگر نہ شائع ہو تو حضور نظام دکن کا باصرار بلانا۔ ع

ہرگزم باور نمی آید ز روے واقعات

منشی صاحب مرحوم جیسے بزرگ کو حضور نظام کا باصرار بلانا کوئی تعجبات سے نہین اور اُنکے رتبہ کے لائق اُنکا اعزاز ہونا ذرا بھی اچنبھے کی بات نہین۔ مگر سوال یہ ہے کہ جب سرے سے ایسا ہوا ہی نہین۔ اور نیز اس اعزازی غلط بیانی سے مرحوم کی کوئی خاص وقعت نہین بڑھتی تو ان واقعات کو کس غرض کے لیے غلط

عنوان سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اگر مر جانے کے بعد دنیا سے روح کے تعلقات باقی رہتے ہین اور وہ اچھے برے واقعات سے متاثر ہوتی ہے تو حضرت امیر مینائی سے برگزیدہ اور زاہد و عابد کی روح ان غلط بیانیون پر ضرور کڑھتی ہوگی۔ بہر حال محض اس خیال سے کہ اُن کی لائف کے صفحات غلط واقعات سے نہ رنگے جایئن مین اس واقعے کو صحیح الفاظ مین ظاہر کیے دیتا ہون کیونکہ یہ سب واقعات میرے چشم دید ہین۔

حقیقت یہ ہے کہ منشی صاحب مرحوم اور مرزا داغ مرحوم مین جو روابط یگانگت تھے اسکا اندازہ انکو نہین ہو سکتا جو اِن دونون کو بحیثیت فن دکھنا چاہتے ہین۔ ایسے لوگ ہمیشہ تقابل کے اسٹیج کو پیش نظر رکھتے ہین اور یہ نہین دیکھتے کہ سخن گسترانہ چھیڑ چھاڑ ایک دل لگی ہے اور برادرانہ و مخلصانہ لاگ ایک ایسا منجمد عنصر لطیف ہے جو کسی حالت مین ایک دوسری کی اہانت روا نہین رکھتا۔ کیا میر انیس و مرزا دبیر کی مخالفت فن کوئی پوشیدہ راز ہے مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ فی الحقیقت ان ذی کمالون مین کوئی عناد تھا۔ حاشا و کلا۔ اگر ایسا ہوتا تو مرزا دبیر اپنے حریف کے انتقال کی تاریخ اس بے ساختگی سے نہ فرماتے (طور سینا بے کلیم اللہ ممبر بے انیس)

"پیران نمی پرند و مریدان می پرانند" والی مثل ان ارباب کمال کے لیے بہت زیادہ چسپان ہوتی ہے۔ زمانے مین نفاق، عناد و حسد کی گرم بازاری ہے اور ایسے بیانات کو **المرء یقیس علیٰ نفسہ** کی مشاطہ گری جامۂ یقین پہنانے کے لیے تیار رہتی ہے۔ ایسی حالت میں ایک جھوٹی افواہ کا اصلی واقعہ بن جانا کیا بڑی بات ہے میرا دعویٰ ہے اور نہ صرف دعویٰ بلکہ مشاہدہ ہے کہ امیر و داغ مرحومین مین وہ یکجہتی اور مودت تھی جو فی زمانا ہم کفو بھائیون مین نہین پائی جاتی۔ اگر زندگی ہے تو ان باتون کو دوسرے وقت عرض کرون گا یہان صرف حضرت امیر کی تشریف بری دکن کا واقعہ لکھتا ہون۔

جس زمانے مین کہ حضور نظام سادس کلکتے تشریف لے گئے تھے اس سفر سے پہلے کے وہ خطوط میری نظر سے گذرے ہین جن مین منشی صاحب مرحوم نے مرزا داغ کو لکھا تھا کہ "یار تم وہان بایہن اقتدار موجود ہو اور ہمارے لیے نہین بلکہ امیر اللغات کے لیے کچھ نہین کرتے" اسی خط و کتابت کا نتیجہ تھا کہ مرزا داغ نے ہنگام سفر کلکتہ بمقام بنارس منشی صاحب کو رامپور سے بلوایا اور موصوف تشریف فرماے بنارس ہوے اور دربار حضور نظام مین باریاب ہوکر ایک مدحیہ مسدس پڑھا جس کی ایک گرہ یہ ہے

شعر سارے ہون رسیلے کہ بنارس یہ ہے   شش جہت مین ہو یہ شہرہ کہ مسدس یہ ہے

ریاست حیدر آباد مین عموماً اور نظام سادس کے دربار مین خصوصاً کسی شاعر کو صلۂ مدح وزرا

حاصل نہین ہوا مگر شاہی خوشنودی مزاج مداح کو امیدواری کے ایسے خوشگوار خواب دکھاتی ہے جس پر بیداری بخت کا گمان ہوتا ہے۔ اسی بنا پر مزاج شناس درباری (مرزا داغ) نے منشی صاحب سے کہا کہ اب آپ ہمرکاب رہیے اسی سفر مین کوئی نہ کوئی نتیجہ ظاہر ہو جاے گا۔ مگر منشی صاحب نے یا تو کسی ذاتی مصلحت سے یا ماہ صیام کی وجہ سے یا کسی مرض کے عذر سے اُس وقت ٹھہرنا مصلحت نہ سمجھا نتیجہ یہ ہوا کہ منشی صاحب رامپور واپس گئے اور حضور نظام کلکتے۔ واپسی مین شاہی دربار گلبرگے مین مقیم ہوا وہان پہنچکر حضور نظام نے اپنی شاہانہ عادت کے موافق فرمایا کہ منشی امیراحمد صاحب کہان ہین؟ بلاؤ! چونکہ جناب موصوف موجود نہ تھے مجبوراً انکی غیر موجودگی پر علالت کا پردہ ڈالا گیا یہین سے اندازہ کرنا چاہیے کہ ایک ایسے دالی ملک کو ایک ایسے امیدوار کرم کے متعلق کیا خیالات قائم کرنے کا موقع ملا ہوگا۔ ایک عرصۂ دراز کے بعد اب جناب منشی صاحب بارادۂ سفر دکن رامپور سے اُٹھے اور ریاست بھوپال مین تشریف فرما ہوے۔ جبکہ وہ رامپور سے روانہ ہوے تھے اُسی زمانے مین حضرت داغ نے موقع پاکر حضور نظام کے گوش گزار کر دیا تھا کہ منشی صاحب آ رہے ہین۔ اور یہ اطلاع کچھ ایسی موقع شناسی سے کی گئی تھی کہ شاہی جواب مین ایسے الفاظ نہین سُنے گئے جن پر ذرا بھی تنغص کا گمان کیا جاتا۔ مگر اسے کیا کیجیے کہ حضرت امیر مینائی نے بھوپال مین کچھ ایسے ڈیرے ڈنڈے ڈال دیے کہ آج اُٹھتے ہین نہ کل۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حسب موقع اطلاع باسی کیا تباسی ہو گئی اور بجاے مفید ہونے کے مضر ثابت ہوی۔ واضح رہے کہ مرزا داغ کی حاضری دربار مہینون مین نہین بلکہ برسون مین ہوا کرتی تھی کیونکہ امراض لاحقہ (وجع مفاصل۔ نقرس) اکثر چلنے پھرنے سے معذور رکھتے تھے ورنہ ممکن تھا کہ روز کی حاضرباشی میں کچھ نہ کچھ استمالت کرتے رہتے۔ تاہم جہان تک اُنکے امکان مین تھا کسی نہ کسی ذریعے سے کوئی برا اثر پیدا انہونے دیتے تھے۔ ان سب حالات اور واقعات کی حسبتہ حسبتہ اطلاع بذریعۂ خط و کتابت ہوتی رہتی تھی اور موقع موقع سے ایسی باتین بھی ظاہر کرتے رہتے تھے جن کو حیدرآباد کی آب و ہوا نے امیدوارون سے وابستہ کر رکھا تھا۔ چنانچہ منشی صاحب کے تساہل اور حضور نظام کی یاد فرمائی کا جو بُرا اثر پڑا تھا اس قسم کے اشارات کی وجہ سے منشی صاحب کو بتاکید آگاہ کر دیا تھا کہ وہ اپنی تشریف آوری سے براہ راست حضور نظام کو مطلع نہ کرین (یہ مفہوم وہ لوگ خوب سمجھ سکتے ہین جو دیسی ریاستون کی حاسدانہ پارٹی فیلنگ کے رازسے واقف ہین) اب خدا خدا کرکے ربیع الآخر ۱۳۱۶ ہجری کو حضرت منشی صاحب نے بھوپال سے ایک اطلاعی خط مرزا داغ کے نام بھیجا جس کے دیکھنے سے ناظرین کو بغیر کسی دقت کے معلوم ہو جاے گا کہ حقیقت مین ایک مطلوبہ بلکہ باصرار بلاے جانے والا ایسا خط لکھ سکتا ہے۔ وہو ہذا:—

دلنواز امیر فقیر سلمکم اللہ القدیر و صحہم اللہ عن التبخیر۔ سلام مسنون اخلاص مشحون۔ نوازشنامہ مورخہ ۱۷ اگست اس وقت آیا ہین ہمہ تن انتظار تھا شکر گزار ہون کہ جلد جواب پایا۔ آپ نے لکھا ہے کہ قیام میرے پاس لابُد ہوگا اگرچہ مکان اس قابل نہین مگر نا شاد باید زیستن۔ میرے پیارے داغ! غربت مین میری راحت کے سہارے داغ!! اس سے زیادہ مجھے کیا خوشی ہوگی کہ غریب الوطن ہوکر ایسے مانوس الطبع ہمدرد کے پاس ٹھہرون۔ مگر میرے حالات باعتبار عوارض کے ہرگز اس قابل نہین کہ تنگ مکان مین تھوڑی دیر بھی بسر کرسکون۔ اشد ضرورت یہ ہے کہ ایک درجہ مکان کا جسکی راہ سکونت گاہ سے اندر ہی اندر ہو اور آدمیون سے وہان قرب بھی نہو مجھے خاص اپنے واسطے چوکی لگانے کو چاہیے۔ مرض کی وجہ سے گھڑی گھڑی چوکی پر جانا ہوتا ہے تب زندہ رہ سکتا ہون نا شاد باید زیستن اگر ممکن ہوتا تو مین تمھاری یکجائی سے اُسکو شاد باید زیستن سمجھتا میرے ساتھ جو میرے فرزند ہین وہ بھی بسبب عادات کے تکلیفات شاقہ تنگی مکان کے متحمل نہین۔ اور سب تکلیفین چند روز گوارا ہوسکتی ہین مگر جس طرح ممکن ہو کوئی وسیع مکان جس مین متعدد درجات ہون میرے واسطے پہلے سے مرتب کر رکھیے کہ جب تک مہمان سرکاری ہونے کی صورت نہ نکلے۔ وہان رہون اور زندہ رہون۔ اور کسی قسم کی تکلیف زائد از امکان تم کو دینا نہین چاہتا یار شاطر ہوکر رہنا چاہتا ہون نہ بار خاطر۔ خصوصاً ایسی حالت مین کہ آپ کا دل و دماغ عوارض و امراض اور کثرت فکر سخن سے ضعیف ہورہا ہے۔ میرے ہمراہی یہ ہین۔ لطیف احمد، مسعود احمد۔ لیاقت حسین برادر زادہ و داماد بندہ۔ ثابت علی فرزند خواہر زادہ حقیقی۔ حافظ جلیل حسن جلیل۔ خان علیخان برادر مہدی علی خان۔ انکے علاوہ تین خدمتگار ہین۔ آپ نے حضور مین میرے آنے کی خبر کردی بہت اچھا کیا مین ممنون ہوا اور مسرور خداوند تعالیٰ آپ کو اس مرض تبخیر و ضعف دماغ و دوران سر سے نجات اور پرہیز کامل کی توفیق دے۔ آج مین نے پھر درخواست رخصت سرکار عالیہ کو بھیجی ہے۔ خدا کرے جلد اجازت و رخصت ہوجاے۔ عزیزان و رفیقان ہمراہی ماوجب رسان ہین والسلام۔ ۲۳۔ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ از بھوپال امیر فقیر

اگر کوئی شکی المزاج بزرگ مزید اطمینان چاہین گے تو اصل خط بھی دکھایا جاسکتا ہے۔ اس خط کی نقل کے بعد یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ گئی کہ حضرت امیر مینائی خواہ کسی ذریعہ سے حیدرآباد گئے ہون مگر حضور نظام کے مطلوبہ نہ تھے۔ اور اب اسکے بعد اور واقعات قلمبند کرنا بے سود ہین مگر جب ذکر چھڑ گیا ہے تو اُنکے ورود تک کے حالات لکھکر قلم روکون گا۔ غالباً خط مذکور کے کئی ہفتون بعد ایک دن دوپہر سے قبل جبکہ حضرت داغ اُنکی فرودگاہ کی درستی مین مصروف و مشغول تھے اطلاعی تار پہنچا کہ ہم آج چار بجے شام کو حیدرآباد پہنچین گے۔ یہ تار پاکر مرزا

داغ نے حضور نظام کو یہ عرضی لکھی کہ منشی امیر احمد صاحب میرے مہمان بن کر آرہے ہین۔ اطلاعاً گزارش ہے۔ ہنوز اس اطلاع وگزارش کا کوئی جواب نہ آیا تھا کہ ایک سرکاری چوبدار حضور کا لفافہ لیے ہوے پہنچا جسمین لکھا تھا کہ "منشی امیر احمد کیون آتے ہین اور کس نے بلایا ہے" ناظرین اندازہ کرسکتے ہین کہ اس تجاہل عارفانہ کے حجاب مین کیا کیا جلوے نظر آتے ہین۔ اُس وقت کا اضمحلال وانتشار قابل بیان نہین جو مرزا داغ کے عائد حال تھا۔ چند گھنٹون کے لیے وہ بالکل خاموش اور منتشر الحواس ہوگئے اسی وجہ سے کسی کو معلوم نہو سکا کہ حضور کا جواب کیا دیا گیا۔ مگر دوپہر بعد اُس محبت کے پتلے کو یہ کہتے ہوے سُنا کہ کچھ ہی کیون نہو داغ امیر کے استقبال کو ضرور جاے گا۔ یہ نہین ہوسکتا کہ بارہ برس کا چھوٹا ہوا دوست ملے اور داغ جدا رہے۔ بالآخر ریل کا وقت آیا اور مرزا داغ بنفس نفیس چند نیازمندون کو ساتھ لے کر اسٹیشن پر تشریف لیگئے۔ اُنکے سوا منشی صاحب کے استقبال کو پنڈت رتن ناتھ سرشار بھی گئے تھے جو مہاراجہ کشن پرشاد صاحب بہادر کے مصاحب تھے۔ ریل آئی اور منشی صاحب بخیر وخوبی پلیٹ فارم پر رونق افروز ہوے اور پھر مرزا داغ کے ساتھ گاڑی مین بیٹھکر مرزا داغ کے مکان واقع محبوب گنج مین فروکش ہوے۔ رات بآرام وآسایش بسر ہوی۔ دوسرے روز منشی صاحب مرزا داغ کی نشست گاہ مین تشریف لاے اور اب یہان دونون کا تخلیہ ہوا۔ بعد تخلیہ جبکہ منشی صاحب اپنی فرودگاہ پر جانے لگے اُس وقت اُنکے چہرے سے افسردگی کے آثار نمایان تھے اور میرے نزدیک اُسی وقت سے اُنکی علالت شروع ہوی۔ اس قلبی صدمے کا اثر دوسرے روز ہی ظاہر ہوگیا کہ وہ مبتلاے تپ ہوگئے حتی کہ اُنکے اعزہ واحباب دوسرے محلے مین لیگئے اور وہان وہ دو تین ہفتے علیل رہکر انتقال کرگئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بس یہ واقعہ ہے اور یہ حقیقت جسکے پڑھنے کے بعد ہر معمولی دماغ یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ منشی امیر احمد صاحب مرحوم کو باصرار حضور نظام نے نہین بلایا تھا بلکہ موت نے!!

حاصل کلام یہ ہے کہ جب مؤلف نشتر سخن کا پایۂ تحقیق ایک معمولی واقعے کے متعلق الیسا بلند ہے تو تنقید سخن اور موازنہ کلام مین اقوال عبد اللہ کو کلام اللہ سے اونچا سمجھنا کیا بعید ہے۔

احسن مارہروی

اخبار نویسون کی آزمایش کا سب سے زیادہ نازک وقت وہی ہوتا ہے جب کسی ایسے بزرگ کا قدم درمیان مین آجاتا ہے جسکے ساتھ عقیدت یا قرابت کی وجہ سے گہرے تعلقات ہون ہم اسی ششماہی مین دو بار اسی قسم کی آزمایش مین ڈالے گئے ہین۔ پہلی دفعہ ہمارے بزرگ عزیز جناب منشی احمد علی شوق قدوائی کے کلام پر حضرت ابو الرشاد نے اعتراضات کیے اور ہم نے اُنکو شائع کردیا جسکی وجہ سے منشی صاحب

موصوف اگرچہ ہمیشہ کے لیے الناظر سے بے تعلق ہو گئے مگر الحمد للہ کہ فرائض اخبار نویسی کی ادائی سے قاصر رہنے کا سنگین الزام ہم پر عائد ہوا اور ایک بزرگ و قابل فخر شاعر کی ذات سے الناظر کو جو امداد ملتی تھی اُسکے یک قلم موقوف ہو جانے سے ہم کو جو نقصان پہنچا اُسکی تلافی صرف اس اطمینان قلبی سے ہو جاتی ہے کہ ہم ایک سخت آزمایش مین کامیاب رہے -

اب یہ دوسرا امتحان ہے - حضرت منشی امیر احمد مینائی مرحوم و مغفور سے صرف ہم کو عقیدت ہی نہین حاصل ہے بلکہ خاندانی تعلقات اور ایک سلسلہ سے رشتہ نسبی بھی ہے بااین ہمہ ہم سمجھتے ہین کہ اس مضمون کی اشاعت کرنا محض تحقیق حق اور فرائض اخبار نویسی کو ذاتی تعلقات سے بالاتر رکھنے کے لیے ہمارے لیے ضروری ہے - اگر واقعات کے بیان مین یا صورت حالات کو پیش کرنے مین جناب احسن سے کسی قسم کی غلطی سرزد ہوی ہے تو ذمہ دار اور واقف کار حضرات اُسکی تردید کر سکتے ہین اور ہم نہایت خوشی کے ساتھ اوراق الناظر مین ایسے تردیدی مضامین شائع کرینگے - بشرطیکہ جواب ذمہ دار حضرات کی طرف سے دیا جاے اور ذاتیات کی بحثون اور فضول نگاری سے احتراز کیا جائے - ایک واقعہ صاحب نشتر سخن نے اپنی کتاب مین لکھا ہے - اُسکی تردید مین خود منشی صاحب کی ایک تحریر اور بعض قوی دلائل پیش کیے گئے ہین - جواب مین تحریری ثبوت اگر پیش کیا جاے تو اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے - اور اگر یہ کسی سبب سے نہین ممکن ہے اور اس تحریر کے خلاف اور واقعات مع دلائل و ثبوت پیش کیے جا سکتے ہین تو اس سے بھی تردید ممکن ہے - حضرت جلیل - جناب ریاض - منشی لطیف احمد صاحب اختر یا اور کوئی صاحب جنکو صحیح واقعات کا علم ہو سکتا ہے اگر اسکے جواب کی ضرورت سمجھین اور لکھین تو مناسب ہوگا اور اگر واقعہ یہی ہے جو اس تحریر سے ظاہر ہوتا ہے اور جس کا اس مضمون مین دعوےٰ کیا گیا ہے تو اس سے منشی صاحب کے کلام کی خوبی اور اُنکے پایۂ شاعری مین کوئی نقص نہین واقع ہوتا ہے - کیونکہ درباروں مین عزت افزائی ہونے اور شاہی مہمان بننے مین وہ عزت نہین جو مقبولیت عام مین ہے اور یہ منشی صاحب کو بدرجۂ اتم حاصل ہے -

اس موقع پر ہم بعض معزز مضامین نگار حضرات کی خدمت مین بصد ادب ایک امر کے متعلق کچھ عرض کرنا ضروری جانتے ہین - امید ہے کہ وہ اس صاف بیانی کو معاف فرمائین گے اور ہمارے فرائض کی اہمیت اور ہمارے نصب العین کی عظمت کا لحاظ کر کے ہماری گزارش پر توجہ فرمائینگے اکثر حضرات جن سے تعلقات دوستی و قرابت ہین یہ خیال کر کے کہ الناظر ہماری ملک ہے ایسے مضامین ارسال فرماتے رہتے ہین جنکا تعلق کسی علمی ادبی یا تمدنی مسئلہ سے نہین ہوتا اور جنکا مطالعہ ناظرین الناظر کے لیے عام طور پر دلچسپی یا افادہ کا ذریعہ نہین ہو سکتا ہے - اسمین شبہ نہین کہ الناظر ہمارا ہے اور اُسکے اوراق پر ہمین بظاہر پورا اختیار حاصل ہے لیکن ہم نے اخبار نویسی کے عام ضوابط اخلاقی کا اپنے آپ کو پابند کر دیا ہے اور اس بات کے ثبوت مین ہمارا گزشتہ طرز عمل پیش کیا جا سکتا ہے پھر بھی ہم تسلیم کرتے ہین کہ الناظر پر ہمارے اُن احباب و اعزا کو ایک قسم کا حق حاصل ہے جو طرح طرح سے اُسکی اعانت فرماتے رہتے ہین لیکن اس قسم کے مضامین نثر ہون خواہ نظم خود اسکے مقاصد کو ایک گونہ پس پشت ڈالنے والے اور اُسکی سود مندی کو بہت کچھ کم کرنے والے ہونگے جو یقیناً ہمارے ان دوستون اور عزیزون کے دلی منشا کے خلاف ہے پھر بھی محض اخبار نویسی کے فرایض سے ناواقف ہونے کی وجہ سے وہ کبھی کبھی اس قسم کی تحریرین ہمارے پاس بھیجدیتے ہین بس اگر ہم اُن کو شایع نہ کر سکین تو وہ ہمین معذور جان کر معاف فرمائین اور مکدر نہون - وما علینا الا البلاغ

ایڈیٹر

تخمیس بر غزل جناب جلیل

فروری سنہ رواں کے الناظر مین جناب جلیل کی غزل منقبت حضرت غریبنواز مین شائع ہوئی ہے جناب جلیل کا پایۂ شاعری بہت رفیع ہے۔ اور اسمین شک نہین کہ ہم سے موزون طبع قادر الکلام استاد کی غزل کی تخمیس اگر کرین تو سوء ادبی ضرور ہے لیکن خدا جانے کس رنگ مین اور کس سچائی اور خلوص بھرے دل سے جناب جلیل نے غزل کہی ہے کہ ایک ایک شعر دل مین اترا جاتا ہے۔ اور اس غزل کے سہارے تخمیس بلا ارادہ معرض وجود مین آگئی ۔

یہ کیسی رنگ سے حسرت سے تماشائی ہے — بات جو بنتی نہ تھی خیر سے بن آئی ہے
عین معراج یہان ناصیہ فرسائی ہے — آج قسمت درخواجہ پہ مجھے لائی ہے
یہی وہ در ہے جہان لطف جبین سائی ہے

شوق نے یون تو کئی بار اٹھایا مجھکو — لیکن اس بخت نے بیہوش بنایا مجھکو
مگر اے صلِّ علےٰ حکم ہی آیا مجھکو — تھا بہت دور مگر کھینچ بلایا مجھکو
جانتے تھے کہ یہ مدت کا تمنائی ہے

اب تو اس دل مین نہ غم ہے نہ الم رکھا ہے — مجھ پہ آقا نے مرے دستِ کرم رکھا ہے
تجھ مین کیا خاک تمنا ے ارم رکھا ہے — مین نے اجمیر مین جس وقت قدم رکھا ہے
تہنیت کے لیے جنت کی ہوا آئی ہے

دیکھو جا دو چشمِ حضرت خواجہ دیکھو — رأفتِ بیش و کرمِ حضرتِ خواجہ دیکھو
سنکرو یہ کرم حضرت خواجہ دیکھو — مجھکو دیکھو قدم حضرت خواجہ دیکھو
آج تو ذرۂ و خورشید کی یکجائی ہے

پیر و مرشد کے تصدّق مین ہے راحت یہ نصیب — دور رہتی ہے غلامون سے ہر آفت یہ نصیب
مخمصون سے مجھے ملتی بھی فراغت یہ نصیب — شاہ آصف کی بدولت ہوئی دولت یہ نصیب
جنکے قدمون سے لگی خلق خدا آئی ہے

کام بنتے نہون وہ کام بنانے والے — غیب سے سارے غریبون کو دلانے والے
خوان نعمت کے فقیرون کو کھلانے والے — مرحبا دولت دارین لٹانے والے
کس نے اس در سے مراد اپنی نہین پائی ہے

دل ہین ہاتھون مین چلے آتے ہین سارے مشتاق — عرض کرنے مین تمناؤن کے ایک ایک سے طاق
شان لیلائی کے صدقے کہ ہوئیں آفاق — منزل پروانہ ہے روضہ پہ ہجوم عشاق

رہ کے خلوت مین عجب انجمن آرائی ہے

بخدا اب تو کسی کا نہین پایا ایسا — خاک چھانی ہے بہت پر نہین پایا ایسا
نہ تو مالک کوئی ایسا ہے نہ آقا ایسا — بادشاہون کا بھی دربار نہ دیکھا ایسا

حق نے کیا شان عطا آپ کو فرمائی ہے

چاندنی رات مین ہے جلوہ نما ماہ کمال — یا کہ خود حسن سمٹ کر ہے بنا حورمثال
چشم حیران سے ہوی جاتی ہے تائید جمال — گنبد پاک یہ ہے یا کوئی خورشید جمال

جلوہ افروز بصد عشوہ و رعنائی ہے

خواب غفلت مین ہے اب ہوش مین لاؤن دلکو — تشنہ لب ہے مے تسکین مین پلاؤن دل کو
دل کے مالک جو ہین مین اُن سے ملاؤن دلکو — جی مین آتا ہے یہین چھوڑ کے جاؤن دل کو

ایسی اس در کی فضا دل کو مرے بھائی ہے

برق جو خوب چمکتی ہو وہ ہیلی اس کی — خود فراموش بنا دیتی ہے تجلی اس کی
جا بجا کہنے کے قابل ہے تعلی اس کی — محو کر دیتی ہے انسان کو تجلی اس کی

خود تماشا ہے جو روضہ کا تماشائی ہے

چست و چالاک ابھی درد کا مارا ہو جائے — درد کیا شے ہے مریض آپ مسیحا ہو جائے
زندگی میری سنبھل جائے جو ایسا ہو جائے — چاہتا ہون دل مردہ مرا زندہ ہو جائے

آپ ہی سے مجھے امید مسیحائی ہے

تنگ احوال پریشان سے ہے لیکن پھر بھی — منفعل گردش دوران سے ہے لیکن پھر بھی
بے خبر لذت درمان سے ہے لیکن پھر بھی — نابلد کوچۂ عرفان سے ہے لیکن پھر بھی

ناز اس پر ہے کہ حضرت کا شناسائی ہے

بسمل شیفتہ کی بات سنو گر ہو عقیل — جو خردمند کہے خود کو وہ بیشک ہے علیل
بیخودی ایسی جگہ ہوش کی ہے عین دلیل — کچھ کہے کوئی مگر مین تو کہون گا یہ جلیل

جسکو خواجہ کا نہ سودا ہو وہ سودائی ہے — امین الحسن بسمل

رباعی

جن سنگدلون کو تجھ سے کدذاتی ہے — نرمی کب انکے ساتھ کام آتی ہے
دشوار ہے میچ سکے کہان تک اے دل — دانتون مین زبان ضرور آجاتی ہے

امجد حیدرآبادی

النقاظر پر ایک نظر

اُس بھری پُری دنیا کی نت نئی نظر فریب چیزون پر باریک بین نظر ڈالنا، اور جو کچھ مشاہدہ کے دماغ پر اثر پڑے اسکو کسی صورت مین ظاہر کرنا" ایک ایسا مشکل کام ہے جو ہر ایک کے بس کا روگ نہین! واقعی دماغی کیفیات، محسوسات، جذبات، اثرات، وغیرہ وغیرہ کو عام نگاہون کے سامنے پیش کرنے کے مختلف طریقے موجود ہین، مصوری، شاعری، موسیقی، اور سب کے آخر مین تنقید!

سب سے زیادہ پاک، بلند خیال، جدت طراز، اور مردہ مین جان ڈال دینے والا مصوّر کہا جا سکتا ہی! جس خوبی کے ساتھ وہ جذبات اور انکی ایک ایک باریک بات کو ظاہر کرجاتا ہی نہ بیان کی جاسکتی ہے نہ بیان کرنے سے سمجھ مین آسکتی ہے! اسکے محض سمجھنے کے لیے بھی دیدۂ بینا کی ضرورت ہی! اسکے بعد موسیقی کا نمبر ہے جو محض آواز سے خدا جانے کیا کچھ غضب ڈھا جاتی ہی! اب شاعر کو لیجیے جو واقعی مصوّر کا بگڑا ہوا کہا جاسکتا ہی بشرطیکہ اُسکی شاعری حقیقت کی ہو بہو تصویر کھینچ دیتی ہو! ان سب کے بعد مین تنقید کا درجہ ہے! نقاد کی نظر اگر محض عیوب کی طرف ہے تو وہ ناقابل معافی گناہ کا مرتکب ہوتا ہی: ہر چیز کے دو رخ ہُوتے ہین اور کسی چیز کا محض بُرا رخ پیش نظر رکھنا نہایت کمزوری اخلاق ہے! یہی عادت پھر نکتہ چینی اور عیب جوئی کا لباس پہن لیتی ہے اور یہی پھر سب سے زیادہ نظرون سے گر جاتی ہے! جو شخص ہر چیز کا اچھا ہی اچھا رُخ دیکھتا ہی وہ نہایت پاک خیال، عالی حوصلہ سچا مصور اور قابل رشک ہے! اور جو بُرا اور اچھا دونون پیش نظر رکھتا ہے وہ ایک عقلمند شخص ہی اور اسکے لیے امید ہے! مگر جو یہ سمجھتا ہی کہ تنقید کے معنی محض نکتہ چینی اور عیوب کا نکالنا ہین وہ نہایت کمزور اور خبیث باطن ہے ایسے شخص سے بہے کوئی امید نہین! دنیا کی ہر چیز مین ضرور کہون گا۔ بذات خود ایک آئینہ ہے جس مین دیکھنے والے کو ہمیشہ اپنی شکل نظر آتی ہے! حسین کو آئینہ مین حسن ہی حسن نظر آئے گا اور ایک حبشی کو ...؟ آپ خود سمجھ لیجیے کیا نظر آئے گا! اب دنیا کی ہر ایک چیز مین اپنی تصویر دیکھ لینا ایک نہایت چوٹی کا کام ہی۔ تصوف کا یہی مقصد ہے اور مصوری کی یہ ہی جان ہے! البتہ نظر فریب چیزین۔ دل و نظر اپنی طرف کھینچنے والی چیزین ایسا شفاف اور مجلّی آئینہ ہین جن مین دن کے اندھے کو بھی۔ مین تو یہی کہون گا۔ اپنی آنکھ ناک کچھ نہ کچھ ضرور نظر آجاتی ہے۔ اب اگر وہ خود اچھا ہے تو بیشک اُسے جو کچھ نظر آئے گا اچھا ہی ہوگا۔ لیکن اگر وہ بُرا ہے تو مین کیا کہہ سکتا ہون کہ اپنے آپ کو بُرا سمجھے گا یا آئینہ کو! —

مجھے افسوس ہے کہ مین نے اسوقت تک الناظر کی نسبت جان کر کچھ نہین لکھا! کیون؟ محض اسی وجہ سے کہ مین اپنی آنکھون کو چشم بینا نہین سمجھتا! مگر اب اسوقت کیون لکھ رہا ہون؟ صرف اسوجہ سے کہ اڈیٹر صاحب الناظر کا تقاضہ مجبور کرتا ہے! خود اپنی دل شکنی کو ناقابل برداشت مصیبت سمجھتا ہون۔ ایسی حالت مین خود کسی کی دل شکنی کا باعث ہونا میرے مذہب کے خلاف ہے! ورنہ مین خود جانتا ہون۔ اور اچھی طرح جانتا ہون۔ کہ مین تنقید کا اہل نہین! اگر اس راے زنی مین کوئی بات بیجا ہو تو وہ خود میری ذات کا نقص سمجھا جاسکتا ہے کہ الناظر کا

ملک کے موجودہ رسالے

بہت ہین۔ اور میرے علم سے باہر ہین! الناظر کے علاوہ زمانہ، مخزن، ادیب، زمانہ، صبح بہار، نقاد، عصمت ..... وغیرہ کے دیکھنے کا مجھے فخر حاصل ہے! بقیہ کی ملاقات سے بہرہ اندوز نہین ہوا ہون! میری نگاہ مین سب نظر فریب ہین! اسمین شک نہین کہ بعض گنگا کے کنارے گلگشت کرنے اور بنارس کی خوبصورت نشین ساڑھی اوڑھکر تلک لگانے پر تلے ہوے ہین اور بعض بغیر کسی خاص طرفداری کے ہر صورت مین جلوہ گر نظر آتے ہین! بعض کسی وجہ سے کسی مرض مین مبتلا ہوکر اپنے دیدار سے باقاعدگی کے ساتھ محظوظ نہین کرتے۔ اور بعض کا ابھی لڑکپن ہے مگر الناظر؟ میری راے مین وہ وقت کی پوری پوری پابندی کرتا ہے! کسی خاص مذہب و ملت کی ناجائز طرفداری نہین کرتا اور ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر، مجھے معاف کیجیے اگر مین یہ کہون کہ سوا پالیٹکس کے ہر شعبہ پر ہمیشہ اُردو لٹریچر مین قابل لحاظ اضافہ کرتا رہتا ہے! حسن ظاہری؟ میری نگاہ مین نہایت اچھا! مگر اشتہارات وغیرہ الناظر کے مضامین کے اختتام اور جنگ صلیبی کے تاریخی مضمون کے درمیان اکثر لوند کے مہینہ کی طرح بےمیان نظر آتے ہین! یہ کچھ عیب نہین تاہم اگر وہ بالکل اختتام پر ہون تو زیادہ اچھا ہو! تقطیع نہایت اچھی اور صفحہ کی تعداد سطور نہایت موزون! یہان مجھے اسکا اظہار کردینا نہایت ضروری ہے کہ مین اُن اشخاص مین سے ہون جو ہماری رسالہ مین بجاے اسکے کہ بین السطور اور حاشیہ خواہ مخواہ زیادہ چھوڑا جاے اور جلی قلم کی وجہ سے محض خوشنمائی اور صفحہ پُری کی جاے، یہ دیکھنا چاہتے ہین کہ مضامین دلچسپ ہون اور جگہ پوری طرح مضامین سے پُر ہو! مرزا غالب مرحوم نے آم کی نسبت فرمایا تھا کہ "میٹھا ہو اور بہت ہو" مین یہ کہون گا کہ ہماری رسالہ مین مضامین ہر قسم کے ہون اور بہت ہون"۔ اس لحاظ سے الناظر کو موجودہ اُردو رسالون مین۔ میرے خیال مین کبھی ہرگز دوسرے درجہ کی جگہ نہین ملے گی! صحت الفاظ؟ اسکی نسبت مین کچھ نہین کہنا چاہتا۔ کیونکہ مین اس خاص معاملہ مین نہایت سخت گیر ہون اور واقعی جبتک ہمارے مہربان کاپی نویس صاحبان اپنی پوری توجہ

مبذول نہ فرمائین محض ایڈیٹر صاحب اس نقص کو بیخ و بنیاد سے نہین اکھیڑ سکتے! مگر اور رسالون کی کیا حالت ہے؟ اس بات کو پیش نظر رکھکر ضرور ماننا پڑتا ہے کہ ایڈیٹر صاحب نہایت تندہی کے ساتھ صحت الفاظ مین کوشان رہتے ہین اور جسقدر انکے امکان مین ہے اس سے دریغ نہین کرتے!

مضامین الناظر؟

ادبی - علمی - سائنٹفک - تاریخی - ایک حد تک مذہبی مختصر یہ کہ پولٹیکل کو چھوڑکر تقریباً ہر قسم کے مضامین الناظر لا ہوا ہمارے سامنے لاتا رہتا ہے۔ اور مین تو یہی کہون گا کہ تقریباً ہر مذاق کا شخص اپنے رجحان طبع کے موافق الناظر مین کچھ نہ کچھ ضرور پالیتا ہے! کیا یہ امر اڈیٹر کی جامع قابلیت اور پبلک مذاق کا پورا پورا لحاظ رکھنے کی دلیل نہین سمجھا جا سکتا؟ کسی خاص مضمون پر ریمارک دینا نہ مین چاہتا ہون اور نہ غالباً وہ الناظر کے لیے بہتر ہوگا! خاص مضامین پر ریمارک دینا اول تو الناظر کے بجاے اُس خاص مضمون کا ریویو کہا جائیگا اور دوسرے اسکے لیے ایک ایسی قابلیت کی ضرورت ہے جو کم از کم مجھ مین نہین! مئی کے پرچہ مین اکثر لائق حضرات نے خاص خاص مضامین پر اپنی علمی قابلیت کی روشنی ڈالی ہے اور میرے خیال مین وہ کافی سے بھی زیادہ ہے! مجملاً مین اسقدر کہہ سکتا ہون کہ الناظر مین ایک ہی مسئلہ کے موافق اور مخالف دونون طرح کے مضامین نظر آتے ہین! یہ نہایت وسعت خیال کی بات ہے اور ظاہر کرتی ہے کہ ایڈیٹر الناظر اس رسالہ کو واقعی پبلک کی آواز بنانا چاہتے ہین نہ کہ اپنی یا کسی خاص گروہ کی! مین اس بات کو اڈیٹر کے فرائض مین چوٹی کی صفت سمجھتا ہون اور میرے خیال مین الناظر اس معاملہ مین نہایت بے لاگ آزاد - اور صاف گو ہے! البتہ میری نظر مین پولٹیکس کے علاوہ - اگرچہ آجکل پولیٹکس کی واقفیت نہایت ضروری ہے - ایک اور چیز بھی ہے جسکی ضرورت الناظر کو اور زیادہ دلچسپ بنانے کے لیے ہے! یہ مین خود تسلیم کرتا ہون کہ یہ چیز ابھی اردو رسائل مین نام کو بھی نہین - مگر کوئی وجہ نہین کہ الناظر سبقت نہ کرے اور ایک نئی اور دلچسپ چیز کو اُردو لٹریچر مین لانے کا سہرا اسکے سر نہ رہے! مین اس چیز کے لیے کوئی خاص نام نہین کہہ سکتا - البتہ اس طرح سمجھا سکتا ہون کہ ہر مہینہ مین ایک مضمون اس قسم کا بھی ہوا کرے جیسا کہ کامریڈ مین گپ کے عنوان سے نکلتا ہے! اس پر بحث کرنے کی چندان ضرورت نہین ہے کہ یہ رنگ دلچسپ ہوگا یا نہین؟ کامریڈ کے پڑھنے والے اس امر کے لیے ثبوت مین پیش کیے جا سکتے ہین بلکہ ساتھ

سلہ مئی کے الناظر مین میرے مضمون "عمر بھر قید" کو مثنوی زہر عشق کا جواب بتایا گیا ہے! واقعی مین اس تعریف کا شکریہ ادا نہین کر سکتا! ظاہر ہے کہ یہ رے نہایت بڑے خیال سے ظاہر کی گئی ہے - مگر مین فی الحقیقت اسکو بہت زیادہ تعریف سمجھتا ہون! زہر عشق میری نگاہ مین نیچرل جذبات کے اظہار مین بے مثال چیز ہے - اس سے اگر میرے مضمون کو تشبیہ دیگئی ہے تو مین بیحد ممنون ہون - ہان یہ ضرور عرض کرون گا کہ معترض صاحب انگریزی کے سوشل ناول خصوصاً

ساتھ ہی مجھے یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ اس سے میرا مطلب یہ نہین ہے کہ ظرافت آمیز مضمون ہو یا محض پنچانہ رنگ مین ڈوبا ہوا "گپ" ہیں اور محض ظرافت مین زمین آسمان کا فرق ہے! طرز تحریر ظرافت آمیز اور شوخ ضرور ہو لیکن مضمون کھوکھلا اور محض کشت زعفران نہ ہو! کسی خاص مسئلہ پر۔ پولیٹیکل، علمی، سائنٹفک، یا روزانہ کی زندگی کے خاص معاملہ پر۔ ایسی شوخ رنگ مین لکھا جاے اور ہر قسم کی ضروری خوبی۔ یا کمزوری جو اس معاملہ مین ہو اس رنگ مین دکھائی جائے! کیا یہ بات الناظر کو چار چاند نہین لگائے گی؟ ممکن ہے کہ ایڈیٹر صاحب فرمائین کہ اُردو مین اس رنگ کے مضامین کہان سے بہم پہنچاے جائین۔ مگر میرے خیال مین ایسے مضامین لکھنے والے پیدا کرنا بھی ایڈیٹر صاحب ہی کا کام ہے۔ کیا ایڈیٹر صاحب نے اس عرصہ مین نئے مصنفین اور مضامین نگاران کو پبلک سے انٹروڈوس نہین کرایا؟ ضرور کرایا ہے اور کوئی وجہ نہین کہ وہ اس کمی کو بھی پورا نہ کرین! ہمین امید نہین بلکہ یقین ہے کہ اڈیٹر صاحب اس طرف بھی توجہ کرین گے!

حصہ نظم؟

اکثر اخلاقی، نیچرل اور اچھا ہوتا ہے! ایڈیٹر صاحب نے نظم کو بہت پوری جگہ دی ہے! بلکہ پبلک مذاق کے لحاظ سے کسی قدر نظم کا پلہ جگہ کے اعتبار سے جھکا دیا گیا ہے! نظمین اچھی اور زیادہ تر نتیجہ خیز ہوتی ہین! دلچسپ ہونے مین شبہ نہین! اقبال کی تصانیف اکثر کم نظر آتی ہین؟

تصاویر؟

البتہ الناظر اب تک اس سے محروم ہے! مگر میرے خیال مین "دسترخوان بچھانا ایک عیب اور بچھانا سو عیب" کے مصداق تصاویر کا نہ ہونا بہت اچھا ہے! کبھی کبھار کوئی خراب بھدی تصویر شائع کر دینا اور ہر مہینہ تصویر کے لیے کچھ نہ کچھ عذر کرتے رہنا۔ تصویر قطعی نہ ہونے سے بدرجہا بدتر ہے! جو کچھ کیا جاے خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ کیا جائے جس چیز کے پورا کرنے کی حیثیت یا ذرائع نہون اسکو ہاتھ بھی نہین لگانا چاہیے! اُردو کے مصور رسالون نے یہ ڈھنگ اختیار کیا کہ ہر مہینہ قوم کے کسی لائق فرد کی تصویر شائع ہوا کرے! مگر نتیجہ کیا نکلا؟ یہ ہی کہ قوم کے افراد کی تصاویر تھوڑے ہی عرصہ مین ختم! اب وہی تصویرین جو مخزن مین نکل چکی تھین تمدن مین نظر آتی ہین! با تصویر ہونے کے یہ معنی ہین کہ مختلف سینسریز۔ عمدہ عمارات۔ مشاہیر عالم۔ اور ساتھ ہی کسی خاص نیچرل جذبہ کی تصاویر رسالہ مین برابر نظر آئین! اگر ایسا ممکن نہین تو سب سے زیادہ عمدہ اور محفوظ طریقہ یہ ہے جو الناظر نے اختیار کیا ہے! ایک سادہ رسالہ جو تصاویر شائع نہ کرتا ہو، کافی سامان اور پورے ذرائع بہم پہنچ جانے پر ہر وقت مصور

بنایا جا سکتا ہے، لیکن ایک مصور رسالہ جو کسی طرح بھی اپنے دعوے کو پورا نہ کرتا ہو یا آخر میں مجبوراً بلا تصویر نکالن پڑے کس قدر باعث بڑائی اور موجب شرم ہوگا! مین کبھی ہرگز ایڈیٹر النّاظر کو رائے نہین دون گا کہ وہ رسالہ کو با تصویر بنانیکا خواب بھی اُسوقت تک دیکھین جب تک کہ ادیب کی طرح - بلکہ اس سے بھی زائد - کافی طور پر تمام سامان خود اُنکے اپنے مطبع مین مہیا نہ ہوجاے - باتصویر نہ ہونا میرے خیال مین النّاظر کی کمی نہین ہے بلکہ وہ ترقی کے راستہ مین قدم زن ہے - تصاویر کی حد تک ابھی نہین پہنچا ہے اور جس وقت پہنچا غالباً واپس نہین آئے گا! اس کی امید قبولیت عام کے ساتھ کی جا سکتی ہے!

آخر مین مختصراً مین یہ ضرور کہون گا کہ النّاظر اپنی ظاہری اور باطنی خوبیون سے پُر ہے - ایڈیٹر صاحب کی محنت و جانفشانی قابل داد ہے - سب سے زیادہ خوبی یہ ہے کہ النّاظر وقت کا بڑا پابند ہے اور اسوجہ سے انتظار کی تکلیف سے نجات مل جاتی ہے! یہ اگر اسی طرح چلے گیا - اور ایڈیٹر صاحب کی جامع قابلیت اور تندہی بھی شامل رہی - تو یقین ہے کہ ناظرین النّاظر نہین بلکہ پبلک - اُس کو مستقبل قریب مین ترقی کے آسمان کا آفتاب بنا ہوا دیکھے گی! خدا کرے کہ ظفر الملک صاحب کی محنت ٹھکانے لگے اور النّاظر کو قبولیت عام اور شہرت دوام نصیب ہو!

سلطان حیدر

النّاظر کو ایک مراسلہ

اڈیٹر صاحب النّاظر! سلام سے جو اخلاق تو مشکبو پیامے جو الفاظ تو دُر فشان

مارچ نمبر مین جو تحریک آپ نے کی اور ایک عنایت نامے سے بھی اُسکو تازہ کیا مجھ سے غافل کو خواب غفلت سے بیدار نہ کرسکی دو مہینے بعد کروٹ لی ہے تو فرصت کی کمی بڑھی ہوی اُس پر نت نئے اُردو رسالون کا بار فرمایش کس کس سے کہان تک سبکدوش ہوسکون -

النّاظر مضامین کی خوبیون سے قابل قدر نکلتا ہے اور ٹھیک وقت پر نکلتا ہے یہ خصوصیت امتیازی شان کے ساتھ شایان تحسین ہے -

اگر سرمایہ کافی ہے تو النّاظر کو آپ کچھ اور دیدہ زیب سامان طبع کے ساتھ شائع کرسکتے ہین ورنہ توسیع اشاعت کا انتظار قرین مصلحت ہے ظاہری خوشنمائی کا مرقع پیش کرنے کے لیے تصویرون کا اضافہ ضروری نہین سادگی

مین بھی ایک بہار ہے۔

بہارِ جلوہ حسنش دل وجان تازہ میدارد ۔ برنگ اصحاب صورت ہا بہوار باب معنی را

ٹیٹل کا تاریخی مصرع ۱۳۲۱ ہجری والا سالخوردہ ہوگیا۔ کئی سن بدلنے پر اُسکا نہ بدلنا انقلاب زمانہ کی روش کے خلاف ہے قانون فطرت نہین بدلتا مگر قدرت کی نیرنگی کل یوم ھو فی شان کا جلوہ دکھاتی رہتی ہے پھر الناظر بھی دوسرا شاندار نام اپنے شایان تجویز کرے۔ تاریخی ہو یا غیر تاریخی۔

"نظرے خوش گزرے" کا عنوان اور وہ بھی ایڈیٹر کے قلم سے ناظرین کے لیے سُرمہ معفت نظر سے کم نہین جسکے تحت مین آپ کی چند سطرین روشن دماغی سے مختلف مقاصد پر اچھی روشنی ڈالتی ہین۔

"تنقیدی مضامین آپ لکھین یا مشاہیر اہل قلم سے کوئی لکھے اُن کی جان تین صفتین ہین۔ باوصف حکمت بہ لقمان آموختن" لکھتا ہون:- انصاف پسندی۔ خوش مذاقی۔ وسیع النظری

یہ کون کہہ سکتا ہے کہ انمین سے کوئی صفت کسی نقاد کو حاصل نہین مگر بعض مین انکی کمی اور بعض مین بہت ہی کمی نظر آتی ہے موقت الشیوع علمی ادبی رسالون کی کثرت سے تنگ شاہرا ہین وسیع ہوتی جاتی ہین اگر کوئی راہ چلتا خس و خاشاک سے رستے کو صاف کرتا جائے تو قافلے کے قافلے آسانی سے منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہین۔ مین چاہتا ہون کہ آپ کا الناظر دلیل راہ بننے کا فخر حاصل کرے۔

رسالون کے تنقیدی مضامین پر بھی آپ کی نقادی جانچ پرتال کرتی رہے تو کھوٹے سکے کھرے ہو جا سکتے ہین۔ آپ کی نشو ونما ایسے شہر مین ہوی ہے جہان کی زبان ٹکسالی جہان کی صحبتین کارآمد مشورون سے نفع پہنچانے والی ہین مالی امداد اُن قدردانون کے ہاتھ ہے جن کی کمی بھی مسبب الاسباب پوری کرسکتا ہے۔

شفق رضوی عمادپوری

غزل

بت سفاک کی ترچھی نگاہون کا اثر دیکھو ۔ پڑا ہے وہ دل بسمل یہ ہے چھلنی جگر دیکھو

خبر اُنکو نہ دو تم پاسبانو میرے آنے کی ۔ مری آہ رسا کس طرح کرتی ہے اثر دیکھو

کہا تھا مین نے کیا تم سے جو یون منہ پھیر بیٹھے ۔ مین اس انداز کے قربان میری جان ادھر دیکھو

دل غمگین کی حالت ہوگئی ہے رحم کے قابل ۔ کوئی بہر خدا اے حضرت غم اور گھر دیکھو

جدائی مین بسر کی ایک مدت تم نے اے عادل ۔ نہ طوفان ڈھائے آنکو دیکھکر یہ چشم تر دیکھو

میر ریاست علی عادل

نظرے خوش گزرے

اس پرچہ کی روانگی کے ساتھ الناظر کی زندگی کا چوتھا سال ختم ہوتا ہے۔ ارادہ تھا بلکہ مارچ کے الناظر مین اسکا اعلان بھی کر دیا گیا تھا کہ جون کے رسالہ مین گزشتہ چار سال کی تفصیلی رپورٹ ناظرین کو سُنائی جائے گی لیکن ہماری گزارش کے ساتھ اعتنا کرنے مین جو خست قلمی معاونین اور خریدارون کی عام جماعت کی طرف سے ظاہر ہوئی اُسکے لحاظ سے اس قسم کی رپورٹ غالباً بے سود اور قبل از وقت ہوگی۔ تاہم اُن معدودے چند حضرات کا شکریہ ادا کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جنھون نے ازراہ لطف و عنایت خواہ متواتر تقاضون ہی کے بعد سہی، اپنی اپنی بیش قیمت رایون کے اظہار سے سرفراز فرمایا۔ ان حضرات کے قیمتی مشورون اور اپنے تجربات و نصب العین کو پیش نظر رکھکر ہم نے بعض اصلاحات تجویز کی ہین مگر بعض اسباب سے جنکی تفصیل آگے آئے گی ابھی اُن پر عملدرامد نہین کیا جا سکتا البتہ ممکن تھا کہ مجوزہ اصلاحات کا یہان تذکرہ کر دیا جاتا مگر یہ کچھ مناسب حال نہین معلوم ہوتا اور اُن کے اعادہ کو کسی اچھے موقع کے لیے اُٹھا رکھنا بہتر جانتے ہین۔

عام طور پر علمی کامون سے ابھی تک ہمارے ہان اُس قدر دلچسپی نہین پیدا ہوئی ہے جسکے بغیر کسی قسم کی ممتاز ترقی ناممکن ہے تاہم ہمین شکایت نہین ہوسکتی کہ علم دوست طبقہ مین ہماری خدمات کا اعتراف نہین کیا گیا۔ بلکہ زیادہ صحیح ہوگا اگر ہم یہ عرض کرین کہ جہان تک تحسین و ستایش کے اظہار کا تعلق ہے ہمارے ساتھ بہت زیادہ فیاضی برتی گئی۔ لیکن ملک کے تمام معزز اخبارات و رسائل نے اور ارباب ذوق کی ایک کثیر جماعت نے وقتاً فوقتاً الناظر کے متعلق جو بیش بہا اور گران قدر خیالات ظاہر کیے ہین اُن پر ہمین بجا طور پر فخر و مباہات کا موقع حاصل ہے مگر ہم جانتے ہین اور اس مین نہ کسر نفسی کا اظہار مقصود ہے اور نہ کسی قسم کا تصنع ہے کہ الناظر کو جو وقعت ملک و قوم مین یا ارباب نظر کی نگاہون مین حاصل ہوئی اُسکے لیے ہم بہت ہی کم قابل ستائش ہین۔ بلکہ درحقیقت تحسین و صنعت کے اصلی مستحق ہین وہ اہل قلم جنکی اعانت و توجہ کے بغیر الناظر کو یہ قدر و منزلت نصیب نہین ہوسکتی تھی۔ اور چونکہ ہم جانتے ہین کہ ان حضرات کو عموماً کوئی صلہ نہین دیا جاتا بلکہ ہم پرائیوٹ تحریرون کے ذریعہ کافی طور پر شکریہ بھی نہین ادا کر پاتے اسلیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر اُن سب حضرات کی قابلیتون اور عنایتون کا دلی شکریہ۔ نہ صرف ہماری طرف سے بلکہ ناظرین و منتظمین الناظر کی طرف سے متفقہ طور پر ادا کیا جائے

ہم نے اُن تمام دشواریون اور دقتون کے اعادہ سے ہمیشہ احتراز کیا جو کسی رسالہ یا اخبار کے منتظمین کو آئے دن برداشت کرنا پڑتی ہین اور ہمارا سابقہ طرز عمل اس بات پر شاہد ہے کہ ہم نے ان دقتون کے مقابلہ مین کہان تک کامیابی حاصل کی اور پے در پے معذرتون کی بوچھار سے کس طرح ناظرین و معاونین الناظر کے دامن صبر و سکون کو ہمیشہ بچائے رکھا۔ اسی طرح سال بسال سخت مالی نقصان اُٹھانے کے باوجود ہم نے اس طویل مدت مین کبھی ایک بار بھی ناظرین الناظر کو اسکے تذکرہ سے منغص اور اندوہگین نہین کیا اور نہ اُن نقصانات کی تلافی پر بار بار متوجہ کر کے اُنکو متفکر و متردد ہونا گوارا کیا اور یہ اس وجہ سے نہین کہ

ہم کو طرح طرح کی مشکلون اور پریشانیون کا مقابلہ نہین کرنا پڑا یا گنج قارون کا کوئی دفینہ صدیون کے انقلابات سے اس سرزمین پر منتقل ہو کر آگیا اور ہمارے ہاتھ لگ گیا تھا جس سے ہم الناظر کے تمام نقصانات کی تلافی کرتے رہتے تھے - اور نہ ہم نے یہ سب دشواریان اور مصیبتین اسلیئے خاموشی اور استقلال کے ساتھ جھیلین کہ ناظرین الناظر کا تقدّ ارادت اور آئیندہ آنے والی نسلون کا نسیۂ عقیدت یا اخبارات و رسائل کی تحسین و ستایش اور ارباب ذوق سلیم کی خوش آئیند تعریف و توصیف اور مدح سرائیون کے ہم آرزومند و خواہان تھے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم اپنے فرض کی ادائی کو زندگی کا بہترین ثمرہ جانتے تھے اور اپنی ذمہ داریون کی اہم حیثیت ہر وقت ہماری نظرون کے سامنے رہتی تھی - اور اس بزرگ شفیق کی دریادلی اور فیاضی نے ان مشکلات کا مقابلہ کرنا ہمارے لیے نسبتہً آسان کر دیا تھا جس کا سایۂ شفقت اثر نہ صرف ہماری حیات مستعار کے لیے بمنزلہ آب حیات ہے بلکہ جسکی ذات ہماری کمزور ہستی کے لیے ہر طرح پر موجب تقویت و توانائی بھی ہے - پھر ناظرین الناظر کے سامنے دست سوال دراز کرنے اور اُن سے اعانت طلب ہونے کی تو ہمین اس خیال سے بھی جرأت نہوتی تھی کہ تعریفی رایون اور مدح سرائیون کی فراوانی کے باوجود ہم ابتک یہ سمجھتے رہے اور اب بھی سمجھتے ہین کہ الناظر ابھی تک اُس درجہ پر بھی نہین پہنچا ہے جو ہمارے نصب العین کا مرحلہ اول کہا جاے تو بیجا نہوگا اور اس بے مائگی و بے بساطی کے عالم مین ناظرین سے مدد کی خواہش کرنا اور وہ بھی ایک صلاے عام کی صورت مین ہمین کسی طرح پسند یدہ نہ معلوم ہوا لیکن ع ہر کوئی زندگی مین الم سے نا چار ہے

ابتداے اشاعت سے الناظر کی آمدنی اُسکے مصارف کی کفالت سے قاصر رہی اور اگرچہ ہم نے ملک کے مذاق کو ملحوظ رکھنے اور ناظرین الناظر کی دلچسپی کے لیے کافی اور عمدہ سامان مہیا کرنے مین تا بامکان کوئی کوتاہی نہین کی لیکن ابتک ہم ہر سال معقول تعداد مین نقصان اُٹھاتے رہے ہین - تمام دوسری باتون سے اگر قطع نظر کی جاے تو ایک اشاعت مین پابندی وقت کا لحاظ رکھنے کی وجہ سے ہم کو جو دشواریان اور زائد خرچ برداشت کرنا پڑا وہ کچھ کم قابل توجہ نہین - اور اب تو بعض بیش قیمت مضامین کے لیے نقد معاوضہ بھی ہمین دینا پڑتا ہے جو یقیناً ہماری طاقت سے باہر ہے - ان تمام حالات پر بہت کچھ غور و خوض کیا گیا کہ آئیندہ کیا ایسی تدابیر اختیار کیے جائین جو الناظر کے بقا اور ترقی کا ذریعہ بھی ہون اور ہمارے بزرگ شفیق کو ایک مستقل مالی خسارہ سے بھی سبکدوش کر دین مگر سوا اسکے کوئی صورت مناسب ہمارے ذہن مین نہین آتی کہ ناظرین الناظر کے سامنے حقیقت واقعہ کا اظہار کر کے اپنی بے بضاعتی کا اعتراف کیا جاے اور آئیندہ کے لیے اس نقصان کی کفالت کا بار اُنکے منفردہ و متحدہ لطف و کرم اور ذوق علمی پر چھوڑ دیا جائے -

بلاشبہ الناظر ایک شخص غیر کی ملکیت ہے اور اس حیثیت سے اگر وہ ناظرین الناظر جو ہمارے معروضات سے متاثر ہو کر آئیندہ ہماری مدد کرنے کا تہیہ رکھتے ہون کسی قدر بدگمان و بددل ہون تو بیجا نہوگا لیکن ہم اُنکی خدمت مین نہایت ادب کے ساتھ صاف صاف یہ عرض کر دینا چاہتے ہین کہ برادر مکرم جناب منشی سخاوت علی علوی مالک رسالۂ الناظر نے حسب وقت ہماری درخواست پر رسالۂ الناظر کو جاری فرما کر ایک بڑی مالی ذمہ داری اپنے سر لی ہے تو اُسوقت بھی اُن کا مطمح نظر کبھی

نہ تھا کہ اس رسالہ کو ذریعہ تجارت وجلب منفعت بنایا جائے اور نہ آج اس قسم کا کوئی خیال اُنکے دل مین ہے بلکہ ملک مین عام طور پر اور لکھنؤ مین خاص طور پر ایسے ایک رسالہ کی ضرورت تھی جو ہر قسم کے علمی و ادبی مضامین اعلےٰ پیمانہ پر شائع کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح کو بھی پیش نظر رکھے اور انھین امور کی بنا پر ہم نے الناظر کے اجرا کی خواہش ظاہر کی اور اُسکا سارا اہتمام اپنے ذمہ لیا اور ہمارے شفیق و بزرگ بھائی نے اُسکے متعلق مالی ذمہ داریون کا بار اُٹھانا گوارا کیا۔ ہمارا خیال تھا اور یہی آج تک ہمارا نصب العین ہے کہ جسقدر الناظر کی آمدنی مین وسعت ہوتی جائے اُسی کے اندازے سے اُسکو ترقی دیتے رہین اور جو لوگ اس قسم کے کامون کا تجربہ رکھتے ہین وہ ہمارے اس خیال کی پوری تصدیق کرسکین گے کہ الناظر یا اسی قبیل کے دوسرے رسائل کے لیے میدان ترقی کسقدر وسیع ہے۔

اب رہا یہ امر کہ ناظرین الناظر اور خصوصاً وہ علم دوست حضرات جو اُسکے قیام و بقا کو ضروری سمجھتے ہین وہ ہماری اعانت کن طریقون سے کرسکتے ہین۔ اگر کچھ لوگ یا کوئی علم دوست بزرگ اس بات پر آمادہ ہون کہ تمام مالی ذمہ داریان اپنے ذمہ لے کر حقوق ملکیت حاصل کرلین تو ہمین ہمارے مشورہ پر پروپرائٹر (مالک) رسالہ ہذا کو کچھ بھی عذر نہوگا۔ بشرطیکہ ہمارے مجوزہ اصولون پر اسکو قائم رکھنے اور ترقی دینے کا بھی ذمہ لے لیا جائے۔ لیکن اگر اس قسم کی ذمہ داریون سے ہمین سبکدوش کرنا منظور یا ممکن نہین تو سب سے بہتر صورت جو الناظر کو مدد دینے کی ہوسکتی ہے وہ یہ ہے کہ اُسکی اشاعت کے بڑھانے مین جملہ ناظرین و بہی خواہان الناظر متحدہ اور منفردہ طور پر کوشش فرمائین۔

ہم جانتے ہین اور اُسکے صاف صاف عرض کردینے مین باک نہین رکھتے کہ جتنے لوگون کی نظرون سے یہ تحریر گزرے گی اُن مین ایسے حضرات کی تعداد یقیناً زیادہ نہوگی جو ان معروضات کو قابل توجہ اور الناظر کو اس طرح مدد دینا اپنے ذمہ لازم قرار دین۔ پھر جو اور جتنے حضرات توجہ فرمانا مناسب جانین وہ اگر اس بات کا تہیہ کرلین کہ ان مین سے ہر شخص کم سے کم دس یا بیس نئے خریدار پیدا کردے یا اگر خود صاحب مقدرت و استطاعت ہو اور اس قسم کی کوشش کرنے مین اُسکی منزلت و حیثیت مانع ہو تو کم سے کم اسی قدر غیر مستطیع و نادار خریدارون کو اپنی طرف سے پرچہ خرید کردیدے تو الناظر کی تمام مشکلات رفع ہوسکتی ہین اور یقیناً آئندہ ترقی کے ساتھ اُسکے قائم رہنے کی قوی امید ہوگی۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔

منیجر صاحب الناظر کو ہدایت ہے کہ جو حضرات اس قسم کی اعانت فرمائین اُنکے اسمائے گرامی سے ہمین خاص طور پر مطلع کرتے رہین تاکہ ہم پرائیوٹ چٹھی کے ذریعہ سے اور نیز الناظر کے صفحات مین انکی اس توجہ و عنایت اور ذوق علمی کا شکریہ ادا کرسکین۔ اب دیکھیے کہ خدا کس کس کو اس آزمایش مین پورا اتارتا اور میدان عمل مین کامیاب ثابت کرتا ہے۔

سنہ ۱۹۰۹ء مین جب الناظر جاری کیا گیا ہے تو اُسوقت ہم سلسلۂ ملازمت مین منسلک تھے مگر الناظر کے چند ہی پرچے شائع ہوے تھے کہ اُسکی روز افزون ذمہ داریون نے ہمین ذاتی انتفاع و ترقی کے تمام خیالات کو خیرباد کہکر ہمہ تن الناظر کے لیے اپنی خدمات وقف کردینے کی غرض سے مستعفی ہوجانا پڑا۔ اور اُس کے بعد سے اس وقت تک سوا اُن

چند ماہ کے جبکہ غیر معمولی پریشانیون اور شدید علالت نے مجبوراً ہمین تمام کامون سے بالکل بے تعلق رکھا ہمارا بیشتر وقت و توجہ الناظر پر صرف ہوتی رہی لیکن ممکن نہ تھا کہ العالم متغیر کے ہمہ گیر کلیہ سے ہم متاثر نہوتے اسلیے تقریباً ساڑھے تین سال تک دفتر الناظر مین انہماک کے ساتھ مصروف رہنے کے بعد ایک نئے دور مین قدم رکھتے ہین - اتبک الناظر کے ذریعہ سے قوم کی محض علمی و ادبی خدمات کرتے رہے - اب دائرہ عمل زیادہ وسیع ہوگیا ہے یعنے ان خدمات کے علاوہ ایک ہفتہ وار اخبار کے ذریعہ سے قوم کی سیاسی اور تمدنی خدمات انجام دینے کا عزم کیا گیا ہے - چنانچہ اسی غرض کے لیے ہم بہار میں پٹنہ مین "مشیر بہار" کے اڈیٹر ہوکر چلے آئے ہین اور اگر توفیق ایزدی شامل حال رہی تو "مشیر بہار" کو بھی چند دنون کے بعد اخباری دنیا مین وہی اعتماد اور مرتبہ حاصل ہو جائے گا جو خدا کے فضل و کرم سے اسوقت رسالون کی دنیا مین الناظر کو حاصل ہے -

ہم نے اس سے قبل بھی شاید اس بات کو ظاہر کر دیا ہے ، اور اب بھی صاف صاف جتا دینا ضروری سمجھتے ہین کہ ہم مین بذات خود ایسی کوئی قابلیت نہین ہے کہ ہم علوم قدیمہ و جدیدہ کی مہارت کا زعم باطل یا انشا پردازی و سخن فہمی کا سودائے خام اپنے سر مین رکھتے ہون اور اس طرح الناظر کی کامیابی کو ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی رسائی طبع اور نکتہ سنجی کا رہین منت جانتے ہون - بلکہ اسکے بالکل برخلاف ابتدا سے ہم اپنی بے بضاعتی سے شرمندہ اور اپنی ہیچمیرزی کے معترف ہین اور جو تھوڑی بہت خدمت ہم کر سکے یا الناظر کو جو اعتبار و درجہ حاصل ہوا اُسکو اپنے خالق یکتا کے احسان عظیم کا ایک معمولی تماشہ اور اپنے خدائے بزرگ و برتر کے لطف عمیم کا ایک ادنی کرشمہ جانتے ہین اور اب بھی یہ یقین واثق ہے کہ ہمین ادائے فرض مین جو کامیابی و سرخروئی حاصل ہوگی وہ اُسی ذات بے ہمتا کے فضل و کرم کا نتیجہ ہوگی جو ہماری ذرۂ ہمیقدار سے بھی حقیر ہستی کو عدم سے وجود مین لائی اور ہمارے ہر قسم کے نشو و نما اور سرفرازی کی ہمیشہ کفیل رہی ہے - خداوند جل و علی کی بزرگی اور پاکیزگی کے ترانے سنانے اور اُسکی بے حد و نہایت عنایتون کا شکریہ ادا کرنے مین اگرچہ پوری طرح کامیاب نہین ہو سکتے لیکن ہمین اُسکی شان غفاری اور آن ستاری سے امید ہے کہ وہ اپنے رحم و کرم کے طفیل مین اور اپنے حبیب پاک صاحب لولاک حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقہ مین اپنے اس فرومایہ بندہ اور اپنے محبوب کے اس ادنےٰ ترین غلام کے ارادون مین صداقت - عمل مین دیانت اور مساعی کو درجہ قبولیت عطا فرمائے گا اور جو بار گران اس نحیف و زار جسم خاکی اور پر از معاصی و معائب زندگی نے محض اللہ کے بھروسہ پر اُٹھانے کا تہیہ کیا ہے اُس کے ایمانداری - استقلال اور کامیابی کے ساتھ متحمل ہونے کی قوت و ہمت عطا فرمائے گا - ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا - ربنا و لا تحمل علینا اصراً کما حملته علی الذین من قبلنا - ربنا و لا تحملنا ما لا طاقة لنا به - واعف عنا واغفر لنا وارحمنا - انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین -

ہماری عدم موجودگی مین انشاء اللہ الناظر بدستور لکھنؤ سے شایع ہوتا رہے گا - بظاہر یہ امر دشوار ہے بلکہ بعض حضرات

محال و ناممکن معلوم ہوتا ہے لیکن ہمین اپنے خدا کی ذات کے سوا نہ کسی خوش فکر و مستعد مہتمم کا بھروسا ہے اور نہ خود ذاتی توجہ و انہماک پر اعتماد پس اگر خدا کو منظور ہوگا کہ الناظر کے انتظام پر ہماری غیر موجودگی کا کوئی اثر نہ پڑے تو جو بندوبست اسوقت کر دیا گیا ہے یہ قائم رہے گا اور الناظر کی بر وقت اشاعت مین کوئی خلل واقع نہوگا۔ پھر بھی چونکہ ہم ایسے عالم مین ہین جہان اسباب کا مہیا کرنا اور نظم و نسق کی درستی کے لیے ہر قسم کی فکر اور جد و جہد کرنا ضروری ہے اسلیے خدا پر بھروسہ کر کے مناسب انتظام کرنے مین تا مقدور کوئی غفلت نہین کی گئی ہے جس کے نتائج کے لیے مستقبل کا انتظار کرنا چاہیے۔

ذاتی خیالات۔ ضروریات اور رجحانات کے لحاظ سے کسی قدر تقسیم عمل کے اصول پر کاربند ہونے کی حاجت عرصہ سے محسوس ہو رہی تھی اور اگر ہم مشیر بہار کی ذمہ داریون کو قبول کر کے یہان نہ آجاتے تب بھی اس وقت یا چند دنون بعد اس قسم کی تقسیم کار ضروری تھی۔ الناظر مین شروع سے نظم کا کچھ حصہ رکھا گیا تھا۔ اور اگرچہ ہمین طبعی طور پر ادب کے اس شعبہ سے چندان دلچسپی نہین اور نہ ہم اسکے متعلق کسی قسم کی خدمات ادا کرنے کی اہلیت و صلاحیت اپنے آپ مین رکھتے تھے تاہم محض احباب کے اصرار سے اور ایک کثیر طبقہ کے ذوق و شوق کو پورا کرنے کے لیے اس حصہ مین برابر اضافہ ہوتا رہا تا آنکہ بعض ہمارے ہم خیال کرم فرماؤن نے اس پر اظہار بیزاری بھی شروع کر دیا اور ایک دفعہ ہم اس بات کے لیے آمادہ بھی ہو گئے تھے کہ اس شعبہ کو اگر بالکل حذف نہ کر دین تو اس سے زیادہ نہ جائز رکھین جتنا دال مین نمک ہوتا ہے لیکن بحالت موجودہ ایسا کرنا نہ ہم مناسب جانتے ہین اور نہ فی الحال ہمارے نصب العین کو اس قطع و برید سے کوئی معتد بہ نفع پہونچنے کی امید ہے۔ اس لیے احباب کے مشورون اور ذاتی رجحانات و مذاق سے قطع نظر کر کے ہم نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ سردست اس بارہ مین کوئی تغیر نہ کیا جائے گا اور آگے چل کر جب اس حصہ کو الناظر کے اصل مجسم سے علحدہ کیا جائے تو اس وقت بھی ایک ضمیمہ یا جدا رسالہ کی صورت مین کچھ اوراق اس شعبہ کے لیے مخصوص رکھے جائین تاہم یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حصۂ نظم کی تربیت کے بارے ہم اپنے آپ کو سبکدوش کر لین چنانچہ آیندہ سے یہ کام الناظر کے مہتمم صاحب جال کے تفویض کر دیا گیا ہے اور جو حضرات اپنا کلام الناظر کے لیے ارسال فرمائین وہ بجائے اسکے کہ ہمارے پاس بھیجین منشی محمد حسین صاحب محوی سب اڈیٹر الناظر۔ لکھنؤ کے پتہ سے روانہ فرمائین اور یقین رکھین کہ ہمارے سب اڈیٹر صاحب جو خود بھی شاعر ہین اس کام کو ہمارے مقابلہ مین بدرجۂ احسن سر انجام دینگے اور بزم شاعری کے کرسی نشینون کو ہماری نافہمی اور بعید الطبعی کی وجہ سے جو کبھی کبھی شکایت کا موقع مل جاتا تھا آیندہ کے لیے خدا نے چاہا تو اس کا دروازہ ہمیشہ مسدود ہوگا الناظر کے متعلق ضروری مراسلت۔ اُس کی اشاعت کے انتظام۔ حساب و کتاب کی ذمہ داریون اور حصۂ نظم کی ترتیب سے ہم سبکدوش ہو جائین گے اور صرف حصۂ نثر کی ترتیب اور وقتاً فوقتاً ضروری ہدایات کا کام باقی رہ جائے گا جو ہم یہان سے انجام دیتے رہین گے۔ اور دفتر الناظر کی عام نگرانی ہمارے برادر محترم نے اپنے ذمہ لے لی ہے جس سے ایک گونہ سب کو اعتماد و اطمینان رہے گا۔

اس طرح حقیقتاً الناظر کچھ خسارہ مین نہین رہے گا یعنی پہلے اگر ایک شخص واحد کے دوش نحیف پر اُسکے تمام کامون کا بار رہتا تھا تو اب تین آدمی بقدر رسد سب شریک کار رہین گے جنمین سے ایک محوی صاحب تو ہمہ تن محو خدمت الناظر ہی رہین گے۔ وہ اگرچہ معاوضہ لیتے ہین مگر در اصل محض شوق خدمت مین اس بار گران کے متحمل ہوئے ہین اور چونکہ نہایت مستعد جفاکش اور معاملہ فہم آدمی ہین اس لیے یہ امید کرنا بے جا نہو گا کہ اُنکی محنت سے الناظر زیادہ ترقی پائے گا۔

آخر مین صرف اسقدر اور عرض کرنا ہے کہ اب تک الناظر ہمیشہ سے نہایت پابندی کے ساتھ شائع ہوتا رہا اور انشاء اللہ آیندہ بھی اسی پر عمل درامد ہوتا رہے گا۔ البتہ اس دفعہ ہمارے غیر معمولی طور پر پریشان رہنے اور نہایت تھوڑے وقفہ مین اہتمام سفر کرنے کی وجہ سے اگر دو چار روز کی تاخیر ہوجائے تو ناظرین ہمین معاف فرمائین کہ بحالت موجودہ یہ ناگزیر تھا۔

خاکسار ظفر الملک علوی ایڈیٹر الناظر۔ اشرف منزل پٹنہ۔

یاد رہے کہ

صرف مضامین کے مطلق ایڈیٹر سے اور باقی تمام امور کے متعلق منیجر الناظر لکھنؤ سے خط و کتابت کیجائے اور کوئی کتاب منگائیے تو منیجر الناظر بک ایجنسی لکھنا ضرور ہے تاکہ تعمیل ارشاد مین تاخیر نہ ہونے پائے اس گزارش کی پابندی براہ کرم اپنے اوپر لازم سمجھ لیجیے۔

پیم کہانی وارث جانی

یہ وہ نادر کتاب ہے جس کا شہرہ قبل از طبع شائقین علم موسیقی مین ہو چکا ہے۔ اس سے ہر مذہب اور ہر مذاق کا آدمی لطف اُٹھا سکتا ہے درویشون کے لیے تصوف بھرا ہے عاشقون کے واسطے حسن و عشق کا اچھا نقشہ ہے خوش آوازون اور زندہ دلون کے لیے اس سے بڑھکر اور کیا ہو کہ ہندی زبان ہے ٹھمریان بھی۔ اور بسنت وغیرہ اس سے بہتر گانے کے لیے اور کون سی چیز ہو سکتی ہے۔ اس کتاب کے مصنف حضرت سید شاہ امین صاحب قبلہ وارثی با خدا درویش ہین۔

یہ کتاب ذیل کے پتہ سے (عہ) کو مل سکتی ہے۔

حیدرآباد دکن عقب مسجد چوک مکان عبد اللطیف عطر فروش

نمونہ مفت — سفوف برق — نمونہ مفت

معدے و جگر کے تندرست اور اُنکے صحیح رہنے پر انسان کی تندرستی توانائی اور زندگی کا دار و مدار ہے۔ ورنہ معدہ کمزور ہونے سے بھوک کم لگتی ہے کچھ غذا کھائی جائے تو دیر مین ہضم ہوکے علاوہ درد شکم۔ اسہال نفخ۔ ریاح قبض۔ سینہ کی جلن وغیرہ تکلیف دینے والی شکایتین پیدا ہو جاتی ہین جگر ضعیف ہوگا تو معدے سے آئی ہوئی رقیق غذا کو بخوبی جذب کرنے کی صلاحیت نہ رکھے گا بدن مین رطوبت زیادہ اور خون کم پیدا ہوگا جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بدن زرد چہرہ بے رونق ہو جائیگا ضعف بڑھ جائے گا درد سر دل دھڑکنا کسی کام مین جی نہ لگنا سر گھومنا ہاتھ پیرون کا ٹوٹنا شروع ہوگا اور ایسا کمزور آدمی سنگرہنی ورم و درد معدہ بدہضمی بواسیری استسقا۔ سل۔ اسہال۔ تپ تلی۔ سنگ گردہ۔ دمہ گٹھیا کی بیماریون مین بہت جلد مبتلا ہو کر لب گور پہنچ جائیگا پس چاہیے کہ معدہ و جگر کی مندرجہ بالا بیماریون مین سفوف برق ہمیشہ استعمال کرین سفوف برق معدہ و جگر کی مندرجہ بالا بیماریون کو بہت جلد دور کر دینے مین اکسیر صفت ہے اور سفوف برق کے آزمانے والے نوابان و روسا و عظام و معززین کی رائے ہے کہ ہر گھر مین اسکی ایک شیشی رہنا نہایت ضرور ہے قیمت فی شیشی کلان ۱۲ خورد ۶ (ایک آنہ کا ٹکٹ بھیج کر نمونہ مفت طلب فرمائیے)۔

الشفا حکیم محمد محسن مالک کارخانہ معدن الشفا گیا

مندرجہ ذیل کتب منیجر الناظر بک ایجنسی فلاور ملز لکھنؤ سے طلب فرمائیے

آثار الصنادید۔ سرسید مرحوم کی نہایت
مشہور اور مستند تصنیف مع نقشہ جات
عمارات دہلی ۔ ۔ ۔ عہ
طلسم فرنگ یعنی عمل تنقیہ طبیں اور
انگریزوں کے عجائب شعبدوں کا بیان ۱۲
قیصر التواریخ۔ یعنی سلاطین اودھ کی
مبسوط و مکمل تاریخ ۔ ۔ ۔ عہ
اردو ترجمہ حیاۃ الحیوان۔ جانوروں
کیڑے مکوڑوں چرند پرند درندہ وغیرہ
تاریخی حالات دو جلد دفتین تین جلد عہ
ترجمہ تاریخ مصر یعنی مصری طرز
تمدن کا ہو بہو فوٹو ۔ عہ
ترجمہ منتخب التواریخ۔ ملا عبد القادر
بدایونی کی مشہور تصنیف [illegible]
[illegible]
متعلق نہایت [illegible]
سوانحعمری اورنگ زیب مصنفہ
محمد لطیف صاحب بی اے ۔ عہ
سوانحعمری اکبر۔ اکبر کے غیر معصبانہ
اور عادلانہ طرز حکومت کا بیان ۸ر
شاہجہان نامہ شاہجہان بادشاہ
کے دور حکومت کے مفصل کوائف ۲ر
مطلع العجائب۔ مترجمہ نواب
[illegible] تک باتصویر ۔ ۔ ۔ عہ
فسانہ برطانیہ انگلستان کی معاشرتی
اور سیاسی زندگی کی حالت تمت عہ
مصائب غدر۔ غدر کے مفصل
حالات ترجمہ مولوی نذیر احمد دہلوی ۸ر
معلم السیاست۔ انگلستان کے
مشہور فلسفی مسٹر مل کی کتاب
متعلق سیاست۔ مدن حسین دستوری
حکومت اور امور سیاسی پر عالمانہ اور
مفصل بحث کی گئی ہے ۔ ۔ ۔ عہ
اعمال نامہ روس یعنی روسیوں
کی تمدنی حالات اور معاشرتی کیفیات
اور سیاسی تغیرات کا صحیح نقشہ ۸ر
طلسم فرنگ۔ انگریزوں کے عجیب
شعبدوں کا بیان ۔ ۔ ۔ ۱۲ر
عقل و شعور۔ لڑکوں، لڑکیوں
مردوں، عورتوں کی تعلیم کے لیے عجیب
افسانہ کے پیرایہ میں نصائح حکیمانہ و فلسفیانہ
بغیر ختم کیے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا عہ
اردوئے معلی یعنی حضرت غالب کے
رقعات نثر طرز تحریر کے بہترین نمونے عہ
عود ہندی۔ بطرح صدر ۸ر
لٹریری لٹر معروف بہ نگارنامہ انگریزی
طرز پر اردو میں قواعد خطوط نویسی ۶ر
دبدبۂ امیری یعنی سوانحعمری امیر
عبدالرحمن خان امیر کابل ۔ عہ
آئین اکبری علامہ ابو الفضل کی
ضخیم تصنیف جس میں اکبر کی ذاتی خوبیاں
اور ان کے حالات و سوانح عمری درج ہیں
فارسی ۔ ۔ ۔ ۔ للعہ
خطوط منشی امیر احمد۔ جس میں حضرت
امیر کی سوانح اور ان کے کلام پر ریویو اور
موازنہ امیر و داغ بھی شامل ہیں۔ عہ
میزان سخن یعنی معرفت العروض ۸ر
حدائق النثر۔ قدیم طرز کی انشا پردازی
کا معلم اور مکتب ثانوی کی زینت ۸ر

حکیم محمد علی کی لاجواب تصنیفات

عبرت جات رستم دریا کا لطیف قصہ
بہترین ناول مکمل تین حصہ ۔ ۔ ۔
اختر و حسینہ۔ عورتوں کی تعلیم
کس قدر ضروری ہے۔ عمدہ پیرایہ میں
نتائج تعلیم۔ دو حصے ۔ ۔ ۔ عہ
جعفر و عباسہ۔ ہارون رشید کے
زمانہ کا قصہ پردہ نہ کرنے کے
برے نتائج ۔ ۔ ۔ ۔ ۸ر
نیل کا سانپ۔ ملکہ حسن کلوپیٹرا
کی پر درد داستان کلیجہ تھام لوگے
جب سنو گے ۔ ۔ ۔ ۔ عہ
حسن سرور۔ بیٹے بیٹیاں جانے کے
نقصانات لطیف طرز ادا کے ساتھ
مکمل تین حصے ۔ ۔ ۔
گور مشاہیر حسین۔ [illegible] کی
ضرورت بہترین ناول کے طرز پر عہ
مسیحائے عالم ۔ ۔ ۔ ۸ر
اہرام مصر ۔ ۔ ۔ ۔ ۲ر
دیول دیوی۔ اسلام کے ایک جاہل
فاتح علاؤ الدین سکندر ثانی کا طرز
حکومت و حسن انتظام وغیرہ عہ

مولانا آزاد دہلوی مرحوم کی تصنیفات

دربار اکبری ۔ ۔ ۔ ۔ ہے
سخندان فارس۔ شعرائے فارسی کا
جامع و مفصل تذکرہ ۔ ۔ ۔ عہ
آب حیات مستند شعرائے اردو کا
تذکرہ تعریف سے بالاتر ۔ ۔ ۔ عہ
دیوان ذوق۔ مرتبہ آزاد مع مقدمہ
و سوانحعمری ذوق ۔ ۔ ۔ ۔ عہ
نظم آزاد۔ کل نظموں کا مجموعہ ۸ر
نیرنگ خیال۔ استعارہ کے لطیف
مضامین ۔ ۔ ۔ ۔ ۷ر
قند فارسی۔ ایران کی مروجہ
حال زبان ۔ ۔ ۔ ۔ ۸ر
نصیحت کا کرن پھول ۔ ۔ عہ
مکتوبات آزاد ۔ ۔ ۔ ۶ر
بیاض عشاق۔ زوجۂ آخری شاہ
اودھ کا دیوان فصاحت کی جان ہے
دفتر شنگرف۔ دہلی کے مشہور [illegible]
شاعر تسیم دہلوی کا پورا دیوان ۔ ۱۲ر

الناظر جلد ۸

۸۹۱ ک ۳۰۵

نمبر ۵۴ جلد ۸

جنوری ۱۹۱۴ء

الناظر

۱۰۶ ع

۱۵ [illegible]

11/78 ۵۱/۱۲/۱۸

syeda Jaffar

D(2)

کتب خانہ جامعہ عثمانیہ

۱۔ اراکین مجلس اعلیٰ [illegible]

۲۔ اساتذہ جامعہ عثمانیہ [illegible]

۳۔ طلباء [illegible]

۴۔ مدت [illegible]

۵۔ [illegible]

۶۔ [illegible]

۷۔ کتابوں پر کسی قسم کا نشان [illegible]

۸۔ قلمی نسخے [illegible]